Jan.
1990



الرشاد



مجیب اللہ ندوی

دار التالیف و ترجمہ کی تصانیف

عبادت و خدمت

مرتبہ حافظ مولانا [illegible] صاحب [illegible]

اس رسالہ میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلام میں عبادت کا مفہوم بہت وسیع ہے [illegible] خدمت بھی عبادت ہے اور اس پر اسی طرح اجر و ثواب ملتا ہے جس طرح فرض عبادت پر [illegible] خدمت کے اہتمام کے ساتھ [illegible] مسلمانوں کی خدمت کا جذبہ بھی پیدا ہو جائے تو نفرت اور عداوت کے بہت سے [illegible] ہٹ جائیں گے۔ اور اسلام سے عام انسانوں کے [illegible] پیدا ہو جائے گی۔ سائز ۲۳×۱۸، صفحات [illegible]، قیمت [illegible]

دینی مدارس اور ان کی ذمہ داریاں

[illegible] مولانا [illegible] صاحب [illegible] کی ان تقریروں اور تحریروں کا مجموعہ ہے جو طلبہ و اساتذہ، منتظمین [illegible] کے سامنے کی گئی تقریریں اور تحریریں دو وہ [illegible] میں [illegible] ہیں، ان میں بعض تقریروں کو [illegible] مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ نے اپنے تاثرات [illegible] الفرقان میں شائع فرمایا اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب مدظلہ العالی نے ایک مجمع میں پڑھوا کر سنوایا کہ اسے ہر استاذ اور طالب علم کو پڑھنا چاہیے۔ سائز ۱۸×۲۳۔ صفحات [illegible]، قیمت [illegible]

اسلامی تعلیم

حصہ اول، دوم، سوم، چہارم

بچوں کو اسلامی مسائل ذہن نشین کرانے کے لئے اردو زبان میں [illegible] رسالے لکھے گئے ہیں مگر اس رسالہ [illegible] مسائل ایسے آسان طریقہ سے سمجھایا گیا ہے کہ بچے اسے کہانیوں کی کتاب کی طرح [illegible] اور شوق سے پڑھتے ہیں [illegible] مسائل [illegible] ہیں۔ سائز [illegible] قیمت حصہ اول [illegible]، دوم [illegible]، سوم [illegible]، چہارم [illegible]

تاریخ تابعین حصہ اول

مرتبہ [illegible] صاحب [illegible]

کتاب میں [illegible] تابعین کا مفصل [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] شائع ہوا تھا

اہل کتاب صحابہ و تابعین

[illegible]

جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کا ترجمان

ماہنامہ

الرشاد

سالانہ چندہ: ہندوستان سے ۳۶/- خصوصی معاون ۱۰۰/- قیمت فی پرچہ ۳/۰۰

سالانہ چندہ: غیر ممالک سے: ۱۵ ڈالر امریکی [illegible]

جلد ۱۸ / جنوری ۱۹۹۰ء مطابق جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ / شمارہ ۲۱

فہرست مضامین:

مجلس ادارت

مجیب اللہ ندوی (مرتب)

● [illegible] صدیقی ندوی، مہتمم [illegible] ● ڈاکٹر مشیر الحق وائس چانسلر کشمیر یونیورسٹی

[illegible] کاتب: ابو الحسنات، خورشید احمد اعظمی [illegible]

[illegible]

رشحات

الکشن کا ہنگامہ ختم ہوگیا اور مرکز میں جنتا دل کی حکومت قائم ہوگئی، اس الکشن میں مجموعی حیثیت سے مسلمانوں کا ووٹ کانگریس کے خلاف گیا جس کی بنیاد پر کانگریس کو شکست ہوئی اور جنتا دل کو کامیابی ہوئی، معلوم نہیں کہ کانگریس کو اپنی شکست اور جنتا دل کو اپنی کامیابی میں اس بات کا احساس ہوا یا نہیں

اندرا گاندھی نے ۱۹۷۷ء کے بعد ہی سے ہندو کارڈ کھیلنا شروع کر دیا تھا لیکن کچھ سیاسی پردہ ڈال کر، مگر ادھر پانچ برس کے اندر راجیو سرکار نے جس ننگی ہندو احیا پرستی کا مظاہرہ کیا وہ اس سے پہلے ان کی ماں اور ان کے نانا کے دور میں نہیں ہوا تھا، اس کا سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا، جب ۱۹۸۵ء میں سیتا مڑھی (بہار) سے رتھ یاترائیں نکلنا شروع ہوئیں، اسی کے نتیجہ میں یوپی میں ویر بہادر سنگھ نے مرکزی حکومت کے مشورے سے بابری مسجد کا تالا غلط طریقے سے کھلوا کر اسے بتخانہ بنانے کی کوشش کی، چونکہ اس کی وجہ سے عام طور پر مسلمان کانگریس سے ناراض تھا اس لیے ہندوؤں کو زیادہ سے زیادہ خوش کرنے کے لیے حکومت نے اپنی سرپرستی میں پورے ہندوستان میں شیلا پوجاؤں کا سلسلہ شروع کروایا، اور عین الکشن کے ہنگامہ میں شیلانیاس کے پروگرام کو اپنی نگرانی میں پورا کرایا، اور پھر آخر میں راجیو گاندھی نے اپنے الکشن کا آغاز اجودھیا سے رام راج کے قیام کے اعلان سے کیا، اس سے پہلے رتھ یاتراؤں اور شیلا پوجاؤں کے ساتھ رامائن سیریل اور مہابھارت سیریل چلایا گیا اور گنگا کی صفائی کا کام جو ایک سماجی کام تھا اس سے بھی سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی۔

غرض یہ کہ [illegible] ہندو احیا پرستی کی تمام صورتیں [illegible] اختیار کی گئیں کہ اس سے زیادہ فائدہ اٹھا کر دوبارہ اقتدار حاصل کر لیا جائے مگر یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا [illegible]

[illegible]

بہار کے مختلف شہروں میں اور خاص طور پر ضلع بھاگلپور میں جو آغاز بدست فساد ہوا، وہ بھی راجیو سرکار اور ستیندر سنگھ چیف منسٹر بہار کی فرقہ پرستانہ پالیسی کی وجہ سے ہوا، ہندوستان کی تاریخ کا یہ نہ بھلائے جانے والا واقعہ ہے کہ جانبداری کی شکایت کی بنا پر بھاگلپور کے ڈی۔ ایم اور ایس۔ پی کا صوبہ کی سرکار ۲۴ر اکتوبر کو تبادلہ کر دیتی ہے، اور ہندوستان کا پرائم منسٹر ۲۶ر اکتوبر کو پولیس اور فرقہ پرستوں کے دباؤ سے ان کا تبادلہ روک دیتا ہے، جس کے نتیجے میں فساد پورے بھاگلپور ضلع میں پھیل جاتا ہے اور ڈی۔ ایم اور ایس۔ پی فرقہ پرستوں اور جرائم پیشہ افراد کو کھل کر مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے کی اجازت دے دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں شہر کے کئی محلے اور مسلمانوں کے سیکڑوں گاؤں کھنڈر بنا دیے گئے، ۲۵ مسجدیں برباد کر دی گئیں اور تقریباً آٹھ سو سے زیادہ مسلمان شہید کیے گئے اور پچاسوں اب تک لاپتہ ہیں، بھاگلپور کے زبردست فساد میں دوسرے شہروں اور قصبوں کے فسادات کے واقعات دب گئے، ورنہ سیتامڑھی، سہسرام اور مونگیر میں بھی کم نقصان نہیں ہوا، اب جگن ناتھ مشرا کی حکومت اس کی کچھ تلافی کی کوشش کر رہی ہے، لیکن بہار کے مسلمانوں کی ان فسادات کے ذریعہ نسل کشی کی جو کوشش کی گئی اس کو وہ شاید آسانی سے نہ بھلا سکیں اور بھلا بیٹھے تو ہماری بدنصیبی ہوگی

مرکز میں اور یو۔ پی میں کانگریس کی حکومت ختم ہوگئی، اور بی۔ جے۔ پی اور سی۔ پی۔ ایم اور سی۔ پی۔ آئی کی حمایت سے جنتا دل کی حکومت مرکز میں قائم ہوگئی، اول الذکر دونوں جماعتوں نے اپنے کو وزارت سے دور رکھا ہے، مگر دونوں جماعتوں نے متضاد نظریات رکھتے ہوئے بھی اپنی سیاسی مصلحت کے تحت جنتا دل کی اقلیتی حکومت کی حمایت جاری رکھی ہے، جس کی وجہ سے وشنو پرتاپ سنگھ کی حکومت کو اعتماد کا ووٹ مل گیا ہے، نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ حالات کیا رخ اختیار کریں گے، مگر بظاہر مضبوط ارادوں کے ساتھ مرکزی حکومت پچھلے بگڑے ہوئے سیاسی و معاشی حالات میں تبدیلی لانے کی کوشش کر رہی ہے، وشنو پرتاپ سنگھ کے اب تک کے بیانات بھی [illegible] دے رہے ہیں، مگر کیبنٹ میں عارف محمد خان اور ارون نہرو کی شرکت [illegible] بہت سے خدشات پیدا کر رہی ہے، یہ یاد رہے کہ عارف محمد خان [illegible] اور عبد الحمید دلوائی کی روایت کو زندہ کرنے کی کوشش کی ہے

ادھر مرکزی حکومت نے سکریٹریوں میں جو تبدیلی کی ہے اس میں کسی ایک مسلمان کا بھی نام نہیں آیا ہے، اس سے حکومت پر بھارتیہ جنتا پارٹی کے دباؤ کا شبہ ہوتا ہے، دیکھیے آئندہ یہ لے کتنی بڑھتی ہے۔

اقلیتی کمیشن کے ذریعہ اب تک کوئی مفید کام انجام نہیں پایا لیکن پھر بھی اس کا قیام اس لیے عمل میں آیا تھا کہ وہ اقلیتوں اور خاص طور پر مسلمانوں کے مسائل حکومت کے سامنے پیش کرکے اسے حل کرانے کی کوشش کرے گا، راقم الحروف نے اس سے پہلے لکھا تھا کہ اس کو شورہ کی باڈی نہ بنا کر کیبنٹ کی وزارتی حیثیت دی جائے، اور اس کا الگ ڈائرکٹریٹ بنایا جائے، مگر یو۔ پی۔ کے موجودہ چیف منسٹر ملائم سنگھ یادو اس کی موجودہ حیثیت بھی باقی رکھنا شاید پسند نہیں کرتے ہیں، اخبارات سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اس کی حیثیت کو اور بھی زیادہ بے وزن بنا دیا ہے، اس سلسلے میں بھی یہ قوی شبہ ہوتا ہے کہ بی۔ جے۔ پی جس نے اپنے منشور میں اقلیتی کمیشن کے ختم کرنے کا جو اعلان کیا ہے اس اقدام سے اس کی تکمیل تو نہیں کی جارہی ہے؟

ان حالات میں مسلمانوں کو غور کرنا ہے کہ ۴۲ برس کے تجربے کے بعد بھی کیا وہ سیکولر کہلانے والی جماعتوں کے ذریعہ حالات کے بدلنے اور سازگار ہونے کا انتظار کرتے رہیں گے؟ یا ان کو خود بھی کوئی مثبت قدم اٹھانا چاہیے؟ راقم الحروف کے خیال میں ہمارے لیے یہ بہترین موقع ہے جس میں ہم اپنی منتشر طاقت کو جمع کر سکتے ہیں، اگر ہم نے ایسا کر لیا تو یہ ایک ایسا تاریخ ساز کارنامہ ہوگا کہ جس سے ہم کو اور ہماری آئندہ نسل کو بہت دنوں تک عزت و وقار کی زندگی گذارنے کا موقع مل جائے گا، ایس۔ آئی۔ ایم کے پیچھے "انکار ملی" کا جو بیان شائع ہوا ہے اس سے کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ پہلے درجے کے ... [illegible]

نہ صرف نیک فال ثابت ہوگی بلکہ اس سے ان کا بھی وقار بلند ہو جائے گا، راقم الحروف نے اوپر جو یہ عرض کیا ہے کہ اپنی سیاسی وحدت قائم کرنے کا یہ بہترین موقع ہے تو اس کے وجوہ یہ ہیں۔

(۱) اس الیکشن میں مسلمانوں نے اپنے سیاسی انتشار کے باوجود سیاسی بازی گروں کو یہ محسوس کرا دیا ہے کہ ان کے ووٹ بھی ہندوستان میں ایک سیاسی طاقت رکھتے ہیں، مگر ہمارا یہ دل منفی رہا ہے، اگر ہمارے اندر کوئی سیاسی وحدت قائم ہو جاتی اور ۸۰ فیصد بھی ہم اپنے ووٹوں کو مجتمع کر پاتے تو ہم کو اپنے مسائل کے حل کے لیے مختلف جماعتوں اور ان کے سربراہوں کے سامنے اپنی پیشانی ٹیکنی نہ پڑتی، اور نہ در در کی دریوزہ گری کرنی پڑتی، بلکہ خود حکمراں طبقہ ہمارا وکیل بن جاتا، [illegible] لوگوں کا نہ کوئی مستقل مذہب ہے اور نہ نظریہ، ان کا صرف ایک مذہب اور نظریہ یہ ہے کہ ان کو یہ اقتدار کی کرسی کس طرح حاصل ہو جائے۔

(۲) اس وقت مرکز میں ایک اقلیتی حکومت ہے، یہ صحیح ہے کہ اس کا اہم بازو بی۔ جے۔ پی ہے، لیکن سی۔ پی۔ ایم اور سی۔ پی۔ آئی کی طاقت بھی کم نہیں ہے، اس لیے امید ہے کہ وہ کوئی ایسا غلط اقدام نہیں کرے گی، جس سے مسلمان ناخوش ہوں، اس صورت حال سے ہم کو مثبت فائدہ اٹھانے کا موقع ہے۔

(۳) تیسری طرف ہندوستان میں ایک نئی طاقت بہوجن سماج کی ابھر رہی ہے، اگر مسلمان بھی اپنی علاحدہ سیاسی وحدت بنا لیتے تو ممکن ہے یہ دونوں عنصر مل کر ایک بڑی طاقت بن جاتے، جو مسلمان انفرادی طور پر بہوجن سماج کا ساتھ دے رہے ہیں وہ اسی غلطی کو دہرا رہے ہیں جو اب تک ہم ۴۲ برس سے کرتے آرہے ہیں، اگر ان حالات سے ہم نے فائدہ اٹھا کر اپنی الگ کوئی موثر سیاسی وحدت قائم نہ کی تو پھر ہم سیاسی انتشار کا اس سے زیادہ شکار ہوں گے جتنا کہ اب تک ہوتے آئے ہیں۔

کاش ہمارے راہنما اس بات کو محسوس کرتے کہ موجودہ ہندوستان میں دن بدن ہم بے وزن ہوتے جا رہے ہیں، اور نوجوانوں کا ایک بڑا طبقہ اس کسک کو بڑی شدت سے محسوس کر رہا ہے، [illegible] ان کے جذبات سے کوئی [illegible] فائدہ نہ اٹھایا تو ان کے یہ جذبات ان کو کسی غلط رخ پر [illegible]

بحثادل حکومت کے وزیر داخلہ نے لوک سبھا میں جو بیان دیا ہے کہ "شیلانیاس "متنازعہ زمین پر نہیں رکھا گیا ہے، اس پر بابری مسجد ایکشن کمیٹی کے کنوینر جناب ظفریاب جیلانی صاحب نے سخت ردعمل کا اظہار کیا، انھوں نے اپنے بیان میں کہا کہ وزیر داخلہ حکومت ہند مسٹر مفتی محمد سعید کا وہ مبینہ بیان جو انھوں نے ۲۸ دسمبر ۱۹۸۹ء کو لوک سبھا میں دیا، اور جس میں انھوں نے کہا کہ "اجودھیا رام مندر کے شیلانیاس کی جگہ ہائی کورٹ کے وضاحتی حکم مجریہ ۷ نومبر ۱۹۸۹ء کے سیاق میں متنازعہ نہیں ہے" بالکل غلط اور جھوٹ ہے، بظاہر یہ لگتا ہے کہ وزیر داخلہ کو ان کی وزارت کے افسران اور حکومت اترپردیش کے افسران اور فیض آباد کے انتظامیہ کے افسران نے گمراہ کیا ہے، اور انھوں نے ایوان لوک سبھا کو غلط اطلاع دی ہے، ہم اتنے حساس معاملہ میں وزیر داخلہ کے ایک روایتی رویہ اختیار کرنے پر سخت اعتراض کرتے ہیں، خاص طور پر اس لیے بھی کہ وہاں ان کی پارٹی کے دوسرے لیڈر الیکشن سے قبل اس سے مختلف انداز کی باتیں کر رہے تھے، ہم وزیر داخلہ کے بیان کی سختی سے مذمت کرتے ہیں اور وزیر اعظم مسٹر وشوناتھ پرتاپ سنگھ پر زور دیتے ہیں کہ وہ مسٹر مفتی محمد سعید کو ہدایت کریں کہ وہ مستقبل میں ایسے اہم اور حساس معاملہ پر غیر ذمہ دارانہ بیانات نہ دیں اور اپنی وزارت کے ایسے افسران پر بھروسہ نہ کریں جو شیلانیاس کی اس پوری سازش کا جزو اور حصہ رہے ہیں، جو سابق وزیر داخلہ مسٹر بوٹا سنگھ نے کی تھی، خاص طور سے اس لیے کہ معاملہ عدالت کے سامنے ہے، اور ہائی کورٹ کے سامنے توہین عدالت کی ایک درخواست پیش ہے۔

ہم اس بات کو دہراتے ہیں کہ شیلانیاس متنازعہ اراضی کے ایک حصہ پر کیا گیا تھا، جو یقینی طور پر پلاٹ نمبر ۵۸۶ کا حصہ ہے، اور جو مقدمہ نمبر ۱۲ (سنہ ۱۹۶۱ء) میں ۲۳ متنازعہ پلاٹوں میں سے ایک پلاٹ ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ کمیونزم کے سب سے بڑے مرکز روس میں اس کے پھیلائے ہوئے جال کا ایک ایک تار و پود بکھر رہا ہے، جو اس نے دو تہائی صدی پہلے روس میں بچھایا تھا [illegible]
[illegible]

کھو بیٹھا اور ایک ایک کرکے کئی ملک اس کی گرفت سے آزاد ہو گئے، یا آزاد ہونے کی جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں، اس وقت ہنگری کا تازہ انقلاب اس کی سب سے نمایاں مثال ہے۔

یہ انقلاب ایک دن میں نہیں آیا بلکہ اس کی چنگاری بہت پہلے سے ذہنوں میں سلگ رہی تھیں لیکن افغانستان پر روس کے جارحانہ حملے نے اس میں نہ صرف تیزی پیدا کر دی بلکہ کمیونزم کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔

برطانیہ کے زوال کے بعد نصف صدی سے موجودہ دنیا کو روس اور امریکہ نے بانٹ رکھا ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

روس کے اثرات تو شاید اب زیادہ دنوں باقی نہ رہ سکیں، لیکن پُرامن دنیا کے لیے ابھی ایک دوسرا دشمن موجود ہے، وہ ہے امریکہ، اور اس کے حلیف ممالک۔ یوں تو ان کی ریشہ دوانیاں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں، مگر ان کا سب سے زیادہ شکار مشرق وسطیٰ کے عرب اور مسلمان ممالک ہیں، اسرائیل کی پشت پناہی کرکے وہ عرب اور مسلمان ملکوں کو جو نقصان پہونچا رہا ہے وہ اس کی پالیسی سمجھنے کے لیے کافی ہے، لیکن افغانستان نے روس کی فوج کے ہٹنے کے بعد سے مجاہدین کے سلسلے میں جو پالیسی اپنا رکھا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ افغانستان سے روس کے اثرات کو تو ضرور زائل کرنا چاہتا ہے، مگر وہاں وہ اسلامی اثرات کو پنپنے کا موقع نہیں دینا چاہتا، اور اس میں ہندوستان کی سابق حکومت کی پالیسی بھی روس کے تابع رہی ہے، جو ایک افسوسناک اور مسلمانوں کے لیے قابل غور بات ہے۔

عموماً ہم روس کو اسلام کے لیے پہلے درجہ کا دشمن سمجھتے ہیں اور امریکہ کو دوسرے درجہ کا لیکن ان میں فرق کرنا مشکل ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کا اول درجہ کا دشمن کون ہے، اور کون دوسرے درجہ کا دشمن ہے ...؟

العدول بحكم المسئلة	اس کے نظائر سے قطع نظر کرکے کسی
عن نظائرها لدليل الشرعي	دلیل شرعی کی بنا پر دوسرا حکم لگایا جائے
وهو مذهب احمد	امام احمد ابن حنبل کی یہی رائے ہے۔

غرض یہ کہ استحسان کی حجیت پر ائمہ ثلاثہ متفق ہیں۔ جو کچھ اختلاف ہے وہ تعبیر کا البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بعض غلط فہمیوں کی بنا پر کتاب الام ج ۷ میں اور الرسالہ میں اس پر سخت تنقید کی ہے ان کو سب سے زیادہ اعتراض لفظ استحسان پر ہے یعنی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے ذریعہ اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ فقیہ جس چیز کو اپنی خواہش کے مطابق اچھا سمجھے اس کے مطابق فیصلہ کردے چنانچہ کتاب الام اور الرسالہ میں لکھتے ہیں۔

من استحسن فقد	یعنی جس نے استحسان سے کام لیا
شرع۔	گویا اس نے اپنی مرضی سے شرعی حکم لگایا۔

الرسالہ میں انہوں نے اس پر طویل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ؎

خبر و قیاس کے بغیر کوئی بات کہنا جائز نہیں کتاب و سنت دونوں میں اجتہاد کا حکم ہے اور اجتہاد نام کسی نئے حکم کو معلوم کرنے کا اور اس نئے حکم کی طلب کے لئے دلائل کی ضرورت ہوگی اور اُسی کا نام قیاس ہے حلال و حرام میں تکلف اور استحسان سے کوئی بات کہنا صحیح نہیں ہے و انما الاستحسان تلذذ استحسان خواہش نفس کا نام ہے۔

الرسالہ ص۵۰۷ (تحقیق احمد شاکر)

لیکن اوپر استحسان کی جو تعریفیں نقل کی گئی ہیں اس سے پورے طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ استحسان خواہش نفس تباع کا نام نہیں ہے بلکہ وہ قیاس ہی کی ایک باریک قسم ہے اس کی مزید توضیح علماء احناف کے درج ذیل اقوال سے بھی ہو جائے گی۔

امام بزدوی لکھتے ہیں۔

انما الاستحسان عندنا	ہمارے نزدیک استحسان بھی دو قیاسوں میں
احد القیاسین (بزدوی ج ص۱۲۳)	ایک قیاس ہے۔

اصول بزدوی کے شارح عبد العزیز البخاری اس کی مزید توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ولما صارت العلة فاعلة	ہمارے (احناف) کے نزدیک علت اپنے نتیجہ
باثرها سمینا الذی ضعف	اور اثر کے اعتبار سے علت ہے تو جس علت
اثرها قیاسًا و سمینا الذی	کا اثر کمزور ہوتا ہے اس کو ہم قیاس کہتے
قوی اثرها استحسانًا وقد	ہیں اور جس کا اثر قوی ہوتا ہے اس کو ہم
منا الثانی علی الاول وان کان	استحسان کہتے ہیں تو اس وجہ سے ہم استحسان
جلیًا لان العبرة لقوة	کو مقدم رکھتے ہیں گو قیاس ظاہر ہوتا ہے
الاثر دون الظهور	مگر اعتبار اثر کے قوی ہونے کا ہے نہ کہ
(کشف الاسرار ج ، ص۱۲۳)	اس کے ظاہر کا

امام سرخسیؒ نے بھی مبسوط میں اور اپنی اصول فقہ میں اس کی تفصیل کی ہے ایک جگہ لکھتے ہیں :-

الاستحسان فی الحقیقة	استحسان حقیقت میں دو قیاس میں سے ایک
قیاسان احدهما جلی	قیاس ہے ان میں ایک بالکل ظاہر ہوتا ہے مگر
ضعیف الاثر یسمی قیاسا والآخر	اس کا اثر (نتیجہ) کمزور ہوتا ہے اسے قیاس کہا جاتا ہے
خفی قوی الاثر تسمی استحسانًا	اور دوسرا پوشیدہ ہوتا ہے مگر اس کا اثر (نتیجہ) زیادہ
ای قیاسًا مستحسنًا فالترجیح	قوی ہوتا ہے اسے استحسان کہا جاتا ہے اسلئے کہ
بالاثر لا بالخفاء والوضوح	ترجیح اثر کی بنا پر ہوتی ہے پوشیدہ و ظاہر کی بنا پر
(مبسوط ج ۱۰ ص۱۴۵)	نہیں ہوتی۔

اوپر کی تفصیلات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ استحسان قیاس سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ وہ قیاس ہی کی ایک خفی صورت ہے استحسان قیاسی کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب قیاس ظاہر سے کوئی عسر (تنگی) کی صورت پیدا ہونے لگے۔ تو استحسان کے ذریعہ یسر (آسانی) کی صورت پیدا کی

فقہائے احناف عموماً استحسان کی چار قسمیں کرتے ہیں مگر علت اور سبب کی بنا پر کسی استحسانی مسئلے کو اس کے نظائر سے کاٹ دیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں۔ استحسان قیاسی اور استحسان ضرورت یعنی کبھی قیاس ظاہر کے ذریعے جب تنگی پیدا ہوتی ہے یا کوئی حق تلفی ہوتی ہے تو قیاس ظاہر کے بجائے قیاس خفی یعنی استحسان سے کام لیا جاتا ہے تاکہ آدمی تنگی اور حق تلفی سے بچ جائے اور انسان کی ضرورت شدیدہ قیاس ظاہر سے عدول کرنے پر مجبور کرتی ہے اب ان میں سے ہر ایک کی الگ الگ مثال دیکر ہم وضاحت کرنے کی کوشش کریں گے۔

استحسان قیاسی اور اس کی مثالیں

استحسان قیاسی کی چند مثالیں یہ ہیں۔

(۱) وہ قرض جو دو یا اس سے زیادہ آدمیوں کے درمیان مشترک ہو ان میں سے کوئی ایک قرض خواہ قرض دار سے اپنے حصے کے بقدر رقم وصول کرے تو وہ رقم اس کی تنہا نہیں ہو سکتی بلکہ دوسرے شرکاء کو بھی حق ہوگا کہ وہ وصول کرنے والے سے وصول شدہ رقم میں اپنے قرض کی مقدار کے بقدر رقم طلب کریں اب اگر جو رقم پہلے شریک نے وصول کی ہے وہ دوسرے شریک کا حصہ دینے سے پہلے ضائع ہو جائے تو قیاس ظاہر کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ رقم دونوں کے حساب میں محسوب کی جائے کیوں کہ جب حصہ پانے میں دونوں شریک ہیں تو نقصان میں بھی دونوں کو شریک ہونا چاہئے لیکن استحسان کے اعتبار سے وہ رقم صرف اس شریک کے حساب میں محسوب ہوگی جس نے وصول کر کے ضائع کیا ہے اور جو رقم ابھی وصول نہیں ہوئی ہے وہ دوسرے شریک کی ہوگی۔ کیونکہ اس نے وصول کرنے میں حقیقتاً کوئی حصہ نہیں لیا تھا اس لئے اس پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے اس کو حق ہے کہ وہ مقروض سے اپنے حصے کا قرض طلب کرے اور جو رقم ضائع ہو گئی ہے وہ وصول کرنے والے کے ذمہ ڈال دے۔

(۲) فقہ کا ایک مسلمہ قاعدہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ذات کے [illegible] کسی دوسرے کے بارے میں اس کا اقرار اس کو اس کا پابند [illegible] میرا بھائی اتنے کے مقروض ہیں [illegible] کا بھائی اس سے انکار [illegible]

پھر یہ مسئلہ قیاس کیا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی غیر موجود قرض خواہ کے بارے میں یہ کہے کہ اس نے مجھے اپنا قرض وصول کرنے کا وکیل یعنی ذمہ دار بنایا ہے اور مقروض بھی اس کی وکالت تسلیم کرلے تو اب اس اقرار کی وجہ سے مقروض کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اس وکیل کو قرض ادا کردے اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کے پاس کوئی چیز یا رقم امانت رکھ کر کہیں چلا جائے اور اس کی غیر موجودگی میں کوئی شخص یہ دعوی کرے کہ اس نے مجھے اپنی امانت واپس لینے کے لئے وکیل بنایا ہے اور وہ ودیع جس کے یہاں امانت ہے وہ اس کی وکالت کو مان لے تو قیاس ظاہر کا تقاضہ تو ہے کہ جس طرح قرض والے مسئلہ میں مقروض کو قرض کی رقم ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس میں بھی دیا جائے لیکن استحسان یعنی قیاس خفی کا تقاضہ یہ ہے کہ اگرچہ ودیع نے اقرار کرلیا ہے مگر اس کو امانت وکیل کے حوالے کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا اس لئے اس کا احتمال ہے کہ صاحب امانت آجائے اور اس کی وکالت تسلیم کرنے سے انکار کردے تو اس وقت امانت تو اس کے ہاتھ سے نکل چکی ہوگی اور بسا اوقات اس کی واپسی کا امکان بھی نہیں ہوتا حالانکہ بعینہ اس امانت کا پانا اس کا حق ہے (کیونکہ امانت اسی لئے رکھی جاتی ہے کہ اسی صورت میں واپس ملے۔

اس کے برخلاف قرض والی صورت میں داین کا حق وکیل کو دیئے ہوئے بعینہ اس روپیہ میں نہیں ہوتا بلکہ مقدار قرض کی ذمہ داری سے وہ حق متعلق ہوتا ہے جو داین نے اس کو دی ہے اب جب (داین۔ قرض خواہ) نے واپس آکر اس وکیل کو قرض کی وصولی کا ذمہ دار بنانے سے انکار کردیا تو واضح ہوگیا کہ مقروض کی ادائیگی صحیح نہیں ہوئی کیوں کہ اس کے وکیل بنائے جانے کا کوئی ثبوت نہیں ہے اس لئے اب داین کا حق بعینہ مقروض کے ذمہ باقی رہے گا اور اس کو مجبور کیا جائے گا کہ دوبارہ وہ داین کا قرض ادا کرے اور اس کو بھی قانونی حق ہوگا کہ وکیل سے وہ اپنا روپیہ واپس لے جو اس نے دیا ہے (گویا قرض میں تاوان سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے) لیکن امانت میں تاوان سے اس کی پوری تلافی نہیں ہوتی کیونکہ کوئی امانت اس لئے رکھی جاتی ہے کہ وہ بعینہ اسے واپس ملے۔

اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ [illegible] کی نظر میں بھی اور واقع میں بھی قرض کی ادائیگی یہ ہے کہ [illegible] مال سے قرض کے بقدر رقم ادا کرے تو مقروض کا قرض خواہ کے وکیل کے حق میں قبضے [illegible] کے ذریعہ [illegible] کے قرض کی ادائیگی

تو سمجھا جائے گا کہ وکیل کو جو رقم اس نے دی ہے اتنی رقم اس نے اپنے ذاتی مال سے ضائع کی (کیوں کہ جب
تک وہ رقم وہ اپنے سے جدا نہ کردے وہ اسی کی ہے)، برخلاف ودیعت کے مالک کا حق بعینہٖ اسی رقم
یا اسی چیز میں ہوتا ہے جو اس نے رکھی ہے ذاتی طور پر اس کے ذمہ کوئی چیز واجب نہیں ہے تو اس صورت میں
امین کا کسی کو وکیل تسلیم کرلینے کے معنی یہ ہوئے کہ اس نے ایک غیر کے مال کو تیسرے شخص کو دیدینے کو تسلیم کرلیا
حالانکہ کسی دوسرے کے مال کے بارے میں اس کو یہ حق نہیں تھا۔ اسی کو اقرار علی غیرہ کہتے ہیں۔ اس
صورت میں اگر امانت کی ادائیگی کا حکم اس کو دیدیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک غیر ولی کے کہنے سے
اس مالک کے حق میں ہم نے مداخلت اور زیادتی کی[1] (اور شرعاً زیادتی کسی کے ساتھ درست نہیں)

(۳) فقہ کا یہ بھی قاعدۂ کلیہ ہے کہ مرہون شے جتنے میں رہن رکھی ہوتی ہے اس کے بقدر رقم کا راہن ضامن
ہوتا ہے۔ اب اگر وہ مرہون شے مرتہن سے ضائع ہوجائے تو اس کا قرض یعنی رہن میں دیا ہوا روپیہ راہن
کے ذمہ سے بقدر شے مرہون ساقط ہوگیا یہاں تک کہ مرہون شے کے ضائع ہونے سے پہلے مرتہن اپنا دیا
ہوا روپیہ وصول کرچکا ہو تو اس کو واپس دینا پڑے گا۔

اسی مذکورہ وصول پر اگر مرتہن اپنا روپیہ راہن کو معاف کردے اور مرہون شے واپسی سے پہلے
مرتہن سے ضائع ہوجائے تو قیاس ظاہر کا تقاضا تو یہ ہے کہ قرض کی ادائیگی (جیسا کہ اوپر مذکور
ہوا ہے) پر معافی کو بھی قیاس کرتے ہوئے مرتہن سے ضائع شدہ مرہون کی قیمت دلائی جائے گی
کیوں کہ مرہونہ چیز کا مرتہن اس تک ضامن ہوتا ہے جب تک واپس نہ کردی جائے۔ لیکن استحسان
کے اعتبار سے قرض کی معافی کے بعد مرتہن مرہون شے کا ضامن نہیں رہتا اور اس کی حیثیت قرض کے
معاف کردینے کے بعد رہن کے فسخ کردینے والے کی ہوتی ہے اور اس کو رہن کے فسخ کرنے کا اختیار
ہر وقت رہتا ہے اب جب کہ اس نے معاف کردیا تو (وہ اس مرہون چیز کا ضامن ہی نہیں رہا
بلکہ اب وہ) مرہون شے اس کے ہاتھ میں امانت ہوگی تو اب جب تک اس کے ضائع کرنے میں
اس شے میں زیادتی یا حفاظت میں کوتاہی نہ ثابت ہوجائے وہ ضامن نہیں ہوسکتا جیسا کہ امانت
میں ہوتا ہے[2]

استحسان ضرورت | استحسان ضرورت یہ ہے کہ اس میں کسی قیاس ظاہر کے خلاف اس لئے حکم لگایا جاتا ہے کہ کسی انسانی حاجت یا دقت کو رفع کرنے کی شدید ضرورت ہوتی ہے یا مصلحت عامہ اس کی مقتضی ہوتی ہے اور یہ بات اس وقت پیش آتی ہے جب قیاس پر عمل کرنے میں بعض مسائل میں کوئی تنگی یا مشکل پیش آ جائے تو اس وقت قیاس کا دامن چھوڑ کر استحسان کا دامن تھامنا پڑتا ہے تاکہ وہ دقت مشکل اور تنگی دور ہو جائے اس لئے کہ ایسے مسائل جن کو ایک دوسرے پر قیاس کیا جا سکتا ہے گو وہ سب ایک طرح کے ہوتے ہیں اور چند مشترک اصول ہی پر اُن کی

(بقیہ حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ) یہاں قیاس ظاہر پر اس لئے عمل نہیں کیا گیا کہ اس صورت سے فائدہ صرف راہن کو ہوتا ہے اور مرتہن سراسر نقصان میں رہتا ہے اس لئے اس کو شریعت کے قاعدۂ امانت کے تحت لاکر مرہون شے کی ذمہ داری سے نکال لیا گیا جس سے دونوں نقصان سے بچ گئے۔

فقہاء نے اور بہت سی مثالیں دی ہیں۔ مثلاً موقوفہ زرعی زمین کے مسئلہ میں اگر اُن کے سینچنے اور ان میں تصرف کرنے اور ان میں گذرنے کا ذکر وقف کرتے وقت نہ بھی کیا جائے تو یہ چیزیں اس میں شامل سمجھی جائیں گی گو بیع پر قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر ذکر کے ان کو اس میں داخل نہ سمجھا جائے۔ مگر یہاں قیاس خفی سے کام لیتے ہوئے اس کو لگان پر دی ہوئی زمین پر قیاس کیا گیا ہے کہ اس میں بھی بغیر ذکر کے یہ چیزیں داخل ہوتی ہیں۔

اسی طرح شکاری پرندوں مثلاً چیل، باز گدھ وغیرہ کے سلسلے میں قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ جس طرح شکاری چوپائے مثلاً بھیڑیئے۔ چیتے وغیرہ کا جوٹھا نجس ہے ان کا بھی ہو مگر استحسان میں یہ پاک ہے کیونکہ ان چارپایوں پر قیاس کرنے کے بجائے انسان کے جھوٹے پر اس کو قیاس کیا جائے گا کہ اس کا گوشت تو حرام ہے مگر اس کا جھوٹا ناپاک ہے اسی طرح ان پرندوں کا جھوٹا تو پاک ہے مگر گوشت حرام ہے اور اس قیاس خفی کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ پرندے اپنی چونچ سے پانی پیتے ہیں اور چونچ ہڈی ہوتی ہے اور ہڈی ان چارپایوں کی بھی نجس نہیں ہے جن کا گوشت [illegible] ناپاک ہے

بنیاد ہوتی ہے مگر کبھی موقع و محل کے اختلاف یا عارضی اسباب کی بنا پر ظلم و عدل اور وقت و سہولت کے اعتبار سے ان کے نتائج مختلف ہو جاتے ہیں (یعنی کبھی ایک حکم بظاہر ظلم دکھائی دیتا ہے مگر دوسرے وقت میں وہی حکم عین عدل ہوتا ہے کبھی ایک حکم میں سہولت ہوتی ہے مگر کسی عارضی سبب سے وہ چیز حکم انتہائی مشقت اور تنگی کا سبب ہو جاتی ہے ایسی صورت میں شریعت اگر ایک طرح کا معاملہ کرلے تو اس کی ہمہ گیری باقی نہیں رہ سکتی) تو ایسی صورت میں جبکہ قیاس پر عمل کرنے میں بُرے نتائج نکلنے کا قوی امکان ہو اس صورت میں فقہا کے لئے استحسان کا راستہ موجود ہے جس کے ذریعہ ان مصلحتی احکام تک وہ پہونچتے ہیں جو فقہی روح اور مقاصد شرعیہ سے میل کھاتے ہوں اور استحسان ضرورت حقیقتاً امام مالک کے نظریہ مصالح مرسلہ ہی کی ایک دوسری صورت ہے استحسان ضرورت کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

(۱) شریعت کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ امانت ودیعہ کے مثل ہو یعنی اگر کوئی امانت بغیر تعدی و تقصیر کے ضائع ہو جائے تو اس سے اس کا تاوان نہیں لیا جائے گا۔ قیاساً ہر امانت پر یہی حکم لگانا چاہیئے جیسے شرکت کا مال کسی ایک شریک کے ہاتھ میں امانت ہوتا ہے اجرت مستاجر کے یہاں امانت رہتی ہے عاریت کی چیز مستعیر کے یہاں امانت ہوتی ہے اسی طرح مستاجر کا مال اجیر کے یہاں امانت ہے تو مناسب ہے کہ اگر اجیر سے بغیر تعدی و تقصیر کوئی چیز ضائع ہو جائے تو اس سے تاوان نہ لیا جائے مگر استحسان ضرورت کے تحت فقہا نے اجیر خاص یعنی ذاتی ملازم جس نے اپنا پورا وقت مستاجر کو سونپا ہے جیسے خادم اور ٹِڈ ایکٹ وغیرہ اور اجیر مشترک یا اجیر عام میں فرق کیا ہے یعنی وہ پیشہ ور افراد جو ہر ضرورتمند کی ضرورت اپنے مخصوص پیشے سے پوری کرتے ہیں (مثلاً رنگریز۔ نان پز۔ بڑھئی۔ لوہار۔ دھوبی، وغیرہ) تو فقہا یہ کہتے ہیں کہ اگر اجیر مشترک کے پاس سے وہ چیزیں جو اس کے یہاں دوسروں کی موجود ہیں (مثلاً دھوبی کے پاس کپڑے یا بڑھئی کے پاس سے لکڑی) گم ہو جائیں تو استحساناً اس کو ضامن قرار دیا جائے گا الا یہ کہ وہ ایسے طریقے سے ضائع ہوئی ہوں جس سے بچنا اس کے اختیار میں نہ ہو جیسے مکان میں یکایک آگ لگ جائے اور سارا اثاثہ جل جائے[1] یا مکان گر پڑے اور اس سے

---

[1] اس میں بھی فقہائے احناف نے یہ شرط [illegible] کہ اگر اسی کی غفلت یا اس کے کسی فعل سے لگی ہو تو اس کو تاوان دینا پڑے گا۔

اس چیز کا نقصان ہو جائے یہ حکم فقہاء نے اس لئے دیا ہے تاکہ پیشہ ور نفع کی حرص میں اپنی طاقت سے زیادہ کام نہ لیا کریں اور لوگوں کے اموال کو بہت دنوں رکھکر نقصان وزیاں کی نذر نہ کر دیں (کیونکہ زیادہ کام ہوگا تو زیادہ دنوں تک وہ چیز اُن کے پاس رہے گی اور زیادہ دنوں تک رہنے میں نقصان کا اندیشہ زیادہ ہے) فقہ مالکی میں بھی اس اجتہاد بالاستحسان کو تسلیم کیا گیا ہے مگر اس کا داعی اُن کے نزدیک مصلحت عامہ ہے [2]

(۲) فقہ اسلامی کا یہ بھی ایک تسلیم شدہ قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کی طرف سے بغیر اس کی اجازت یا بغیر اس کے حکم کے کچھ خرچ کر دے مثلاً اس کی کسی شدید ضرورت میں اپنی طرف سے روپیہ خرچ کر دے یا اس کا قرض ادا کر دے یا کوئی اور اس کی مالی ضرورت پوری کر دے تو اس نے جو رقم خرچ کی ہے وہ قانوناً اس کا تبرع اور عطیہ سمجھا جائے گا خواہ اس نے تبرع کے ارادے سے خرچ کیا ہو [3]

---

[1] اس مسئلہ پر بدائع صنائع اور صاحب ھدایہ نے بڑی اچھی بحث کی ہے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ قیاس کو چھوڑ کر استحسان اختیار کرنے کی وجہ لوگوں کے مال کی حفاظت ہے۔ (لصیان اموال الناس) اس مسئلے میں امام ابو حنیفہؒ نے قیاس ظاہر پر حکم دیا ہے مگر صاحبین نے استحسان پر فتوی دیا ہے اور اسی کو عام فقہائے احناف نے ترجیح دی ہے۔ شیخ ابو زہرہ نے اپنی کتاب (مالک) ص ۳۱۱ مصالح مرسلہ پر بحث کرتے ہوئے شاطبی کی الاعتصام سے عبارت نقل کی ہے "صانع سے تاوان لینے پر خلفائے راشدین متفق ہیں" باوجود کہ ان کی حیثیت امین کی ہے لیکن یہ بات محسوس کی گئی کہ اگر ان کو ضامن نہ بنایا جائے تو وہ لوگوں کے سامان اور ان کی چیزوں کی حفاظت میں غفلت برتیں گے اور لوگ ان سے کام لینے پر بہرحال مجبور ہیں تو مصلحت اسی میں تھی کہ ان کو ان چیزوں کا ضامن قرار دیا جائے تاکہ وہ لی ہوئی چیزوں کی حفاظت کریں اسی بنا پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ "لوگوں کو یہی چیز درست رکھ سکتی ہے"۔ امام شاطبی کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ اور اس کے علاوہ دوسرے مسائل کا تذکرہ مالکی فقہاء نے مصالح مرسلہ کے قاعدہ کو سمجھانے کے لئے کیا ہے۔ اور فقہائے احناف اس کو استحسان کی مثال میں پیش کرتے ہیں (کتاب الاجارۃ من المدونۃ) (شرح المعزیۃ ۲ ص [illegible])

[2] ہم مصالح مرسلہ کی بحث میں ذکر کریں گے کہ مالک کے یہاں مصالح کا نظریہ بعینہ وہی ہے جو حنفیہ کے یہاں [illegible] کا ہے۔

[3] [illegible] کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے آدمی کے قرض کے لئے کوئی چیز رہن رکھ دی

یا واپس لینے کے خیال سے اس کو کسی صورت میں دی ہوئی یا خرچ کی ہوئی رقم یا چیز کے واپس لینے کا حق نہیں ہے البتہ اس صورت میں وہ واپس لے سکتا ہے جب اس کو ہدیۃً دیا گیا ہو۔

اس اصول کی روشنی میں اب اس مسئلہ پر نظر ڈالیے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے کو ایک رقم دی اور اس سے کہا کہ میرے لئے فلاں چیز خرید لانا یا اس سے میرا فلاں قرض ادا کر دینا یا اس کو میرے بال بچوں پر خرچ کر دینا تو جس کو یہ کام سپرد کیا گیا ہے وہ اگر اس روپے کو تو اپنے پاس رکھ لے اور اپنے پاس سے دوسری رقم لگا کر اس کا کام پورا کر دے اور یہ سوچ لے میں اپنی رقم اس کے دیئے ہوئے روپے سے لوں گا۔ قیاس ظاہر کا تقاضا تو ہے کہ اپنے پاس کی رقم جو اس نے خرچ کی ہے اس کو تبرع سمجھا جائے گا اور دینے والے کی رقم اس کو واپس کر دی جائے (کیوں کہ اپنی رقم اس نے غیر کے لئے اپنے جی سے خرچ کی ہے) لیکن فقہا نے کہا ہے کہ استحسان کی رو سے وہ تبرع نہ سمجھا جائے گا یہ حکم اس لئے دیا جائے گا کہ لوگوں کی مالی ذمہ داریاں اٹھانے میں آسانی ہو اور اس راہ میں ان کے لئے دقت و مشقت نہ پیش آئے تو اس نے جو کچھ اپنے پاس سے خرچ کیا وہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اسی روپیہ دینے والے کے روپے سے خرچ کیا ہے۔

(۳) ناپ اور تول کر بیچنے والی چیزیں شریعت میں ایسی ہیں جن کی خرید و فروخت یا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ سود میں ہوتی ہیں یعنی ان چیزوں کو قرض دے کر زیادہ لینا بھی ناجائز ہے ان میں سے کسی جنس کی خرید و فروخت زیادتی اور کمی کے ساتھ بھی ناجائز ہے (آٹا بھی کو وزنی چیز ہے) لیکن اس کی پکی ہوئی روٹیاں پڑوسی ایک دوسرے سے گن کر قرض لے لیتے ہیں اور پھر گن کر اتنی ہی واپس کر دیتے ہیں تو گو روٹیوں کو گن کر لینے اور دینے میں کچھ نہ کچھ وزن میں فرق ضرور ہوتا ہے مگر اس فرق کے ہوتے ہوئے بھی فقہا نے استحسانًا اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش کہ پڑوسیوں کو اس کی ضرورت اور احتیاج

(بقیہ حاشیہ صفحہ اول)

[illegible]

بھی ہے۔ اور اس فعل میں سود لینے اور فائدہ اٹھانے کا ان کو خیال نہیں ہوتا کیونکہ یہ عام اور معمولی چیزیں ہیں [1] (ردالمختار ج ۴ صفحہ ۱۸۳-۱۸۲)

---

[1] مصطفیٰ زرقا رکھتے ہیں کہ مناسب ہے کہ سونے چاندی وغیرہ کے بڑے سکوں کے بھنانے میں بھی اس فرق کا اعتبار نہ کیا جائے یعنی اس کو سود نہ قرار دیا جائے۔ گو کہ اس کے چھوٹے سکے کا وزن بڑے سکے زیادہ یا کم ہی کیوں نہ ہو۔ اس زمانے میں بعض لوگ ایسا تشدد اختیار کر رہے ہیں جس سے آدمی ایسی مشقت میں پڑ گیا ہے جس کی کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے، حالانکہ اس کے جواز کی ضرورت اس سے زیادہ ہے، مبتنی کی پڑوسیوں میں روٹی کے قرض لینے اور دینے کی ہے اس لئے کہ جو سکے جن سکوں سے بدلے جاتے ہیں وہ قیمت اور عرف عام کے لحاظ سے برابر ہوتے ہیں۔ یہ نہ تو سود کا ذریعہ بنتے ہیں اور نہ ان سے فائدہ اٹھانے کی کوئی غرض ہوتی ہے۔" مترجم"

موصوف نے جن قیود کے ساتھ اس کے جواز کے اجازت دینے کی سفارش کی ہے، جو اہل علم کے لئے قابلِ غور ہے۔ انھوں نے تین قیدیں لگائی ہیں ایک یہ کہ مقصود فائدہ اٹھانا اور سود لینا نہ ہو۔ دوسرے قیمت میں دونوں برابر ہوں۔ تیسرے عرف عام میں اُن کو برابر سمجھا جاتا ہو۔ مثلاً جہاں چاندی کے چھوٹے بڑے سکے یا سونے کے چھوٹے بڑے سکے رائج ہیں، وہاں فقہا کی عام تصریحات کے مطابق ان کا تبادلہ اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب دونوں کا وزن برابر ہو۔ حالانکہ وزن کے تفاوت کے باوجود بازار میں دونوں کی قیمت برابر ہوتی ہے۔ ان سے بدلنے والوں کا مقصد تفاضل نہیں ہوتا تو پھر اسے کیوں نہ جائز قرار دیا جائے۔ اس بحث کے سلسلے میں امام شامی کے رسالہ نشر العرف سے بڑی مدد ملے گی۔

بقیہ :- الرشاد کی ڈاک

میں انشاء اللہ آپ کی خدمت میں جلد اپنے کچھ مضامین ارسال کروں گا۔ آج کل ایک مضمون لکھ رہا ہوں " قرآن کریم میں صحف سماوی کے حوالے" امید ہے کہ اسے آپ پسند کریں گے۔ کتب قرآنی " تفسیری روایات" کو بے اصل قرار دیتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ ایک مستقل مضمون [illegible] لکھوں کہ تفسیری روایات " سے کیا مراد ہے؟ اور ان کی کیا حیثیت ہے؟ اور ان کے بے اصل ہونے [illegible] کے جو اقوال ملتے ہیں وہ کہاں تک مستند ہیں۔؟ والسلام محمد رضی الاسلام ندوی

کیا مالی جرمانہ جائز ہے ؟

کسی بھی جرم کی تنبیہ کے لئے کئی طریقے اختیار کئے جاتے ہیں اسے جیل کی سزا دی جاتی ہے، اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے مار پیٹ کی جاتی ہے، کوڑے لگائے جاتے ہیں، سماجی بائیکاٹ کیا جاتا ہے جرمانہ کے طور پر کچھ رقم وصول کی جاتی ہے اس طرح کے مختلف طریقے ہیں جو مختلف معاشرہ میں رائج ہیں جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مجرم جرم سے باز آجائے اس کی اصلاح ہو دوسرے لوگ عبرت حاصل کریں اور جرائم سے دور رہیں اور معاشرہ میں نظم وضبط امن وسکون برقرار رہے،
سزا کے مختلف طریقوں میں مالی جرمانہ بھی ہے جو بہت پرانا اور جانا پہچانا طریقہ ہے، حکومتیں بھی جرمانہ عائد کرتی ہیں اور گاؤں تھانہ علاقہ کے ذمہ دار حضرات بھی۔

یہ جرمانہ اجتماعی بھی رہا ہے اور انفرادی بھی ـــــ کوئی ایسا جرم یا غفلت جو بہت سارے لوگوں سے ہو اور جس غفلت کے برے نتائج سامنے آجائیں۔ ایسے موقع پر اجتماعی جرمانہ لگایا جاتا ہے اور اگر کسی ایک یا چند حضرات کی غفلت یا جرم سے کوئی صورتحال سامنے آتی ہے، تو ایسے موقعہ پر انفرادی جرمانہ عائد کردیا جاتا ہے،

سوال یہ ہے کہ مجرم کی اصلاح اور سرزنش کے لئے جرمانہ وصول کرنا اور مالی دھچکا لگانا درست ہے یا نہیں؟ شرعی نقطۂ نظر سے مالی جرمانہ کی گنجائش کہاں تک ہے؟

عام طور پر یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ فقہائے کرام اسے درست نہیں مانتے تعزیراً کسی سے کوئی رقم لینا فقہائے کرام نے ناجائز سمجھا ہے در مختار میں یہ صراحت موجود ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک جرمانہ شرعاً ناجائز ہے صرف امام ابو یوسف سے ایک ضعیف قول نقل کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک تعزیراً مال لینا شرعاً جائز ہے در مختار [illegible]

لا يأخذ مال في المذهب بحر وفيه عن البزازية وقيل يجوز ومعناه ان يمسكه مدة لينزجر ثم يعيده له فان أيس من توبته صرفه الى ما يرى وفي المجتبى انه كان في ابتداء الاسلام ثم نسخ

بحرالرائق میں ہے کہ مالی جرمانہ جائز نہیں، بحر میں بزازیہ کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں (جو لوگ جواز کے قائل ہیں) ان کا مطلب یہ ہے کہ جرمانہ کے مال کو ایک مدت تک روک کر رکھا جائے پھر صاحب مال کو مال واپس کر دیا جائے اگر جرم سے باز رہنے کی امید نہ ہو تو اس کو حاکم اپنی صوابدید کے مطابق خرچ کرے مجتبیٰ میں ہے کہ ابتداء اسلام میں جائز تھا پھر منسوخ ہوگیا۔

علامہ شامی نے بھی اس کی وضاحت کی ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کے علاوہ اور تمام آئمہ کے نزدیک تعزیر باخذ المال ناجائز ہے، علامہ کی عبارت یہ ہے :-

(قوله يأخذ مال في المذهب) قال في الفتح وعن ابي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الائمة الثلاثة لا يجوز ومثله في المعراج وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عند ابي يوسف قال في الشرنبلالية ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على اخذ مال الناس فيأكلونه ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان،

(ردالمحتار ص ۶۱ ج ۳)

فتح القدیر میں ہے کہ امام ابو یوسف مالی جرمانہ کو جائز سمجھتے ہیں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے ساتھ بقیہ تینوں اماموں کے نزدیک جائز نہیں ہے، معراج میں بھی ایسا لکھا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ امام ابو یوسف سے جواز کی جو روایت ہے وہ ضعیف ہے۔ شرنبلالیہ میں ہے کہ امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ نہیں ہے کیونکہ ایسی صورت میں ظالم لوگ عوام کا مال ناجائز طور پر ہڑپ کر کے کھا جائیں گے۔

ابن وھبان کے حوالہ سے شرح وھبانیہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں بھی اس مسئلہ پر گفتگو موجود ہے۔ اور اس میں امام ابو یوسف کے مذکورہ قول کو نقل کرتے ہوئے کچھ تفصیل بھی کی گئی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فقہاء کرام تعزیراً مال لینے کو صحیح نہیں

سے ہے۔ تو امام ابو یوسف کے نزدیک ایک وقتی جرمانہ ہے جسے بعد میں واپس لینا ضروری ہے ۔

وعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز التعزیر للسلطان باخذ المال وعندھما وباقی الائمۃ الثلاثۃ لا یجوز کذا فی فتح القدیر ومعنی التعزیر باخذ المال علی القول بہ امساک شیٔ من مالہ عنہ مدۃ لینزجر ثم یعیدہ الحاکم الیہ لا ان یاخذہ الحاکم لنفسہ او لبیت المال کما یتوھمہ الظلمۃ اذ لا یجوز لاحد من المسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی کذا فی البحر الرائق

(فتاویٰ ہندیہ صفحہ ۱۶۷/۲)

امام ابو یوسف کے نزدیک مالی جرمانہ عاید کرنا سلطان کے لئے جائز ہے طرفین اور باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں ہے، ایسا ہی فتح القدیر میں لکھا ہے، امام ابو یوسف جواز کے قائل ہیں لیکن ان کے یہاں جواز کی صورت یہ ہے کہ جرمانہ کرکے مجرم کا مال ایک مدت تک روک لیا جائے تاکہ مجرم اپنے جرم سے باز آجائے (جب باز آجائے تو پھر اسے واپس کر دیا جائے) امام ابو یوسف کے قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حاکم اپنی ذات پر خرچ کرے، یا بیت المال میں جمع کردے۔ جیسا کہ ظلم پیشہ لوگ سمجھتے ہیں، کیونکہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کا مال بلا سبب شرعی کے قبضہ کرے، ایسا ہی البحر الرائق میں بھی ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں البحر الرائق کی جس عبارت کا حوالہ ہے وہ یہ ہے :-

ولم یذکر محمد التعزیر باخذ المال وقد قیل روی عن ابی یوسف ان التعزیر من السلطان باخذ المال جائز کذا فی الظہیریۃ وفی الخلاصۃ سمعت من ثقۃ ان التعزیر باخذ المال ان رای القاضی ذلک [illegible] [illegible]

امام محمد نے تعزیر بالمال کا ذکر نہیں کیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک تعزیر بالمال سلطان کے لئے جائز ہے، ایسا ہی ظہیریہ میں ہے۔ خلاصہ میں ہے کہ میں نے ایک معتبر شخص سے سنا ہے کہ قاضی یا والی تعزیر بالمال کر سکتا ہے مثلاً کوئی شخص [illegible]

تعزيره باخذ المال اه ورفاه في البزازية ان معنى التعزير باخذ المال على القول به امساك شيء من ماله عنه مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم اليه لا ان ياخذه الحاكم لنفسه او لبيت المال كما يتوهمه الظلمة اذ لا يجوز لاحد من المسلمين اخذ مال احد بغير سبب شرعي۔ والحاصل ان المذهب عدم التعزير باخذ المال۔ (البحر الرائق ص ۴۴)

یہ مطلب ہے کہ مال لے کر روک لیا جائے گا جب مجرم اپنے جرم سے تائب ہو جائے تو اس کو واپس کر دیا جائے گا۔

یہ مطلب نہیں ہے کہ حاکم اپنے اپنے مصرف میں استعمال کرے یا بیت المال میں جمع کرے، جیسا کہ بعض ظالموں کا خیال ہے کیونکہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ بلا سبب شرعی کسی دوسرے مسلمان کا مال لے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مالی جرمانہ درست نہیں ہے۔

الکفایہ علی الھدایۃ کی کتاب الحدود میں ہے :۔

وعن ابي يوسف ان التعزير باخذ المال يجوز للسلطان،

حضرت ابو یوسف سے روایت ہے کہ سلطان کیلئے تعزیر بالمال جائز ہے ،

علامہ ابن ہمام کی فتح القدیر کی اس عبارت سے بھی تعزیر باخذ المال سے متعلق اسی نقطۂ نظر کی وضاحت ہوتی ہے :

وعن ابي يوسف يجوز التعزير باخذ المال وعندهما و باقي الائمة الثلاثة لا يجوز (شرح فتح القدير ص ۲۱۲)

ابو یوسف کے نزدیک مالی جرمانہ جائز ہے طرفین اور باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک درست نہیں۔

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں اسی طرز کی صراحت موجود ہے :

وعن ابي يوسف ان التعزير باخذ الاموال جائز للامام (قوله وعن ابي يوسف ان التعزير باخذ [illegible]

حضرت امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ وہ امام کے لئے مالی جرمانہ کو جائز کہتے ہیں، امام ابو حنیفہ، امام محمد، امام شافعی، مالک اور [illegible]

والشافعی ومالک واحمد لا یجوز باخذ المال۔ نہیں ہے۔

(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ص۲۰۸ ج۳)

درج بالا تمام فقہی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام ابو یوسف کے سوا طرفین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مالی جرمانہ جائز نہیں ہے۔ جو فقہاء کرام عدم جواز کے قائل ہیں وہ اس کی وجہ یہ بتاتے کہ مالی جرمانہ جائز ہونے کی صورت میں ظلم پیشہ حکام لوگوں کے مال کو بلا سبب شرعی ہڑپ کر جائیں گے، یعنی ان فقہائے کرام نے سد ذریعہ کے اصول کو اختیار کر کے مالی جرمانہ کو ناجائز قرار دیا ہے۔ سد ذریعہ کا مفہوم یہ ہے کہ ایسی شکل جس سے معاشرہ میں کوئی فساد رونما ہوتا ہو یا پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو اس شکل پر پابندی عائد کر دی جائے، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی واضح اور صریح نص کی بناء پر فقہائے احناف نے مالی جرمانہ کو ناجائز قرار نہیں دیا ہے۔ بلکہ مالی جرمانہ کے نصوص ہوتے ہوئے سد ذریعہ کے اصول کو اپنا کر ناجائز بتایا ہے۔

موجودہ زمانہ میں مالی جرمانہ کے بغیر معاشرہ کی اصلاح بعض حالات میں مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اور لوگوں کے مال کو ہڑپ کر لینے کا خطرہ غالب اور اکثری نہیں ہے" اس لئے میرے نزدیک مالی جرمانہ عائد کرنا درست ہے، کیونکہ موجودہ زمانہ میں سد درجہ کی وہ شکل موجود نہیں ہے جس شکل کی بنیاد پر فقہائے احناف نے مالی جرمانہ کو ناجائز قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں محققین فرماتے ہیں کہ جن ائمہ کی طرف عدم جواز کے قول کو منسوب کیا جاتا ہے ان کی طرف عدم جواز کے قول کا انتساب غلط ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ ائمہ بھی جواز کے قائل ہیں۔ چنانچہ سید سابق، علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کی عبارتیں ذیل میں پڑھیں۔

عبارتیں ملاحظہ ہو،

واجاز بعض الحنفیة التعزیر بالمال علی انه اذا تاب یرد له

(کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه ص۴۱۰ ج۵)

بعض احناف نے مالی جرمانہ کو اس صورت میں جائز قرار دیا ہے جبکہ مجرم کے توبہ کرنے کی صورت میں اس کا مال لوٹا دیا جائے۔

ویجوز التعزیر باخذ المال وهو مذهب ابی یوسف وبه قال مالک

تعزیر بالمال جائز ہے۔ یہ امام ابو یوسف اور امام مالک کا قول ہے۔ [illegible]

[illegible]

العقوبة المالية منسوخة فقد غلط
على المذاهب الأئمة - نقلاً واستدلالاً،
وليس سهل دعوى نسخها والمدعون
ليس معهم سنة، ولا اجماع يصحح
دعواهم إلا ان يقولوا مذهب اصحابنا
لا يجوز وقال ابن القيم ان النبي
صلى الله عليه وسلم عزر بحرمان
النصيب المستحق من السلب واخبر
عن تعزير مانع الزكوة باخذ شطر
ماله فقال صلى الله عليه وسلم
فيما يرويه احمد وابو داود،
والنسائي، من اعطاها مؤتجراً فله
اجرها ومن منعها فانا اخذوها،
وشطر ماله عزمة من عزمات
ربنا -

(فقه السنة لسيد سابق)
ص ۹۲،۹۳

بھی اور استدلالاً بھی آئمہ اربعہ کی طرف
غلط بات منسوب کرتے ہیں۔ نسخ کا دعویٰ آسان نہیں
ہے، جو لوگ نسخ کا دعویٰ کرتے ہیں اُن کے
پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ نہ تو سنت ہے اور
نہ اجماع جن سے ان کا دعویٰ صحیح ثابت ہو سکے،
ہاں! صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ان کے اصحاب کا
مذہب یہ ہے کہ مالی جرمانہ جائز نہیں،
علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ
علیہ وسلم نے ایک صاحب کو مال غنیمت کے
حصہ سے محروم ہونے کی سزا دی۔ یہ بھی لکھتے ہیں کہ
زکوٰۃ نہ دینے والوں کو ان کے مال کا ایک حصہ ضبط
کرنے کی سزا دی، امام احمد، ابوداؤد اور نسائی
کی ایک روایت کے مطابق حضور نے فرمایا کہ جو لوگ
اجر و ثواب کی امید پر راضی برضا زکوٰۃ دیں گے ان
کو اجر ملے گا، اور جو لوگ ادا نہیں کریں گے ان سے
ہم زکوٰۃ بھی وصول کریں گے اور اسکے علاوہ ایک حصہ
لیں گے یہ ہمارے رب کی طرف سے ان پر جرمانہ ہے۔

المعیار المعرب ص۴۱۶ میں بھی مالی تعزیر کی متعدد روایات منقول ہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے
بھی اپنے فتاویٰ میں اس مسئلہ پر بسط و تفصیل سے شافی بحث فرمائی ہے۔ ذیل میں مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ
صفحہ ۱۱۰، ۱۱۱ ج۲۸ کی عبارت

والتعزير بالعقوبة المالية، مشروع
ايضاً في مواضع مخصوصة في مذهب
مالك في المشهور عنه، ومذهب

مالی تعزیر چند مخصوص صورتوں میں مشہور قول کے
مطابق امام مالک کے نزدیک جائز ہے، امام احمد
کے نزدیک چند مواقع پر جائز ہے امام شافعی

احمد في مواضع بلا نزاع وفي مواضع فيها نزاع عنه، والشافعي في قول وان تنازعوا في تفصيل ذالك كما دلت عليه سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

في مثل اباحة سلب الذي يصطاد في حرم المدينة لمن وجده ومثل امره بكسر دنان الخمر وشق ظروفه، ومثل امره عبد الله بن عمر بتحريق الثوبين المعصفرين، وقال لما غسلهما قال" لا بل احرقهما"

وامره له يوم خيبر بكسر الاوعية التي فيها لحوم الحمر ثم استاذنوه في الاراقة اذن، فانه لما راى القدور تفور بلحم الحمر امر بكسرها واراقة ما فيها، فقالوا! افلا نريقها ونغسلها؛ فقال" افعلو" فدل ذالك على جواز الامرين لان العقوبة بذالك لم تكن واجبة،

ومثل هدمه لمسجد ضرار، ومثل تحريق موسىٰ للعجل المتخذ الها۔

کے نزدیک ایک قول کے مطابق جائز ہے، لیکن اس سلسلہ میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

سنت سے مالی تعزیر کا جائز ہونا ثابت ہے مثلاً۔

(۱) حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص حرم مدینہ میں شکار کرے اس کا سامان چھین لیا جائے۔

(۲) حضورؐ نے شراب کے مٹکوں اور برتنوں کو پھوڑنے کا حکم دیا۔ (۳) حضرت عبداللہ بن عمر کو حکم دیا کہ وہ معصفر کپڑوں کو جلادیں، حضرت ابن عمرؓ نے پوچھا کہ کیا دھوکر ان کا رنگ زائل کردوں، تو آپؐ نے فرمایا نہیں، بلکہ جلا دو (۴) جنگ خیبر کے موقع پر آپؐ نے حکم دیا کہ ان برتنوں کو پھوڑ دیا جائے جن میں گدھے کا گوشت پکایا جاتا ہے، پھر لوگوں نے اجازت لی کہ برتن نہ پھوڑیں۔ اور گوشت پھینک دیں تو آپ نے اجازت دیدی۔ حضورؐ نے یہ حکم اس وقت دیا تھا جب آپ نے ہانڈی میں گدھے کا گوشت پکتے ہوئے دیکھا تھا، لوگوں نے کہا کہ کیا ہم گوشت پھینک کر برتن دھو کر رکھ نہ لیں تو آپ نے فرمایا ایسا کرلو، اس فرمان سے دونوں صورتوں کا جواز معلوم ہوا کیونکہ برتن کو پھوڑنا ہی ضروری نہ تھا۔

(۵) آپ نے مسجد ضرار کو گرانے کا حکم دیا۔ (۶) حضرت موسیٰؑ نے اس بچھڑے کو جلا دیا [illegible]

سے معبود بنالیا تھا۔

ومثل تضعيفه صلى الله عليه وسلم
الغرم على من سرق من غير حرز ومثل
ما روى احراق متاع الغال ومن
حرمان القاتل سلبه لما اعتدى على
الامير ومثل امر عمر بن الخطاب و
علي بن ابي طالب بتحريق المكان
الذي يباع فيه الخمر

ومثل اخذ شطر مانع الزكوة

ومثل تحريق عثمان بن عفان مصاحف
المصاحف المخالفة للامام وامره
بتحريق قصر سعد بن ابي وقاص
الذي بناه لما اراد ان يحتجب
عن الناس فارسل محمد بن
مسلمة وامره ان يحرقه عليه۔
فذهب فحرقه عليه وهذه
القضايا كلها صحيحة معروفة
عند اهل العلم بذلك
ونظائرها متعددة

ومن قال ان العقوبة المالية
منسوخة واطلق ذالك عن اصحاب
مالك واحمد فقد غلط على
مذهبهما ومن قال مطلقا

(۷) حضورؐ نے اس شخص پر دوچند تاوان عائد کیا جس نے
غیر محفوظ چیز کو چرایا تھا۔ (۸) نیز آپ نے خیانت
کرنیوالے کے سامان کو جلادیا اور بعض قاتل کو اپنے
مقتول کا سامان لینے سے محروم کردیا۔ اس وجہ سے کہ
قاتل نے اپنے امیر کی شان میں کوئی زیادتی
کی تھی (۹) حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے اس مکان کو
جلادینے کا حکم دیا جسمیں شراب بیچی جاتی تھی۔

(۱۰) حضور نے مانعین زکوٰۃ کے مال کا ایک حصہ لے
لینے کا حکم صادر فرمایا۔ (۱۱) حضرت عثمانؓ نے قرآن
شریف کے ایک نسخہ کے سوا، بقیہ نسخوں کو جلانے
کا حکم دیا (۱۲) حضرت نے کتب اوائل جلاڈالنے
کا حکم دیا۔ (۱۳) حضرت عمرؓ ہی نے سعد بن ابی
وقاص کے اس مکان کو جلا دینے کا حکم صادر کیا،
جس کو انہوں نے اس لئے بنایا تھا کہ لوگ ان کے پاس
(ہر وقت) نہ آسکیں، چنانچہ محمد بن مسلمہ کو حضرت
عمرؓ نے بھیج کر سعد بن ابی وقاص کے مکان کو جلادیا
یہ تمام واقعات صحیح ہیں اور اہل علم کے درمیان مشہور ہیں
اس کے علاوہ اور بھی متعدد نظائر ہیں،

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تعزیر مالی منسوخ ہے
اور اس بات کو امام مالک اور امام احمد کی طرف منسوب
کرتے ہیں، وہ غلط انتساب کرتے ہیں، اور جو لوگ
یہ کہتے ہیں کہ ہر امام کے نزدیک ناجائز ہے۔ وہ

من اى مذهبه :-

فقد قال قولا بلا دليل ولم يجىء عن النبى صلى الله عليه وسلم شىء قط، يقتضى انه حرم جميع العقوبة المالية بل اخذ الخلفاء الراشدين واكابر اصحابه بذلك بعد موته دليل على ان ذالك محكم غير منسوخ، وهذه الصور منصوصة عن احمد ومالك واصحابه، بعضها قول عند الشافعى باعتبار ما بلغه من الحديث، و مذهب مالك واحمد وغيرهما: ان العقوبة المالية كالبدنية تنقسم الى ما يوافق الشرع والى ما يخالفه وليست العقوبة المالية منسوخة عندهما والمدعون للنسخ ليس معهم حجة بالنسخ لا من كتاب ولا سنة۔

بے ثبوت بات کہتے ہیں حالانکہ کوئی ایک بھی ایسی روایت نہیں ہے، جس سے معلوم ہوتا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مالی تعزیر کو حرام فرمایا ہو۔ بلکہ خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کا مالی تعزیر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ تعزیر مالی کا جواز قائم ہے، منسوخ نہیں ہے۔

یہ تمام صورتیں امام احمد، امام مالک اور ان کے اصحاب سے صراحۃً مروی ہے امام احمد اور امام مالک وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ تعزیر مالی تعزیر بدنی کی طرح ہے جو شرع کے موافق بھی ہو سکتی ہے اور شرع کے خلاف بھی، ان حضرات کے نزدیک تعزیر مالی منسوخ نہیں ہے، جو لوگ منسوخ ہونے کے مدعی ہیں ان کا دامن ثبوت سے خالی ہے۔

... ...

ڈاکٹر عدنان خالد الترکمانی استاذ فقہ جامعہ امام ابن سعود ریاض نے اپنی وقیع تالیف ضوابط الملکیۃ فی الفقہ الاسلامی صفحہ ۱۹۹ میں لکھا ہے :-

ذهب جمهرة الفقهاء الى القول بعدم جواز التعزير باخذ المال لما انه يؤدى الى تسلط الظلمة

جمہور فقہاء کا موقف یہ ہے کہ تعزیر مالی جائز نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں ظالم تسلط حاصل کر لیں گے

على اموال الناس بالباطل وفي ذالك فساد عريض،

مال کو ناحق دبالیں گے اور اس سے بیکراں فساد رونما ہو جائے گا۔

بينما ذهب بعض المحققين من الفقهاء الى جواز التعزير باخذ المال في بعض الاحوال متخذين بعض احداث الصدر الاول دليلا على الجواز منها.

جب کہ بعض محققین فقہاء کہتے ہیں کہ بعض حالات میں جائز ہے ثبوت میں یہ حضرات عہد نبوت اور دور خلافت کے مندرجہ ذیل واقعات پیش کرتے ہیں۔

(۱) منع النبي صلى الله عليه وسلم من الغنيمة من سهمه وحرق متاعه وهكذا فعل خلفاء من بعده.

(۱) حضور نے مال غنیمت میں سے بعض حضرات کو حصہ نہیں دیا اور اُن کے سامان کو جلادیا۔ ایسا ہی ان کے خلفاء نے ان کے بعد کیا۔

(۲) اضعف صلى الله عليه وسلم الغرم الضالة

(۲) گمراہ کن تحریر لکھنے والوں پر حضور نے دوچند جرمانہ عائد فرمایا۔

(۳) امر بكسر دنان الخمر

اور شراب کے گھڑوں کو توڑنے کا حکم دیا۔

(۴) عزم على تحريق بيوت من لا يشهدون الجماعة

(۴) حضورؐ نے اپنے عزم کا اظہار فرمایا کہ جو لوگ جماعت میں حاضر نہیں ہوتے اُن کے گھروں کو جلا دیا جائے گا،

(۵) امر ابن عمر ان يحرق الثوبين المعصفرين

(۵) حضرت ابن عمر کو آپ نے حکم دیا کہ معصفر کپڑوں کو جلادیں چنانچہ انہوں نے جلادیا۔

(۶) تحريق عمر بن الخطاب حانوت الخمار بما فيه

(۶) حضرت عمرؓ نے شراب کی دوکانوں کو مع ساز و سامان جلادیا۔

(۷) مصادرة عمر اموال بعض ولاته عندما اكتسبوا اموالا لاجل الولاية

(۷) حضرت عمرؓ نے بعض گورنروں پر مالی جرمانہ عائد کیا جنہوں نے اپنے جاہ و منصب کو ذاتی دولت اکٹھا کرنے کا ذریعہ بنایا تھا۔

(۸) اضعف حاطب بن بلتعه

(۸) حاطب بن بلتعہ کے ایک غلام نے قبیلہ

فضعف ثمن الناقة التي سرقها رقيقه
من رجل من مزينة ۔

(۹) حرق علي بن ابي طالب طعام
رجل حبسه ليغلي به السعر وحرق
قوم دو رقوم كانوا يبيعون الخمر
الى غير ذالك من الشواهد
العمليه لبعض المحققين القائلين
بجواز التعزير كعقوبة تعزيرية
(ص ۱۲۹)

مزینہ کے ایک آدمی کی اونٹنی چرائی تو حاطب بن بلتعہ
پر اونٹنی کی دوگنی قیمت ادا کرنے کا جرمانہ کیا گیا۔

(۹) حضرت علیؓ نے ایک آدمی کے غلہ کے
ڈھیر کو جلا دیا جس نے قیمت بڑھانے کے لئے
غلہ روک رکھا تھا۔ نیز جو لوگ شراب بیچتے
تھے ان کے مکانات کو جلوا دیا۔

اس طرح اور بھی دوسرے شواہد ہیں جن
کی روشنی میں بعض محققین فرماتے ہیں کہ تعزیر
مالی جائز ہے۔

علامہ یوسف قرضاوی نے فقہ الزکوٰۃ صفحہ ۱۵۱ ج ۲ میں لکھا ہے :-

وقد ذهب بعض الائمة الى ان
العقوبة باخذ المال امر غير
جائز ولا سائغ، وان ذالك شيء
حدث اول الامر ثم نسخ وذالك
تشدد منهم في الحفاظ على
حرمة التمليك واستنادا الى الحديث
القائل ان الله حرم عليكم دماءكم
واموالكم ولان الصحابة قاتلوا
الممتنعين من الزكوة ولم ياخذوا
منهم زيادة عليها ولكن
الحديث المذكور حجة عليهم
ولهذا رد بعضهم بالطعن في
سنده وليس فيه مطعن معتبر

بعض آئمہ کہتے ہیں کہ تعزیر مالی جائز نہیں ہے،
یہ ابتداء اسلام میں جائز تھا پھر منسوخ ہوگیا،
ان حضرات کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
یہ ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالی نے تم پر تمہارے
خون اور مال کو حرام قرار دیا ہے، ان حضرات
کی دوسری دلیل یہ ہے کہ صحابہ نے مانعین
زکوٰۃ سے قتال تو کیا لیکن ان سے زکوٰۃ
کی مقدار سے زیادہ کوئی رقم وصول نہیں کی۔
لیکن حدیث (جو علامہ قرضاوی نے اس عبارت
سے قبل پیش کی ہے) ان حضرات کے خلاف ہے
اسی لئے بعض حضرات اسکی سند پر جرح کرکے
اس روایت کو قابل احتجاج نہیں گردانتے
حالانکہ اس کی سند میں کوئی صحیح جرح نہیں ہے۔

لجأ بعضهم الى القول بنسخها ولا دليل على ذالك وقد ثبت العقوبات المالية باكثر من دليل۔

بعض لوگ منسوخ ہونے کے قائل ہیں لیکن اس کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس کے برعکس مالی جرمانہ متعدد دلائل سے ثابت ہے۔

اسی کتاب کے صفحہ ۲۶/۱۸۱ میں ہے۔

"الصحيح ان العقوبة بالمال لم تنسخ وقد ذكر المحقق ابن القيم في الطرق الحكمية خمس عشرة قضية لرسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء الراشدين تحققت فيها العقوبة بالمال"

صحیح یہ ہے کہ مالی جرمانہ منسوخ نہیں ہے، محقق ابن قیم نے عہد نبوت اور دور خلافت کے پندرہ واقعات اپنی گرانقدر تالیف الطرق الحکمیہ میں درج فرمائے ہیں۔ جن سے تحقیقی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مالی جرمانہ جائز ہے۔

فقہ عمر بن الخطاب صفحہ ۳۶۱ میں دکتور رویعی راجح رحیلی نے اس مسئلے کے دونوں پہلوؤں جواز وعدم جواز پر مفصل گفتگو کی ہے اور بحث کے اخیر میں لکھا ہے۔

والظاهر ان العقوبة بالمال جائزة اذا لم ياخذ الامام لنفسه بل ياخذ للتاديب فيضعه في بيت المال۔ وان راى ان يعطيه للمجني عليه جبرًا فله ذالك وان راى المصلحة فيه وله ان يتلفه كما فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم بمسجد الضرار وكما فعل عمر باللبن المغشوش فانه اراقه۔ اما ان العقوبة بالمال منسوخة فدعوى لا برهان عليها يقول النووي الذي ادعوه من كون العقوبة كانت بالاموال في الاول

ظاہر یہ ہے کہ تعزیر مالی جائز ہے، بشرطیکہ حاکم اپنی ذات پر خرچ کرنے کے لئے نہ لے، بلکہ تادیباً لے، اور بیت المال میں جمع کردے۔ اگر اس شخص کو دینے میں مصلحت سمجھے جس کا نقصان ہوا ہے تو مجرم سے لے کر اس کو دے سکتا ہے۔ اور اگر جرمانہ کی رقم کو ضائع کرنا بہتر ہو تو ضائع کرسکتا ہے۔ جیسا حضورؐ نے مسجد ضرار کے سلسلہ میں معاملہ فرمایا اور جیسا کہ حضرت عمرؓ نے پانی ملے ہوئے دودھ کو پھینکوا دیا۔ تعزیر مالی کے منسوخ ہونے کا دعویٰ بلاثبوت ہے،

امام نووی نے فرمایا ہے کہ یہ کہنا کہ مالی

الاسلام ليس بثابت ولا معروف، ويقول ابن القيم: ان العقوبة بالمال ليست منسوخة ومن قال: انها منسوخة والمطلق، فذالك فقد غلط على مذاهب الائمة، نقلا واستدلالاً،

جرمانہ ابتداء اسلام میں جائز تھا۔ ثابت نہیں ہے۔ ابن قیم کی تحقیق یہ ہے کہ تعزیر مالی منسوخ نہیں ہے۔ جو لوگ منسوخ ہونے کے قائل ہیں وہ ائمہ فقہ کے مذاہب بیان کرنے میں نقلاً و استدلالاً غلطی پر ہیں۔

موسوعۃ فقہ عمر بن الخطاب کے صفحہ ۱۲۶ میں لکھا ہے

كان عمر يعاقب باخذ المال وقد رأينا كيف انه عاقب عبد الرحمن بن حاطب بن ابي بلتعه بتغريمهم ضعف قيمة الناقة التي ذبحها عبيده — وقد استمد عمر ذالك من رسول الله صلى الله عليه وسلم (من اعطى مؤتجراً فله اجرها ومن منعها فانا اخذوها وشطر ماله عزمة من عزمات ربنا ليس لآل محمد منها شئ.

حضرت عمر مالی جرمانہ عائد کرتے تھے۔ انہوں نے عبدالرحمن بن حاطبؓ پر اس اونٹنی کی قیمت دو چند جرمانہ کر دیا جس کو ان کے غلاموں نے ذبح کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے اس عمل کے جواز کے لئے اس بات کو سامنے رکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں پر مالی جرمانہ عائد فرمایا۔ جو زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں کرتے۔ چنانچہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جس نے زکوٰۃ اپنی مرضی سے ثواب کی خاطر دیا تو اس کو اس کا اجر ملے گا، اور جو شخص زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا، تو ہم اس سے زکوٰۃ بھی لیں گے اور اس کے مال کا ایک حصہ بھی یہ ہمارے رب کی طرف سے تاوان ہے اس میں سے آل محمد کو کچھ نہیں ملے گا۔

ہمارے سامنے جواز اور عدم جواز دو طرح کی عبارتیں ہیں۔ لہذا رسم المفتی کے اس قاعدے کے تحت کہ قضاء میں امام ابو یوسف کے قول کا اعتبار ہوگا۔ فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر دیا جانا چاہئے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ امام ابو یوسف صرف والی یا امیر کو تعزیر بالاخذ المال کی اجازت دیتے ہیں اور ہندوستان میں والی یا امیر نہیں ہے لہذا یہ ہرگز ان [illegible]

میں اپنا ایک امیر یا والی منتخب کرلیں گا وہ اس طرح کہ مسلمان اپنی رضامندی سے کسی کو اپنا والی یا امیر بنا لیں۔

ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین۔ عالمگیری ص ۱۴۶/۱

نیز مالی جرمانہ کی مقدار کی تعیین کے وقت مجرم کی معاشی حالت، سماجی مقام اور جرم کی نوعیت کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔

موسوعۃ فقہ عمر بن الخطاب تالیف دکتور محمد اواس قلعہ جی صفحہ ۱۶۳ میں ہے۔

تناسبها مع حالة الجاني بان تكون رادعة له. ولذالك فان العقوبة لجريمة متعينة قد تختلف باختلاف مرتكبها. فان كان مرتكبها من العتاة. لا يرتدع الا بالعقوبة القاسية. شددت عليه العقوبة. وان كان من الاشراف وكانت الجريمة منه هفوة عوقب بعقوبة خفيفة."	جرمانہ کی رقم کی تعیین میں مجرم کی حالت کی رعایت ہونی چاہیئے۔ کیونکہ ایک ہی جرم کی سزا مختلف مرتکب اشخاص کے حالات کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہے۔ اگر مرتکب سرکش ہے تو سخت سزا کے بغیر جرم سے باز نہیں آئے گا۔ اس لئے اس کی سزا سخت ہوگی اور اگر مرتکب معزز لوگوں میں سے ہے اور اس کا جرم ہلکا ہے تو اس کے لئے ہلکی سزا کافی ہوگی۔

... ...

المعیار المعرب ص ۴۱۳/۲ میں بھی ہے کہ مجرم کی حیثیت اور جرم کی نوعیت کو تعزیر کے وقت ملحوظ رکھا جائے گا۔

حضرت امام ابو یوسف نے مالی جرمانہ میں جو یہ شرط لگائی ہے کہ مجرم کے تائب ہونے کے بعد جرمانہ کی رقم اس کو واپس کر دی جائے۔ تو ظاہر ہے کہ واپس کر دینے کی شکل میں "سدِ ذرائع معاصی" مشکل ہوگا، کیونکہ مجرم جب دیکھے گا کہ اس کی رقم اس کو ایک نہ ایک دن مل جائے گی تو اس جرمانہ کا اس پر کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔ بلکہ وہ اپنے آپ کو ایسا ہی تصور کرے گا جیسے کہ اس کو کوئی سزا نہیں دی گئی۔ اس لئے جرمانہ کی رقم واپس نہ کر کے قومی، ملی اور رفاہی کاموں میں خرچ کر دینا مناسب ہوگا۔

(نوٹ:- مرتب کے نزدیک اس سلسلہ میں "عاقلہ" سے استدلال کرنا زیادہ مناسب ہے وہ بھی ایک اجتماعی مالی جرمانہ ہے۔)

محمد رضی الاسلام ندوی

مناسک حج کی تاریخ

توضیح بر "جائزہ"

مناسک حج کی ابتداء کے سلسلہ میں مولانا فراہی کے بعض خیالات جمہور امت سے مختلف ہیں۔ مثلاً وہ سعی بین الصفا والمروہ کو حضرت ہاجرہ کی بیتابانہ دوڑ کے بجائے حضرت ابراہیم کی سرگرمی کی یادگار قرار دیتے ہیں۔ واقعۂ قربانی کو وہ حقیقت کے بجائے تمثیل کہتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی تعبیر حضرت اسماعیل کو بیت اللہ کی خدمت کے لئے وقف کرنا تھا۔ اور رمی جمار کو وہ سنت ابراہیمی کے بجائے واقعۂ ابرہہ کی یادگار گردانتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ماہنامہ حیات نو اعظم گڈھ کے مئی جون جولائی ۱۹۸۶ء کے شماروں میں میرا ایک مضمون "مناسک حج کی تاریخ" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ جس میں میں نے دلائل کی روشنی میں جمہور کے خیالات کی تائید کرتے ہوئے مولانا فراہی سے اختلاف کیا تھا۔ تقریباً ایک سال کے بعد برادرم محترم نسیم ظہیر اصلاحی صاحب نے حیات نو کے جولائی اگست [illegible] کے شماروں میں اس کا "جائزہ" لیا اور میرے بعض حوالوں کو غلط قرار دیتے ہوئے مولانا فراہی کی تائید میں سلف کے اقوال پیش کئے۔ میرے نزدیک اُن کے دلائل مغالطہ آمیز اور میرے حوالوں کی تغلیط بے بنیاد تھی اس لئے میں نے ایک توضیح لکھ کر مدیر "حیات نو" کی خدمت میں بھیج دی کہ وہ علمی دیانت داری کا خیال رکھتے ہوئے اسے بھی شائع کر دیں۔ مگر کئی مہینوں کے انتظار کے بعد بھی وہ شائع نہ ہو سکی۔ دریافت کرنے پر جواب دیا گیا کہ اس کی اشاعت منا…

استاد جامعۃ الفلاح نے اس کو نہ شائع کرنے کا مشورہ دیا ہے تو میں نے ان کی خدمت میں لکھا کہ آپ کو اسے شائع ہونے دینا چاہیئے۔ اس کے جواب میں انھوں نے مجھے لکھا کہ میں نے اس کی عدم اشاعت کا مشورہ اس لئے دیا تھا کیونکہ اس میں توضیح سے زیادہ مغالطہ تھا۔ آپ کو ابھی لکھنے سے زیادہ سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے اپنے سلسلہ میں بہت جلدی غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیئے۔ لوگوں کو سمجھانے سے پہلے خود قرآن کو سمجھنے کی کوشش کیجیئے۔ "ایاز قدر خود بشناس"۔

یہ توضیح قارئین کے ملاحظہ کے لئے پیشِ خدمت ہے۔ وہ خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ یہ مبنی بر دلائل ہے یا مغالطہ آمیز؟

ماہنامہ "حیات نو" اعظم گڈھ کے جولائی اور اگست ۸۶ء کے شماروں میں برادر محترم جناب نسیم ظہیر اصلاحی کا مضمون شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے حیاتِ نو ہی میں مئی جون جولائی ۸۶ء میں شائع شدہ میرے مضمون "مناسک حج کی تاریخ" پر استدراک کیا ہے اور مولانا فراہی کے بعض خیالات پر میرے جانب سے اٹھائے گئے اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔ خوشی ہوئی کہ فکر فراہی کی نشر و اشاعت اور تحقیق و تنقید کے سلسلہ میں جس جمود کو توڑنے کی میں نے کوشش کی تھی اس میں کسی حد تک کامیاب رہا ہوں۔ بحث و تحقیق کے دونوں انداز قارئین کے سامنے آگئے ہیں صحیح اور غلط یا قوی اور ضعیف کا وہ خود فیصلہ کرلیں گے۔ البتہ برادر موصوف کے "جائزہ" سے میرے مضمون کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اس لئے صاحبِ مضمون ہونے کے ناطے میری طرف سے ان کا ازالہ ضروری ہے۔ ذیل میں بہت ہی اختصار کے ساتھ اُن کی طرف اشارہ کرتا ہوں ؎

بخوانِ حدیث مفصل را تو ازیں مجمل

(۱) برادر موصوف نے بخاری کی حضرت ابن عباس سے مروی روایت میں مرفوع ٹکڑے کو راوی کا اضافہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "محدثین کرام کا مشہور طریقہ ہے کہ جب وہ کوئی ایسی حدیث بیان کرتے ہیں جو مختلف سندوں سے ہوتی ہے تو ہر سند کے بعد اس کے اندر جو کمی یا زیادتی یا الفاظ کا فرق ہوتا ہے اسے غایتِ احتیاط کی بنا پر ہر سند کے ساتھ بیان کرتے جاتے ہیں اس لئے یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہوگی کہ ایک بار پوری روایت کو غیر مرفوع کہنے کے بعد اس کے چند خاص ضمنی فقرو

کو مرفوع کہا جائے" برادر موصوف کو محدثین کا یہ طریقہ تو یاد رہا لیکن وہ یہ بھول گئے کہ محدثین کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اگر ایک روایت کئی سندوں سے مروی ہو اور کسی ایک سند میں کچھ اضافہ ہو تو اگر اس کا راوی ثقہ ہے تو وہ اضافہ قابل قبول ہوتا ہے۔ موصوف کو بتلانا چاہیئے کہ مذکورہ روایت کی سند میں کس راوی کی ثقاہت مجروح ہے جس کی وجہ سے یہ اضافہ غیر معتبر اور ناقابل قبول ہے۔

(۲) حضرت ہاجرہ کے صفا مروہ کے درمیان دوڑنے والی روایت کے سلسلہ میں قد مار کا حوالہ دیتے ہوئے جائزہ نگار نے لکھا ہے کہ "ابن جریر طبری بھی سعی کو سنت ابراہیمی تسلیم کرتے ہیں" استدلال میں زور پیدا کرنے کے لئے انھوں نے مزید لکھا ہے: "اسی وجہ سے انھوں نے اپنی تفسیر میں ان روایتوں کا ذکر سرے سے کیا ہی نہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرت اسماعیل کی والدہ حضرت ہاجرہ کی سنت ہے، حالانکہ طبقۂ مفسرین میں ان کا یہ خاص امتیاز ہے کہ وہ تاویل آیات اور احکام آیات کے ضمن میں ہر طرح کی روایتیں نقل کر کے محاکمہ کرتے ہیں اور کسی ایک قول کو ترجیح دیتے ہیں" حقیقت یہ ہے کہ موصوف نے تفسیر طبری میں صرف آیت "ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ" کی تفسیر کا مطالعہ کیا اور فیصلہ دیدیا۔ اگر وہ عجلت سے کام نہ لیتے اور سورۂ ابراہیم آیت ۳۷ ربنا إني أسكنت من ذريتي... الآیۃ کی تفسیر کا بھی مطالعہ کر لیتے تو انھیں معلوم ہوتا کہ طبری نے حضرت ہاجرہ سے متعلق روایت کو کئی طرق سے نقل کیا ہے یہی نہیں بلکہ ایک روایت میں مرفوع ٹکڑا بھی نقل کیا ہے۔ دیکھئے تفسیر طبری المطبعۃ المکبریٰ مصر ۱۳۲۲ھ طبع اول ص ۱۵۲-۱۵۵ سورۂ ابراہیم آیت نمبر ۳۷ کی تفسیر۔

(۳) برادر موصوف نے فخر الرازی کے بارے میں لکھا ہے کہ واقعۂ ہاجرہ کو انھوں نے "الحکایۃ المشہورۃ" لکھا ہے جس سے اس کا اسرائیلیات میں سے ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ یہی غلط ہے۔ رازی کے الحکایۃ المشہورۃ کہنے سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اس سے اس کے ضعیف یا بے بنیاد یا اسرائیلی ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا اور اس روایت میں ذرا بھی ضعف ہوتا تو رازی خود اس کی تردید کرتے یا کم از کم اس کی طرف کچھ اشارہ کر دیتے۔ اس کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ وہ متعدد مقامات پر خود اس روایت کا حوالہ دیتے ہیں اور بطور اعتماد سے پیدا ئے خاطر کرتے ہیں۔ وہ مقامات کا حوالہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں۔

کان السعی بین الصفا والمروۃ من شعائر ابراهیم علی ما ذکر فی قصۃ .	صفا اور مروہ کے درمیان سعی حضرت ابراہیم کے شعائر میں سے ہے جیسا کہ ہاجرہ کا قصہ

بناء الكعبة ، وسعى هاجر بين الجبلين، فلما كان الأمر كذلك ذكر الله تعالى هذا الحكم عقيب تلك الآية

کے درمیان حضرت ہاجرہ کی سعی کے واقعہ میں مذکور ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے فوراً بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کا حکم دیا۔

(تفسیر الرازی المطبعۃ العامرۃ ۱۳۰۸ھ جلد دوم ص۳۳۔ تفسیر آیت ان الصفا والمروۃ ۔۔الخ)

دوسری جگہ لکھا ہے :

قال ان الصفا والمروة من شعائر الله وانما جعلهما كذلك لانهما من آثار هاجر واسماعيل مما جرى عليهما من البلوى (ايضاً جلد دوم ص۳۳)

صفا اور مروہ شعائر الٰہی میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں شعائر اس وجہ سے قرار دیا ہے کیونکہ وہ حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کی ہونے والی آزمائش کے آثار میں سے ہیں۔

(۴) فاضل جائزہ نگار نے حدیث " قفوا على مشاعركم فانكم على إرث ابراهيم" ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سعی ابراہیم کی یادگار ہے" استدلال کو مزید وزن دار بنانے کے لئے انھوں نے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں : "یہی وہ بنیادی نکتہ اور اہم حقیقت ہے جس کو نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ اس سے تہہ در تہہ غلطیاں پیدا ہوگئیں اور ایک داستان کو حقیقت سمجھ لیا گیا" کتنی عجیب بات ہے کہ یہاں تو موصوف اس حدیث کے ذریعے روایت ہاجرہ کی تردید کرتے ہوئے سعی کو سنت ابراہیمی قرار دیتے ہیں۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد رمی جمار کے سلسلہ میں حدیث مذکور کو بھول جاتے ہیں اور رمی کے سنت ابراہیمی ہونے کے واضح اشارات کے باوجود اسے واقعۂ ابرہہ کی یادگار قرار دینے لگتے ہیں۔ وہاں ان کو یہ حدیث یاد نہیں آتی۔ استدلال کی یہ دورُخی کتنی عجیب ہے ؟ !

(۵) موصوف نے طبرانی اور بیہقی کی یہ روایت ذکر کی ہے۔" ان ابراهيم لما أمر بالمناسك اعترض له الشيطان عند المسعى فسابقه فسبقه .... اور طبری کا یہ قول نقل کیا ہے : " ان السعي بينهما من مشاعر الحج التي سنها و أمر بها خليله ابراهيم ...... پھر لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کی نظر میں اپنے لخت جگر کو لے جاتے ہوئے جس سرگرمی کا مظاہرہ کیا تھا سعی اسی کی یادگار ہے۔ غالباً انھوں نے " مناسك" قربانی کے معنی میں سمجھ لیا ہے حالانکہ قربانی کیلئے لفظ " نسك" استعمال ہوتا ہے۔

میں صحت سے ہم آہنگ مناسبت کی ہے۔ ان روایتوں سے ہمارے نظریہ کی تردید نہیں ہوتی البتہ خود انھیں کی تردید ہوتی ہے۔ طبرانی اور بیہقی کی روایت میں حضرت ابراہیم کے مناسک حج کی ادائیگی کے وقت "سعی" میں شیطان کے آنے اور حضرت ابراہیم کے اس سے آگے بڑھ جانے کا تذکرہ ہے اس میں وقتِ ارادۂ ذبح حضرت ابراہیم کی سرگرمی کا دور دور تک اشارہ نہیں ملتا۔ طبری کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ سعی بین الصفا والمروہ حضرت ابراہیم کی سنّت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سنّت کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حضرت ابراہیم کے کسی واقعہ کی یادگار ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مناسک حج کی ادائیگی کا حکم دیا۔ تو سب سے پہلے حضرت ابراہیم نے ان پر عمل کیا۔ مقدم الذکر روایات میں حضرت ابراہیم کے مناسک ادا کرنے کا ذکر ہے اسی بنیاد پر امام رازی نے مذکورہ بالا اقتباس میں سعی کو "من شعائر ابراھیم" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

(۶) برادر موصوف نے نظریۂ فراہیؒ کا اثبات کرتے ہوئے پوری کوشش کی ہے کہ حضرت ہاجرہ کی بے تابانہ دوڑ کی اہمیت کم کر کے دکھائی جائے اور اسے اتنا عام اور معمولی بنا کر پیش کیا جائے کہ اس پر شعائر کا اطلاق ہی نہ ہو سکے۔ اسی وجہ سے وہ یہاں تک لکھ گئے ہیں: "آخر حضرت ہاجرہ کی وہ کون سی اہمیت و خصوصیت تھی جس کی بنا پر اس واقعہ کو رہتی دنیا تک کے لئے یادگار اور نمونہ بنا دیا گیا۔ وہ پیغمبر نہیں تھیں بلکہ ایک پاکباز صابر و شاکر اور خدا کی فرمانبردار خاتون تھیں کسی نبی کی بیوی یا ماں ہونے کا شرف تو متعدد عورتوں کو حاصل ہے مگر ان میں سے کسی کو یہ امتیاز حاصل نہیں ہوا۔ اس حیثیت سے بھی غور کرنا چاہئے کہ حضرت ہاجرہ کا یہ عمل اپنے اندر کوئی بہت زیادہ معنویت بھی نہیں رکھتا اس لئے کہ ان کے بجائے کوئی بھی دوسری ماں ہوتی تو وہ بھی اپنی مامتا سے مجبور ہو کر اس وقت وہی کرتی جو حضرت ہاجرہ نے کیا تھا۔ اس بنا پر سعی کا حضرت ہاجرہ کے اس واقعہ کی یادگار ہونا عقلاً بھی موزوں اور مناسب معلوم نہیں ہوتا" یہ طویل اقتباس نقل کرنے کی ضرورت اس لئے پڑی تاکہ واضح ہو سکے کہ برادر موصوف نے واقعۂ ہاجرہ کی اہمیت کم کرنے کی کس کس طرح کوشش کی ہے، لیکن غور کرنا چاہئے کہ کیا ماں کی محبت فطری ہونے کی وجہ سے اس تاریخی واقعہ کی اہمیت کم ہو جاتی ہے؟ اسے ایک مثال سے سمجھئے۔ حضرت مریم اس وقت شدید آزمائش سے دوچار ہوئیں جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ حمل سے ہیں باوجودیکہ کسی مرد نے انھیں چھوا تک نہیں ہے۔ سورۂ مریم کے

مطالعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک عفت مآب پاکباز کنواری عورت کی اس وقت کیا حالت رہی ہوگی ؛ آج بھی اگر کوئی عفت مآب شریف کنواری عورت اس کیفیت سے دوچار ہو تو وہ بھی اسی طرح پریشان ہوگی جس طرح حضرت مریم ہوئی تھیں اس لئے ایسا ہونا فطری ہے لیکن کیا اس سے حضرت مریم کے اس واقعہ کی اہمیت گھٹ گئی ؟! غور کیجئے باوجود فطری صورتحال سے دوچار ہونے کے قرآن حضرت مریم کو دنیا کی تمام عورتوں سے افضل قرار دیتا ہے :

یامریم ان اللہ اصطفاك وطهرك واصطفاك على نساء العالمين۔	اے مریم اللہ نے تجھے برگزیدہ کیا اور پاکیزگی عطا کی اور تمام دنیا کی عورتوں پر تجھ کو ترجیح دیکر
(آل عمران ــ ۴۲)	اپنی خدمت کے لئے چن لیا ۔

ٹھیک اسی طرح باوجود یہ کہ حضرت ہاجرہ پیغمبر نہیں تھیں اور باوجود یہ کہ ان کی محبت فطری ہوتی ہے لیکن اس واقعہ کی اہمیت یہ کہہ کر گھٹایا نہیں جاسکتا کہ ایسا ہونا تو فطری ہے ،

(۷) فاضل جائزہ نگار نے حقیقت رؤیا کے سلسلہ میں نظریہ فراہی کی تائید میں قدماء میں سے شوکانی قرطبی، ابن عربی اور ابوحیان اندلسی کی کتابوں سے حوالہ دیئے ہیں۔ یہ ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ یہ تمام اقوال " قیل " یا " قال بعضهم " کے الفاظ سے مذکور ہیں جن سے ان کے مرجوح اور ضعیف ہونے کا واضح اشارہ مقصود ہے اور انھیں ان مؤلفین نے اپنے نزدیک راجح قول کے بعد ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد غور کیجئے کہ ایک طرف مولانا فراہی اور ان کے مکتب فکر کے نمائندے صحیحین اور حدیث کی دوسری مستند کتابوں میں مذکور احادیث کو بھی خاطر میں نہیں لاتے اور دوسری طرف اپنے نظریہ کے اثبات میں کیسی کیسی مہمل روایتوں کا سہارا لیتے ہیں ؟؟

ان میں سے قرطبی اور شوکانی کی نقل کردہ روایت میں واضح طور پر " توھم " (یعنی حضرت ابراہیم کو وہم ہوگیا) کے الفاظ ہیں ۔ اور ابوحیان کی نقل کردہ میں ہے کہ فرشتوں کے بشارت دیتے وقت ہی حضرت ابراہیم نے ہونے والی اولاد کے " ذبیح اللہ " ہونے کا اعلان کردیا تھا کیا ایسی روایتوں کو استدلال میں پیش کیا جاسکتا ہے ؟ !

(۸) بھاور موصوف نے رمی جمار کے سلسلہ میں لکھا ہے : اگر بالفرض یہ مان ہی لیا جائے کہ

چنانچہ تب بھی اس سے کوئی خاص اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ یہ رسم تو سو سال یا کم از کم چالیس سال قبل اسلام سے عربوں میں جاری تھی۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک طرف موصوف اصمعیات کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ رمی جمار کی رسم جاہلیت میں جاری تھی۔ دوسری طرف بالکلیہ انکار کرتے ہیں کہ اشعار جاہلیت میں رمی جمار کا تذکرہ ہی نہیں۔ اور اس رسم کو وہ واقعۂ ابرہہ کی یادگار قرار دیتے ہیں۔

(۹) ازرقی کی "تاریخ مکہ" کی ایک روایت کے حوالہ سے موصوف نے لکھا ہے کہ "رمی جمار کی ابتداء آغاز اسلام سے ہوئی" حالانکہ ازرقی نے تفصیل سے ایسی متعدد روایتیں ذکر کی ہیں جن میں رمی جمار کے حضرت ابراہیم کی سنت ہونے کی صراحت موجود ہے (دیکھئے اخبار مکہ وما جاء فیہا من الآثار المطبعۃ الماجدیہ مکہ المکرمہ ۱۳۵۲ھ جلد اول ص ۳۱-۳۲)

آخر میں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس "توضیح" میں میں نے صرف وہی باتیں ذکر کی ہیں جن سے موصوف کے اس مقالہ سے میرے مضمون کے سلسلہ میں قارئین کو غلط فہمی ہونے کا امکان ہے۔ اس سے ہرگز یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جن باتوں کا تذکرہ میں نے نہیں کیا ہے ان پر اب کلام کی گنجائش نہیں۔ برادر موصوف کے "جائزہ" کے تمام مباحث پر دوبارہ گفتگو کے بجائے بہتر ہے کہ اس بحث کو قارئین کے حوالے کر دیا جائے کہ وہ ان دونوں مقالات کو پڑھ کر کوئی رائے قائم کریں۔ ———— وما توفیقی إلا باللہ

فقہ اسلامی سیمینار کے چند اہم فیصلے

سود سے متعلق مسائل

دوسرے فقہی سیمینار منعقدہ مورخہ ۸ر تا ۱۱ر دسمبر ۱۹۸۹ء میں سودی قرض سے متعلق سوالات زیر بحث آئے، احکام شرع، قواعد فقہ اور نظائر نیز زمانہ کے حالات و مصالح کے پیش نظر مندرجۂ ذیل امور پر اتفاق کیا گیا۔

(۱) ربوٰی (سود) قطعی حرام ہے، اور جس طرح سود لینا حرام ہے، اسی طرح سود دینا بھی حرام ہے۔

(۲) سود ادا کرنے کی حرمت بذات خود نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ یہ سود خواری کا ذریعہ ہے اس لیے بعض خاص حالات میں عذر کی بنیاد پر سود ادا کر کے قرض لینے کی اجازت دی جا سکتی ہے کون سا عذر معتبر ہے اور کون سا نہیں، اور کون سی حاجت قابل لحاظ ہے اور کون سی حاجت قابل لحاظ نہیں، اس سلسلہ میں معتمد اصحاب افتاء کے مشورہ پر عمل کیا جائے۔

(۳) ہندوستان میں بعض سرکاری قرضے ایسے ہیں جس میں سرکار کی طرف سے چھوٹ (SUBSIDY) دی جاتی ہے، اور سود کے نام سے اضافی رقم بھی لی جاتی ہے، اگر سود کے نام سے لی جانے والی یہ اضافی رقم چھوٹ (SUBSIDY) کے مساوی ہو یا اس سے کم ہو تو یہ اضافی رقم شرعاً سود نہیں۔

(۴) ہندوستان میں حکومت جب اراضی مملوکہ کو اکوائر کرتی ہے یعنی بحکم سرکاری وہ

اراضی مفاد عامہ کے لیے جبراً خریدی جاتی ہیں، اور حکومت اس کی قیمت مالکان اراضی کو اپنے ضابطوں کے پیش نظر اپنی منشا کے مطابق ادا کرتی ہے، مالکان اراضی سرکاری حکم کے خلاف عدالتوں سے رجوع کرتے ہیں، عدالتیں عادلانہ قیمت کا تعین کرتی ہیں اور مالکان اراضی کو ایکوزیشن کی تاریخ سے بذریعہ فیصلۂ عدالت اس قیمت کے علاوہ اضافی رقم بھی سود کے نام سے دلاتی ہیں، سیمینار کی رائے میں یہ اضافی رقم سود نہیں، بلکہ قیمت کا جزء ہے، جس کا لینا اور اپنے مصرف میں خرچ کرنا جائز ہے

(۵) سرکاری بینکوں سے ملنے والے ترقیاتی قرضوں اور ان میں ادا کیے جانے والے سود کے مسئلہ پر ہندوستان کے مخصوص پس منظر میں غور کرکے کسی فیصلے تک پہونچنے کے لیے یہ سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی سے علماء و متخصصین کی ایک کمیٹی کی تشکیل کی سفارش کرتا ہے، جو مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر کسی نتیجہ تک پہونچے۔

بینک انٹرسٹ کے سود ہونے پر شرکائے سیمینار کا اتفاق ہے، انٹرسٹ کی رقم بینک سے نکالی جائے یا چھوڑی جائے؟ نکال لی جائے تو کس مصرف میں خرچ کی جائے، اس سلسلہ میں درج ذیل امور طے پائے:

(۱) بینکوں سے ملنے والی سود کی رقم کو بینکوں میں نہ چھوڑا جائے، بلکہ اسے نکال کر مندرجہ ذیل مصارف میں خرچ کیا جانا چاہئے:

(۲) بینک کے سود کی رقم کو بلا نیت ثواب فقراء و مساکین پر خرچ کردیا جائے، اس پر تمام ارکان کا اتفاق ہے۔

(۳) سود کی رقم کو مساجد اور اس کے متعلقات پر خرچ نہیں کیا جاسکتا۔

(۴) اکثر شرکائے سیمینار کی یہ رائے ہے کہ اس رقم کو صدقات واجبہ کے مصارف کے علاوہ رفاہ عام کے کاموں پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے، بعض حضرات کی رائے میں اس کے مصرف کو فقراء و مساکین تک محدود رکھنا چاہیے۔

کرنسی نوٹ کا مسئلہ

موجودہ دور میں سونا چاندی ذریعۂ تبادلہ نہیں رہا، اور کاغذی نوٹ نے ذریعۂ تبادلہ ہونے میں سونے چاندی کی جگہ لے لی ہے، حکومت کے قانون میں بھی کاغذی نوٹوں کو مکمل طور پر ثمن کی حیثیت دے دی گئی ہے اور

نوٹ کو قبول کرنا لازم قرار دیتے ہیں، غرضیکہ کاغذی نوٹوں کی حیثیت عرف اور رواج میں زر قانونی کی ہوگئی ہے، کرنسی کے اس ہمہ گیر رواج نے جو شرعی اور فقہی مسائل پیدا کیے ہیں ان کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے اور غور وخوض کرنے کے بعد شرکائے سمینار درج ذیل نکات پر متفق ہوئے:

(۱) کرنسی نوٹ سند وحوالہ نہیں ہے، بلکہ ثمن ہے۔ اور اسلامی شریعت کی نظر میں کرنسی نوٹ کی حیثیت زر اصطلاحی وقانونی کی ہے۔

(۲) عصر حاضر میں نوٹوں کے ذریعہ تبادلہ ہونے میں مکمل طور پر زر خلقی (سونا، چاندی) کی جگہ لے لی ہے، اور باہمی لین دین نوٹوں کے ذریعہ انجام پاتا ہے، اس لیے کرنسی نوٹ بھی احکام میں ثمن حقیقی کے مشابہ ہے، لہٰذا ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی سے کمی وبیشی کے ساتھ نہ تو نقد جائز ہے نہ ادھار۔

(۳) دو ملکوں کی کرنسیاں دو اجناس ہیں، اس لیے ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ دوسرے ملک کی کرنسی سے کمی وبیشی کے ساتھ حسب رضائے فریقین جائز ہے۔

(۴) کرنسی نوٹوں پر زکوٰۃ لازم ہے۔

؟ (۵) نوٹوں میں زکوٰۃ کا نصاب چاندی کے نصاب کی قیمت کے مساوی ہوگا۔

(۶) موخر مطالبات کے سلسلہ میں کرنسی نوٹوں کی قوت خرید اور قدر وقیمت میں ہونے والے اتار چڑھاؤ کا احکام شرعیہ میں اعتبار کیا جائے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں شرکائے سمینار کے درمیان دو نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں، کمیٹی کی رائے میں اس مسئلہ کے بارے میں کوئی فیصلہ آئندہ مزید غور وفکر کے بعد کیا جائے گا۔

(۷) اس اجلاس کا احساس ہے کہ مہر کی سونے اور چاندی کے ذریعہ تعیین عمل میں آئے تاکہ پوری طرح عورتوں کے حقوق کا تحفظ ہوسکے، اور سکوں کی قوت خرید میں کمی کی وجہ سے ان کو نقصان نہ پہونچے۔

تجارتی سود اور اسلامی شریعت

سود کے سلسلہ میں بحث ومباحثہ اور غور وفکر کے بعد اس ایوان کی متفقہ رائے حسب ذیل

[signature]

[illegible] ذاتی مصارف کے لیے قرض لیا دیا جائے یا تجارتی وکاروباری قرض لیا جائے شریعت اسلامیہ کی نظر میں بہر حال حرام ہے، یہ سمجھنا کہ سود کی حرمت کا اطلاق تجارتی وکاروباری قرضوں پر نہیں ہوتا قطعاً غلط ہے، نیز یہ خیال کہ تجارتی وکاروباری قرضوں کا وجود زمانۂ نزول قرآن میں نہیں پایا جاتا اس لیے حرمت ربوا کا اطلاق ان پر نہیں ہوگا کسی طرح درست نہیں، یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ تجارتی وکاروباری مقاصد کے لیے سودی لین دین عرب جاہلیت نیز ان قوموں میں جن سے جاہلی عربوں کے تجارتی روابط تھے رائج اور شائع تھے، چنانچہ تجارتی وکاروباری مقاصد کے لیے سودی لین دین تحریم ربوا کا اولین مورد ہے، اس کے علاوہ بالفرض اگر تجارتی وکاروباری مقاصد کے لیے سودی لین دین کا وجود زمانۂ نزول قرآن میں نہ بھی پایا جاتا تب بھی مستقل شرعی دلائل دونوں قسم کے قرضوں (ذاتی وشخصی اور تجارتی وکاروباری) پر اضافے یعنی سود کی حرمت کے بارے میں قائم ہیں، قرآن وسنت، اجماع وقیاس اور امت محمدیہ کا عمل متوارث سب یہی بتاتے ہیں کہ حرمت ربوا کے بارے میں اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا کہ قرض لینے دینے کا مقصد اور محرک کیا ہے؟

سود کی حرمت پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں پڑتا کہ شرح سود کم ہے یا زیادہ، مناسب حد تک کم ہے یا مناسب حد تک زیادہ، شریعت اسلامیہ میں اس بات کو تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ شرح سود اگر مناسب حد تک کم ہے تو سودی لین دین جائز ہے، اور اگر نامناسب حد تک زیادہ ہے تو اس میں کوئی فرق نہیں کیا ہے، اور دلائل شرعیہ اس طرح کی کسی تفریق کی اجازت نہیں دیتے

دارالاسلام، دارالحرب اور مختلف ممالک کی حیثیت کا تعین

دارالحرب میں عقود فاسدہ کے جواز، یا یہ کہ دارالحرب میں سود کے ثبوت کی ضروری شرط اموال کا معصوم ہونا موجود نہیں، اس لیے دارالحرب میں سود کا تحقق ہی نہیں ہوتا، اور آیا ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں، اور یہ کہ ہندوستانی جمہوریہ دارالکفر ہوتے ہوئے بھی ان ممالک کی فہرست میں آتا ہے یا نہیں جہاں اموال معصوم نہیں رہتے، یہ اور اس طرح کے دیگر سوالات پر سیمینار میں غور کیا گیا، اور مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا، اگرچہ سیمینار میں

عام رجحان یہ رہا کہ ہندوستان جیسے ملکوں میں سودی کاروبار کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا، لیکن پھر بھی مقالات اور مباحث میں آنے والے مختلف نقطہائے نظر کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی سے ایسی کمیٹی تشکیل کیے جانے کی سفارش کرتا ہے جس میں محقق علماء وفقہاء کے علاوہ ماہرین علم سیاست، دستوری قوانین اور بین الاقوامی تعلقات سے متعلق قوانین کے ماہرین کو شریک کیا جائے، یہ کمیٹی اس کا جائزہ لے کہ اسلام کی دستوری ہدایات اور اسلامی قانون بین الممالک کی روشنی میں آج کے مختلف نظامہائے حکومت کو کتنی قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، اور ان کے علٰحدہ علٰحدہ کیا احکام ہوں گے، اس سلسلہ میں دو ممالک کے باہمی تعلقات اور ان میں سے ایک کے لیے دوسرے کی حیثیت، اور ساتھ ہی خود اس ملک میں بسنے والی مسلم آبادی کی اپنے ہم وطنوں اور اپنے ملک کی حکومت کے ساتھ تعلقات کی قانونی نوعیت شرع اسلامی کی روشنی میں کیا ہونی چاہیے؟

یہی کمیٹی اس پر بھی غور کرے کہ کیا کچھ ایسے حالات بھی پیش آسکتے ہیں جن میں معاملات ربویہ اور عقود فاسدہ مسلمانوں کے لیے غیر مسلموں کے ساتھ جائز قرار دیے جائیں۔

غیر سودی بینک کاری کیلئے پروجیکٹ کی تیاری

دوسرا فقہی سمینار سودی معاملات سے متعلق غور وفکر کے ذیل میں اس نتیجے پر پہونچا کہ غیر سودی بینک کاری اور مقامی سطح پر ایسی سوسائٹیز کا قیام جو غیر سودی بنیادوں اور جائز شرعی عقود اور معاملات کی بنیاد پر سرمایہ کاری اور امداد فراہم کرنے کا کام مفید ہوسکتا ہے، بشرطیکہ ان کاموں کی انجام دہی کے لیے ایسے نظام سامنے ہوں جو شرع سے متصادم نہ ہوں، اس وقت ملک میں ایسی مختلف کوششیں جاری ہیں، لیکن ان کوششوں میں باہم تنظیم اور یکسانیت کا فقدان ہے، یہ سمینار ضروری سمجھتا ہے کہ جدید بینکنگ کے اصولوں اور شریعت کے احکام کو سامنے رکھتے ہوئے غیر سودی بینک کاری کا ایک جامع منصوبہ (PROJECT) تیار کیا جائے جو صرف یہ کہ مسلمانوں کو سود کی حرمت سے بچائے اور ان کو معاشی استحکام بخشے، بلکہ دیگر پسماندہ اور دیگر انسانی طبقات کو بھی سہارا دے سکے جو امت رحمۃ للعالمین کا فریضہ ہے۔

یہ سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی سے ایسے خاکے اور منصوبے (Project)

کی تیاری کے لیے علماء وفقہاء نیز بینکنگ اور معاشیات کے ماہرین پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل کی سفارش کرتا ہے۔

پگڑی کا مسئلہ [۱]

پہلے فقہی سیمینار منعقدہ ۱۰ر تا ۱۳ر اپریل ۱۹۸۹ء میں پگڑی کے مسئلہ کے سلسلہ میں مختلف رائیں سامنے آئی تھیں، ان کو پیش نظر رکھ کر ہندوستان کے مستند علماء اور مفتیان عظام کی خدمت میں پانچ سوالات بھیجے گئے تھے، ان کے جوابات کی روشنی میں درج ذیل تجاویز پر اتفاق پایا گیا۔

(۱) مالک مکان زر ضمانت و ڈپوزٹ کے نام سے کرایہ دار سے جو پیشگی رقم وصول کرتا ہے بہتر ہے کہ اس کو بعینہٖ محفوظ رکھا جائے گا، اگر مالک اس کو خرچ کر دے تو وہ اس بات کا ضامن ہوگا کہ کرایہ داری کی مدت ختم ہوتے ہی وہ رقم کرایہ دار کو فوراً واپس کر دے۔

(۲) اگر کوئی مکان یا دکان کرایہ پر دیا جائے اور مالک مکان مروجہ پگڑی کے نام سے اصل ماہوار کرایہ کے علاوہ بھی نقد رقم کرایہ دار سے وصول کرے تو سمجھا جائے گا کہ مالک مکان نے بحیثیت مالک اپنے مکان کو کرایہ دار سے واپس لینے کے حق سے دست برداری کا عوض وصول کرلیا ہے، اور یہ رقم اس کے لیے اس حق کے عوض ہونے کی بنیاد پر جائز ہوگی، آئندہ اگر مالک مکان کرایہ دار سے مکان واپس لینا چاہے تو کرایہ دار کو حق ہوگا کہ وہ مکان خالی کرنے کا عوض جس پر ہر دو فریق راضی ہو جائیں مالک مکان سے وصول کرلے، اور اس صورت میں کرایہ دار دوسرے کرایہ دار کے حق میں باہمی طے شدہ رقم کے عوض اپنے اس حق سے جو اس نے اصل مالک سے عوض دے کر حاصل کیا تھا دست بردار ہو سکتا ہے۔

(۳) مالک مکان نے پگڑی لیے بغیر مکان کرایہ پر دیا اور اجارہ کی مدت اصل معاملہ میں مقرر نہیں کی گئی ہو تو اس صورت میں مالک مکان کو حق ہوگا کہ جب چاہے مکان خالی کرالے، البتہ مالک مکان کو چاہیے کہ خالی کرانے کی نوٹس اور خالی کرنے کے درمیان ایسی مہلت دے جو مقامی حالات کے پیش نظر مناسب ہو، اور جس میں مالک اور کرایہ دار کو کوئی خاص ضرر لاحق نہ ہو اور کرایہ دار کو بھی چاہیے کہ اس مناسب مہلت تک مکان خالی کر دے۔

(۴) جو مکان یا دکان بغیر پگڑی کے کرایہ پر دی گئی ہو مالک مکان کو مکان واپس

کرتے وقت کرایہ دار کے لیے اس سے پگڑی طلب کرنا جائز نہ ہوگا۔

(ہ) سیمینار مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ اپنے معاملات میں شریعت کا خاص خیال رکھیں شریعت چاہتی ہے کہ کسی بھی معاہدہ کے بارے میں معاہدہ کے ہر دو فریق تمام ضروری متعلق امور کو وضاحت اور صراحت کے ساتھ باہم طے کرلیں، تاکہ آیندہ کوئی نزاع پیدا نہ ہو، اور فریقین ضرر سے محفوظ رہیں، اس سلسلہ میں سیمینار خصوصیت سے یہ سفارش کرتا ہے کہ کرایہ داری کا معاملہ طے کرتے وقت مدت کا تعین کرلیا جائے، اور اگر مالک مکان عوض لے کر ہمیشہ کے لیے اپنے خالی کرانے کے حق سے دستبردار ہونا چاہتا ہے تو فریقین صراحۃً آپس میں اس کو طے کرلیں۔

اعضاء کی پیوندکاری

اعضاء کی پیوندکاری کے مسئلہ پر پہلے فقہی سیمینار منعقدہ یکم ۲ر ۳ر اپریل ۱۹۸۹ء میں سیر حاصل بحث کی گئی، اس مسئلہ پر پیش کیے گئے مقالات اور مباحثے تفصیل کے ساتھ مجلہ بحث و نظر فقہی سیمینار نمبر میں شائع ہو چکے ہیں۔

اس سیمینار میں چند امور پر اتفاق کیا گیا، اور باقی ماندہ امور کے بارے میں آخری فیصلے تک پہونچنے کے لیے ایک سب کمیٹی کو سیمینار کے مباحثوں کی روشنی میں سوالات مرتب کرکے علماء و فقہاء کی خدمت میں ارسال کرنے کا کام سونپا گیا، اس کمیٹی نے اس موضوع پر نیا سوال نامہ تیار کیا جو علماء و فقہاء کی خدمت میں بھیجا گیا، اور ان کے جوابات حاصل کیے گئے۔

ان تمام مباحث اور جوابات پر غور کرنے کے بعد ہم دستخط کنندگان ذیل مندرجہ ذیل امور پر اپنے اتفاق کا اظہار کرتے ہیں:

(۱) کسی انسان کا کوئی عضو ناکارہ ہو چکا ہو اور اس عضو کے عمل کو آیندہ جاری رکھنے کے لیے کسی متبادل کی ضرورت ہو تو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے

(ا) غیر حیوانی اجزاء کا استعمال

(ب) ایسے جانوروں کے اعضاء کا استعمال جن کا کھانا شرعاً جائز ہے، اور جو بطریقہ شرعی ذبح کیے گئے ہوں۔

(ج) جان کی ہلاکت یا عضو کے ضائع ہونے کا قوی خطرہ ہو۔ اور اس مطلوبہ عضو کا بدل

[illegible] ... یا حلال ہو ... [illegible] شرعی طریقہ پر ذبح نہیں کیے گئے ہیں، تو ایسی صورت میں ان غیر ماکول اللحم یا ماکول اللحم مگر غیر مذبوح جانوروں کے اعضاء کا استعمال جائز ہے۔

اور اگر جان یا عضو کی ہلاکت کا شدید خطرہ نہ ہو تو خنزیر کے اجزاء کا استعمال جائز نہیں۔

(۲) اسی طرح ایک انسان کے جسم کا ایک حصہ اسی انسان کے جسم میں بوقت حاجت استعمال کیا جانا جائز ہے۔

(۳) اعضائے انسانی کا فروخت کرنا حرام ہے۔

(۴) اگر کوئی مریض ایسی حالت کو پہونچ جائے کہ اس کا کوئی عضو اس طرح بے کار ہو کر رہ گیا ہے کہ اگر اس عضو کی جگہ دوسرا عضو اس کے جسم میں پیوند نہیں کیا جاتا تو قوی خطرہ ہے کہ اس کی جان چلی جائے گی، اور سوائے انسانی عضو کے کوئی دوسرا متبادل اس کمی کو پورا نہیں کر سکتا، اور ماہر قابل اعتماد اطباء کو یقین ہے کہ سوائے عضو انسانی کی پیوند کاری کے کوئی راستہ اس کی جان بچانے کا نہیں ہے اور عضو انسانی کی پیوند کاری کی صورت میں ماہر اطباء کو ظن غالب ہے کہ اس کی جان بچ جائے گی اور متبادل عضو انسانی اس مریض کے لیے فراہم ہے تو ایسی ضرورت، مجبوری اور بے بسی کے عالم میں عضو انسانی کی پیوند کاری کرا کر اپنی جان بچانے کی تدبیر کرنا مریض کے لیے مباح ہوگا۔

(۵) اگر کوئی تندرست شخص ماہر اطباء کی رائے کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ اگر اس کے دو گردوں میں سے ایک گردہ نکال لیا جائے تو بہ ظاہر حال اس کی صحت پر کوئی برا اثر نہیں پڑیگا، اور وہ اپنے رشتہ دار مریض کو اس حال میں دیکھتا ہے کہ اس کا خراب گردہ اگر نہیں بدلا گیا تو بہ ظاہر حال اس کی موت یقینی ہے، اور اس کا کوئی متبادل موجود نہیں ہے، تو ایسی حالت میں اس کے لیے جائز ہوگا کہ وہ بلا قیمت اپنا ایک گردہ اس مریض کو دے کر اس کی جان بچانے کی کوشش کرے۔

(۶) اگر کسی شخص نے یہ ہدایت کی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے اعضاء پیوند کاری کیلئے استعمال کیے جائیں، جسے عرف عام میں وصیت کہا جاتا ہے تو از روئے شریعت اصطلاحی طور پر وصیت نہیں کہا جا سکتا اور ایسی وصیت اور خواہش شرعاً قابل اعتبار نہیں۔

پیوند کاری سے متعلق ان تجاویز پر حضرت [illegible] کے [illegible] گرامی

حسب ذیل ہیں:

۱۔ حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتی دار العلوم دیوبند

۲۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب خیرآبادی " "

۳۔ حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی " مفتی و صدر دار العلوم کراچی (پاکستان)

۴۔ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

۵۔ حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

۶۔ حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ

۷۔ حضرت مولانا محمد آدم پالن پوری مفتی جامعہ نذیریہ کاکوسی ضلع مہسانہ شمالی گجرات

۸۔ حضرت مولانا انور علی اعظمی مفتی دار العلوم مئو

۹۔ حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب مفتی جامعہ مفتاح العلوم مئو

۱۰۔ حضرت مولانا جمیل احمد نذیری مفتی و ناظم جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور

۱۱۔ حضرت مولانا خلیل الرحمن اعظمی عمری ناظم جامعہ عربیہ دار السلام عمرآباد (تمل ناڈو)

۱۲۔ حضرت مولانا محمد ایوب ندوی جامعہ اسلامیہ بھٹکل (کرناٹک)

۱۳۔ حضرت مولانا زبیر احمد قاسمی شیخ الحدیث دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد

۱۴۔ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صدر مدرس دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد

۱۵۔ حضرت مولانا محمد عبید اللہ اسعدی استاذ حدیث جامعہ عربیہ ہتورا، باندہ

۱۶۔ حضرت مولانا ضیاء الدین اصلاحی ناظم دار المصنفین اعظم گڈھ

۱۷۔ حضرت مولانا محمد عبد اللہ طارق دہلی

۱۸۔ حضرت مولانا محمد اسعد قاسمی دار العلوم الاسلامیہ بستی (یو۔پی)

۱۹۔ حضرت مولانا معاذ الاسلام صاحب استاذ مدرسہ امدادیہ مرادآباد (یو۔پی)

۲۰۔ حضرت مولانا محمد مصطفی مفتاحی مفتی دار العلوم راجستھان

۲۱۔ حضرت مولانا عبد الاحد ازہری قاضی شریعت دار القضاء مالیگاؤں (مہاراشٹر)

۲۲۔ حضرت مولانا سراج احمد صاحب مفتی مدرسہ معہد ملت مالیگاؤں (مہاراشٹر)

۲۳ حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب شیخ الحدیث دار العلوم اسلامیہ عربیہ بھروچ
۲۴۔ حضرت مولانا عتیق احمد صاحب بستوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۲۵۔ حضرت مولانا محمد انیس الرحمن قاسمی معاون قاضی شریعت امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ
۲۶۔ حضرت مولانا محمد سعود عالم قاسمی ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
۲۷۔ ڈاکٹر فضل الرحمن گنوری پروفیسر شعبۂ دینیات وسابق ڈین فیکلٹی دینیات
۲۸۔ حضرت مولانا نسیم احمد قاسمی گول بازار سرہا (نیپال)
۲۹۔ حضرت مولانا عزیز الرحمن فتحپوری مفتی دار العلوم امدادیہ بمبئی ۳
۳۰۔ حضرت مولانا فضیل الرحمن ہلال عثمانی مفتی جامعہ دار السلام مالیر کوٹلہ (پنجاب)
۳۱۔ حضرت مولانا نسیم احمد قاسمی مظفر پوری "بحث ونظر" پھلواری شریف پٹنہ
۳۲ حضرت مولانا محمد زید صاحب استاذ و مفتی جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یو۔پی)
۳۳ حضرت مولانا محمد جنید عالم صاحب ندوی، قاسمی مفتی دار الافتاء امارت شرعیہ پھلواری پٹنہ
۳۴۔ حضرت مولانا حبیب اللہ قاسمی مفتی واستاذ حدیث مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور
۳۵۔ حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی قاضی شریعت دار القضاء مرکزی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ پھلواری شریف پٹنہ وسکریٹری جنرل اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

نوٹ:۔ مولانا برہان الدین سنبھلی استاذ ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دفعہ ۴، ۵ سے اتفاق نہیں ہے

ایک ہفتہ
پٹنہ، بھاگلپور اور مونگیر میں

راقم الحروف چند دوستوں کے ساتھ بہار میں بھاگلپور اور دوسرے شہروں کے فسادات کا قریب سے جائزہ لینے کے لیے ۱۶ر دسمبر ۱۹۸۹ء کو پٹنہ گیا، رات بھر امارت شرعیہ میں قیام رہا، اعظم گڈھ سے پٹنہ کا سفر کار کے ذریعہ ہوا تھا، اور خیال تھا کہ اپنی گاڑی ہی سے بھاگلپور تک جایا جائے، مگر امارت شرعیہ کے ذمہ دار حضرات نے ٹرین سے جانے کا مشورہ دیا، اس لیے کہ پٹنہ سے بھاگلپور کا راستہ ابھی پورے طور پر پُرامن نہیں تھا، چنانچہ دس بجے دن میں تسکھیا سے روانگی ہوئی، امارت شرعیہ کے مرکزی دفتر پٹنہ سے فون کے ذریعہ بھاگلپور کے کیمپ آفس کو میرے جانے کی اطلاع دے دی گئی، وہ حضرات بھاگلپور اسٹیشن پر گاڑی لے کر موجود تھے، اخلاقی تقاضا تو یہ تھا کہ میں ان کے ساتھ قیام کرتا، لیکن جب میں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ میں خلیفہ باغ شاہ شرف عالم جو میرے شاگرد ہیں اور جن کے والد شاہ فخر عالم صاحب مرحوم کے میرے تعلقات رہ چکے ہیں ان کے یہاں ٹھہروں گا تو ان حضرات نے بخوشی مجھے ان کے یہاں پہونچا دیا، بحمد اللہ شاہ شرف عالم اور ان کے بھائی وغیرہ نے پوری عزت افزائی کی، مئو کی جمعیۃ الفلاح الخیریہ کا وفد راقم الحروف کے ساتھ ہی جانے والا تھا، مگر گاڑی کی خرابی کی وجہ سے راقم الحروف ۱۲ گھنٹے بعد پہونچ سکا، وہاں پہونچ کر ان حضرات کو فون سے اپنے آنے کی اطلاع دی، دوسرے دن صبح کو مولانا انیس الرحمان قاسمی اور فخر العبید صاحب اپنی گاڑی لے کر میرے یہاں آگئے اور ہم لوگ دیہاتوں کے دورے کے لیے روانہ ہوگئے، وہاں ہم لوگوں نے چک منیا، چک بیر، کمرہ، شیخ [illegible] وغیرہ کا [illegible] کیا، ان دیہاتوں کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوا کہ ان پر بمباری کردی گئی ہے جیسے ہم

مکان ہر طرف موجود تھے جن کی چھتیں جلادی گئیں اور دروازے اور کھڑکیاں نکال لی گئی ہیں، بعض جگہ ہر جگہ مسلمانوں نے مقابلہ کیا، مگر ہماری پولیس کی بددیانتی کی وجہ سے ان کو جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا پھر بھی ان کے دلوں میں کوئی خوف و ہراس نہیں ہے، بلکہ پورے عزم کے ساتھ اب وہ کھلی ہوئی چھت والے اپنے مکانوں میں موجود ہیں، جن کے پاس اپنے بدن کے کپڑے اور ننگی دیواروں کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہا، اب بحمداللہ ان کو ہر طرح کے سامان فراہم کیے جا رہے ہیں، ان ہی چار پانچ گاؤں کی تباہی اور جانی و مالی نقصان سے اندازہ ہو گیا کہ چندیری، ہلیم پور اور لوگائیں وغیرہ میں کیا قیامت ٹوٹی ہوگی،

مئو کے حضرات جو سامان لے گئے تھے اس کی خبر پا کر چار پانچ گاؤں کے لوگ جمع ہو گئے، جن کو مولانا سلطان احمد صاحب اور دوسرے کارکنوں نے حسب ضرورت تقسیم کیا۔

مسجد کے اندر نماز کے بعد موجود مجمع کو مخاطب کر کے راقم نے دو تین باتیں عرض کیں، ایک یہ کہ جب اس طرح کی کوئی مصیبت مسلمان پر آئے تو اس کو اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ اس میں ہماری غلطی اور گناہ کتنا شامل ہے، دوسرے یہ کہ ہمیں اپنی تدبیروں سے غافل نہیں رہنا چاہیے، اور تیسرے یہ کہ آپ حضرات اپنے کو تنہا محسوس نہ کریں، بحمداللہ آپ کی پشت پر نہ صرف ہندوستان کے مسلمانوں کی، بلکہ دنیا کے سارے مسلمانوں کی ہمدردیاں ہیں، یہ بات کہتے ہوئے ہم لوگ بھی آبدیدہ ہو گئے اور سارا مجمع بھی غم و مسرت کے ملے جلے جذبات سے رو پڑا، اس وقت وہاں امارت شرعیہ بہار، جمعیۃ العلماء، جماعت اسلامی اور ادارۂ شرعیہ کے لوگ جماعتی حیثیت سے ریلیف کا کام کر رہے ہیں، اور ایک مرکزی ریلیف کمیٹی سب کے درمیان ربط کا کام بھی کر رہی ہے اور خود بھی ریلیف کا کام کر رہی ہے، جس کے سربراہ عزیز ناصرالدین صاحب قتیل خاں ہیں، ان کے علاوہ حاجی عبدالسلام صاحب کے مکان سے مولانا انیس الرحمٰن صاحب قاسمی وغیرہ بھی ریلیف کا کام کر رہے ہیں، امارت شرعیہ اب تک ۹ لاکھ روپیے بھاگلپور، سیتامڑھی اور سہسرام میں خرچ کر چکی ہے، اور تقریباً ۱۵ ٹرک کپڑے، ترپال، چٹائیاں، برتن، اور غلہ وغیرہ تقسیم کر چکی ہے، اور اس کا سلسلہ ابھی جاری ہے، مولانا نظام الدین ناظم امارت شرعیہ اور نائب ناظم مولانا احمد حسین صاحب نے بھاگلپور اور دوسری جگہوں کے مظلومین کی جو فہرست دی ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

پھلواری شریف۔ ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۹ء امارت شرعیہ کے نائب ناظم مولانا احمد ... نے اطلاع دی ہے کہ بھاگلپور میں امارت کے کارکن فساد زدگان کی امداد وآبادکاری کے کاموں کو انجام دینے کے ساتھ سروے کا کام بھی برابر جاری رکھے ہوئے ہیں، دُگھیا سے فساد کی خبر ملنے پر وہاں بھی امداد روانہ کر دی گئی ہے، اب تک بھاگلپور میں سات سو پچیس (۷۲۵) افراد کے جاں بحق ہونے کی تصدیق کی جا چکی ہے، مزید چھان بین جاری ہے، دفتر کو جو اعداد وشمار امارت کی ریلیف کمیٹیوں سے موصول ہوئے ہیں، ان کے مطابق مونگیر میں اکتالیس (۴۱)، سیتامڑھی میں تیرہ (۱۳)، سہسرام میں دو (۲) افراد جاں بحق ہوئے ہیں۔ سہسرام میں ایک ہی خاندان کے نو (۹) افراد لاپتہ تھے، ان میں سے کچھ کا ابھی تک پتہ نہیں چل سکا ہے، امارت شرعیہ کی طرف سے شہداء کی ایک فہرست وزیر اعلیٰ ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا کو بھی دی گئی ہے، انھوں نے یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ اپنے ذرائع سے اس کی تصدیق کرائیں گے، اس کے بعد مرنے والوں کے ورثاء کو امداد فراہم کرنے کی کارروائی کی جائے گی، امارت شرعیہ نے مطالبہ کیا ہے کہ چونکہ بلوائیوں نے بہت سی لاشوں کو ضائع کر دیا ہے، اس لیے حکومت لاپتہ افراد کی تحقیق کیلئے ایک مدت مقرر کر دے، اس مدت کے بعد ان کو مردہ قرار دے کر ان کے ورثاء کو امدادی رقوم مہیا کرا دی جائے۔

فساد زدہ شہروں میں متاثرین کے درمیان اناج، کھانے پینے کا سامان، دوائیں، کپڑا، کمبل، دودھ، بالٹی وغیرہ جو سامان تقسیم کیا گیا ہے، ان کے علاوہ بھاگلپور میں اب تک چار لاکھ پندرہ ہزار، مونگیر میں ایک لاکھ اٹھارہ ہزار، سہسرام میں دو لاکھ انیس ہزار اور سیتامڑھی میں چالیس ہزار روپے دیے گئے، ہندوستان کے ایک ممتاز صاحب خیر اور درد مند دل رکھنے والے نے جو اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتے، امارت شرعیہ کو ایک رقم اس ہدایت کے ساتھ فراہم کی تھی کہ اسے فساد زدگان کی معاشی بحالی پر صرف کیا جائے اور دو (۲) غیر مسلم بھائیوں کو بھی رقم دی جائے، اس کے مطابق چوبیس افراد کو ایک ایک ہزار، چوبیس افراد کو پندرہ پندرہ سو، چوبیس افراد کو دو دو ہزار اور پچیس افراد کو تین تین ہزار روپے کی مدد دی گئی، یہ لوگ چھوٹے دوکان دار یا پاور لوم چلانے والے ہیں، اس طرح معاشی بحالی اور فراہمی روزگار پر ایک لاکھ تراسی ہزار روپے خرچ کیے گئے، اس طور پر کل مجموعی رقم Rs. 9 75000/- تقسیم کی جا چکی ہے، اس کے علاوہ ٹیلرنگ کے کاروبار کرنے والے مزید افراد کو

[illegible] دینے سے پہلے چالیس اسٹال [illegible] [illegible] بنایا جا چکا ہے، مولانا احمد حسین صاحب نائب ناظم
امارت شرعیہ ۱۶ دسمبر کو بھاگلپور کے دورے پر دوبارہ جا رہے ہیں جہاں ریلیف کے کاموں کا جائزہ لیں گے
اور مزید روزگار کے مواقع کا جائزہ لے کر قطعی شکل دیں گے اور ایسے افراد کا بھی جائزہ لیں گے جن کو فوری
مدد کی ضرورت ہو، اور ریلیف ورکروں کو ضروری ہدایات دیں گے۔

جن لوگوں کو فراہمی روزگار کے سلسلے میں مدد دی گئی ہے ان کی فہرست درج ذیل ہے،
طوالت کے خیال سے پوری فہرست نقل نہیں کی جا رہی ہے۔ ممتاز احمد شعبۂ نشر و اشاعت پھلواری شریف

۱۵ دسمبر ۱۹۸۹ء

شہداء کی نام بنام جو فہرست امارت شرعیہ نے حکومت کو پیش کی ہے ان میں ۲۵، آدمیوں
کی تصدیق ہو چکی ہے اور بقیہ تلاش جاری ہے۔

جن کاموں کی تکمیل ابھی ضروری ہے ان کی فہرست امارت شرعیہ نے دی ہے جس کو وہ خود
پورا کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

(۱) فساد سے متاثرین کی شکایت درج کرانے کی سہولت فراہم کرنا۔
(۲) بے قصور افراد جو جیلوں میں پڑے ہوئے ہیں انھیں رہا کرانا۔
(۳) فساد کے مجرمین کو گرفتار کرانا۔
(۴) لوگائیں، چندری اور سلیم پور کے اجتماعی قتل کے مجرمین کو گرفتار کرانا۔
(۵) شہداء کے لیے ایک لاکھ روپیہ معاوضہ کا جو اعلان حکومت نے کیا ہے وہ ان کے
ورثاء تک پہونچانا، اس لیے کہ بہت سے لوگوں کا پوسٹ مارٹم نہیں ہو سکا۔
(۶) لاپتہ لوگوں کے لیے ایک مدت مقرر کرانا، تاکہ اس کے بعد انھیں فوت تصور کیا جائے۔
(۷) مجرم افسروں کے خلاف قانونی کارروائی کرانا۔

حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہ نے مونگیر کے شہداء کی جو فہرست دی ہے ان میں
پچاس شہداء کے نام ہیں، مولانا اور دوسرے حضرات کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ مونگیر کو بھی بھاگلپور
بنا دینے کی کوشش کی گئی لیکن ان حضرات کے عزم [illegible] کوشش سے فرقہ پرست طاقتیں پورے
طور پر کامیاب نہ ہو سکیں، حالات کے [illegible] [illegible] کے [illegible] کے

ہوتے رہتے ہیں، جس رات کو میں موجود تھا اس رات بھی کئی دھماکے ہوئے۔

اس سفر میں خانقاہ رحمانی اور مدرسہ رحمانیہ کو دیکھنے کا اور مولانا مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کی سعادت بھی ملی، اس سفر میں حضرت مولانا منت اللہ صاحب، مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب، مولانا ولی رحمانی امارت شرعیہ کے دیگر ذمہ داروں اور شاہد رام نگری اور دوسرے حضرات سے مسلمانوں کے ملی مسائل پر بھی گفتگو ہوئی، اور آیندہ کے لائحۂ عمل پر بھی تبادلۂ خیال ہوا۔

یہ عجیب بات بھی معلوم ہوئی کہ راجیو سرکار کی طرف سے یہ پیش کش بھی ہوئی کہ ہوائی جہاز بھیجا جا رہا ہے، یہ حضرات شیلا نیاس کی جگہ کو دیکھ لیں کہ وہ متنازعہ جگہ پر نہیں ہوا ہے، مگر مولانا منت اللہ صاحب نے یہ کہلا بھیجا کہ ہم امین نہیں ہیں کہ فیتا لے کر جائیں اور اس کو ناپ کر کوئی فیصلہ کریں۔

اسی طرح چیف منسٹر صاحب سے مولانا نظام الدین صاحب اور قاضی مجاہد الاسلام صاحب نے فسادات کے سلسلہ میں جو صاف صاف باتیں کیں وہ بھی ہر طرح قابل تحسین ہے، ہندوستان میں ہزاروں فسادات ہو چکے ہیں، مگر پہلی بار مسلمان شہداء کے لیے ایک لاکھ فی کس کے معاوضہ کا اعلان ہوا ہے، پہلے بیس بیس ہزار کا اعلان ہوا تھا، مگر قاضی مجاہد الاسلام صاحب نے چیف منسٹر صاحب سے جب یہ کہا کہ آپ لوگ خون خون میں امتیاز کرتے ہیں، دلی میں ۱۳ نوجوان مارے جائیں تو ان کے لیے ایک ایک لاکھ کا اعلان ہو جائے اور مسلمانوں کے لیے بیس بیس ہزار کا۔ چنانچہ اس کے بعد ہی ایک لاکھ کا اعلان ہوا۔

نوٹ :۔ یہ تفصیل ۱۵ر دسمبر ۱۹۸۹ء سے پہلے کی ہے۔

الرشاد کی ڈاک

محترمی و مکرمی استاد گرامی　　　　　　　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ بخیر و عافیت ہوں۔

مجھے آپ کا مکتوب موصول ہو گیا تھا۔ پھر اپنے ایک دوست کے ذریعے جو آپ کے ہم سفر ہو گئے تھے آپ کا زبانی پیغام بھی ملا تھا کہ میرا مضمون دسمبر کے "الرشاد" میں شائع ہو رہا ہے۔ اس پر میں آنجناب کا ازحد مشکور ہوں۔

میرے الرشاد میں شائع ہونے والے مضمون پر آپ نے جو نوٹ لکھے تھے اُن پر ردِ عمل صرف "حیات نو" ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ تحقیقات اسلامی کے شمارہ اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۸۰ء سے آپ کو معلوم ہوگا کہ برادر نسیم ظہیر اصلاحی صاحب نے بھی ان کا جائزہ لیا ہے۔ اجمالی نوٹ کا اجمالی جواب کچھ جچتا نہیں۔ اگر مکتب فراہی کے نمائندوں کو جواب ہی دینا ہے تو اب آپ کے اس مضمون کا جس میں آپ نے حد رجم کے سلسلہ میں مولانا فراہی اور اصلاحی کے خیالات کا جائزہ لیا ہے جواب دیں۔

عرصہ ہوا "مناسک حج کی تاریخ" کے عنوان سے میں نے ایک مضمون لکھا تھا۔ اسی طرح برادر نسیم ظہیر اصلاحی صاحب نے اس کا بھی جواب دیا۔ لیکن اس جواب میں چونکہ متعدد باتیں غلط تھیں اس لئے میں نے ایک توضیح "حیات نو" میں بھیجی کہ وہ اسے بھی شائع کر دیں۔ مگر اُن کی اشاعت سے ان لوگوں نے انکار کر دیا تھا۔ اب آپ کے نوٹ پر برادر نسیم ظہیر کا مضمون تحقیقات میں شائع ہوا تو یہ میں آپ کی ہی وہ توضیح آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں اگر آپ مناسب سمجھیں تو اسے شائع کر دیں۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ فراہی کی تحریروں میں کیسی کیسی [illegible] [illegible] لکھے جاتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ [illegible] پر)

الرشاد

فہرست مضامین

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

پیش نظر کچھ جذباتی اور منفی پروگرام ہیں جن کے بل پر وہ آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی ہیں، اس وجہ سے
یہاں کام کرنے کی نوعیت راقم الحروف کے نزدیک دوسرے ملکوں سے تھوڑی سی مختلف ہے،
اس ملک میں کئی محاذ پر کام کرنے کی ضرورت ہے، ایک طرف دعوت و تبلیغ کے کام کو بھی زیادہ سے
زیادہ آگے بڑھانے کی ضرورت ہے، خاص طور پر دیہاتی علاقہ میں، دوسری طرف ہمیں اپنے آزاد
ابتدائی اور اعلیٰ دینی تعلیمی نظام کو بھی زیادہ سے زیادہ مضبوط و وسیع کرنے کی ضرورت ہے، تیسری
طرف ہمیں ان کوششوں کو ناکام بنانے کی جد وجہد بھی کرنی ضروری ہے جو یہاں فرقہ پرست جماعتوں کی
طرف سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی جاتی رہی ہیں اور کی جا رہی ہیں، جسے راقم الحروف دفاعی محاذ
کہتا ہے، چوتھی طرف ہم کو اپنی الگ ایک متحدہ سیاسی طاقت بھی بنانی ضروری ہے، دوسرے ملکوں
اور اس ملک کی سیاسی صورت حال میں فرق یہ ہے کہ یہاں سیاسی طاقت کو ہی صحیح و غلط کا معیار سمجھ
لیا گیا ہے، اور دیہات سے لے کر شہر تک اسی پر حق و ناحق کو تولا جا رہا ہے، دوسرے جمہوری ملکوں
میں الکشن کے ذریعہ سیاسی اقتدار کے حصول کا کام چند مہینے یا چند ہفتے ہوتا ہے، وہاں عوام و
خواص اسے اوڑھنا بچھونا نہیں بناتے، لیکن یہاں یہ روزمرہ کی زندگی کا دھندہ بن گیا ہے اسلئے
ہم سیاسی طاقت کے حصول سے صرف نظر کر کے باوقار طور پر زندہ نہیں رہ سکتے، جو حضرات اسے
شجرۂ ممنوعہ قرار دیتے ہیں ان کو اچھی طرح یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ہم کو جو کچھ مذہبی آزادی حاصل ہے، اور
ہمارے جو امتیازات اب تک باقی رہ گئے ہیں اس میں بین الاقوامی حالات کے ساتھ مسلم سیاسی اور
غیر سیاسی جماعتوں اور سیاسی افراد اور کچھ علماء کی کوششوں کو بڑا دخل ہے، اس لیے وہ حضرات جو پہلے یا
دوسرے محاذ پر کام کر رہے ہیں ان کو دفاعی اور سیاسی محاذ پر کام کرنے والوں کی اہمیت کو محسوس کرنا چاہیے
اور ان سے توافق اور ہم آہنگی کی جتنی صورتیں ممکن ہوں وہ باقی رکھنی چاہیے۔

۱۹۸۹ء کے الکشن کے بعد جو ملک کے اندر نئی صورت حال پیدا ہو گئی ہے اس میں ایک
مضبوط تعلیمی محاذ کی شدید ضرورت ہے، اسی طرح سیاسی اور دفاعی محاذ پر کام کرنے والوں کو دعوت
و تبلیغ اور مدرسوں میں تعلیم دین کا کام کرنے والوں کی اہمیت کو بھی اس حیثیت سے محسوس کرنا چاہیے
کام میں لگے ہوئے ہیں، ان کے کام کی نوعیت فرض عین جیسی ہے، اور دوسرے
نوعیت فرض کفایہ کی ہے۔

راقم الحروف کے نزدیک متحدہ سیاسی محاذ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ کسی بڑی سیاسی جماعت سے دو چار یا دس بیس سیٹوں کا معاملہ کر لیا کریں، بلکہ اس کا مقصد اپنے ووٹوں کی طاقت کو محسوس کرا دینا ہے، تاکہ مفاد پرست افراد اسے اپنے اغراض کے لیے استعمال نہ کر سکیں، اگر الکشن میں حصہ لینا ضروری ہو تو اپنے جھنڈے اور بینر سے لڑا جائے، اس صورت میں برابری کی حیثیت میں کسی جماعت سے سیٹوں کا بٹوارہ کیا جا سکتا ہے مگر کسی جماعت کی دی ہوئی سیٹوں یا عہدوں کی بھیک کو مطمح نظر نہ بنایا جائے، بیالیس ۴۲ برس سے ہم اس کا تجربہ کر رہے ہیں، جس سے ہم نے پایا تو کچھ نہیں ہے البتہ کھویا بہت کچھ ہے۔

نئی مرکزی حکومت اور یو۔پی سرکار کے پورے خدوخال تو ابھی تک سامنے نہیں ہیں لیکن وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ اتر پردیش جو ڈرامائی اور سحر کن قسم کے بیانات دیتے رہے ہیں اس سلسلہ میں اب تک کوئی پیش رفت دکھائی نہیں دے رہی ہے، پچھلی کانگریس سرکار نے الکشن کے پیش نظر ہی سہی اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کا اعلان کیا تھا، مگر موجودہ حکومت نے حلف وفاداری کیلئے بھی اردو زبان کو اسمبلی ہاؤس میں گھسنے نہیں دیا، ظاہر بات ہے کہ جب ایوان کی کارروائی میں دخل نہیں ہونے دیا گیا تو پھر اس سے باہر اس کو پھلنے پھولنے کا موقع کیسے مل سکتا ہے۔ انگریزی کے خلاف تو ہمارے وزیر اعلیٰ بولے ہیں، مگر اردو کے لیے ابھی کچھ نہیں بولے۔

دوسری طرف بی جے پی اپنے منشور کو جنتادل سرکار کے ذریعہ پورا کرنے کی جدوجہد میں لگی ہوئی ہے، کانگریس حکومت میں تو اس کو اتنی سیاسی اہمیت حاصل نہیں تھی پھر بھی راجیو سرکار سے اس نے شیلا نیاس، شیلا پوجا بھی کرالیا اور رام راج کا اعلان بھی تو اب جبکہ جنتادل حکومت بھی کے رحم وکرم پر قائم ہے تو اجودھیا کے شیلا نیاس کے بعد بنارس اور متھرا میں کسی دوسرے تیسرے شیلا نیاس کی بنیاد نہ ڈال دی جاتے۔ جیسا کہ یہ خبریں آرہی ہیں کہ بی جے پی اس سلسلہ میں پالیمنٹ میں کوئی بل لانے والی ہے، اب اس کے بعد دفعہ ۴۴ کے تحت سلم پرسنل لا کی باری ہے، جسے کانگریس حکومت پارلیمنٹ کے دروازہ تک پہونچا چکی ہے، بابری مسجد کے مقدمہ کے سلسلہ میں مرکزی گورنمنٹ نے جو حلف نامہ لگایا ہے کہ شیلا نیاس متنازعہ زمین میں نہیں ہوا ہے، اس سے بھی مزید تشویش

پیدا ہو رہی ہے اور ان سب سے زیادہ تشویشناک بات نائب وزیر اعظم دیوی لال کا وہ بیان ہے جس میں انھوں نے کہا ہے کہ میں حکومت کی گاڑی کا ڈرائیور ہوں اور بی جے پی بریک ہے ظاہر ہے کہ جس گاڑی کا ہینڈل تو ڈرائیور کے ہاتھ میں ہو اور بریک دوسرے کے ہاتھ میں تو ایسی گاڑی کا صحیح و سالم منزل تک پہونچنا دشوار ہی نہیں بلکہ اس سے سفر کرنے والوں کی زندگی ہر وقت خطرہ میں رہے گی۔

ہندو کارڈ کھیلنے کے باوجود مرکز میں اور یو۔پی میں کانگریس حکومت ختم ہوگئی، مگر شاید اس نے اس سے کوئی سبق نہیں لیا، بہار کے سابق چیف منسٹر ستندر نرائن نے بھاگلپور، مونگیر اور سیتا مڑھی، اور سہسرام میں فساد کرایا، اور سابق وزیر اعظم کے دورے کے بعد اس میں مزید شدت آگئی اور ہزاروں آدمیوں کا خون بہ گیا، اس جرم کو دھونے کے لیے راجیو گاندھی نے ستندر سنگھ کو ہٹا کر جگن ناتھ مشرا کو چیف منسٹر بنا دیا، ابتدا میں انھوں نے اچھے بیانات بھی دیے اور کچھ اچھے اقدامات بھی کیے، مگر آہستہ آہستہ اب ان کی اصلی تصویر بھی سامنے آتی جا رہی ہے، امارت شرعیہ کے ذمہ داروں کی کوشش سے حکومت بہار نے شہدا کے لیے ایک لاکھ روپیہ ان کے ورثا کو دینا طے کیا تھا، مگر اب حکومت کی نیت خراب معلوم ہوتی ہے، اس لیے اس نے اس عین موقع پر ریلیف ایکٹ میں یہ ترمیم کردی ہے کہ ساٹھ ۶۰ برس سے اوپر کے بوڑھوں اور نابالغ بچوں کو کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا، مولانا نظام الدین صاحب ناظم امارت شرعیہ بہار نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا ہے، انھوں نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ یہ ترمیم صرف اس لیے کی گئی ہے کہ آدھے شہدا کے ورثا کو اس سے محروم کیا جائے، حکومت کو چاہیے کہ اس ترمیم کو فوراً واپس لے۔ بہار میں ہزاروں مسلمان شہید اور زخمی ہوئے، اور ہزاروں لوگ اب بھی کھلی ہوئی چھت کے نیچے زندگی گذار رہے ہیں، مگر گرفتار بھی سب سے زیادہ وہی ہیں اور مقدمات بھی ان ہی پر چل رہے ہیں، بہار کے مسلمان اپنی اس بے قیمتی کو محسوس کر رہے ہیں یا نہیں؟

(عزائم، ۱ر جنوری سنہ ۱۹۹۰ء)

اٹل بہاری باجپئی نے وزیر خارجہ پاکستان عبدالستار خان سے اپنی بات چیت میں یہ دھمکی دی ہے کہ اگر پاکستان نے کشمیر میں مداخلت بند نہ کی تو ۱۵ کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے یہاں جگہ دینے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے (آواز ملک کا اڈیٹوریل، ۲۴ر جنوری سنہ ۱۹۹۰ء) ایسے

معنی یہ ہوئے کہ ہندوستان کا مسلمان کشمیر کی قیمت پر بطور یرغمال یہاں ہے، یہ دھمکی انھوں نے پاکستان کو نہیں بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں کو دی ہے، مگر اٹل بہاری جی کو سمجھ لینا چاہیے کہ مسلمان یہاں نہ تو آپ کے رحم وکرم پر ہے اور نہ کسی اور پارٹی کے، وہ اس خدا کے حکم سے یہاں ہے جس کی قدرت اور طاقت پوری کائنات کو محیط ہے، اس کی مرضی جب تک ہے ہم یہاں رہیں گے اور اس کے دین کو اپنے گلے سے لگائے رکھیں گے، نہ آپ فسادات کرا کے ہم کو مٹا سکتے ہو اور نہ آپ کے اندر اتنی طاقت ہے کہ ہم کو ملک چھوڑنے پر مجبور کر سکتے ہیں، اگر آپ اسے ہندو راشٹر بنانا چاہتے ہیں تو شوق سے بنائیں مگر اس کے نتائج کو بھی ذہن میں رکھیے، جس دن ایسا ہوا ملک کی سالمیت باقی نہ رہ سکے گی۔

اٹل بہاری جی پنجاب اور کشمیر میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب آپ کی تنگ نظری کے نتیجہ میں ہو رہا ہے، آپ نیپال میں جمہوریت بحال کرنے کے لیے وہاں کی حکومت کے خلاف جائیں تو یہ دوسرے ملک کے معاملات میں مداخلت نہیں ہے؟ آپ مشرقی پاکستان پر حملہ کر دیں تو یہ مداخلت نہیں ہے! آپ لنکا میں فوج بھیج دیں تو یہ مداخلت نہیں ہے! پنجاب اور کشمیر کے معاملات میں اگر واقعی پاکستان کا ہاتھ ہے تو یہ راستہ آپ ہی نے دکھایا ہے، اس لیے آپ ہندوستان کے مسلمانوں پر اپنا غصہ اتارنے کے بجائے اپنی تنگ نظری اور اپنی فرقہ وارانہ ذہنیت کا علاج کیجیے، کتنی شرم کی بات ہے آپ اپنے ملک میں تو کمزوروں کو جمہوری حق دلا نہیں سکے ہیں بلکہ آپ ان کو ملک بدر کرنے کی دھمکی دے رہے ہیں، مگر نیپال جہاں کے عوام اور وہاں کی اقلیتوں کو آپ کی جمہوری حکومت سے زیادہ حقوق حاصل ہیں اور وہ ہر طرح مطمئن ہیں ان کی ہمدردی کا درد آپ کے پیٹ میں اٹھ رہا ہے اور ہندوستان میں پندرہ ہزار فسادات میں لاکھوں کمزوروں کی موت اور اربوں روپیے کی بربادی کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہے۔ مسلمانوں اور ان کے راہنماؤں کو ان حالات کا سنجیدگی سے نہ صرف نوٹس لینا چاہیے بلکہ اس کے لیے جلد سے جلد کوئی مثبت قدم اٹھانا چاہیے۔ جو لوگ صبر و ضبط کی تلقین کرتے ہیں اور سڑک پر آنے کی مذمت کرتے ہیں، ان کو خاص طور پر ان حالات پر غور کرنا چاہیے۔ اگر ہم اب بھی اپنی کوئی متحدہ آواز نہ بنا سکے تو پھر خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم آیندہ کتنے بے وزن بنا دیے جائیں گے ؎

اٹھو وگرنہ حشر نہ ہوگا پھر کبھی ❊ دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

ہندوستان میں

دیوان المظالم

از مولانا ریاض الحسن صاحب نوری ـ لاہور

اسلامی حکومت کا ایک شعبہ انسداد مظالم کا بھی ہوتا تھا جس کا بنیادی مقصد لوگوں کو ظلم سے بچانا اور عدل و انصاف سے ہم کنار کرنا ہوتا تھا۔ اس شعبہ کو دیوان المظالم کہتے تھے۔

ہندوستان میں مکمل اسلامی حکومت تو کبھی قائم نہیں ہوئی لیکن ہر حکومت میں یہ شعبہ قائم تھا اور بڑے سے بڑا آدمی بھی اگر کمزور پر ظلم کرتا تو اس کو بخشا نہیں جاتا تھا، اور کمزور کو انصاف ملتا تھا، اس شعبہ کو دیوان المظالم کہا جاتا تھا، واقعات کی روشنی میں اس کی کچھ تفصیل ملاحظہ ہو جو مولانا ریاض الحسن صاحب کے مضمون کا ایک حصہ ہے۔ (مرتب)

ہندوستان کے دور سلاطین کے متعلق ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں کہ قاضی ممالک کی حیثیت چیف جسٹس کی ہوتی تھی، ملک میں شرع کا نفاذ اسی کے ذمہ تھا، اسی کے ساتھ وہ صدر الصدور کا عہدہ بھی رکھتا تھا، اور وزارت مذہبی اور تعلیم کے محکمہ جات بھی اسی کے ماتحت ہوتے تھے، اس کے علاوہ دوسرا عہدہ دار امیر داد کا تھا، یہ قاضی کے فیصلوں کے نفاذ کا ذمہ دار تھا، اور اس کا بھی ذمہ دار تھا کہ مجرم قاضیوں کی عدالت میں حاضر ہوں، سلطان کی غیر حاضری میں یہ مظالم کی عدالت کی صدر نشینی بھی کرتا تھا۔

ڈاکٹر صاحب موصوف اپنی کتاب[1] میں لکھتے ہیں کہ امیر داد قاضیوں کے فیصلوں پر عملدرآمد کرواتا اور سلطان کی غیر موجودگی میں عدالت مظالم کی صدارت بھی کرتا تھا۔

---

[1] آئی، ایچ. قریشی ایڈمنسٹریشن آو دی سلطنت آف دہلی ؛ ۱۰ تا ۱۱ ـ

کوتوال پولیس کے محکمہ کا ہیڈ ہوتا تھا محتسب عوام کے اخلاق اور کردار کا نگراں ہوتا تھا، وہ قانون اور شریعت کی خلاف ورزیوں کو روکتا تھا، اور جو باتیں عوام کے لیے تکلیف دہ ہوں ان کو بھی محتسب روکتا تھا، محتسب ہی قیمتوں پر کنٹرول رکھتا تھا، محتسب، کوتوال اور امیر داد تینوں ہر ایک کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے مل جل کر کام کرتے تھے، دیوان مظالم کو حضرت علیؓ نے شروع کیا، عباسی خلفاء خود دیوان مظالم کی صدارت کرتے یا ان کے وزیر کرتے، ہندوؤں کے ہاں بھی یہ اصول تسلیم تھا کہ راجہ عوام کی شکایت خود سنے، طبقات ناصری میں ہے کہ امیر داد دیوان مظالم کی صدارت کرتا تھا، لیکن ایسا جب ہوتا جبکہ بادشاہ خود موجود نہ ہوتا، بقول ابن بطوطہ محمد بن تغلق ہر جمعرات اور پیر کے دن شکایات سنتا تھا سکندر لودھی کے زمانے میں وزیر دیوان مظالم کی صدارت کرتا، اس کے پاس قاضی مع بارہ فقہاء کے مدد کے لیے موجود رہتے، جب سلطان باہر نکلتا تو اس وقت بھی عامی لوگ اپنی تحریری شکایات پیش کرسکتے تھے، شکایت پہلے حاجب (سکریٹری) کے پاس جاتی، پھر مشکل حل نہ ہوتی تو قاضئ ممالک کے پاس جاتی تھی اور دادرسی کا آخری مقام خود سلطان ہوتا تھا جس تک پہونچنا زیادہ مشکل نہ تھا، بادشاہ سے شکایت بہت موثر ثابت ہوتی تھی۔ یہ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرض خواہ مقروضوں کو لاکر محل کے سامنے کھڑا کر دیتے تھے[۱]

مذکورہ بالا بیان سے جو دیوان مظالم کے عنوان کے تحت قریشی صاحب نے لکھا ہے' یہ بات اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ صرف بڑے لوگوں کے خلاف ہی نہیں بلکہ عام لوگوں حتی کہ عام قرضہ ادا نہ کرنے والوں کے خلاف شکایات بھی دیوان مظالم میں دائر ہوتی تھیں، اور عام قرضہ وصول نہ ہونے پر بھی ناظر مظالم بلکہ بادشاہ تک سے دادرسی طلب کی جاسکتی تھی، گویا ہر عامی کو جس معاملے میں بھی دقت پیش آتی اور اسے انصاف طلبی میں ذرا بھی دقت یا تاخیر ہوتی تو وہ دیوان المظالم کا دروازہ کھٹکھٹاتا تھا، اسی وقت سے چھوٹے چھوٹے قاضی بھی انصاف میں تاخیر نہ کرتے تھے کہ کہیں ناظر مظالم تک تاخیر کی اطلاع ہونے پر ان سے جواب طلب نہ کرلیا جائے۔

ڈاکٹر قریشی لکھتے ہیں کہ آئین اکبری میں ہے کہ بنیادی تقرری قاضی کی ہوتی تھی، لیکن اگر معلوم ہو

۱۔ حوالہ بالا صفحہ ۱۸۸ تا ۱۸۹ ، محکمہ، نمبر ۱۰۱۱، ۱۱۰، ۱۱۱

کہ علم اور فیصلہ کے نفاذ کی قوت اس شخص میں نہیں پائی جاتی ہے تو ایک میر عدل بھی مقرر کر دیا جاتا تھا ، درحقیقت اہم شہروں میں میر عدل مقرر کیے جاتے تھے اس کے بعد اہمیت میں قاضی مظالم کا نمبر آتا ہے ، اس سلسلہ میں قریشی صاحب نے بعثت سے پہلے کے حلف الفضول کا ذکر کیا ہے اور نویری کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مظالم کے مقدمات سننے کے لیے بھی بیٹھا کرتے تھے ، پھر وہ لکھتے ہیں کہ مغل بادشاہ اپنے رعایا کے حالات جاننے کے لیے بہت تگ و دو کیا کرتے تھے ، اکبر ہر صبح جھروکہ میں بیٹھ جاتا تھا اور جس کو شکایت ہوتی وہ عرضی کا کاغذ ہاتھ سے بلند کرتا اور اسے فوراً بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا جاتا تھا ، اور مقدمات شرع کے مطابق فیصل کیے جاتے تھے ، شاہان مغلیہ ہفتہ میں ایک دن مظالم کے مقدمات سنا کرتے تھے ، اس موقع پر عدالت کے افسران ، قاضی عساکر ، فقہاء وغیرہ موجود رہتے تھے دیوان مظالم میں اور باتوں کے علاوہ سرکاری افسروں کی بے اعتدالیاں اور بے انصافیاں زیر بحث آتی تھیں ، ناظر مظالم کے لیے عام عدالتوں کی باریکیوں اور قانونی موشگافیوں کی پابندی ضروری نہ سمجھی جاتی تھی ، کیونکہ اس طریق کار سے انصاف کے نفاذ میں مدد ملتی تھی ۔ اور انصاف جلد مل جاتا تھا ۔

عام قضا کی عدالت قانونی پابندیوں کے اندر کام کرتی تھی ، لیکن عدالت مظالم کا دائرۂ کار وسیع تھا اور وہ عوام کی بھلائی کی خاطر عام قوانین کے علاوہ بھی ایکشن لے سکتی تھی ، ایک جدید قول کہ دیوان مظالم دراصل کورٹ آف اپیل کا دوسرا نام ہے کسی حد تک درست ہے ۔

اگر قاضی اپنے محدود اختیارات کی وجہ سے کسی کیس کے حل کرنے میں ناکام رہتا تو ایسا کیس دیوان مظالم میں آتا ، کیونکہ تفتیش کے بعض طریقے ایسے ہوتے ہیں جن کو حکمران ہی استعمال کر سکتا ہے اور واقعات اور گواہیوں کو جمع کرنے اور پرکھنے کے بعض کام حکمران ہی کے دائرۂ اختیار میں ہوتے ہیں ، لیکن یہ واضح ہے کہ بادشاہ شرع سے تجاوز نہ کر سکتا تھا[1] الماوردی نے دس باتیں گنوائی ہیں جن سے ناظر مظالم اور عام قاضی کے طریق کار کے فرق کا پتہ چلتا ہے ، ہم نے آگے جا کر ان کو مفصل بیان کیا ہے ، جس سے فرق مزید واضح ہو جائے گا ۔

---

[1] اشتیاق حسین قریشی : ایڈمنسٹریشن آف دی مغل امپائر ، ۱۹۲ ، ۱۹۴ ۔

ویسٹ پاکستان اور نائیجیریا کے سابق جج ہائی کورٹ بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں: مسلم قرآن کو ہندوستان میں خدا کا الوہی قانون سمجھا جاتا تھا جسے عوام کچھ فرائض کی انجام دہی کے لیے چنتے تھے، اور اگر وہ قرآنی احکام کی خلاف ورزی کرے تو اس کو معزول کیا جا سکتا ہے، مسلم قاضی اگر قانون الٰہی کے خلاف حکم دے یا قانون الٰہی کے خلاف نظریہ رکھتا ہو تو کافر و مرتد ہو جائے گا اور اس کی سزا موت اور آخرت میں عذاب ہوگا، جج صاحب کے الفاظ یوں ہیں:

A Muslim Qadi giving an order or holding a view in contravention of Divin Law was a Kafir apostate and liable to sentence of death [1]

جج موصوف مزید لکھتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی ناجائز گرفتار کر لیا جاتا تو پولیس افسر اس کا ذمہ دار سمجھا جاتا تھا، اور اس سے ہرجانہ وصول کیا جاتا تھا، جہانگیر کے دور حکومت میں پولیس کے کوتوال نے اپنے کسی ذاتی مقصد کے لیے ایک سپاہی کو مجبور کیا کہ وہ ڈیوٹی کے بہانہ گھر سے باہر رہے، سپاہی کی ماں نے فوراً جہانگیر کی زنجیر عدل ہلا دی، پس فوراً کوتوال کو پکڑ کر جیل میں ڈال دیا گیا [2]

عالمگیر کے دور حکومت میں ایک عورت نے ایک فوجدار کی شکایت کی تو فوراً اس کو تبدیل کر کے دوسرے مقام پر بھیج دیا گیا [3]

قاضی کے لیے متقی اور پرہیزگار ہونا ضروری تھا، علاء الدین خلجی کے زمانے میں ایک قاضی نے شراب پی تو اس پر مقدمہ چلا کر اس کو موت کی سزا دی گئی [4] برنی کے بقول سلطان قطب نے نااہل شخص کو قاضی مقرر کیا تو عوام اتنے ناراض ہوئے کہ انھوں نے نہ صرف قاضی بلکہ بادشاہ کو بھی قتل کر ڈالا [5]

ابن حسن مغلیہ بادشاہوں کے متعلق لکھتے ہیں: باب دوئم میں بیان کیا جا چکا ہے کہ شاہان مذکور

---

[1] State vs. Qadi Mir Storia W., 118-119

جوڈیشل سسٹم آف مغل امپائر، مصنفہ محمد بشیر احمد سابق جج ہائی کورٹ ویسٹ پاکستان ۴۳-۴۴۔

[2] محولہ بالا صفحہ ۵۰، [3] ایضاً ۱۷، [4] ایضاً ۶۵ [5] ایضاً ۳۶۔

کس طرح اپنی رعایا کے غریب ترین افراد کو باریابی کا موقع دیتے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ معمولی مقدمات کی سماعت بادشاہ دربار عام میں روزانہ کرتا تھا، لیکن اہم مقدمات کی سماعت جن میں گواہوں کی شہادت لینا اور ان پر جرح کرنا ضروری ہوتا وہ ہفتہ میں صرف ایک دن کرتا تھا جو محض عدل گستری کے لیے مخصوص ہوتا تھا، دوسرے باب میں مذکور ہو چکا ہے کہ اکبر نے پنجشنبہ، جہانگیر نے سہ شنبہ اور شاہجہاں نے چہارشنبہ مخصوص کر رکھا تھا۔ اکبر کے متعلق ابوالفضل لکھتا ہے کہ "وہ باب عدل کھولتے اور دربار عام منعقد کرتے ہیں، مظلوموں کے مقدمات کی تفتیش کے دوران وہ کسی شخص کی شہادت یا قسم پر اعتماد نہیں کرتے، کیونکہ چالاک اشخاص مخفی چیزوں کا سہارا لیتے ہیں، بلکہ وہ بیانات کے تضاد، قیافہ شناسی، قوت دقیقہ رسی اور فکر بلیغ کے ذریعہ نتیجہ نکالتے ہیں، ان کی عدالت مرکز صداقت ہے، اور اس کام میں کم از کم ڈیڑھ پہر یعنی ساڑھے چار گھنٹے صرف ہوتے ہیں، یہی بات ہاکنز نے بھی جہانگیر کے متعلق لکھی ہے، ڈی لائٹ جہانگیر کی ہفتہ وار عدل گستری کا ذکر یوں کرتا ہے: "ہفتے میں ایک بار (سہ شنبہ کو) وہ کرسیٔ عدالت پر بیٹھتا اور نہایت سکون کے ساتھ تمام دیوانی و فوجداری مقدمات جو اس کے حضور پیش ہوتے سماعت کر کے فیصلہ کرتا، وہ دارالقضاء میں ہفتے میں ایک دن اپنے دونوں قاضی القضاۃ کے ساتھ ضرور موجود رہتا، نیز لکھتا ہے کہ اورنگ زیب ہفتے میں ایک دن اور بھی تخلیے میں دو گھنٹے ادنیٰ طبقوں سے منتخب کیے ہوئے دس اشخاص کی عرضداشتیں سنتا ہے، برنیر بھی اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ شاہان مغلیہ کے ان معمولات میں کبھی فرق نہ پڑتا تھا، شاہان ہند دارالحکومت کی طرح میدان جنگ میں بھی چوبیس گھنٹے میں دو مرتبہ بلاناغہ ایسی مجالس منعقد کرتے ہیں، دیوانی مقدمات میں صرف پیچیدہ یا اہم مقدمات بادشاہ کے ہاں پیش ہوتے، لیکن فوجداری مقدمات میں اس قسم کی کوئی قید یا رکاوٹ نہ تھی[1]

بڑے لوگوں سے خوں بہا کی رعایت ختم

اکبر کے منظور نظر گورنر اور بچپن کے ساتھ کھیلے ہوئے خان اعظم

مرزا عزیز نے جب وہ گجرات کا گورنر تھا اپنے ایک عامل کو خیانت کے جرم میں گرفتار کر کے اپنے ایک ملازم کے حوالے کیا، وہ ملازم عامل کے خلاف دل میں کینہ رکھتا تھا، لہٰذا ملازم کے ایما پر اسے اتنا مارا گیا کہ وہ

---

[1] ابن حسن: دولت مغلیہ کی ہیئت مرکزی: ۴۷۱ - ۴۷۵۔

مرگیا، خان اعظم کے علم میں جب یہ بات آئی تو قصاص میں ملازم کو قتل کرادیا، لیکن بعد میں عامل کا باپ
ایران سے دادرسی کے لیے بادشاہ کے ہاں آیا تو اگرچہ قاتل کو قصاص میں قتل کرادیا گیا تھا لیکن چونکہ
معاملے میں خان اعظم کی سستی بھی شامل کہی جاسکتی تھی اس لیے خان اعظم سے عامل کے باپ کو مزید خون بہا
بھی دلوادیا گیا، یعنی ملازم قصاص میں مارا گیا اور گورنر کو بھی ساتھ خوں بہا دینا پڑا [1]

مورخ سراج عفیف لکھتا ہے کہ فیروزشاہ تغلق خونی مجرموں کی ہرگز رعایت نہ کرتا تھا، اور فوراً
ان سے قصاص لیتا تھا، یوسف بقرا جو بڑا صاحب جاہ ومراتب تھا اس کے بیٹے نے قتل کیا تو مقتول
کی والدہ نے بارگاہ شاہی میں فریاد کی اور بادشاہ بہت حیران ہوا، کیونکہ قاتل دربار شاہی کے مقربان
میں شمار ہوتا تھا، اور بادشاہ اس پر بہت مہربان تھا، فیروزشاہ نے بے حد غور وفکر کے بعد حکم دیا کہ
برسر دربار مجرم کو قتل کیا جائے، غرضکہ اس سے قصاص لیا گیا، اسی طرح ایک اور واقعہ ہے کہ فیروزشاہ
کے عہد میں خزانے میں خواجہ احمد نویسندے کی خدمت پہ مامور تھا، یہ شخص ایک طالب علم سے
بدگمان ہوگیا، اور اسے خائن تصور کیا، پھر اس نے اپنے دو غلاموں سے مل کر اسے قتل کر دیا، لاش
پل پر پھینک دی، خون آلودہ کپڑے دھوبی کو دھلنے کے لیے دے دیے، بادشاہ صبح سیر کرتا ہوا نکلا
تو پل پر لاش دیکھ کر کوتوال کو طلب کرکے کہا کہ قاتل کا نشان نہ ملا تو تجھ کو قتل کر دیا جائے گا، شک کی بنا پر
خواجہ احمد کو حاضر کیا گیا، لیکن اس نے غرور وتکبر میں جرم سے انکار کیا، آخر خواجہ کی کنیزوں اور غلاموں سے
دریافت کیا گیا تو غلاموں نے حقیقت بیان کر دی، لیکن خواجہ نے غلاموں کو جھوٹا قرار دیا، آخر دھوبی
سے کپڑا طلب کیا گیا، تحقیق پر قصابوں نے بتایا کہ کپڑے پر زرد رنگ کے داغ ہیں جو جانور کے نہیں
بلکہ انسانی خون کے ہی ہو سکتے ہیں۔ آخر کار خواجہ احمد قدموں پر گر پڑا اور کہا کہ خون بہا اسی ہزار تنکے
ادا کروں گا، خان جہان نے خوں بہا کی پیش کش کی تو بادشاہ نے کہا: اے خان جہان! جن کے
پاس دولت وافر ہوگی وہ اسی طرح بے گناہوں کو قتل کریں گے، اور دیت دے کر مجرم رہا ہوتے
رہے تو مخلوق خدا کو بے حد دقت پیش آئے گی، اور مجھے قیامت میں خدا کے سامنے شرمندگی وندامت
ہوگی، خان جہان نے عرض کیا کہ خزانۂ شاہی کے لاکھوں روپے کا حساب خواجہ کے ذمہ ہے اگر

---

[1] محولہ بالا ۴۸۲، ۴۸۳

چند روز قصاص میں توقف فرما دیں تو بیت المال کا معاملہ صاف ہو جائے، فیروز شاہ نے فرمایا میں تاوان کے لکھو کھا روپئے سے باز آیا، غرضکہ فوراً بلا تاخیر خواجہ اور اس کے دونوں غلاموں سے خواص و عوام کے روبرو قصاص لیا گیا[1] لکم في القصاص حياة يا أولي الألباب مذکورۂ بالا قرآنی آیت ایسے ہی موقعوں کے لیے ہے، بلبن نے بھی بدایوں کے حاکم کو قصاص میں قتل کرایا اور لاش شہر کے دروازے پر لٹکوا دی تاکہ امرا اس کا حشر دیکھ کر عبرت حاصل کریں[2]، اسی وجہ سے گجرات کے احمد شاہ نے وارثوں سے دوگنی دیت قبول نہ کی اور اپنے داماد کو قصاص میں قتل کرا کے ایک روز اس کی لاش سر عام لٹکوائی، تاکہ ظالم عبرت حاصل کریں[3] اس سیاست پر ہم منہاج[4] کے عدل نمبر میں فقہ علی المذاہب الاربعۃ کے حوالے سے گفتگو کر چکے ہیں، ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ جو شخص کسی کو مال کے لالچ میں قتل کرے تو اجماعاً وارث قاتل کو معاف نہیں کر سکتے، لیکن اگر کسی خصومت کی وجہ سے قتل کیا جائے تو معاف کر سکتے ہیں، وہ فرماتے ہیں، فان الذی يقتل شخصًا لاجل المال يقتل حتی باتفاق العلماء وليس لورثة المقتول العفو عنه بخلاف من يقتل شخصًا لغرض خصومة بينهما[5]۔ پس اصولوں کو سمجھ لینا چاہیے یہ اسلام کے قوانین کے ابدی اور اعلیٰ ترین ہونے کے ثبوت ہیں، یہ اسلامی سیاست ہے جس کی وجہ سے ہی احمد شاہ نے جو شریعت کو روح کو سمجھتا تھا بیٹی کو بیوہ کر لیا، مگر منشائے انصاف و اسلام کو مجروح نہ ہونے دیا، اس نے ایک سرکاری افسر کو قصاص میں قتل کروا کر اس کی لاش کی نمائش کی، احمد شاہ کے ۳۲ سالہ دور حکومت میں صرف یہی دو قتل ہوئے، وہ بیواؤں محتاجوں یتیموں کو خود روزینے تقسیم کرتا تھا[6]، ہسپانیہ کے منصور نے امن عامہ کی خاطر ایک بیٹے کو قربان کر دیا اور دوسرے کو عدل کے تقاضے پر موت کی سزا دی، ابن حسن لکھتے ہیں اسی طرح لوگوں کو سخت حیرت ہوئی جب اکبر نے گجرات میں ایک زبردست فوجی سردار جمجھ خان کو ایک شخص کو قتل کرنے کے جرم میں سزائے موت دی، حالانکہ مفتوحہ علاقے پر ہنوز پوری طرح قابو حاصل نہ ہوا تھا، مقتول کی ماں اکبر کے پاس دادرسی کے لیے حاضر ہوئی اور اکبر نے قصاص میں فوجی سردار کو قتل کرا دیا، اس بوڑھی اور بیکس عورت کے خیال میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ اتنے بڑے ذی اثر آدمی کو اس کے ظلم کی سزا دی جائیگی، اسی طرح ایک گورنر کے ملازمین کے متعلق شکایت گذری کہ وہ

---

[1] سراج عفیف، تاریخ فیروز شاہ ۳۲۶ تا ۳۲۹ اردو ترجمہ نفیس اکیڈمی۔ [2] صباح الدین؛ ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں ۱۔ ۵، [3] محولہ بالا صفحہ ۱۵۴ تا ۱۵۵ [4] ابن تیمیہ؛ الحسبۃ فی الاسلام ۳ مطبوعہ دمشق [5] رشید اختر ندوی؛ مسلمان حکومت

زیردستوں پرسختی کرتے ہیں، جہانگیر نے گورنر کو اس کی شکایت لکھی تو اس نے جواب میں تحریری وعدہ کیا کہ اگر میرے ملازم تعدی سے باز نہ آئے تو میں سر قلم کرادوں گا، جہانگیر نے اسی الزام میں دو گورنروں کو معزول بھی کیا، امیر خان عالم کے برادرزادہ نے ایک غیر معروف شخص کو جس کا نام بھی تحریروں میں نہیں ملتا، قتل کر دیا، چنانچہ اسے فوراً سزائے موت دی گئی، اس سلسلے میں جہانگیر لکھتا ہے کہ حاشا وکلا ایسے معاملات میں میں نے کسی شہزادے کی بھی کبھی رعایت نہیں کی، امراء و عوام کس شمار میں ہیں۔ پادری مانسریٹ اکبر کے متعلق لکھتا ہے کہ امور سلطنت میں بادشاہ حق وانصاف کا بے انتہا لحاظ رکھتا ہے، مسلمانوں کے دستور کے مطابق مقدمات دوہرے طریقے سے دو ججوں کے سامنے ہوتے ہیں، تاہم شاہی ہدایت کے مطابق تمام اہم مقدمات فوجداری نیز ایسے مقدمات دیوانی جو واقعی اہم ہوں خود بادشاہ کے حضور پیش کیے جاتے ہیں اکبر اور اس کے جانشینوں نے اسلامی مملکت کے اس ڈھانچے کو من وعن برقرار رکھا جو مسلمان فقہائے نے معین کیا تھا اور نظام عدالت میں علی العموم انھوں نے اسلامی قانون کی سخت پابندی کی، اتنی پابندی انھوں نے اپنی سلطنت کے کسی سیاسی شعبہ میں نہیں کی جسٹس بشیر احمد لکھتے ہیں کہ جہانگیر اکثر شام کو محل سے غائب ہوجاتا تھا اور غیر معروف ہوٹلوں اور سراؤں میں جاکر عوام کے ساتھ مل کر کھاتا پیتا اور اس طرح چند گھنٹے رعایا کے ساتھ گذارتا، اسکے نہ تو کوئی دشمن تھے اور نہ اسے اپنی جان کا کوئی خوف لاحق ہوتا تھا، اس طرح سے اسے فرسٹ ہینڈ معلومات حاصل ہوجاتی تھیں، اور عوام بھی اس کی فراخ دلی کو پسند کرتے تھے، نیز عوام بادشاہ کے اعتماد کو بد اخلاقی کے ذریعہ کبھی ٹھیس نہ لگنے دیتے تھے، اس طریق کار کو عباسی خلفاء نے شروع کیا تھا اور دہلی کے سلطانوں اور مغل بادشاہوں نے اسے جاری رکھا[1]

ابن حسن لکھتے ہیں کہ ہماری رائے میں مسلمان بادشاہوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ دوسروں کو ان کے جرائم کی سزا دینے میں انتہائی انصاف سے کام لیتے ہیں، جہانگیر عدل وانصاف کا شیدا تھا اسی وجہ سے مسلمانوں میں اس کا نام عزت و احترام سے لیا جاتا ہے، عدل کیلئے شاہ جہاں کا نام بھی جہانگیر کی طرح ضرب المثل بن گیا، مورخ صادق خان وغیرہ کے بقول اس کے عدل وانصاف کی علٰحدہ کتاب تیار ہوسکتی ہے، جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے:

"**انصاف پسندی** :۔ چونکہ اس شہر کے لوگ نہایت کمزور دل اور عاجز ہیں، میں نے احتیاط کی بنا پر کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اہل لشکر میں سے کوئی ان لوگوں کے گھروں میں گھس کر ان پر ظلم وستم کر بیٹھے، اور ان فقراء و مساکین کے ساتھ زیادتی کرے

---

[1] بشیر احمد جوڈیشیل سسٹم آف مغل امپائر ص ۴۵۹۴ [2] ہم کہتے ہیں کہ یہ طریقہ دراصل سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے شروع کیا تھا، باقی سب نے انھی کی پیروی کی ہے، اسپین کا ہشام بارش میں رات گئے چپکے سے گھر سے نکل جاتا، کسی غریب بیمار کے لیے

اور قاضی و میر عدل اہل لشکر کی رو رعایت کی وجہ سے انصاف میں کوتاہی کریں، اور وہ اس ظلم کی فریاد لے کر مجھ تک نہ پہونچ سکیں، اس لیے میں ہر روز اس تاریخ سے جب سے کہ میں اس شہر میں آیا ہوں، باوجود شدید گرمی کے ظہر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد دو تین گھنٹے کیلئے اس جھروکے میں آ بیٹھتا ہوں جس کا رُخ دریا کی طرف ہے اور جس تک پہونچنے کے لیے کوئی در و دیوار اور نقیب و چوبدار حائل اور مانع نہیں، یہاں بیٹھ کر انصاف کے تقاضوں کے مطابق فریادیوں کی فریاد سن کر ظالموں اور ستم پیشوں کو ان کے ظلم و ستم اور جرائم و تقصیرات کے مطابق سزا دیتا ہوں، یہاں تک کہ انتہائی ضعف اور ناطاقتی کے عالم میں بھی جب کہ میں شدید تکلیف اور بے چینی میں مبتلا تھا، ہر روز اس جھروکے میں آکر بیٹھتا اور راحت و آرام کو اپنے اوپر حرام سمجھتا تھا ؎

شب نکنم دیدہ بخواب آشنا	بہر نگہبانیٔ خلقِ خدا
رنج پسندم بہ تنِ خویشتن	از پئے آسودگیٔ جملہ تن

خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے میری عادت کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ شب و روز میں دو تین گھنٹوں سے زیادہ نہیں سوتا، اس کم خوابی میں دو فائدے میرے پیش نظر ہیں، ایک تو پورے ملک سے آگاہی رہتی ہے، اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے قلبی بیداری حاصل ہوتی ہے، حیف ہے اس پر جو اس عمر چند روزہ کو غفلت میں گذارے، چونکہ ایک روز ابدی نیند آنے والی ہے تو کیوں نہ اس بیداری (زندگی) کو جسے پھر خواب میں بھی نہ دیکھ سکوں گا، غنیمت جان کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں گذاروں، آدمی کو ایک لمحہ بھی خدا کی یاد سے غافل نہ رہنا چاہیے۔ ع

باش بیدار کہ خواب عجبے در پیش است [1]"

---

[1] توزک جہانگیری اردو ترجمہ مطبوعہ مجلس ترقی ادب ۲ ۱۹ تا ۲۰۔

اکبر کی خاکساری

مزید توزک میں ایک مقام پر جہانگیر اپنے باپ اکبر کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ اپنے کو مخلوقات میں کمترین مخلوق کہتے تھے، اور یاد خدا سے ایک لمحہ بھی غافل نہ ہوتے تھے، ان کی راتیں بیداری میں گذرتی تھیں، اور دن میں بھی بہت کم سوتے تھے، ان کا سونا دن اور رات میں ایک یا ڈیڑھ پہر سے زیادہ نہیں ہوتا تھا[۱] ہسٹورینز ہسٹری آف دی ورلڈ کے مصنفین نے ڈی یورو بین چشم دید گواہوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ اکبر بہت سادہ اور رحم دل تھا، وہ تخت کے پاس کھڑا ہوکر یا تخت سے نیچے بیٹھ کر انصاف کرتا تھا، بندوقیں وغیرہ اپنے ہاتھ سے بنانا جانتا تھا، اور بہت محنتی تھا، یہاں تک کہ دن رات میں صرف تین گھنٹے سوتا تھا۔[۲] حقیقت یہ ہے کہ کم سونے والے جفاکش و محنتی حکمراں ہی صحیح معنوں میں ناظر مظالم بن سکتے ہیں اور اپنے گورنروں اور کمشنروں کو عدل پر مجبور کر سکتے ہیں، اورنگزیب بھی تین گھنٹے سے زیادہ نہ سوتا تھا یہ مغل بادشاہوں میں سب سے متقی، عبادت گذار، محنتی اور عادل تھا،

جہانگیر ایک اور مقام پر اپنی توزک میں یوں لکھتا ہے:

ایک بادشاہ اور باغبان کی حکایت

ایک بادشاہ ایک باغ میں گیا جبکہ گرم لو چل رہی تھی، جس وقت وہ باغ کے دروازے پر پہونچا تو اس نے بوڑھے باغبان کو دیکھا کہ وہ باغ کے دروازے پر کھڑا ہوا ہے، بادشاہ نے اس باغبان سے پوچھا اس باغ میں انار ہیں؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ ہاں ہیں، بادشاہ نے کہا کہ ایک پیالہ انار کے رس سے بھر کر لاؤ، باغبان نے اپنی لڑکی کو جو کہ خوبصورت اور خوب سیرت تھی اشارہ کیا کہ وہ انار کے رس کا ایک پیالہ لائے، لڑکی گئی اور ایک پیالے میں انار کا رس بھر کر لائی، اور چند پتے اس میں ڈال دیے، بادشاہ نے وہ پیالہ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور لڑکی سے پوچھا کہ اس پیالے میں پتے ڈال دینے سے تمھارا کیا مقصد ہے؟ لڑکی نے فصیح و بلیغ زبان میں جواب دیا کہ آپ ایسی سخت گرم ہوا میں تشریف لا رہے ہیں اور پسینے میں تر بتر ہیں، ایسے میں جبکہ آپ ابھی سواری سے اترے ہیں اور پسینے سے شرابور ہیں، فوراً ہی اس رس کا پینا طبی اصول کے خلاف ہے، میں نے

[illegible]

اس خیال سے یہ پتے اس پیالے میں ڈال دیے تھے کہ آپ پتوں کو پیالے میں دیکھ کر اس رس کے پینے میں تھوڑی دیر تامل فرمائیں گے، بادشاہ کو اس لڑکی کی یہ ادا پسند آئی اور اس نے دل میں سوچا کہ وہ اس لڑکی کو شاہی محل کی خادماؤں میں شامل کرے گا، اس فیصلے کے بعد اس نے باغبان سے پوچھا کہ تجھے ہر سال اس باغ سے کتنی آمدنی ہو جاتی ہے؟ باغبان نے جواب دیا تین سو دینار، بادشاہ نے کہا کہ تم ہر سال اس باغ کا کیا محصول ادا کرتے ہو؟ باغبان نے جواب دیا کہ بادشاہ درختوں کا کوئی محصول نہیں لیتا، البتہ کھیتی سے دسواں حصہ وصول کرتا ہے، یہ جواب سن کر بادشاہ کے دل میں خیال آیا کہ میری حکومت میں باغ بہت اور درخت بے شمار ہیں، اگر باغوں سے بھی دسواں حصہ وصول کیا جائے تو خاصی رقم وصول ہوگی اور رعیت کو بھی کوئی نقصان نہیں پہونچے گا، یہاں سے جانے کے بعد میں حکم دوں گا کہ باغوں سے بھی محصول وصول کیا جائے، پھر اس نے انار کے رس کا اور پیالہ منگایا، لڑکی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد آئی اور انار کے رس کا ایک پیالہ لے کر آئی، بادشاہ نے اس لڑکی سے کہا کہ پہلی مرتبہ جب تو گئی تھی تو جلد ہی واپس آ گئی تھی اور رس بھی پیالے میں زیادہ تھا، اس مرتبہ تو دیر میں آئی اور رس بھی پیالے میں کم ہے؟ لڑکی نے جواب دیا کہ پہلی مرتبہ پیالہ ایک ہی انار کے رس سے لبریز ہو گیا تھا، لیکن اس مرتبہ پانچ چھ انار نچوڑنے پڑے، لیکن اس کے باوجود اس قدر رس نہیں نکلا یہ سن کر بادشاہ کو حیرت ہوئی، باغبان نے کہا کہ برکت کا مدار بادشاہ کی نیت پر ہے، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ بادشاہ ہیں، جس وقت آپ نے باغ کے محصول کے متعلق دریافت کیا اسی وقت آپ کی نیت بدل گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میووں سے برکت جاتی رہی، اس بات کو سن کر بادشاہ بہت متاثر ہوا، اور اس نے باغوں پر محصول لگانے کا خیال دل سے نکال دیا، پھر بادشاہ نے کہا کہ ایک دفعہ انار کے رس کا ایک اور پیالہ لے کر آؤ، لڑکی پھر گئی اور بہت جلد انار کے رس کا ایک لبریز پیالہ خوش خوش لا کر بادشاہ کو دیا، بادشاہ نے باغبان کی فہم اور فراست کی داد دیتے ہوئے باغبان سے اس لڑکی کی خواستگاری کی، اس رمز شناس بادشاہ کی یہ حکایت صفحۂ روزگار پر اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے باقی رہ گئی ہے کہ نیک نیتی اور انصاف کا اچھا پھل ضرور ملتا ہے، جس وقت انصاف پسند بادشاہوں کی توجہ مخلوق خدا کی آسودگی اور رعایا کی بھلائی کی طرف منعطف ہوتی ہے تو بھلائیوں اور [illegible] کر بھلوا [illegible] اور کھیتی [illegible] کر [illegible] خدا کا شکر [illegible]

خاندان کی اس سلطنت میں کبھی پھلوں پر محصول لگانے کی رسم نہ تھی اور نہ ہے، تمام ممالک محروسہ میں ایک دام اور ایک حبہ بھی اس ضمن میں خزانۂ عامرہ میں یا دیوان اعلیٰ کے پاس جمع نہیں ہوتا، بلکہ یہ حکم جاری کیا گیا ہے کہ جو کوئی بھی مزروعہ زمین میں باغ لگائے اس زمین کا محصول معاف کیا جائے امید ہے حق سبحانہ اس نیاز مند کو بھی ہمیشہ اس نیت خیر پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے گا[1]

ہندو بیوی پر مغل فوجی کا قبضہ اور شاہ جہاں کی ذہانت اور انصاف

ایک ہندو منشی کی بیوی کو مغل فوجی نے اغوا کر لیا، بیوی کہتی تھی کہ منشی میرا خاوند نہیں ہے لیکن شاہ جہاں عورت کے انکار سے مطمئن نہ تھا، اچانک بادشاہ نے عورت سے کہا کہ ذرا عدالت کی دوات میں سیاہی ڈال کر دے، اس عورت نے اتنی عمدگی کے ساتھ دوات کا کام کیا کہ بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ بیوی ہندو منشی کی ہی ہے، پس بیوی ہندو کے سپرد کر دی گئی اور فوجی کو نوکری سے نکال دیا گیا، ایک اور سول مقدمہ میں جو دہلی کے چار تاجروں کا تھا، شاہ جہاں نے قرائن کی بنا پر فیصلہ کیا۔

عالمگیر اور دیوان مظالم

مورخ ساقی مستعد خان لکھتے ہیں کہ بادشاہ کا دستور تھا کہ ہر روز دو یا تین مرتبہ منظر عام پر کھڑے ہوتے، اور داد خواہ کسی رکاوٹ کے بغیر خدمت اقدس میں حاضر ہوتے، آپ بے حد خندہ پیشانی سے سنتے اور نہایت ملائم الفاظ میں بے حد شفقت سے جواب دیتے، اکثر افراد بے تکلفی سے گفتگو کرتے، آپ نے سائلین کے طول کلام اور بے جا اصرار و مبالغہ اور جسارت بے جا پر کبھی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا، بارہا بہی خواہان ملک نے عرض کیا کہ اہل احتیاج بے ادبی کرتے ہیں، اس کی ممانعت فرمائی جائے بادشاہ نے یہی جواب دیا کہ نہیں ان کو اس طرز عمل سے روکنا درست نہیں ہے، ان کی گفتگو میری اصلاح کرتی ہے، اور میرے نفس کو تحمل کا خوگر بناتی ہے[2]

مورخین کے بیانات سے واضح ہو جاتا ہے کہ عدل و انصاف کے معاملہ میں عالمگیر تمام سابق مغل بادشاہوں سے بڑھ گیا تھا، اس نے تمام غیر شرعی ٹیکس بھی بند کر دیے تھے اور شریعت کا

---

[1] توزک جہانگیری اردو ۲: ۶۲ ر ۶۳ [2] مآثر عالمگیری اردو ترجمہ ۴۲۲ تا ۴۲۳ نفیس اکیڈمی

پورا پورا نفاذ کر دیا تھا[1] انگریز مورخین کے نزدیک اس کی قابلیت اور انتظامی صلاحیت، اور رائے انسان تھی، اورنگ زیبؒ نے فرمان جاری کیا کہ غریب کی بڑے آدمی کے خلاف شکایت کو اولیت دی جائے، ڈو لکھتا ہے کہ تیمور کے خاندان کا یہ بنیادی اصول تھا کہ غریب لاچار شخص پر زیادتی کو ہرگز ہرگز نہ معاف کیا جائے۔

داراشکوہ کا مقدمہ

ڈاکٹر قریشی لکھتے ہیں کہ عالمگیر نے فقہاء کا بورڈ دارا کے مقدمہ کے لیے بٹھایا تھا، کیونکہ بادشاہ خود پارٹی تھا، اس لیے وہ اس کا مقدمہ سننے کا مجاز نہ تھا، فقہاء کا اعلان کہ داراشکوہ کے نظریات ارتداد اور زندقہ کے مترادف ہیں، بہت اہم تھا، ہند کے عوام جو والدین کی فرماں برداری کو ضروری سمجھتے تھے ان کو اندازہ ہو گیا کہ عالمگیر کا شاہ جہاں کو محل میں نظر بند کرنا ایک اعلیٰ مقصد کے لیے ضروری تھا، اور عالمگیر بلند نصب العین کے لیے لڑا تھا، نہ کہ اپنی ذات کے لیے (ایڈمنسٹریشن آف دی مغل امپائر ۱۹۲ / ۱۹۷ مزید دیکھیے اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر مولفہ مولانا شبلی نعمانی)

کسی نے محمود غزنوی کے ایک قاضی کے پاس سربمہر تھیلے میں دینار امانت رکھوائے، قاضی نے تھیلا کاٹ کر اس میں تانبے کے سکے بھر دیے اور پھر اسے رفو کرا کر اسی طرح سربمہر طلب کرنے پر واپس کر دیا، جب اس شخص نے تبدیلی کا ذکر کیا تو قاضی نے کہا مہر دیکھ لو، مجھے کیا معلوم اس میں کیا تھا، میں نے اسی طرح سربمہر طلب کرنے پر واپس کر دیا، محمود غزنوی کے پاس شکایت پہونچی تو اس نے سب سے ماہر رفوگر کا پتہ کرایا اور اس نے بتایا کہ اس نے اس تھیلے کو رفو کیا تھا، قاضی کے کہنے پر اس طرح سے راز کھلا، پھر قاضی کو پھانسی دینے کا ارادہ کیا، لیکن بڑھاپے کا خیال کر کے جائداد کی ضبطی اور معزولی کی سزا دی[2]

ایک شخص کو ارنڈ کی جڑ سے دبی ہوئی دولت مل گئی، مالک نے جب دولت نہ پائی تو پریشان ہو گیا، لوگوں نے عضد الدولہ کے پاس جانے کا مشورہ دیا تو اس نے کہا کہ وہ کوئی غیب داں ہے ؟ غرضکہ عضد الدولہ نے تمام حکیموں کو بلایا اور پوچھا کہ تم میں سے اس سال کسی نے ارنڈ کی کونپلوں سے

---

[1] بحوالہ بالا صفحہ ۴۲۵ تا ۴۲۳ [2] سیاست نامہ مترجم محمد منصور ص ۹۲ تا ۹۵۔

کسی کا علاج کیا ہے؟ ایک نے کہا کہ ہاں آپ کی فلاں خواص کا، اس طرح سے مال لینے والے کا علم ہوا، اور مال واپس مل گیا (کتاب الاذکیاء : ابن جوزی)

بے سروسامانی کی حالت میں بھی ردمظالم کیلئے حکومت ضروری نہیں

ہمارے بعض سیاستداں، لیڈر اور مذہبی رہنما یہ سمجھتے ہیں کہ ردمظالم صرف حکام کا کام ہے، ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ردمظالم ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کا فرض ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا **انصر أخاك مظلومًا اوظالمًا** اپنے بھائی کی مدد کر چاہے وہ مظلوم ہو یا ظالم، لوگوں نے پوچھا کہ ظالم کی مدد کیسے کریں، فرمایا کہ اسے ظلم سے روک دو، یہ خطاب تمام امت کو ہے، صرف حکام کو نہیں، جناب اقدس ﷺ نے ہمیشہ ردمظالم کا فریضہ انجام دیا، حتیٰ کہ مکہ کے اس دور میں بھی جب کہ آپ ﷺ خود سب سے مظلوم تھے، اور پورا مکہ سوائے گنتی کے چند نفوس کے آپ کی جان کا دشمن تھا، اور طرح طرح کے ظلم آپ سہتے تھے، لیکن اس مظلومیت و بے سروسامانی کی حالت میں بھی آپ کیسے ردمظالم کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے، اس مثال کو حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد منیریؒ نے اپنے ایک خط میں فیروز شاہ تغلق کو تحریر فرمایا،

سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں حضرت مخدوم الملک سے خواجہ عابد ظفرآبادی نے فریاد کی کہ ان کا مال ظلم و تعدی سے تلف کر دیا گیا ہے، حضرت مخدوم الملک نے سلطان فیروز شاہ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی اور بہت ہی بلیغ پیرایے میں اور عالمانہ انداز میں عدل و انصاف کی تلقین کی، سلطان کو اس سلسلہ میں جو مکتوب تحریر فرمایا وہ حسب ذیل ہے، شاید مرتب مکتوبات نے القاب حذف کر دیے ہیں، پورا متن یہ ہے :

”حضرت بلال مؤذن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت رسالت مآب علیہ السلام کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں مکہ میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا، پیغمبر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا باہر جا کر دیکھو، جب میں باہر آیا تو ایک نصرانی کو کھڑا دیکھا، اس نے پوچھا، محمد ﷺ یہاں ہیں؟ میں نے کہا ہاں! وہ گھر کے اندر آیا اور کہا: یا محمد! تم کہتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں اور خدا کا بھیجا ہوا ہوں، مجھ کو اور لوگوں کو (اسلام کی) دعوت [illegible] ہو، اگر تم رسول برحق ہو تو اس کو دیکھو کہ قوی ضعیف پر ظلم نہ کرے

پیغمبر علیہ السلام نے پوچھا: تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟ اس نے کہا: ابوجہل نے میرا مال لے لیا ہے، یہ وقت آپؐ کے قیلولے کا تھا، اور بڑی گرمی پڑ رہی تھی، لیکن آپؐ اسی وقت روانہ ہوئے تاکہ مظلوم کی مدد فرمائیں، میں نے (یعنی حضرت بلال رضی نے) عرض کی یا رسول اللہ! قیلولے کا وقت ہے، گرمی پڑ رہی ہے، ابوجہل بھی قیلولہ کر رہا ہوگا وہ برہم ہوگا، لیکن آپ نہ رکے اور اسی طرح خشمگیں ابوجہل کے دروازے پر پہونچ کر اسکو کھٹکھٹایا، ابوجہل کو غصہ آیا، اس نے اپنے بتوں لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ جس نے دروازہ کھٹکھٹایا ہے اس کو جاکر مار ڈالوں گا، باہر آیا تو دیکھا کہ حضرت رسالت مآبؐ کھڑے ہیں، بولا کیسے آئے، کسی آدمی کو کیوں نہ بھیج دیا، پیغمبر علیہ السلام نے غصہ میں فرمایا: "اس نصرانی کا مال تم نے کیوں لے لیا ہے، اس کا مال واپس کردو" ابوجہل نے کہا اگر اسی کے لیے آئے ہو تو کسی آدمی کو کیوں نہ بھیج دیا، مال واپس کر دیتا، پیغمبرؐ نے فرمایا: باتیں نہ بناؤ اس کا مال واپس کرو، ابوجہل اس کا تمام مال باہر لایا اور اس کے حوالے کیا، نصرانی سے پیغمبرؐ نے فرمایا: اب تو تمہارا مال واپس پہونچ گیا ہے؟ اس نے کہا: لیکن ایک ادنیٰ تھیلا رہ گیا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل سے فرمایا: تھیلا بھی دو! ابوجہل نے کہا کہ اے محمد! تم واپس جاؤ میں اس کو پہونچا دوںگا حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا اس وقت تک واپس نہ جاؤں گا جب تک تم تھیلا بھی واپس نہ کردوگے، ابوجہل گھر کے اندر گیا، اس کو وہ تھیلا نہ ملا، لیکن اس سے بہتر تھیلا لایا، اور بولا: وہ تو مجھ کو نہیں ملا مگر اس سے بہتر لایا ہوں اور اسی کو اسکے بدلے میں دیتا ہوں، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: اے نصرانی یہ تھیلا بہتر ہے، یا وہ بہتر تھا؟ اس نے کہا اے محمد! یہ بہتر ہے، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: اگر تم یہ کہتے کہ وہ بہتر تھا تو میں اس وقت تک واپس نہ جاتا جب تک میں قیمت لیکر تمہارے حوالے نہ کرتا۔

ایک دوسری روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا جو کوئی مظلوم کی مدد کرتا ہے خدائے تعالیٰ قیامت کے دن پل صراط کو عبور کرنے میں اس کی مدد کرے گا۔

اور بہشت میں جگہ دیگا اور جو کوئی کسی مظلوم کو دیکھتا ہے، اور وہ مظلوم اس سے فریاد کرتا ہے، لیکن وہ فریاد نہیں سنتا تو قبر کے اندر اس کو آگ کے سو کوڑے مارے جائیں گے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا جو کوئی مظلوم کی مدد کرتا ہے اس کے لیے تہتر مرتبہ مغفرت لکھی جاتی ہے' ان میں سے ایک تو اس کو دنیا میں مل جاتی ہے: اس سے اس کا کام سدھرتا ہے، اور بقیہ بہتر مغفرت عقبیٰ میں ملتی ہے، حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کارواں شہر سے باہر ٹھہرا، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کارواں شہر سے باہر ٹھہرا ہے، چلو ہم اس کی پاسبانی کریں ایسا نہ ہو کہ کارواں والے سو جائیں اور کوئی ان کا سامان اٹھا لے جائے، چنانچہ وہ رات بھر پاسبانی کرتے رہے، حق تعالیٰ نے پیغمبرؐ کے دوستوں کو یہ اوصاف عطا فرمائے تھے، "رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" وہ تمام مسلمانوں پر مہربان تھے، اور ان کے لیے غم کھاتے رہے۔

الحمد للہ کہ آپ (یعنی سلطان فیروز شاہ کی ذات معظم و مکرم مظلوموں اور درماندوں کی جائے پناہ ہے، اور آپ کی بارگاہ کا عدل و انصاف دنیا میں ظاہر ہو چکا ہے' اور انصاف کو یہ سعادت حاصل ہوئی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: ایک ساعت کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے، عاقبت بخیر ہو۔[1]

الماوردی لکھتے ہیں کہ شاہان فارس رفع مظالم کو جہاں بانی کے لیے بہت ضروری سمجھتے تھے' مکہ میں چند ایسے واقعات ہوئے کہ تاجر کا مال لیکر قیمت ادا نہ کی گئی' ابی ابن خلف نے بھی ایسا کیا' ابوسفیان اور عباس ابن عبدالمطلب نے کوشش کر کے مال واپس لوایا، پھر قریش کے گھروالوں نے عبداللہ ابن جدعان کے مکان میں جمع ہو کر عہد کیا کہ مکہ میں کسی پر زیادتی ہو تو اس کی تلافی کی جائے، کسی پر ظلم نہ کرنے دیا جائے، مظلوم کا حق دلایا جائے، اس موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی موجود تھے جبکہ آپ کی عمر ۲۵ برس کی تھی' اس عہد نامہ کو حلف الفضول کہتے ہیں بس رفع المظالم حکام ہی کا نہیں بلکہ ہر شخص کا فرض اور حق ہے

۱۔ [illegible] ۲۹۲ [illegible] ۱۱۶ [illegible]

رضی الاسلام ندوی، علیگڈھ

"حدیث الافک"
پر
اعتراضات کا جائزہ

عزیزم رضی الاسلام ندوی کے مضمون حدیث الافک پر اعتراضات کا جائزہ کی ایک قسط دسمبر ۱۹۸۹ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ دوسری قسط جنوری میں شائع ہونی چاہئے تھی مگر غلطی سے اس کا بقیہ حصہ رہ گیا۔ اب فروری ۱۹۹۰ء کے پرچہ میں شائع کیا جا رہا ہے، ناظرین کرام مطالعہ کے وقت پیشِ نظر رکھیں۔ (مرتب)

معترضین کے نزدیک روایت کا وضع کرنیوالا کون ہے؟

اگر یہ روایت داستان محض ہے تو اس کا گھڑنے والا کون ہے؟ اس سوال کا جواب بھی حکیم نیاز احمد صاحب اور ازہر صاحب الگ الگ دیتے ہیں۔ ازہر میرٹھی صاحب حضرت عثمان کی شہادت کے بعد کے سیاسی حالات اور جنگ جمل کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "حضرت علیؓ کے گرد بہت سے مفسدین اور منافقین جمع ہو گئے تھے۔ انھیں لوگوں سے فرقہ روافض نکلا جس نے یہ داستان وضع کر کے لوگوں میں عام کر دی۔ زہری نے اسے اپنے شیوخ سے (جنھوں نے اس روایت کو براہ راست حضرت عائشہ سے نہیں سنا تھا) روایت کر لیا"۔ اس کی دلیل ازہر صاحب یہ دیتے ہیں کہ "اس واقعہ میں جن لوگوں کا کردار بیان کیا گیا ہے یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے حضرت علی کی مخالفت کی تھی۔ اس لئے ان سے بدلہ لینے کے لئے روافض نے یہ طریقہ نکالا کہ حضرت عائشہ کی ہجو بلیغ کی اور یہ تاثر دیا کہ قاتلان عثمان کا مطالبۂ قصاص تو ایک بہانہ تھا ورنہ حضرت علی سے ان کی پرانی رنجش تھی کیونکہ واقعۂ افک میں حضرت علی نے دبے

[illegible]

بے سلیقگی کو ظاہر کیا گیا ہے۔ حضرت طلحہ کو اس طرح بدنام کیا کہ ان کی بیوی حمنہ بنت جحش نے بھی بہتان لگانے میں حصہ لیا تھا لیکن انھوں نے اس کی زبان روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ حضرت حسان چونکہ حضرت علی کی بیعت سے کنارہ کش رہے تھے اور مدینے سے نکل کر امیر معاویہ کے پاس چلے گئے تھے جہاں سے وہ خلافت معاویہ ہی میں واپس آئے۔ اس لئے انھیں بھی اس میں شامل کر لیا۔ اور مسطح کو اس لئے شامل کیا تاکہ سننے والوں کو بیہودہ الزام کی سچائی کا خیال پیدا ہو جائے۔ اُن کی وفات میں اس زمانے میں ہوئی تھی جب بلوائیوں نے حضرت عثمان کے خلاف انتہائی شورش برپا کر رکھی تھی" ۲۹ھ

فاضل محقق نے بعد کے سیاسی واقعات کو ایک مخصوص عینک سے دیکھ کر ضعیف روایات کا سہارا لیکر اور اپنی طرف سے دو چار باتیں شامل کر کے ایک نادر تحقیق پیش کی ہے لیکن اسے تاریخ کی تائید حاصل ہے نہ عقل سلیم کی۔ اگر دشمنوں کو حضرت عائشہ کی ہجو کرنی تھی تو انھوں نے ایسی صورت ہی کیوں فرض کی جس سے اس کے برخلاف اُن کی فضیلت اور فخر کا پہلو نکل آئے۔ قرآن سے ان کی برأت اور عظمت ثابت ہو جائے اور رہتی دنیا تک ان کا ذکر جمیل ہوتا رہے۔ بریرہ کے بیان سے اگر محقق محترم کو حضرت عائشہ کی بدسلیقگی اور "پھوہڑپن" محسوس ہوتا ہے تو انھیں رخصتی کے وقت تک حضرت عائشہ کا گڑیا کھیلنا بھی "بچکانی حرکت" معلوم ہوتی ہوگی اس لئے انھیں اسے اور دوسری ایسی تمام روایات کو بھی موضوع قرار دے دینا چاہئے جن میں کسی بشری عادت یا کمزوری کا بیان ہو۔ یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ حضرت طلحہ کو بدنام کرنے کے لئے واقعۂ افک میں ان کی بیوی حضرت حمنہ کو کیوں شریک کیا گیا؟ اگر براہ راست حضرت طلحہ کو شریک کر لیا جاتا تو اس سے اُن کی مزید بدنامی ہوتی اور خواہ مخواہ حضرت حمنہ کو شامل کرنے کی ضرورت نہ پڑتی حضرت حسان کو واقعۂ افک میں شامل کرنے کی توجیہ فاضل محقق نے یہ کی ہے کہ وہ حضرت علی کی بیعت سے کنارہ کش رہے تھے۔ اگر بات یہ ہے تب تو حضرت اسامہ کو بھی تہمت لگانے والوں یا حضرت علی جیسا مشورہ دینے والوں میں شریک کرنا چاہیئے تھا اس لئے کہ وہ بھی حضرت عثمان کی شہادت کے بعد بالکل علیحدہ ہو گئے تھے ۳۰ اور حضرت علی و حضرت معاویہ کی معرکہ آرائیوں سے کنارہ کش رہے تھے اور حضرت علی کو کہلا بھیجا تھا کہ اگر آپ شیر کی داڑھ میں گھسنے تو میں بھی بخوشی گھس جاتا لیکن اس معاملہ میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا ۳۱

[illegible]

حضرت عثمان کے خلاف بلوائیوں کی شورش کے زمانے ہی میں ہوئی تھی اور اُن کا ذکر محض زیبِ داستان کے لئے کیا گیا ہے تاکہ سننے والے کو بے ہودہ الزام کی سچائی کا خیال پیدا ہو جائے۔ حالانکہ بعض دوسری روایتوں سے (جیسے مولانا شاہ معین الدین ندوی نے زیادہ مستند قرار دیا ہے[32]) معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسطح ۳۷ھ تک زندہ رہے تھے۔ وہ جنگ صفین میں حضرت علی کی حمایت میں لڑنے تھے اور اسی سال ۵۶ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔[33] کیا فرقۂ روافض نے حضرت علی کے حامیوں کو بھی نہیں بخشا اور انھیں بھی بدنام کر ڈالا؟! اگر بات یہی تھی تو انھیں حضرت صفوان بن معطل سلمی، حضرت اسامہ، حضرت مسطح حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت حسان جیسے لوگوں کو جن کا حضرت علی کی مخالفت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ واقعۂ افک میں شامل کرنے کے بجائے ایسے لوگوں کو اس میں شریک کرنا چاہیے تھا جن کا حضرت علی کی مخالفت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ واقعۂ افک میں شامل کرنے کے بجائے ایسے لوگوں کو اس میں شریک کرنا چاہیے تھا جو حضرت علی کے شدید مخالف تھے۔

محترم حکیم نیاز صاحب نے دو قدم آگے بڑھ کر یہ نتیجۂ تحقیق پیش کیا ہے کہ "یہ روایت زہری کا طبع زاد افسانہ ہے جسے انھوں نے دوسری صدی ہجری کے ربع اول میں اس وقت گھڑ کر عام کیا جب واقعہ کے اصل شاہد یعنی صحابہ کرام دنیا سے رخصت ہو چکے تھے یہی وجہ ہے کہ اس سے قبل کے روایات کے مجموعوں میں یہ روایت موجود نہیں"۔ پھر فاضل مصنف زہری کی شخصیت کو نشانہ بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ "وہ ایک ذوالوجہین شخصیت کے حامل تھے اُن کے والد زندگی بھر علویوں کی طرف سے بنی امیہ کے خلاف برسرپیکار رہے۔ علویوں کے ساتھ اُن کی عقیدت زہری کو بھی ورثے میں ملی۔ شیعہ محققین کے نزدیک زہری شیعہ تھے۔ روایات میں ان کی سب سے مستند سند اہل سنت کے نزدیک بھی الزہری عن علی بن حسین عن أبیہ عن جدہ ہے۔ دوسری طرف فکر معاش نے ان کو بنی اُمیہ سے وابستہ رکھا تھا اپنی سیاست اور موقع پرستی کی بنا پر یہ دونوں گروہوں سے تعلقات رکھنے میں کامیاب رہے۔ تاہم علویوں سے اپنی وابستگی کے تقاضے سے حضرات شیخین اور حضرت عائشہ کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے اسماء الرجال کی کتابوں میں زہری کو مدلس، مرسل اور مدرج لکھا گیا ہے اور روایت افک کے گھڑنے میں بھی انھوں نے تدلیس، تلفیق، ارسال اور ادراج سب

[illegible]

'تدبر' میں کتاب پر تبصرہ شائع ہونے کے بعد غالباً جب لوگوں کی طرف سے سوالات کئے گئے تو بعد کے شمارے میں جناب خالد مسعود صاحب نے زہری کو ناقابل اعتبار قرار دیتے ہوئے مزید دلائل فراہم کئے۔ ان کے مطابق "زہری کی نصف روایتیں مرسل اور تقریباً دو سو غیر ثقہ لوگوں سے ہے۔ ابوداؤد اور دوسرے محدثین نے ان پر زبردست تنقید کی ہے۔ متعدد ائمہ حدیث نے ان کی مراسیل کا کوئی اعتبار نہیں کیا ہے اور انھیں شر المراسیل قرار دیا ہے۔ نیز ان کی علمی دیانت پر شبہ کیا ہے۔" مزید فرماتے ہیں کہ "زہری شیعہ مسلک کے معلوم ہوتے ہیں چنانچہ بخاری و مسلم میں شیعہ نقطۂ نظر کی جتنی روایتیں ہیں اور جن سے صحابہ کرام خصوصاً ابوبکر، عمر، عائشہ وغیرہ کی تنقیص لازم آتی ہے وہ سب زہری سے مروی ہیں" اور یہ کہ "زہری کو متعدد شیعہ علماء نے شیعہ قرار دیا ہے حالانکہ وہ اس معاملہ میں بہت حساس ہوتے ہیں اور کسی سنی کو شیعہ میں شمار نہیں کرتے" اس طرح زہری کو جعلساز، بددیانت اور جھوٹی روایتیں کرنے والا ثابت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "زہری کے اس تذکرہ سے ہم ان کی خدمتِ حدیث یا عالی مقام کا انکار کرنا نہیں چاہتے بلکہ صرف عقیدت کے اس جذبۂ فراواں کے اندر چھپے ہوئے خطرات سے متنبہ کرنا چاہتے ہیں۔ جو درایتِ حدیث کی راہ میں سنگ گراں بن جاتا ہے۔"[۳۴]

یہ ساری کوششیں محض اس لئے ہیں تاکہ واقعۂ افک کو خود ساختہ اور من گھڑت قرار دیا جاسکے حالانکہ پہلے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اس کی روایت میں زہری منفرد نہیں ہیں۔ بلکہ حضرت عائشہ سے ہشام بھی اپنے والد عروہ کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں اور مسروق نے بھی اُن سے اور اُن کی والدہ ام رومان سے روایت کے بعض اجزاء نقل کئے ہیں۔ اس کے علاوہ ابن ابی ملیکہ اور عمرہ کی روایتوں سے بھی واقعۂ افک کا اثبات ہوتا ہے۔ یہ روایتیں بخاری، مسلم، ترمذی اور ابوداؤد کے علاوہ دوسری کتب احادیث و سیر میں بھی مذکور ہیں۔

زہری کا شمار اجلۂ تابعین میں ہوتا ہے۔ تہذیب التہذیب میں ابن حجر نے لکھا ہے کہ "ارسال کے باوجود علماء حدیث زہری کی روایات بالاتفاق قبول کرتے ہیں اور ان کا اتفاق حجت ہے"[۳۵] معروضی مطالعہ کا تقاضہ ہے کہ اگر زہری کو مطعون کرنے والوں کی آراء نقل کی جائیں تو ساتھ ہی ان محدثین کے بیانات بھی ذکر کرنے چاہئیں جو ان کی توثیق کرتے ہیں۔ تاکہ قارئین از خود دیکھ لیں کہ کن لوگوں نے اُن کو ساقط الاعتبار کہا ہے اور کس پائے کے لوگ انھیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں یحییٰ بن سعید (جنھوں نے اُن کی مراسیل کو بمنزلۂ الریح قرار دیا ہے اور ابوداؤد (جنھوں نے اُن کی دو سو روایتوں کو غیر ثقہ لوگوں سے

مروی بتلایا ہے) نے اُن کے خلاف رائے دی ہے۔ ورنہ نسائی، عمرو بن دینار، عراق بن مالک، مکحول ایوب، ابوبکر ہذلی، معمر جیسے محدثین نے اُن کی تعریف و توصیف کی ہے اور انھیں فن حدیث کا امام قرار دیا ہے۔ [۲۹] امام بخاری و امام مسلم جیسے عظیم محدثین نے بھی اُن کی روایات قبول کر کے انھیں ثقاہت کا اعلیٰ مقام عطا کیا ہے۔ پھر کیا محض یحییٰ اور ابوداؤد کے جیسے دُو ایک اقوال انھیں پست درجے میں گرا دینے کے لئے کافی ہیں ؟!

زہری کو ساقط الاعتبار قرار دینے والے یہ نہ سمجھیں کہ "اس کی زد میں صرف ایک روایت آتی ہے اور وہ ایسی ہے جس سے احکام برآمد نہیں ہوتے محض ایک تاریخی واقعہ معلوم ہوتا ہے" بلکہ زہری نے ہزاروں روایتیں کی ہیں اور حدیث کی تمام مشہور کتابوں میں اُن کی احادیث بکثرت موجود ہیں۔ جن میں صرف تاریخی واقعات ہی نہیں بلکہ احکام اور امور دین سے متعلق روایات بھی ہیں۔ زہری کو مطعون کر دینے سے ان تمام روایات پر پانی پھر جائے گا اور صحیح احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ ناقابل اعتبار پائے گا۔ کیا وہ اس پر آمادہ ہیں ؟

حکیم نیاز صاحب نے زہری کو ذوالوجہین، سیاسی چال باز، موقع پرست اور شیعہ ہونے کی وجہ سے شیخین اور حضرت عائشہ کو بدنام کرنے والا قرار دیا ہے اس سے زہری کی شخصیت داغدار ہو نہ ہو خود حکیم صاحب کی ذہنی سطح معلوم ہو جاتی ہے۔ کیا محض آل بیت کی حمایت کرنا یا خاندانِ آلِ بیت سے احادیث کی روایت کرنا شیعہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہونا چاہیئے کہ جتنے صحابہ یا تابعین نے حضرت علی کی حمایت کی یا جن راویوں نے سادات سے روایتیں لیں وہ سب شیعہ تھے اور خاندانِ نبوی میں سے جن لوگوں نے بنوامیہ کی حمایت کی ہے وہ سب ذوالوجہین اور موقع پرست تھے۔ کسی کی شخصیت کو ناپنے کا یہ پیمانہ خواہ کتنا ہی دل پسند ہو لیکن عقل و انصاف سے کوسوں دور ہے۔

حکیم صاحب نے روایت کے موضوع ہونے کی ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ "حدیث کے ابتدائی مجموعوں مثلاً موطأ امام مالک موطا امام محمد، جامع معمر، مسند ابو داؤد طیالسی، کتاب الام وغیرہ میں یہ روایت موجود نہیں ہے۔ اور واقدی اور ابن سعد نے بھی اس کو قابل اعتناء نہیں سمجھا ہے۔ صحاح کی ترتیب و تدوین چونکہ بہت بعد میں ہوئی اس لئے یہ روایت ان میں جگہ پا گئی" یہاں محقق محترم نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ واقدی کی کتاب المغازی میں یہ روایت زہری کے علاوہ دوسری سند سے تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ واقدی نے بہت تفصیل سے یہ واقعہ اور اس کے متعلقات کو بیان کیا ہے [۳۰] ابن سعد نے اگرچہ زیادہ تفصیل نہیں

دی ہے لیکن متعدد مقامات پر (مثلاً غزوۂ مریسیع اور ام مسطح ، و حضرت عائشہ کے تذکرہ میں)
واقعۂ افک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کے حضرت عائشہ سے متعلق ہونے اور اُن کی برأت میں قرآن کی آیات نازل ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ ۲۸؎ موطا امام مالک میں مغازی کا کوئی باب ہی نہیں ہے۔ یہی حال بقیہ دوسری کتابوں کا ہے۔ پھر کیا محترم یہ کہیں گے کہ چونکہ ان میں غزوات نبوی کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے اس لئے یہ پیش ہی نہیں آئے ؟!!

آیاتِ سورۂ نور کا مطالعہ

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ نور کی آیات جن میں افک کا بیان ہے اسی واقعہ کے پس منظر میں نازل ہوئی تھیں۔ لیکن اُسے موضوع قرار دینے کے بعد معترضین اس کا کیا پس منظر قرار دیتے ہیں ذیل کے سطور میں ہم اس کا جائزہ لیں گے پھر براہ راست اِن آیات کا مطالعہ کرکے حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ ازہر صاحب فرماتے ہیں: " آیات میں تصریح ہے کہ منافقین کا برپا کیا ہوا یہ فتنہ ایک دو نہیں بلکہ متعدد عورتوں سے متعلق تھا جو عفت مآب و پارسا خواتین تھیں" ۲۹؎ استدلال میں وہ آیت " الذین یرمون المحصنات الغافلات المؤمنات" کو پیش کرتے ہیں کہ اس میں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

جبکہ حکیم نیاز صاحب کا خیال ہے کہ " افک کے بارے میں مسلمانوں کو زبان تک کھولنے سے قرآن مجید میں منع کر دیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ اس واقعہ کو صحابہ کرام نے ہمیشہ کے لئے بھلا دیا اور اُس کی کوئی روایت قرآن مجید کی خلاف ورزی کے ڈر سے نہیں کی ، اگر زہری یہ روایت وضع نہ کرتے اور شیعہ اس کو ہوا نہ دیتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کا کوئی تذکرہ ہماری کتابوں میں ہوتا۔ جہاں تک قرآن مجید کی آیات کا تعلق ہے اُن کا مدعا سمجھنے کے لئے اس واقعہ کی تفصیلات کا ہونا قطعاً ضروری نہیں۔ چونکہ نہ قرآن مجید میں اس بات کا کوئی اشارہ ہے نہ کسی معتبر حدیث میں بیان ہوا ہے کہ یہ واقعہ کیا تھا اور کس بارے میں تھا اس لئے حضرت عائشہ کی ذات سے اس کو متعلق کرنے کی بھی کوئی معقول وجہ موجود نہیں"۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں ان آیات کا سبب نزول بیان کرنے سے منع نہیں کیا گیا ہے بلکہ افک میں پڑنے ، بہتان طرازی کرنے اور افک کو پھیلانے سے منع وارد ہوئی ہے (اذ تلقونہ بالسنتکم

وتقولون بافواهکم مالیس لکم بہ علم وتحسبونہ ھینا (۲۴-۱۵) چنانچہ صحابہ میں عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے واقعۂ افک کا حضرت عائشہ سے متعلق ہونا ثابت ہے۔

یہ صحیح ہے کہ شانِ نزول کے بغیر بھی قرآن کا مدعا واضح ہے۔ لیکن اس کا بھی اعتراف کرنا چاہئیے کہ فہم قرآن میں سبب نزول کی ایک اہمیت ہے اور اس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ منافقین کا برپا کیا ہوا فتنہ ایک دو نہیں بلکہ متعدد عفت مآب خواتین کے بارے میں تھا۔ اس لئے کہ آیت الذین یرمون المحصنات ... الخ میں واقعہ کا بیان نہیں بلکہ اس پر تبصرہ کر کے اہل ایمان کو ہدایات دی گئی ہیں۔ سورۂ نور کی ان آیات کا غائرانہ مطالعہ کرنے سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں :

(۱) افک کے کسی ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ مقصود ہے اس لئے کہ آیات میں واحد اور ماضی کے صیغے استعمال ہوتے ہیں (انَّ الذین جاء وا بالافک، لا تحسبوہ شرًّا، لولا اذ سمعتموہ ھذا افک مبین وغیرہ)

(۲) جن کے بارے میں تہمت لگائی گئی تھی وہ مسلمانوں میں تھے (ظن المومنون والمومنات بانفسھم خیرًا)

(۳) افک میں کچھ مسلمان بھی شامل ہوگئے (اذ تلقّونہ بألسنتکم)

(۴) کسی ایک مخصوص واقعہ پر تنبیہ کی جا رہی ہے کہ ایسا دوبارہ سرزد نہ ہو (یعظکم اللہ أن تعودوا لمثلہ)

(۵) قذف کا معاملہ تھا (لولا جاء وا علیہ بأربعۃ شھداء)

روایتِ افک کو موضوع قرار دینے والے بتلائیں کہ آخر عہد نبوی میں ایسا کون سا واقعہ پیش آگیا تھا جس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ اور مسلمانوں کو سخت تنبیہ کی گئی۔ کیا ان آیات کا سبب نزول آج تک پردۂ خفا میں ہے۔ تابعین تبع تابعین اور بعد کے لوگوں میں سے کسی کے ذہن میں یہ سوال نہیں اٹھا کہ یہ آیات کس مناسبت سے نازل ہوئی تھیں؟ اگر ہم واقعہ افک کو صحیح مان لیں (جو کہ یقیناً صحیح ہے) تو ہمیں ان تمام سوالات کا جواب مل جاتا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ ایک طرف ازہر صاحب روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں لیکن دوسری طرف آیات کی تشریح اسی روایت کی روشنی میں کرتے ہیں مثلاً الذی تولی کبرہٗ کا مصداق انھوں نے منافق اعظم ابن سلول کو قرار دیا ہے [41] اور حضرت حسان پر حد قذف جاری ہونے کا اثبات کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ کسی پارسا مومن عورت کو بے ثبوت مطعون کر بیٹھے تھے" [42]

آخر میں اختصار کے ساتھ پھر یہ عرض کروں گا کہ صحابہ کرام کی عصمت وعفت اور عزت وعظمت بجا۔ اُن کے معاملے میں ہمیں از حد حساس ہونا چاہیئے۔ لیکن اپنے ذہن سے اختراع کردہ پیمانے لیکر اگر ہم اسلامی تاریخ کی دوسری برگزیدہ اور محترم شخصیتوں کو متہم کرنا شروع کردیں۔ اور حدیث کے قابل قدر ذخیرہ کو دریا بُرد کردیں۔ تو یہ دوسری انتہا ہوگی۔ اس لئے ہمیں اس راہ میں قدم پھونک پھونک کر رکھنا چاہیئے۔

حواشی

[1] مفتاح القرآن تفسیر سورۂ نور۔ شبیر احمد ازہر میرٹھی۔ مکتبہ ازہریہ میرٹھ ص ۴۰-۵۰

[2] حکیم نیاز صاحب کی کتاب مجھے نہیں مل سکی۔ البتہ جناب خالد مسعود صاحب نے اپنے تبصرہ (تدبر سلسلہ نمبر ۲) میں اس کے تمام مضامین کا اچھا اختصار کردیا ہے جس سے حکیم نیاز صاحب کے نظریات اور استدلالات معلوم ہو جاتے ہیں اس مقالہ میں ان کا ذکر اسی تبصرہ کے حوالے سے کیا جائے گا۔

[3] تدبر لاہور حوالۂ مذکور [3] الف فقہ القرآن مولانا عمر احمد عثمانی ادارۂ فکر اسلامی کراچی ۔ ۳ ۱۹۸۱ء طبع اول فقہ القرآن جلد دوم میں تلاش بسیار کے باوجود حدیث الافک پر بحث نہیں مل سکی۔ معلوم نہیں مولانا موصوف اس پر بحث نہیں کرسکے۔ یا ان پر اس "افسانہ" کی حقیقت واضح ہوگئی۔ جلد سوم میں بھی اس پر بحث نہیں ہے۔ یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ آگے بھی کوئی جلد ہے یا نہیں۔

[4] امام بخاری نے غزوہ بنی المصطلق کا تذکرہ غزوہ احزاب کے بعد کیا ہے۔ ان کی مخصوص ترتیب اور انداز بیان سے اشارہ ملتا ہے کہ اُن کے نزدیک بھی اس کی ترتیب غزوہ احزاب کے بعد ہے۔ دیکھئے کتاب المغازی

[5] سیرت ابن ہشام بخاری نے غزوۂ احزاب کے واقعات حضرت عائشہ کے واسطے سے روایت کئے ہیں۔ جن میں انھوں نے حضرت سعد کے زخمی ہونے اور اسی زخم میں

وفات پانے کا واقعہ بیان کیا ہے (کتاب المغازی باب مرجع النبیؐ من الاحزاب ظاہر ہے کہ پھر حضرت عائشہ بھی واقعہ افک میں حضرت سعد کا نام نہیں لے سکتی تھیں۔

۶ مولانا مودودی نے نام صرف معاذ لکھا ہے۔ صحیح سعد بن معاذ ہے۔

۷ الف تفہیم القرآن۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی جلد سوم ص ۳۱۲ طبع ۱۳/ ۱۹۸۳ء

۷ مفتاح ص ۶۰ ۸ صحیح مسلم کا حاشیہ نووی باب حدیث الافک وقبول توبۃ القاذف

۹ فتح الباری قدیم نسخہ ۱۳/ ۲۲ ، ۱۷/ ۲۰۷

۱۰ تہذیب التہذیب۔ ابن حجر ۹/ ۵۰/ ۴ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد

۱۱ بخاری کتاب الشہادات، کتاب التفسیر سورۂ نور، مسلم باب فی حدیث الافک، ترمذی کتاب التفسیر سورۂ نور

۱۲ مفتاح ص ۶۸ ۱۳ ایضاً ۱۴ ماہنامہ الرشاد اعظم گڑھ دسمبر ۱۹۸۶ء استدراک ص ۵۱

۱۵ مفتاح ص ۷۰ ۱۶ بحوالہ طبقات ابن سعد۔ لیدن ۱۳۲۵ھ ۸/ ۲۰۲

۱۷ بحوالہ حاشیہ بخاری عن القسطلانی، اور زاد المعاد۔ ابن قیم ۱/ ۱۱۶ ۱۸ مفتاح ص ۷۰

۱۹ زاد المعاد۔ ابن قیم طبع مصر دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۰ء ۱/ ۱۱۹

۲۰ کتاب المغازی۔ حدیث الافک اور کتاب التفسیر سورۂ نور

۲۱ الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ۔ ابن حجر طبع کلکتہ ۱۸۹۳ء ۱/ ۵۵ ۲۲ کتاب المغازی باب بعث النبی اسامہ بن زید الی الحرقات من جہینہ ۲۳ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ ۱/ ۶۵ تذکرہ اسامہ

۲۴ صحیح بخاری کتاب المناقب باب مناقب زید بن حارثہ

۲۵ صحیح مسلم کتاب العتق باب مناقب زید بن حارثہ ۲۶ ایضاً

۲۷ صحیح بخاری کتاب الاطعمہ باب الادم

۲۸ صحیح بخاری کتاب الاعتصام باب قولہ وامرھم شوری بینہم ۲۹ مفتاح ص ۴۲-۴۳

۳۰ الاصابہ ۱/ ۲۹ ۳۱ صحیح البخاری کتاب الفتن باب قول النبی للحسن بن علی ان ابنی ھذا سید

۳۲ مہاجرین حصہ دوم۔ شاہ معین الدین ندوی دار المصنفین اعظم گڑھ طبع دوم ۱۹۵۲ء ص

۳۳ اسد الغابۃ ۴/ ۵۵ بحوالہ مہاجرین حوالہ سابق

۳۴ تدبر لاہور مئی ۱۹۸۶ء اداریہ "محمد بن شہاب زہری"

قانونِ ثقلیت

اور اس کے نتیجے :



جناب مرزا سعید الظفر چغتائی، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

قوتِ ثقل : کائنات کی چار بنیادی قوتوں میں سے ایک ہے، مقدار میں یہ سب سے کمزور ہے، لیکن اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ہر حال میں اور ہر جگہ مادی ذروں کو ایک دوسرے کی طرف کھینچتی ہے، کبھی دور نہیں ڈھکیلتی، دوسرے الفاظ میں قوت ثقل کے دو قطبیے نہیں ہوتے، جیسے کہ برقی اور مقناطیسی قوتوں میں ہوتے ہیں۔ اور جن میں سے یکساں دو قطبیے ایک دوسرے کو دور ڈھکیلتے یا دفع کرتے ہیں، اور متضاد قطبیے ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتے ہیں، اس یکسانی کی وجہ سے قوت ثقل کبھی منسوخ یا زائل نہیں ہوتی، اور اس کے میدانِ عمل کی کوئی انتہا نہیں، یہی یکسانی اس کی دور رس قوت کا سرچشمہ ہے۔

اس کشش کے پورے عمل کو جامع طور پر ثقلیت کہتے ہیں۔

نیوٹن کا قانون ثقلیت : کائنات کے ہر دو ذرے ایک دوسرے کو اپنی جانب کھینچتے ہیں، ان کی قوت کشش ان کی مقدار مادہ (کمیتوں) کے حاصل ضرب اور ان کے باہمی فاصلوں کے مربع معکوس کے مساوی ہوتی ہے۔

ہم کوئی دو ذرے یا اجسام چن لیں، جن کے مادے کی مقداریں یا کمیتیں ک ۱ ($M1$) اور ک ۲ ($M2$) ہوں اور جن کے مرکزی نقطوں کے درمیان فاصلہ ف (R) ہو (شکل ۱) تو وہ ایک دوسرے کو جس قوت ق (F) سے ہمیشہ اپنی طرف کھینچیں گے،

ان کی مقدار ہوگی :

شکل (۱)　ک۱ ـــــــ ف ـــــــ ک۲

$m1$ ــــــ R ــــــ $m2$

$$\text{ق} = \frac{\text{ش} \times \text{ک۱} \times \text{ک۲}}{\text{ف}^۲}$$

$$F = \frac{G \times m_1 \times m_2}{R^2}$$

ش (یا G) ثقلیت کا کائناتی مستقلہ ہے، اس کی قیمت 6.67×10^{-11} نیوٹن مربع میٹر فی مربع کلوگرام ہے۔

ثقل : اگر ہم زمین کی کمیت ك (M) مان لیں، جو دراصل 6×10^{24} کلوگرام کے لگ بھگ ہے، اور زمین کی سطح پہ یا اس کے آس پاس رکھے کسی جسم کی کمیت ک (m) ہو، جب کہ اس جسم کے مرکزی نقطے سے زمین کے مرکز کا فاصلہ ف (R) لیا جا سکے تو زمین کی کشش کی بنا پہ وہ بیرونی جسم (خود ہم) جو کھنچاؤ محسوس کرے گا اس کی قوت ہوگی :

$$\text{ق} = \frac{\text{ش} \times \text{ك} \times \text{ک}}{\text{ف}^۲} \quad \text{یا} \quad F = \frac{G \times M \times m}{R^2}$$

اب اگر ہم لکھیں

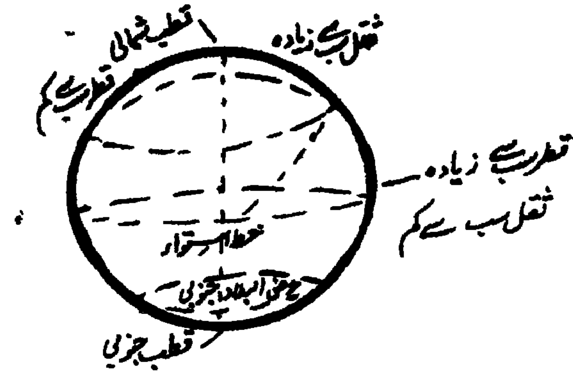
$$\text{ق} = \frac{\text{ش} \times \text{ك}}{\text{ف}^۲} \quad \text{یا} \quad g = \frac{G \times M}{R^2}$$

تو ملے گا

$$F = g \times m \quad \text{یا} \quad \text{ق} = \text{ق} \times \text{ک}$$

g یا ق کو ثقل ارضی کے باعث سرعت پذیری کہتے ہیں، کیونکہ گرتی ہوئی چیز کی عمودی رفتار اس مقدار سے فی سکینڈ بڑھتی اور بلند ہوتی چیز کی عمودی رفتار اسی قدر فی سکنڈ گھٹتی ہے، اسے مختصر طور پہ ثقل بھی کہتے ہیں۔

ثقل میں تغیر : زمین کی عام شکل گیند کی طرح گول ہے، لیکن زمین مکمل کرہ نہیں ہے، پہاڑ، سمندر، ٹیلے، گڑھے جیسے مقامی اثرات نظرانداز کر دیں تو زمین کا قطر خطِ استوار

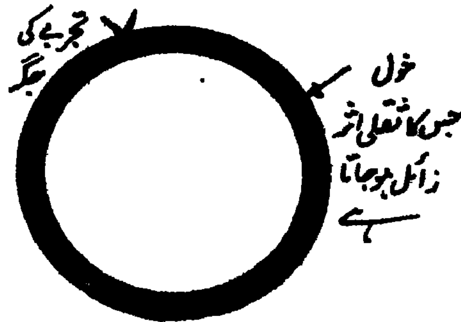


شکل (۲)

پہ سب سے زیادہ ہے (۲۰، ۱۲۷۵۶ کلو میٹر) اور قطبین پہ سب سے کم۔ بیچ کے حصوں میں (درمیانی عرض البلاد پہ) تبدیلی دھیرے دھیرے اور مسلسل ہوتی جاتی ہے (شکل ۲)۔ اسلیے ثقل کی قیمت خطِ استوا پہ سب سے کم (۹۷۸ میٹر فی سکنڈ فی سکنڈ) ہوتی ہے، اور شمالی و جنوبی قطب پہ سب سے زیادہ (۹۸۱ میٹر فی سکنڈ فی سکنڈ)۔

اگر ہم کسی جگہ زمین کی سطح کے اوپر اٹھیں تو ہمارا فاصلہ زمین کے مرکز سے بڑھے گا، اور ثقل کی قیمت سطح کے مقابلے میں کم ہو جائے گی۔

لیکن ایک دلچسپ سوال یہ اٹھتا ہے کہ اگر ہم زمین کے اندر داخل ہوں جیسے کسی گہرے کنویں میں، یا کسی معدنیاتی کان میں، تو کیا ہوگا؟ وہاں بھی ثقل کی قیمت سطح کے مقابلے میں گھٹتی ہے بڑھتی نہیں، کیونکہ زمین کا جو خول ہمارے اوپر ہوتا ہے وہ ہمیں چاروں طرف سے یکساں کھینچتا ہے، (شکل ۳) اور اس طرح اس کی کمیت کا اثر ثقل کے معاملے میں زائل ہو جاتا ہے، شمار کنندہ میں زمین کی موثر کمیت گھٹتی ہے، اور نصب نما میں فاصلہ، لیکن شمار کنندہ زیادہ گھٹتا ہے، اسلیے مجموعی اثر کمی کا ہی ہوتا ہے۔



شکل (۳)

اگر ہم زمین کو چھوڑ کے کسی اور سیارے پہ جا بسیں، یا اس پہ کوئی مشین بھیج کے اندازہ کریں، جیسا کہ سوویت یونین اور

ممالک متحدہ امریکا کر چکے ہیں: تو وہاں بھی ثقلیت کا قانون ویسا ہی اٹل رہے گا، جیسا زمین پہ ہے، مگر اس سیارے کی قوت کشش اور ثقل اس سیارے کی کمیت اور قطر کے مطابق بدل جائیں گی، مثال یہ ہے کہ چاند کی کمیت زمین کی ۱/۸۱ ہے، اور اس کا قطر زمین کا ۳/۱۱ ۔ اس لیے چاند کی سطح پہ ثقل کی مقدار زمین کی قریب ۱/۶ ہوگی، یعنی صرف ۱۶۳ میٹر فی سکنڈ فی سکنڈ۔

تمام اجرام فلکی کی حرکت ثقلیت کی پابند ہے، سورج کے گرد عطارد، زہرہ، زمین، مریخ مشتری، زحل، یورینس، نیپچون اور پلوٹو سیارے اسی کے مطابق گھومتے ہیں، زمین کے گرد ہمارا چاند اور مریخ، مشتری وغیرہ کے گرد ان کے اپنے اپنے چاند سب اسی قانون کے پابند ہیں، سیاروں کی گردش کے جو تین قانون کیپلر کے نام سے موسوم ہیں، ان کا نیوٹن کے قانون ثقلیت سے گہرا تعلق ہے۔

رفتار فرار: جیساکہ اوپر کہا جاچکا ہے زمین پہ گرنے والی چیزوں کی عمودی رفتار ثقل کے باعث بڑھتی جاتی ہے، اور کسی چیز کو زمین کی سطح سے اوپر پھینکیں تو اس کا اوپر اٹھنا ثقل کی وجہ سے دھیما ہوتا جاتا ہے، اور آخر میں وہ چیز پلٹ کے زمین ہی پہ آگرتی ہے پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ثقل کے باعث کوئی چیز زمین سے باہر نہیں نکل سکتی، لیکن اب معلوم ہوچکا ہے کہ اگر ہم کسی چیز کو ۱۱۱۶۰ میٹر فی سکنڈ (یا چالیس ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ) سے زیادہ کی ابتدائی رفتار سے اوپر پھینکیں تو وہ پلٹ کے نہیں آئے گی، اس مقدار کو زمین سے فرار کی رفتار کہتے ہیں، راکٹوں سے پھینکے جانے والے مصنوعی سیارے جو آج کل بیس طرح کے فوجی اور شہری کاموں میں آرہے ہیں (جیسے کہ ٹی۔ وی پروگرام دور دور بھیجنا) وہ سب اسی دریافت کی بنا پر چھوڑے جاتے ہیں

چاند کا ثقل زمین کے مقابلے میں ۱/۶ ہونے کے باعث، چاند سے فرار کی رفتار صرف ۲۲۳۲ میٹر فی سکنڈ یا آٹھ ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ ہے، جو ذرہ یا ہوا کا سالمہ اس سے زیادہ رفتار سے روانہ ہوا، وہ چاند کے میدان کشش سے باہر نکل گیا، اتنی ابتدائی رفتار بہت مشکل نہیں، اسی لیے چاند کے گرد ہوا یا بھاپ نہیں پائی جاتی۔

آئنسٹائن کی عمومی اضافیت:

۱۹۱۵ء کے آس پاس البرٹ آئن سٹائن نے اضافیت کا عمومی نظریہ پیش کیا، جس سے

ثقلیت کا وسیع تر تصور سامنے آیا، ثابت ہوا کہ ثقلی میدانوں میں بھی کمیت وہی کام کرتی ہے، جو وہ عام سمت پذیر حرکت میں کرتی ہے۔ (جب رفتار گھٹ بڑھ رہی ہو) اسے یکسانی کا اصول کہتے ہیں۔

دوسری اہم بات یہ سامنے آئی کہ ثقلیت دور، دور کے فاصلوں پہ کوئی کراماتی اثر نہیں دکھاتی ہے، ہر مادی ذرے کا ایک مسلسل ثقلی میدان ہوتا ہے، جو دوسرے ذرے کے ثقلی میدان سے ردعمل کے نتیجے میں کشش پیدا کرتا ہے، یہ میدان قدرے پیچیدہ مساواتوں کی شکل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

عام حالات میں آئن سٹائن کی مساواتیں نیوٹن کے سادہ سے رشتے کی بہ نسبت خفیف ہی سے مختلف نتیجے دیتی ہیں۔ لیکن مندرجۂ ذیل معاملوں میں اُن سے اہم باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) ماہرین فلکیات کو مدت سے جاری پیمائشوں کی بنا پر معلوم تھا کہ سیارۂ عطارد کے محور کا آفتاب سے قریب ترین نقطہ فی صدی ۴۳ قوسی سکنڈ آگے بڑھ آتا ہے، لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے، عمومی اضافیت کے حسابوں سے اس استقبال کی وضاحت ہوئی

(۲) کسی بھاری جسم (ستارہ) کے قریب سے گذرنے والی روشنی کی کرن اس کے ثقلی میدان کے اثر سے جھک جانی چاہیے، کیونکہ اضافیت کے مطابق توانائی مادے کے مساوی ہے، اس معاملے میں عمومی اضافیت کے لحاظ سے ہمارے سورج کو ۳،۷ا قوسی سکنڈ کا جھکاؤ پیدا کرنا چاہیے تھا، تجربوں سے اس عمل کی تصدیق ہوئی۔

(۳) عمومی اضافیت سے یہ پیشین گوئی بھی ہوئی کہ کسی بہت گھنے مادی جسم سے نکلنے والی روشنی اس کے ثقلی میدان کے زیر اثر ذرا سرخی مائل ہو جائے گی، یعنی اس کا تواتر کچھ گھٹتا نظر آئے گا فلکی تجربوں سے آخر کار اس باریک اثر کی بھی تصدیق ہو گئی۔

(۴) راڈار سے بھیجی ریڈیو لہریں کسی تارے سے ٹکرا کے واپس آئیں تو اندازہ سے زیادہ وقت لیتی ہیں، اور عمومی اضافیت سے اس تاخیر کی وضاحت ہوتی ہے۔

(۵) حال میں یہ خیال پیدا ہونے لگا ہے کہ شاید آئن اسٹائن کے میدانوں کے مطابق ثقلی لہروں کے تصور کی بھی تصدیق ہو سکتی ہے۔ پچھلے پچہتر برسوں میں بہت سے لوگوں نے اضافیت کی عمومی مساواتیں اُلٹ پلٹ کے مختلف نتیجے نکالنے چاہے لیکن تجربوں نے ابھی تک آئن اسٹائن ہی کا ساتھ دیا ہے

باب استفسار والجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ڈاکٹر سی۔ڈبلیو ٹرول : Dr. C.W. Troll انگلستان کے رہنے والے انہوں نے مشرقیات پر انگریزی میں بہت کام کیا ہے۔ انہوں نے راقم الحروف سے درج ذیل سوالات کئے تھے۔جن کے جوابات سوالات کے ساتھ درج ذیل ہیں۔)

سوال : مسلم مفکرین اور علماء کی رائے میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کیا ہندوستان کے موجودہ سیاسی جمہوری نظام میں مسلمانوں کا شریک ہوکر تعاون بہم پہونچانا جائز ہے یا نہیں۔

منفرد سوالات

(۱) کیا آپ اتفاق کرتے ہیں کہ ہندوستان کا سیاسی نظام مسلمانوں کے لئے تاریخ میں ایک بالکل نئی صورت حال سے دوچار ہوتا ہے کیونکہ نہ تو مسلمان حکمراں ہے اور نہ محکوم

(۲) اگر ہندستان کے سیاسی نظام کو ایک نئی صورت حال تصور کیا جاتا ہے تو پھر ضرورت ہوتی ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک نیا لائحہ عمل تیار کیا جائے تاکہ مسلمانوں کی ہند میں موجودگی بحیثیت شہری رہنے کے لئے جواز پیش کیا جاسکے ورنہ ایسا معلوم ہوگا ہندستانی مسلمانوں نے ہندوستانی نظام کو دل سے قبول نہیں کیا ہے کیونکہ اس کا اسلامی ورثہ سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔

(۳) بدلے ہوئے حالات میں اسلامی تعلیمات کی تشریح اور اشاعت کس طرح ممکن ہے اور [illegible] کا نفاذ کس طرح ہوگا خاص طور پر آزادی کے بعد ہند میں۔

(۴) نئی حکمت عملی کے تحت قرآنی تصورات اور حدیث پر کس طرح عمل پیرا ہوا جائیگا۔ اور سیرت نبوی کا کس طرح اتباع کیا جائے گا۔

(۵) کس طرح شریعت کے روایتی معنوں پر نظر ثانی کر کے ماحول کے مطابق ان کی وضاحت کی جائے خاص طور پر فقہی مسائل کی توجیہہ کیسے کی جائے کہ حال سے مطابقت پیدا ہو سکے۔

جوابات: (۱) ہندستان کے موجودہ سیکولر سٹپ میں مسلمانوں کو بھرپور حصہ لینا چاہئے شرعی نقطۂ نظر سے یہ بالکل جائز ہے اسلئے کہ دستوری اعتبار سے یہ ایک معاہداتی نظام حکومت ہے جسمیں مسلمان برابر کے شریک ہیں۔

(۲) ہندستان میں مسلمان ایک نئی صورت حال سے اسی وقت سے دوچار ہیں جب سے انگریز اس ملک میں حکمراں کی حیثیت سے برسر اقتدار آئے ۱۹۴۷ء کے بعد صورتحال میں تھوڑی سی تبدیلی ضرور آئی مگر بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں ہوا انگریزوں کے دور میں مسلمانوں کے اندر غلامی کا احساس قدرے زیادہ تھا اور موجودہ دور میں وہ اپنے کو حکمرانی میں شریک سمجھتے ہیں اس لئے حق تلفی کی صورت میں وہ کشمکش کرتے ہیں۔ اور دستور ان کو یہ حق دیتا ہے۔

(۳) اسلامی شریعت کا وہ حصہ جو فوجداری قانون سے متعلق ہے اس کا نفاذ تو موجودہ ہندستان میں فی الحال ممکن نہیں ہے لیکن شریعت کے ایک بڑے حصہ کا عملاً نفاذ ہے اور اسمیں مسلمان آزاد ہے مثلاً عبادات میں اور دعوت و تبلیغ میں وہ آزاد ہے دستور میں جو بنیادی حقوق دیئے گئے ہیں اس کے پیش نظر جہاں جہاں اس میں مداخلت ہوتی ہے مسلمان اس کے لئے کشمکش کرتا ہے۔ مثلاً مسلم پرسنل لا کا جو حصہ مجروح کر دیا گیا ہے اس کے لئے دستوری طور پر مسلمان جدوجہد کر رہا ہے۔ اسی لئے وہ یکساں سول کوڈ کی مخالفت کرتا ہے اس وجہ سے کہ یہ چیز بنیادی حقوق سے ٹکراتی ہے۔ اسی طرح جہاں اسلامی شعائر کی بے حرمتی ہوتی ہے مسلمان اس کے لئے کشمکش کرتا ہے۔

(۴) جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کچھ پہلوؤں کو چھوڑ کر قرآنی تصورات اور حدیث نبوی اور سیرت نبوی پر عمل پیرا ہونے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے بشرطیکہ مسلمان خود عمل پیرا ہونا چاہے۔

(۵) شریعت اسلامی چونکہ دائمی ہے اس لئے حالات کے لحاظ سے اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ تاکہ اس کی دوامی حیثیت باقی رہے اب جب تک اس کی کوئی بنیادی قدر مجروح نہ ہونے مسائل میں حالات سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھلا رہے گا۔

وفیات

● محترم افضل حسین صاحب مرحوم قیم جماعت اسلامی ہند

جنوری کے پرچہ میں موصوف کی وفات پر اپنے تاثرات لکھ دیئے تھے مگر غلطی سے وہ شائع نہ ہوسکے اب اسے دیا جارہا ہے۔

۳ر جنوری ۱۹۹۰ء کے اخبارات میں جناب ماسٹر افضل حسین صاحب کے انتقال کی افسوسناک خبر چھپی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی نیکیوں اور ایثار و قربانی کے بدلہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عنایت کرے آمین۔

موجودہ دور کی مادی تہذیب نے اپنے ماننے والوں کی زندگی ہی سے نہیں بلکہ علم و فن سے بھی دین و اخلاق کے رشتہ کو بڑی حد تک کاٹ دیا ہے اس تصور کے خلاف علامہ اقبالؒ نے اپنی شاعری کے ذریعہ اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی نثر کے ذریعہ نہ صرف بھرپور تنقید کی بلکہ مثبت طور پر انسانی زندگی اور علم و فن کو دین و اخلاق سے جوڑنے کی جدوجہد کی اور اس میں بڑی حد تک ان کو کامیابی ہوئی اور زندگی کے ہر شعبہ میں علامہ اقبالؒ اور جماعت اسلامی سے متاثر افراد نے قابل ذکر کام کیا۔

ماسٹر افضل حسین صاحب اس سلسلہ میں اپنے ذمہ ابتدائی نصاب تعلیم کی ترتیب کا کام لیا اور اور اسے انہوں نے بڑی خوبی سے نبھایا ان کے مرتب کردہ نصاب تعلیم پڑھنے کے بعد بچہ ایک طرف جدید علوم اور جدید معلومات سے بھی واقف ہو جاتا ہے تو دوسری طرف اس کے اندر دینی و اخلاقی حس بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ان کا ایسا بنیادی کام ہے جسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

وہ خود جدید تعلیم پائے ہوئے آدمی تھے مگر جماعت اسلامی سے تعلق کے بعد انھوں نے عربی زبان اور قرآن و حدیث کا اچھا خاصہ گہرا مطالعہ کیا تھا کہ وہ اس سے اصول تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں

[illegible]رے متوازن نتائج اخذ کرتے تھے جس پر ان کی اصول تعلیم و تربیت کے کتاب شاہد ہے اس کام کے ساتھ جماعت اسلامی کے نظم و انتظام کی ذمہ داریاں بھی ان کے اوپر تھیں جسے وہ حسن خوبی سے انجام [illegible]یتے تھے اس کے ساتھ ملی کاموں اور ملی مسائل میں بھی دوسری مسلم جماعتوں اور افراد سے اپنے جماعتی حدود کے اندر رہتے ہوئے زیادہ سے زیادہ تعاون کرتے تھے۔ ان کے سانحۂ ارتحال سے نہ صرف جماعت اسلامی کے حلقہ میں ایک خلا پیدا ہوگیا بلکہ ملت اپنے مسائل میں ایک متوازن اور اخلاقی پہلو سے رائے دینے والے سے محروم ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں ہر طرح سے اپنی اخروی نعمتوں سے نوازے آمین۔ راقم الحروف نے اسی وقت مولانا ابواللیث ندوی امیر جماعت کو تعزیت کا خط لکھا اور مدرسہ میں ان کی تعزیت کا جلسہ ہوا، اور دعائے مغفرت کی گئی۔

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، ضلع دھولیہ۔ مہاراشٹر

میں تجوید و قرأت کا مقابلہ

۹ جنوری ۱۹۹۰ء کو مدرسہ میں تجوید و قرأت کا ایک مقابلہ زیر صدارت حضرت مولانا محمد صدیق صاحب باندوی مدظلہ ہوا جسمیں تقریباً ۶ سے ہزار روپے کے انعامات بچوں کو تقسیم کئے گئے۔ اسماعیل رحمانی صاحب نے اسکی پوری تفصیل بھیجی ہے مگر پرچہ میں اتنی گنجائش نہیں تھی اس لئے مختصراً اس کا ذکر کردیا گیا ہے۔

بقیہ: حاشیہ "حدیث الافک" پر اعتراضات کا جائزہ (صفحہ ۳۲)

۳۵ تہذیب التہذیب ۹/ ۳۵۰ ۳۶ مثال کے طور پر دیکھئے تہذیب التہذیب میں ان محدثین کے اقوال: ۹/ ۳۴۷، ۳۴۸ اور ۳۵۱

۳۷ کتاب المغازی۔ واقدی تحقیق ڈاکٹر مارسدن جونس۔ طبع آکسفورڈ جلد دوم ص ۴۲۹ - ۴۴۰

۳۸ [illegible]

الرشاد کی ڈاک

میمن منزل ۔ بدر باغ ۔ علی گڑھ ۲۳ نومبر ۸۹ء

مخدومی ! زیدت معالیکم ۔

تازہ شمارہ ملا، آپ نے جس محبت سے میرے مضمونچے کا تعارف کرایا، اس کا شکر گذار ہوں، میرے دل میں بھی یہی جذبۂ مواخات موجزن ہے، پروفیسر آل احمد سرور اب اپنے دولتکدہ (واقع سرسید نگر، علی گڑھ) میں مقیم ہیں، اور آپ کو یاد کرتے ہیں ۔

"قانون اضافیت" پر مضمون ارسال خدمت ہے، ارادہ کر رہا ہوں کہ ہر ماہ اسی طرح لکھ دیا کروں، کچھ دنوں میں آپ کی فرمایش کے مطابق رسالہ تیار ہوجائے گا، اسے یکجا کرتے وقت ایک بار پھر پڑھ لوں گا۔

جنوری اور فروری میں اطالیہ کا سفر درپیش ہے، مگر بن پڑا تو وہاں سے بھی لکھوں گا۔ والسلام

سید الظفر چغتائی

۲۱؍اکتوبر ۱۹۸۹ء ۱۹؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

مکرم و محترم مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب ! السلام علیکم ۔

الرشاد ماہ اکتوبر ۱۹۸۹ء پیش نظر ہے، اللہ کا شکر ہے کہ اہم فقہی اور دیگر مسائل سامنے آجاتے ہیں، اس شمارے میں مولانا محسن عثمانی ندوی کا مضمون "قرآنی آیات کی غلط تاویل" بروقت ہے، مگر مجھ جیسے نااہل پڑھنے والے کو کافی تشفی نہیں ہوئی، میرے خیال میں استدلال پوری وضاحت

[illegible] بنیاد صبر ہے، اور صبر
فلسفہ کو پہونچنے کی اس حد تک لے جاتے ہیں جس کا جوڑ فطرت انسانی سے نہیں ملتا، بیشک اُحد صبر کی عظیم الشان مثال ہے، مگر اس صبر میں حکمت نبویؐ شامل ہے، اور یہ داعیہ اس کا ہے کہ صبر حکمت کے ساتھ ہونا چاہیے، دفاع بھی ایک قسم صبر ہی کی ہے، اور تاریخ اسلام میں دفاع کے مقامات کثیر ہیں، دفاع کے لیے جہاد لازمی ہے، مگر صبر ہو یا جہاد، جہاں دونوں بغیر حکمت کے بے کار ہیں، مثلاً بدایوں کے حالیہ واقعہ میں شاید حکمت مکمل صبر میں تھی، ایک کالج کے طلبہ اردو کے خلاف جلوس نکال رہے تھے، اس وقت جب اردو کا بل پاس ہوگیا تھا ان کا یہ جلوس نکالنا محض لایعنی تھا، مگر اس کے لیے جوابی جلوس نکالنا اور زیادہ فکری افلاس کا مظہر تھا۔

خود اسلامی جہاد میں جبکہ صورت جنگ کی ہو کتنے ہی مقامات صبر کے ہیں، ضعیف کو نہ مارنا، بچوں اور خواتین پر ہاتھ نہ ڈالنا، کھیتیاں نہ برباد کرنا وغیرہ وغیرہ، اس لیے صبر کا لفظ بڑے وسیع معنوں میں استعمال ہو سکتا ہے، لیکن جہاں دفاع کی ضرورت ہے وہاں پیچھے بیٹھ جانا صبر نہیں ہے، بلکہ دفاع کے لیے آگے بڑھنا ہی صبر ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو غزوات کی یہ کثیر تعداد سامنے نہ آتی، ہر ایک اپنی جگہ معرکۂ اُحد ہی نظر آتا۔

مولانائے محترم جاپان کی مثال اکثر دیتے ہیں، مگر جاپان کا صبر جاپان کی قومی حکومت کی حکمت عملی تھی، انفرادی اگر وہی ہوش مندی نہیں تھی، ہندوستان میں قومی حکمت کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہے، کبھی کبھی ہمارا صبر حکمت کش ہوتا ہے، مثلاً تعلیم کے بارے میں ہم نے اتنے صبر سے کام لیا کہ ایک دم نیچے چلے گئے، کیونکہ حکومت نے صبر کو کمزوری سمجھا، اور اب جس نکتۂ زوال تک پہونچ گئے ہیں، وہاں سے ابھرنا مشکل معلوم ہوتا ہے، کیونکہ حکومت صبر کی زبان سمجھنے سے قاصر ہے یہاں مسلم تعلیمی اداروں کی منظوری کا مسئلہ بیس برس سے معرض التوا میں ہے، چار ہزار مکاتب کی گرانٹ بند کر دی گئی، وہ مفقود الخبر ہوگئے، نہ مسلمان کوئی ٹیکنکل ادارہ کھول سکتے، نہ میڈیکل نہ یونانی۔ میں یہ مانتا ہوں کہ بہت سے حادثات ایسے پیش آتے ہیں جس میں صبر سے عظمت اسلام اور عروج انسانیت کا اظہار ہوتا، مثلاً فسادات میں اگر مسلمان ایک طرف یہ فیصلہ کرلیں کہ جو ہندو ان کے حلقۂ اثر میں آجائیں گے، وہ اپنے کو مامون سمجھیں تو اس میں اسلام اور انسانیت کی عظمت ہے، اور یہ صبر کی

ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے، ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ ہم نے بطور مومن کے اپنا کوئی تاثر برادران وطن پر نہیں ڈالا، یہ تاثر وقار اور حکمت کے ساتھ ڈالنے کی ضرورت تھی اور اب بھی ہے۔

بعض ایسے مسائل بھی ہیں جن کے متعلق مولانا مسلم لیڈروں کو مورد الزام قرار دیتے ہیں، مگر دو ٹوک بات نہیں کہتے کہ انھیں کرنا کیا چاہیے، مثلاً بابری مسجد کے مسئلہ میں مولانا کھل کر کیوں نہیں کہتے کہ اسے وشو ہندو پریشد کے حوالے کر دینا چاہیے، اور چار ہزار مسجدیں جن پر ہندوؤں کا دعویٰ ہے وہ بھی ان کو دے دینا چاہیے کہ یہ صبر کی عظیم الشان مثال بھی ہوگی، اس معاملہ میں شخصیت کشی کا جو طریقہ مولانا نے اختیار کیا وہ کچھ اچھا نہیں لگا۔

مولانا کے طرز بیان سے یہ تاثر پیدا ہو جاتا ہے کہ ہندوستان کے تمام مسلم لیڈر، تمام مسلم علما، اور تمام مسلم دانشور اور شعرائے کرام بشمول علامہ اقبال سب کے سب بے وقوف اور خود غرض ہیں اور تھے، یہ طریق استدلال تو زیب نہیں دیتا، اور شاید وہ جتنا پروپیگنڈا اپنی اعلیٰ شخصیت کو اچھالنے کا کرتے ہیں، اسے دوسروں کے لیے چھوڑ دیتے تو کچھ ان کے لیے مفید ہوتا۔

مولانا وحیدالدین خاں صاحب کا "الرسالہ" بہرحال ایسا تو ہے کہ مشغول ترین انسان اسکو پڑھنے کے لیے وقت نکال سکتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ہر شمارے میں ہمہ گیری ہوتی ہے، بہت سے مسائل بیک وقت سامنے آجاتے ہیں، اور ایک مشغول انسان کے دائرۂ فکر کو وسعت ملتی ہے، رہی یہ بات کہ ان کا بنیادی استدلال مرکز وسطی سے ہٹا ہوا ہے تو اس کے متعلق اہل فکر حضرات عقلی اور قرآنی دلائل سے ملت کو آگاہ کرتے رہیں تو مضایقہ نہیں، مولانا روزمرہ کے حالات پر جو نقطۂ نظر رکھتے ہیں اس سے جس حد تک فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اٹھانا چاہیے، اور جہاں تنقید کی ضرورت ہے، تنقید بھی پورے استدلال کے ساتھ آنا چاہیے۔

میرے اس عریضے سے کسی کی تنقیص منظور نہیں ہے۔ والسلام

احقر ریاض الدین احمد

سابق پرنسپل محمدیہ کالج۔ الٰہ آباد

۲/۱۷/۸۲۲۔ نور اللہ روڈ۔ الٰہ آباد

محترم المقام جناب مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ

امید ہے کہ آپ بعافیت ہوں گے۔

دہلی سے شائع ہونے والا مجلہ الرسالہ کے مدیر محترم وحیدالدین خاں صاحب عرصۂ دراز سے مسلم قائدین اور ملی رہنماؤں کے بارے میں جس طرح اظہار خیال فرماتے رہتے ہیں وہ بہت ہی دل آزار ہے، خانصاحب بغیر استثناء جملہ قائدین، علماء اور رہنماؤں کو نادان، احمق، بے بصیرت وغیرہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

یہ بات تو قابل تسلیم ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کے بعض رہنما جذباتی تقریریں کر کے مسلمانوں کو غلط راہ پر ڈالتے ہیں۔ مگر سب کے سب رہنما نادان اور بے بصیرت ہوں اور صرف خانصاحب ہی صحیح رہنمائی فرماتے ہوں، یہ بات کوئی صاحب فہم تسلیم نہیں کر سکتا۔

الرسالہ کا دسمبر ۱۹۸۹ء عدد ۱۵۷ موصول ہوا تو اس میں تقریباً ۱۵ جگہوں پر عام مسلمانوں اور ان کے رہنماؤں کے بارے میں جو الفاظ لکھے گئے ہیں وہ ساتھ کے کاغذ میں نقل کر کے ارسال کرتا ہوں۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ خانصاحب، حضرت سید احمد شہیدؒ، مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے رفقاء کے بارے میں بھی "بالاکوٹ مارچ" کا طنز آمیز لفظ لکھ رہے ہیں جن کے اخلاص بے غرضی اور فداکاری پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا، انہوں نے اُس وقت کے حالات میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے جو اقدام مناسب سمجھا اس میں خود اپنی جان کی بازی لگا دی، کامیابی اور ناکامی تو من جانب اللہ ہوتی ہے انسان تو صرف اس بات کا مکلف ہے کہ وہ جن حالات سے دوچار ہو اُن حالات میں جس اقدام کو دینی لحاظ سے ضروری سمجھے اس سے دریغ نہ کرے۔

خانصاحب اپنے آپ کو اسلام کا داعی خیال کرتے ہیں اور مسلمانوں کو صبر و ضبط اور برادرانِ وطن کو نرمی اور حکمت و موعظت کے ساتھ اسلام کی طرف بلانے کی بار بار نصیحت فرماتے ہیں مگر جب مسلمانوں کو نصیحت کرنے کے لئے قلم اٹھاتے ہیں تو موعظۂ حسنہ کی جگہ طنز و تشنیع، تحقیر و تضحیک کا اسلوب اختیار فرماتے ہیں، معلوم نہیں، دعوت کی یہ کون سی قسم ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ نرمی، رواداری ہو اور

مسلمان اخبار ورسائل میں خانصاحب کے اس غلط رویہ پر مناسب انداز سے گرفت کی شدید ضرورت ہے۔
امید ہے کہ "الرشاد" میں خانصاحب کے افکار ونظریات پر علمی انداز میں آپ ضرور لکھتے رہیں گے جیسا کہ صدمیہ پر جس کا ذکر خاں صاحب بہت کرتے ہیں آپ نے لکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ سب کو صحیح فہم نصیب فرمائے اور اسلاف کی دینی محنتوں کی قدر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین والسلام عبداللہ غفرلہٗ

دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر ضلع سورت گجرات

مخدوم ومکرم حضرت مولانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ اس ناکارہ کو آپ سے غائبانہ عقیدت ہے اور اسی تعلق سے "الرشاد" کا مطالعہ دلچسپی سے کرتا ہوں۔ رضا لائبریری رام پور میں دسمبر ۸۹ء کا شمارہ نظر سے گذرا۔ اس شمارہ کے صفحہ ۳۹ پر آپنے "بزرگوں کی یادگار" کے تحت "مرحومین" کے سلسلے میں اپنے تعزیتی جذبات تحریر فرمائے ہیں۔ ان میں سے اول الذکر بزرگ کے بارے میں آپنے اکثر باتیں خلاف واقعہ تحریر کی ہیں جن کی اصلاح کر رہا ہوں۔

(۱) حضرت مولانا مرحوم کا نام ZAFARUDDIN A. ظفرالدین احمد صدیقی تھا آبائی وطن مئو ائمہ ضلع الہ آباد تھا لیکن ساری زندگی کانپور ہی میں درس وتدریس میں بسر کی۔ حضرت مرحوم میرے حقیقی ماموں تھے۔

(۲) آپ کو انتقال کی خبر بہت تاخیر سے ملی۔ انتقال اکتوبر ۸۸ء میں ہوا تھا اور اسکی اطلاع قومی آواز ودیگر اردو انگریزی اخبارات شائع ہوئی تھی۔ نماز جنازہ میں بلا اختلاف مسلک عقیدہ تقریباً ساٹھ ستر ہزار لوگ شریک ہوئے اور یہ کانپور کی تاریخ میں کسی جنازہ میں شرکت کا ریکارڈ ہے۔

(۳) حضرت مرحوم فاضل دیوبند نہیں تھے۔ پوری تعلیم از ابتدا تا انتہا کانپور ہی میں حاصل کی۔ حضرت شیخ الہندؒ کے ایک خاص شاگرد وتحریک جہاد میں ان کے شریک کار حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ اعظمی (تال نرجا والے) نے کانپور میں مدرسہ اشرف العلوم قائم کیا تھا اس زمانے میں حضرت تھانوی کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں مدرس تھے۔ ماموں صاحب مرحوم نے پوری تعلیم مدرسہ اشرف العلوم کانپور میں حضرت مولانا عثمان صاحبؒ سے حاصل کی اور استاد کے حکم سے بس اسی کام میں لگ گئے اور

ساری عمر علوم دینیہ کی خدمت میں بسر کی۔

(۳) حضرت مرحوم کا مدرسہ ضیاء العلوم سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بلکہ انہوں نے خود ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ جس کا نام "جامعہ اسلامیہ تلی بازار کانپور" ہے۔ حضرت مرحوم اس کے ناظم تھے اور ساری زندگی اسی ادارے کی خدمت کی اور سیکڑوں فضلاء و حفاظ یہاں سے فارغ ہو چکے ہیں۔ اس مدرسہ کو ایک بڑے دار العلوم میں بدلنے کی مرحوم کو بہت تمنا تھی جس کے لئے ایک بہت بڑی زمین کانپور میں خرید کر اس پر تعمیری کام کا آغاز کرا چکے تھے مگر عمر نے وفا نہ کی الحمد للہ یہ کام ان کے فرزند کرا رہے ہیں اور کافی تعمیر کرا چکے ہیں۔

(۴) مولانا ظہیر الحسن جامعی۔ مرحوم کے صاحبزادے نہیں ہیں بلکہ شاگرد ہیں۔ حضرت مرحوم کے اکلوتے صاحبزادے مولوی فاروق احمد ہیں جو موجودہ ناظم جامعہ اسلامیہ محلہ تلی بازار کانپور ہیں۔

امید ہے کہ ان توضیحات کی روشنی میں مذکورہ صفحہ کی اصلاح فرمائیں گے۔

والسلام علیک

گھر کا پتہ: امتیاز احمد ندوی، معرفت ڈاکٹر محسن۔ بذریعہ فتح علی خاں، رام پور۔ یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مخدومی و مکرمی زید مجدکم ودامت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔ بفضلہ تعالیٰ میں بھی بخیر ہوں۔ آج ماہ نومبر کا الرشاد ملا۔ حسب سابق سب سے پہلے اداریہ پڑھا۔ بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئی جن کا علم یہاں نہیں ہو پاتا۔ کیونکہ جو خبریں یہاں تک پہونچتی ہے یکطرفہ ہوتی ہیں اور وہ بھی چھنی ہوئی۔ عرب پریس کو تو گانے بجانے اور پارٹی وغیرہ سے فرصت ملتی ہے تو فلسطین کا ریکارڈ آن کر دیتے ہیں۔ بس عوام عربیت اور لہو ولعب کے افیون میں مدہوش ہیں۔ کس کو فرصت ہے کہ دنیا کے مسلمانوں کے احوال بھی لکھیں دیکھیں اور غور کریں۔ مولانا [illegible] کہ لوگوں کو تو علم ہو جائے کہ علم و تحقیق کے نام پر کیا کیا گل کھلائے

خاص وعام کو معلوم ہوچکا ہے۔ الرسالہ کی اشاعت کو وہ اس کی مقبولیت سمجھتے ہیں مگر اب اکثر لوگ ان کا اضطراب جاننے کے لئے اس کا مطالعہ کرتے ہیں یا پھر ان کا زورِ قلم جاننے کے لئے۔

ہندوستان میں انتخابات کا طوفان گذر گیا اور کتنے پہلوانوں کو خس وخاشاک کی طرح بہالے گیا اور انیسوں دیسوں کو کیسا کیسا بنا گیا۔ مگر مسلمانوں کے جان ومال وعزت وآبرو کی حفاظت ان کے مستقبل کا سوالیہ یہ نشان اور بھی بڑا ہوگیا۔ اب مسلم رہنما اور سیاستداں نیز علماء کرام کیا سوچ رہے ہیں۔ اب تو دو ہی راستہ ہے یا تو وحیدالدین صاحب کے نظریہ کے مطابق مسلمان اپنا تشخص بھول کر اکثریت میں گم ہوجائے یا پھر سر پر کفن باندھ لے۔

چھٹیوں کے بعد سے یہ پہلا رسالہ ملا ہے۔ حیرانی تھی کہ آخر پرچے کیوں نہیں مل رہے ہیں۔ پتہ چلا کہ اب تک میرے پتہ کی درستگی نہیں ہوئی ہے۔ اور وہاں سے بغیر پوسٹ بکس نمبر کے بھیجا جارہا ہے۔ ظاہر ہے اس کے بغیر یہاں خط ولکتابت ناممکن ہے۔ وہ تو کبھی کبھی ڈاک والوں کی مہربانی سے پہونچ جاتا ہے۔ اسلئے یا تو پتہ درست کرالیا جائے یا پھر بھیجنا بند کرایا جائے۔ بقیہ احوال لائق شکر ہیں۔ والسلام

خادم

حبیب اللہ ندوی

انڈین اسکول۔ دبئی۔ ۱۲/۸۹/۴

محترم مولانا مجیب اللہ صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

قبل ازیں ایک مفصل خط خدمت والا میں روانہ کرچکا ہوں۔ اس کے جواب کا انتظار ہے۔

"اسلامی سکریٹریٹ" کی تشکیل اگر آپ کے پیش نظر ہو تو اس معاملہ کو آگے بڑھانے کی فوری سعی کی جائے۔ میں نے آپ کے خیالات کی تائید کچھ سوچ کر کی ہے۔ میں اس مقصد کے لئے آپ کی پیش قدمی کا خواہشمند ہوں۔ چونکہ یہ تحریک آپ نے اپنے رسالہ کے ذریعہ پیش کی تھی، اس پر مختلف اصحاب فکر ونظر کی کیا آرا حاصل ہوئیں مجھے اس کا کوئی علم نہیں ہے۔ لیکن آپ کی تحریک نہایت جاندار تحریک ہے [illegible] شروع کیا جانا چاہئے۔

تبادلۂ خیال کا ارادہ ہے۔ ایسے میں مجھے آپ کا عندیہ مل جائے تو سہولت کا موجب ہوگا۔ چنانچہ آپ
کے جواب کا منتظر ہوں۔ امید کہ مزاج بخیر ہو۔ والسلام
ملک کے نئے سیاسی تغیرات کے استفادہ کے لئے بھی ایسے محاذ کی شدید ضرورت ہے۔ اس سے
آپ بھی یقیناً متفق ہوں گے۔

مخلص

وحیدالدین سلیم

۱۲ر دسمبر ۸۹ ۱۹ء حیدآباد

محترم مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب

آداب خلوص

سلام مسنون۔ امید کہ آپ بخیر ہوں گے۔ دسمبر ۱۹۸۹ء کا پرچہ زیر مطالعہ ہے۔ رشحات
صفحہ ۲ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ذہن و دل کی ترجمانی ہے۔ رشحات پڑھکر ہمیشہ ایسا لگتا ہے کہ
یہ مضمون خود اپنا ہی شائع کردہ ہے۔ تعلیم کے سلسلے میں سیاسی نظریہ کے بارے میں یا اور جو بھی آپ رشحات
میں لکھتے ہیں طبیعت خوش ہو جاتی ہے لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ علماء کی اکثریت خاص طور سے گروپ
بندی میں مبتلا ہوکر قوم کو صحیح راہ نہیں دکھا پاتی۔ اگر مولانا اسعد مدنی نے دلی سے کچھ کہا تو ان کے
گروپ کے لوگ وہی راگ الاپنے لگیں گے چاہے جلال پور کے مولانا ضمیر احمد ہوں یا ان کے گروپ
کے لوگ چاہے کہیں ہوں۔ باتیں تو بہت ہیں وہ سب تو آپ لکھتے ہی رہتے ہیں ہم چونکہ بہت
کم پڑھے ہیں صرف سوچ سکتے ہیں لکھ نہیں پائیں گے اس لئے خدا حافظ' اللہ ہم سب کو اپنی رحمتوں سے
نوازے ایمان و اخلاق و کردار میں پختگی عطا فرمائے آمین

ننگ اسلاف

رئیس احمد رنگریز جلال پور فیض آباد

۱۹ر دسمبر ۱۹۸۹ء

محترم المقام حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی متعنا اللہ بطول حیاتہ

خیریت دارم وخواہم! سلام مسنون!

اللہ آپ جیسے حقیقت پسند اور حق گو لوگوں کا سایہ امت مسلمہ پر تا دیر باقی رکھے، آمین، جو امت مسلمہ کو ان کے رہبر و رہزن میں فرق بتاتا رہے اور حقیقت کو کھول کر رکھدے۔ سنہ ۱۴۱۲ھ جمادی الاولیٰ کا الرشاد نظروں سے گذرا جسمیں آنجناب مدظلہ العالی نے جمعیۃ علماء کے صدر مولانا اسعد مدنی صاحب کی بے چینی کی حقیقت کا انکشاف فرمایا، حقیقت بھی یہی ہے کہ مسلمانوں کے اندر اختلاف وانتشار کے جہاں بہت سے اسباب ہیں اس میں سے ایک سبب ان حضرات کا رویہ بھی ہے، جس نے دارالعلوم دیوبند سے لیکر جمعیۃ علماء کو دو حصوں میں بانٹ کر مسلمانوں کے اختلاف وافتراق کو فروغ دیا اور امت مسلمہ میں جمیعۃ علماء دلی جمیعۃ کے نام سے دو گروہ پیدا کیا۔ اور اس سے پہلے کئی بزرگوں کو پیچھے ڈال کر اپنے ماننے والوں کی طاقت سے آگے بڑھ گئے حالانکہ یہ بزرگ ان کے محترم والد صاحب کے ساتھ برسوں کام کر چکے تھے۔

ہمارے بزرگوں نے جمیعۃ علماء کے پلیٹ فارم کو قوم وملت کے مفاد عام کے خاطر قائم کیا تھا اور ملت اسلامیہ کو ایک پلیٹ فارم پر لاکر ان کی دینی، سماجی، سیاسی قوت کو یکجا ومتحد کرنے کی زندگی بھر کوشش فرمائی تھی اور اس پلیٹ فارم کو اپنے ذاتی مفاد اور اغراض کے خاطر استعمال نہیں کیا تھا۔

لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کو اپنے پاس بلالیا اور ان حضرات نے داعی اجل کو لبیک کہا تو ان کے بعد جمیعۃ علماء کی باگ ڈور ایسے ناعاقبت اندیش کے ہاتھوں میں آئی جس نے اسی پلیٹ فارم کو جس کو ہمارے بزرگوں نے امت مسلمہ کے مفاد کے خاطر قائم کیا تھا اپنا ذاتی مفاد حاصل کرنے اور کانگریس کی کرسی پر فائز رہنے کے لئے استعمال کیا،

جس پلیٹ فارم سے ہمارے اسلاف نے امت کے پیچیدہ مسائل کا حل نکالا وہاں سے انہوں نے امت کے مسائل کو الجھا کر مشکلوں میں ڈال دیا، جہاں سے ہمارے اسلاف نے امت کو یکجا ومتحد کرنے کی کوشش کی اسی مرکز سے انہوں نے امت کو مختلف گروہ اور جماعتوں میں تقسیم کر دیا، جس مرکز سے ہمارے بزرگوں نے تعمیر کا کام کیا وہاں سے انہوں نے تخریب کاری کی، جس مرکز میں بیٹھ کر ہمارے اسلاف نے امت مرحومہ کے تعمیری وترقی کے پروگراموں کو ترتیب دیا، وہاں بیٹھ کر انہوں نے امت کی تخریب اور اختلاف وانتشار کے پروگراموں کو مرتب کیا، اور ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ امت بٹ جائے

جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ، پھلواری شریف پٹنہ جو ایک قومی ادارہ ہے اور قوم وملت کی بے نظیر و بے مثال خدمت انجام دے رہا ہے، ملت اسلامیہ کے مسائل کے حل میں اس کے ذمہ دار حضرات مصروف و کوشاں ہیں، تو اس شخص نے اس کے اپوزٹ میں امارت شرعیۃ الھند قائم کیا، جس کے نائب امیر الھند موصوف خود بن گئے، اور امت مسلمہ کو تقسیم کرنے کے لئے ایک دوسرا دروازہ کھولا۔ اللہ تعالیٰ ان کے مکر وفریب سے معمور اسکیموں اور پلانوں کو ناکام فرمائے اور ان کے فتنہ سے امت مسلمہ کی حفاظت فرمائے۔ اب جبکہ کانگریس شکست کھا گئی اور موصوف جس کرسی پر فائز تھے اس کے جانے کا اندیشہ وخطرہ لاحق ہوا تو انہوں نے ملک وملت بچاؤ تحریک کا اعلان کیا۔

عوام سے بھی گذارش ہے کہ وہ اپنے رہبر اور رہزن کو پہچانے اور اس طرح بھیس بدل کرنے والوں کو ان کی تحریکوں میں ناکام کرکے شرمناک سزا دے،

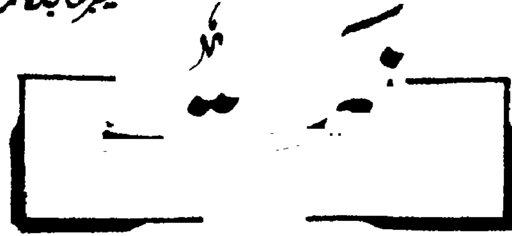
والسلام

مخلص

محمد جعفر تقی۔ پٹنہ ۲۰؍۱۲؍۸۹ء

وکیل احمد انصاری ایڈوکیٹ

ٹیچر ساجدہ گرلس کالج ـــــ جونپور



برادرم وکیل احمد انصاری صاحب پیشہ ور شاعر نہیں ہیں مگر ان کے اندر حرمین شریفین اور خاص طور پر حرم نبوی کی زیارت کا ایک بے پایاں جذبۂ شوق ہے یہ نعت اسی جذبۂ شوق کا پُر سوز نمونہ ہے ۔

(مرتب)

گناہوں سے میں بوجھل ہوں بہت رنجیدہ رنجیدہ
ہیں کچھ حالات بھی میرے بہت پیچیدہ پیچیدہ

مگر اللہ کی رحمت سے پہونچوں گا مدینے میں
رہا کرتا ہوں میں اکثر بہت نم دیدہ نم دیدہ

پڑے گی گنبدِ خضرا پہ جیسے ہی نظر میری
قدم رکھوں گا طیبہ میں بہت سنجیدہ سنجیدہ

کوئی سرکار کے جب سامنے جانے سے روکے گا
تو دیکھوں گا میں جالی کو بہت دزدیدہ دزدیدہ

بھرم کھل جائیگا میرا مدینہ میں جب جاؤنگا
دُعائیں مانگی ہیں گو کہ بہت پوشیدہ پوشیدہ

گئے تھے قتل کرنے کو درِ رحمت پہ جب پہونچے
تو دیکھا ہے کہ لوٹے ہیں بہت گرویدہ گرویدہ

عجب دربارِ عالی ہے سبھی پہ رعب ہے طاری
وہاں ولیوں کو دیکھا ہے بہت ترسیدہ ترسیدہ

مدینے بار با جائیں مناظر دیکھنے والے
لگیں گے پھر بھی سب منظر بہت نادیدہ نادیدہ

وکیلِ ناتواں کو اے خدا پھر ایک موقع دے
پہونچ جائے گا طیبہ میں بہت خندیدہ خندیدہ

محترم مرتب الرشاد مدظلہ کی وہ کتابیں جو دار التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ

سے شائع ہوئی ہیں

۱۔ اہل دل کی باتیں یہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی مدظلہ کے ان ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی، آخرت کی یاد اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، قیمت ۱۵/

۲۔ اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم اس میں اسلامی مسائل کو بڑے سلیس اور دلچسپ انداز میں بچوں کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے، یہ سیکڑوں مکاتب کے نصاب میں داخل ہے، پورے سٹ کی قیمت ۱۶/ ہے۔

۳۔ قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت اس میں قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ساری مثالیں قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی سے دی گئی ہیں۔ قیمت صرف ۵/ ہے۔

۴۔ خطبۂ نکاح جو خطبۂ نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے وہ ایک زبردست معاشرتی ہدایت ہے، مصنف نے اس کی بڑی موثر تشریح کی ہے یہ ہر نکاح کے وقت تقسیم کرنے کے قابل ہے، قیمت صرف ۲/ ہے،

۵۔ مسئلہ کفاءت شادی بیاہ میں برابری کا خیال کرنا صحیح ہے مگر یہ برابری دین و تقویٰ میں ہونی چاہیئے، مسلمانوں میں جو پیشہ کے اعتبار سے مستقل طور پر برادریاں قائم ہو گئی ہیں اُن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ فہم و تہذیب کے اثر سے ہے، اس مسئلہ پر مصنف نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ قیمت ۵/ ہے۔

۶۔ جہیز کی شرعی حیثیت اس وقت شادی بیاہ میں جہیز کے مطالبہ نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کر لی ہے جس سے لڑکیوں کی شادی عام آدمیوں کے لئے ایک مصیبت بن گئی ہے، اس پر ایک عالم نے بہت تحقیقی بحث کی ہے جس پر مولانا ندوی کے قلم سے ایک دیباچہ بھی ہے، قیمت صرف ۵/ ہے۔ یہ تینوں کتابیں اصلاح معاشرہ کے لئے بہترین تحفہ ہیں۔

۷۔ دینی مدارس اور انکی ذمہ داریاں

اس میں دینی مدارس کی ذمہ داریوں کو بڑے پُراثر اور پرسوز انداز میں بیان کیا گیا ہے اس کے بعض مضامین کو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کئی سو کے مجمع میں پڑھکر سنوایا اور فرمایا کہ اس کو ہر استاذ اور طالب علم کو پڑھنا چاہیئے۔ قیمت ... روپے ہے۔

۸۔ عبادت و خدمت

اس میں خدمت خلق پر اس نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے کہ خدمت خلق بھی عبادت ہے اس کا انگریزی اور عربی ترجمہ ہوچکا ہے قیمت آٹھ روپے

۹۔ سرمد اور انکی رباعیاں

اس میں سرمد کے حالات زندگی اور ان کی رباعی گوئی اور ان کے قتل کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں اُن کی رباعیاں ترجمہ کے ساتھ شامل کردی گئی ہیں اس سے پہلے کسی نے اتنی تفصیل سے اس موضوع پر کوئی چیز نہیں لکھی ہے یہ کتاب زیر ترتیب ہے۔

۱۰۔ خواجہ میر درد اور انکی شاعری

عام طور پر خواجہ میر درد کو ایک شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن شاعری میں بلند مقام رکھتے ہوئے اُن کی ثانوی حیثیت ہے وہ ایک زبردست عالم اور صاحب سلسلہ شیخ اور صاحب دل بزرگ تھے، مصنف نے اُن کی کتابوں کی روشنی میں اُن کی زندگی اور شاعری کی والہانہ انداز میں تفصیل کی ہے، کتاب زیر ترتیب ہے، اس کا کچھ حصہ الرشاد میں شائع ہوچکا ہے۔

۱۱۔ فقہ اسلامی کا دائرہ کار اور اسمیں اجتہاد کی حیثیت

یہ ایک طویل مقالہ ہے خدابخش خاں لائبریری میں پڑھا گیا تھا اب اس میں مزید اضافہ کے بعد اُسے کتابی شکل دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ ابھی مصنف مدظلہٗ کے درجنوں مضامین ہیں جن کو کتابی شکل دینے کی کوشش کیجارہی ہے مثلاً خدمت حدیث میں عورتوں کا حصہ، قرآن پاک میں آیت رجم، نماز اور خشوع، تواضع مسلمانوں بادشاہوں کی تصانیف، ذرائع آمدنی اور تقسیم ملکیت کا مسئلہ، وقت ایک دولت ہے وغیرہ

شکیل احمد مہتمم مکتبہ دار التالیف و الترجمہ جامعۃ الرشاد رشاد نگر اعظم گڈھ

محترم مرتب الرشادؒ کی وہ کتابیں جو دوسرے مکتبوں سے شائع ہوئی ہیں

۱۔ اسلامی فقہ حصہ اول و دوم | کئی برس سے اصلی اسلامی فقہ بازار سے غائب تھی بحمد اللہ اب اسلامی فقہ کا شاندار حصہ اول کا چھٹا اور حصہ دوم کا پانچواں اڈیشن تاج کمپنی نئی دلی سے شائع ہوکر بازار میں آگیا ہے۔

مصنف موصوف نے اس میں غیر معمولی اضافہ کردیا ہے جس سے اب یہ بالکل نئی کتاب بن گئی ہے، شروع میں اسلامی عقائد کے باب کا اضافہ کردیا گیا ہے اسی طرح معاشرتی و معاملاتی والے حصہ میں سیکڑوں جدید مسائل۔ مثلاً خون چڑھانا، پوسٹ مارٹم، نسبندی اور نلکی زادہ انسانی اعضاسے پیوندکاری وغیرہ کے احکام کا اضافہ کردیا گیا ہے گویا شریعت اسلامی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر اس کتاب میں روشنی نہ پڑ گئی ہو۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اسلامی فقہ کے موضوع پر اردو زبان میں اس سے زیادہ مفصل کوئی کتاب موجود نہیں ہے، تمام اہم مسائل میں ائمہ اربعہ کے مسلک کا متن یا حاشیہ میں ذکر کردیا گیا ہے تاکہ شریعت اسلامی کی وسعت کا پورا اندازہ ہوسکے اب اس کی ضخامت ایک ہزار صفحات سے زیادہ ہوگئی ہے۔ اس لئے دو حصوں میں کردی گئی ہے، یہ کتاب نہ صرف عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مفید ہے بلکہ عربی مدارس کے طلبۂ اساتذہ کے لئے بھی ایک نادر تحفہ ہے، یہ کتاب ہر گھر اور ہر لائبریری کے رکھے جانے کے قابل ہے۔

۲۔ اسلامی قانونِ اجرت | اس کتاب میں مزدوروں کے مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے اس کا ملیالم میں ترجمہ بھی ہوچکا ہے اس کا پہلا ایڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے۔ اب یہ دونوں کتابیں تاج کمپنی دلی سے شائع ہوئی ہیں۔

اب یہ دونوں کتابیں تاج کمپنی دلی سے شائع ہوتی ہیں۔

پتہ: تاج کمپنی ۳۱۵۱ ترکمان گیٹ نئی دلی ۱۱۰۰۰۶

۳۔ تبع تابعین | اس کتاب میں انیس ۱۹ اکابر تبع تابعین کے علم فضل کا مفصل ذکر ہے، جس میں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ بھی شامل

ہیں۔ قیمت ۳/-

۴۔ اہل کتاب صحابہ و تابعین

اس کتاب میں ان ترانوے ۹۳ صحابہ، صحابیات اور تابعین کا ذکر ہے جو اسلام سے پہلے یہودی یا نصرانی تھے اور پھر مسلمان ہوئے۔ دنیا کی کسی زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب موجود نہیں ہے، قیمت ۵/- یہ دونوں کتابیں دار المصنفین، اعظم گڈھ سے شائع ہوئی ہیں۔

۵۔ اجتہاد اور تبدیلی احکام

اس کتاب میں ان نئے مجتہدین کا مدلل اور مفصل جواب دیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن و سنت کے صریح احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعہ بدلا جا سکتا ہے۔ قیمت چالیس ۴۰ روپے۔

۶۔ فتاوی عالمگیری اور اس کے مولفین

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے فتاوی عالمگیری کو علماء کی ایک پوری جماعت نے مرتب کیا تھا مگر اب تک ان کے مصنفین کے نام سے لوگ ناواقف تھے مصنف نے بڑی تلاش و جستجو سے اُن کے حالات جمع کر دیئے ہیں اور اس میں فقہ کی کن کتابوں سے مدد لی گئی ہے اس کی تفصیل بھی کر دی ہے۔ قیمت ۳/-

۷۔ اسلام کے بین الاقوامی اصول و تعلقات

اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کے سلسلہ میں جو اصول دیئے ہیں ان پر اس میں مفصل گفتگو کی گئی ہے یہ مقالہ تھا جو ۱۹۵۸ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پڑھا گیا تھا اب اضافہ کر کے کتابی شکل دے دی گئی ہے یہ تینوں کتابیں دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری۔ بسنت روڈ۔ لاہور سے شائع ہوئی ہیں ہندستان میں بھی اس کے چھاپنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

۸۔ فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل

اس میں ان بنیادی اصولوں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے جن کی بنیاد پر سامنے پیش آمدہ مسائل میں ایک غور کر کے اُن کے جوابات دے سکتا ہے یہ کتاب مکتبہ جامعہ نئی دلی سے شائع ہوئی ہے قیمت ۔

شکیل احمد مہتمم مکتبہ دار التالیف والترجمہ، جامعۃ الرشاد سرائمیر اعظم گڈھ

جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کا ترجمان

ماھنامہ

الرشاد جامعۃ

سالانہ چندہ:
ہندوستان سے ۳۵/۰۰
خصوصی معاون ۱۰۰/
قیمت فی پرچہ ۳/۰۰

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے :۔
۱۵ ڈالر امریکی
15/$

جلد ۱۸ مارچ سنہ ۱۹۹۰ء مطابق: شعبان سنہ ۱۴۱۰ھ شمارہ ۲۱

فہرست مضامین :۔

منیجر توسیع واشاعت:۔ مولوی عقیل احمد صاحب ٹانڈوی — کاتب:۔ ابوالحسنات، خورشید احمد

مجیب اللہ ندوی، پرنٹر، پبلشر وایڈیٹر نے نشاط آفسٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے شائع کیا

رشحات

۱۹۴۷ء کے الیکشن کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ ہندوستان کا سیاسی توازن اب نہ تو کانگریس کے ہاتھ میں باقی رہا اور نہ جنتا دل کی حکومت کی گرفت میں ہے بلکہ فسطائی ذہن رکھنے والی پارٹی یعنی بی۔جے۔پی کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ اس کی ساری ذمہ داری کانگریس پارٹی اور اس کی حکومت پر ہے۔ ہندوؤں کے ایک طبقہ میں فرقہ واریت یوں تو آزادی سے پہلے سے موجود تھی مگر اس کو بڑھاوا ہماری سیکولر کانگریس سرکار نے دیا۔ سردار پٹیل، پرشوتم داس ٹنڈن اور کے۔ ایم منشی کا کانگریس حکومت میں جتنا عمل دخل تھا وہ پنڈت جواہر لال نہرو اور مہاتما گاندھی کا بھی نہیں تھا۔ اسی بنا پر ایک موقع ایسا آیا کہ جواہر لال نہرو مستعفی ہونے کے لئے تیار ہوگئے تھے اس صورت حال میں مجبور ہو کر جواہر لال کو بھی اپنی سیکولر پالیسی سے کچھ نہ کچھ ہٹنا پڑا۔ اور اندرا گاندھی نے ۱۹۷۱ء کے بعد سے اپنے کو آر۔ ایس۔ ایس کی گود میں دے دیا تھا۔ اور رہی سہی کسر ان کے صاحبزادے سنجے گاندھی نے پوری کردی۔ راجیو گاندھی ذاتی طور پر فرقہ پرست نہیں تھے مگر اپنی حکومت کے آخری دو تین سالوں میں فرقہ پرستوں کے پورے طور پر گھیرے میں آگئے تھے اور اسی کے نتیجہ میں شیلا پوجا اور شیلا نیاس کی مہم حکومت کی نگرانی میں چلائی، انھوں نے یہ غضب ہندو ووٹ بٹورنے کے لئے کیا تھا مگر اس کا فائدہ بی۔جے۔پی نے اُٹھایا۔

مسلمانوں میں کچھ آسائش پسند لوگ ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ موجودہ فرقہ وارانہ فسادات اور اس کی فضا بابری مسجد تحریک کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہے، لیکن وہ لوگ بھول جاتے ہیں

کہ بابری مسجد کا مسئلہ ۱۹۴۹ء میں اُس وقت پیدا ہوا جب اُس میں بُت رکھا گیا اور گووند ولب پنتھ اور جواہر لال نہرو نے اس کے نکالنے کا حکم دیا۔ کلکٹر نے اس[2] کو مگر مسلمانوں نے صبر سے کام لیا اور عدالتی چارہ جوئی سے آگے نہیں گئے وہ مسئلہ سرد پڑ گیا تھا مگر ۱۹۸۵ء میں سیتا مڑھی سے رتھ یاترائیں نکلنی شروع ہوئیں اور اُن کے استقبال کے لئے ہمارے یوپی کے لائق سابق وزیر اعلیٰ ویر بہادر سنگھ صاحب نے ۱۹۸۶ء میں غلط ڈھنگ سے بابری مسجد کا تالا کھول کر اس میں پوجا شروع کرادی، اب ایسی صورت میں مسلمانوں کو بالکل خاموش ہوجانا چاہئے تھا یا ان کو کچھ کرنا چاہئے تھا؟ اور کیا مسلمان اس کے خلاف آواز اٹھانے میں حق بجانب نہیں تھے؟ مسلمانوں نے کسی کے حق پر ڈاکہ تو نہیں ڈالا تھا، صرف اپنے ایک حق کا مطالبہ ہی تو کیا کوئی تشدد اختیار نہیں کیا، تو موجودہ فرقہ واریت کے ذمہ دار وہ کیسے گردانے جاسکتے ہیں، فرقہ واریت کو بڑھاوا رتھ یاتراؤں اور شیلا پوجا کرنے والوں اور حکومت نے دیا۔ پھر آزادی کے بعد جو کئی ہزار فسادات ہوئے اور آسام میں مسلمانوں کا جو قتل عام ہوا، مسلم پرسنل لا کو مجروح کیا گیا، اردو زبان کو ختم کیا گیا وہ کس بابری مسجد کے تحریک کے نتیجہ میں ہوا؟ ممکن ہے اسے تقسیم کا نتیجہ قرار دیا جائے تو اس سلسلہ میں بھی عرض کروں گا کہ تقسیم کے ذمہ دار تنہا مسلمان نہیں ہیں بلکہ کانگریس پارٹی اور سردار پٹیل اور ان کے ہمنوا بھی ہیں اگر کانگریس نے کرپس اسکیم مان لی ہوتی تو ہندوستان تقسیم نہ ہوتا، جناح نے تو اُسے مان لیا تھا۔ مگر گاندھی جی تک نے بھی یہ بیان دے دیا کہ اس میں پاکستان کی بُو آرہی ہے۔

ہم تمام سیاسی پارٹیوں اور فرقہ پرست جماعتوں سے یہ بات صفائی سے عرض کردینا چاہتے ہیں کہ آپ مسلمانوں کے امتیازات کو مٹانے یا فسادات وغیرہ کے ذریعہ مرعوب کرنے کی پالیسی کو ترک کردیجئے اس سے نہ تو آپ ان کو مٹا سکیں گے اور نہ اس سے ملک کا کوئی بھلا ہوگا بلکہ اس سے مسلمان تو کمزور نہ ہوگا البتہ ملک ضرور کمزور ہوگا اگر مسلمان آج بیچ سے ہٹ جائے تو ملک میں طوائف الملوکی پیدا ہوجائے گی جیسا کہ ملک میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے طوائف الملوکی

[2] کرنے سے انکار کردیا اور وہ بے بس ہوگئے۔

[illegible] سے آپ [illegible] ہے۔ مسلمانوں کو اس ملک کے لئے مصیبت نہ سمجھئے بلکہ رحمت سمجھئے۔ مسلمان مرمٹنا تو پسند کرے گا مگر وہ اپنے دین اور اپنی تہذیب سے ہٹنا پسند نہیں کرے گا۔

یہ صحیح ہے کہ مجموعی حیثیت سے ہندو قوم مسلمانوں کے سلسلہ میں متعصب نہیں ہے لیکن ان کا پڑھا لکھا ایک طبقہ ایسا موجود ہے جو ان کے ذہن کو مسموم کرتا رہتا ہے تو ایسے لوگوں سے عرض ہے کہ آپ مسلمانوں کی نفسیات اور مزاج کو سمجھنے کی کوشش کیجئے وہ دبانے سے دبتا نہیں بلکہ ابھرتا ہے۔ ؎

اسلام کی فطرت کو قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی وہ ابھرے گا جتنا کہ دبائیں گے

یہ بات بھی ہم صفائی سے عرض کئے دیتے ہیں کہ پنجاب میں یا کشمیر میں یا مشرقی صوبوں میں جو دہشت پسندی کا مزاج بنتا جا رہا ہے وہ یوں ہی ایک دن میں نہیں بن گیا ہے بلکہ وہ وہ فرقہ پرستوں اور حکومت کی تنگ نظری اور مسلسل نظر انداز کر دینے والی پالیسی کے نتیجہ میں بنا ہے اور اگر کھلے ذہن سے اس پالیسی کو تبدیل نہیں کیا گیا تو یہ لَے اور بھی آگے بڑھ سکتی ہے۔ مسلمانوں کے اندر بحمد للہ ابھی اعتدال پسند راہنما موجود ہیں اور خاص طور پر اہل دین اور علماء کی گرفت عوام پر اب بھی باقی ہے اس لئے ان کے اندر تشدد پسندی بڑی حد تک رکی ہوئی ہے لیکن اگر یہ صورتحال نہ بدلی تو پھر نوجوان طبقہ بہت دنوں تک ان کے قابو میں نہ رہ سکے گا جیسا کہ اس کے آثار شروع ہو گئے ہیں خدانخواستہ اگر عوامی طور پر یہ صورت پیدا ہو گئی تو پورا ملک اس کی لپیٹ میں آجائے گا اور جب یہ جذبات پیدا ہو جاتے ہیں تو روس جیسا سپر پاور ملک بھی کمزور سمجھے جانے والے عوام کو قابو لانے میں ناکام رہتا ہے۔
اس لئے عرض ہے کہ آپ گذشتہ تاریخ اور دنیا کے موجودہ حالات سے سبق لینے کی کوشش کیجئے۔ ظلم وجبر اور تنگ نظری کی بنیاد پر کوئی حکومت بہت دنوں تک نہیں چل سکتی۔ جنتا دل کی حکومت کی اب تک کی پالیسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اور اسکے افراد اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں آئندہ دیکھئے اس کا رُخ کیا ہوتا ہے۔

آزادی سے پہلے گاندھی جی کی بیوی کستوربا کا انتقال ہوا تو انہوں نے کستوربا فنڈ قائم کیا، جس میں ہندو قوم نے تین کروڑ روپیہ دیا، اس رقم سے گاندھی جی نے ایک پالیسی قائم کیں اور ان کی آمدنی کے بیشتر حصے سے اُن کا خاندان فائدہ اُٹھا رہا ہے مگر آج تک اُن کی قوم نے اُن پر انگشت نمائی نہیں کی اور نہ ان سے حساب طلبی کی مگر مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ چند ہزار روپے اگر کسی راہنما یا جماعت کو دے دیں گے تو کئی لاکھ کا حساب مانگیں گے۔

ابھی تین سال پہلے بارہ بنکی میں پی اے سی نے جو بربریت کی تھی جس کے نتیجے میں درجنوں مسلمان شہید اور زخمی ہو گئے تھے مسلمانوں نے بابری مسجد ایکشن کمیٹی کو ۵ ـ ۶ لاکھ روپے دیئے جس میں سے انھوں نے چار پانچ لاکھ روپئے تقسیم کر دیئے اور بقیہ مقدمات وغیرہ کے لئے رکھ دیا تو کچھ لوگوں نے ان سے حساب طلبی شروع کر دی لیکن اگر ان سے پوچھا جائے کہ تم نے بابری مسجد تحریک کو کتنا سرمایہ دیا تو وہ کوئی جواب نہ دے سکیں گے۔ جبکہ صرف شیلا نیاس کے دن ہندوؤں نے اپنے راہنماؤں کو ایک کروڑ روپیہ دیا اور نو کروڑ روپیہ اس کی تعمیر کے لئے جمع کر دیا اور کسی نے نہیں پوچھا کہ شیلا نیاس کے دن ایک کروڑ روپیہ کہاں اور کیسے خرچ ہوا،

مسلمانوں سے میری گذارش ہے کہ بلا وجہ آپ بدگمانی اور اعتراض کی عادت چھوڑ دیجئے جو لوگ آپ کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں اور اس کے لئے وقت دے رہے ہیں اُن کی اہمیت کو محسوس کیجئے، اُن کی دل جوئی کیجئے۔ دل شکنی نہ کیجئے، ملی کام کرنے والوں میں عوام و خواص کی بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اس کام میں کسی ذاتی غرض سے نہیں بلکہ اپنے ملی احساس اور دینی جذبہ کی وجہ سے لگے ہوئے ہیں ان میں بڑی بڑی صلاحیتوں اور حیثیتوں کے لوگ بھی ہیں، ان میں کتنے ہیں جو اپنے بال بچوں کا پیٹ کاٹ کر اور اپنے کاروبار کا حرج کر کے اس میں پیسہ خرچ کرتے ہیں اور وقت لگاتے ہیں، اس لئے آپ اُن کی قدر کیجئے اور ان کی ذات کو غنیمت جانئے ورنہ آئندہ آپ ایسے لوگوں کو بھی نہ پاسکیں گے جن کو آپ اس وقت حقیر سمجھ کر نظر انداز کر رہے ہیں۔

خطبۂ افتتاحیہ کی چند سطریں

۴ مارچ ۱۹۹۰ء کو مسلم مجلس اتر پردیش کی طرف سے بنیادی حقوق کی بازیابی کے لئے جو کنونشن ہوا تھا اس میں خطبۂ افتتاحیہ راقم الحروف نے پڑھا تھا، راقم الحروف کا مسلم مجلس سے کوئی قانونی تعلق نہیں ہے لیکن دینی وملی کام کرنے والی ہر جماعت سے تعاون کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں، اسلئے مجلس کے ذمہ داروں کی خواہش پر اس میں شریک ہونے اور خطبہ پڑھنے کو سعادت سمجھکر آمادہ ہوگیا، اس خطبہ کا بیشتر حصہ نومبر ۸۹ء الرشاد میں آچکا ہے اس لئے کہ یہ اکتوبر میں ہونے والے کنونشن کے لئے لکھا گیا تھا جو ملتوی ہوگیا تھا، مگر اس کا وہ حصہ جسمیں مسلمانوں سے خطاب ہے. اس میں کچھ مزید باتیں آگئی ہیں اسلئے اتنا حصہ یہاں نقل کیا جارہا ہے۔ (مرتب)

محترم حضرات! ایک اور بات عرض کردینی ضروری سمجھتا ہوں کہ مسلمان اس کنونشن کے عنوان سے یہ نہ سمجھیں کہ اگر یہ چند حقوق ہم کو مل گئے یا چند مسلمان نام کے آدمی اسمبلی اور پارلیمنٹ کے ممبر بن گئے یا ملازمتوں میں ہمارا تناسب بڑھ گیا۔ تو اس سے ہمارے ملی مسائل حل ہوگئے اور ہمارا کام ختم ہوگیا۔ اس وقت بھی سیکڑوں کی تعداد میں اسمبلی اور کئی درجن کی تعداد میں پارلیمنٹ اور راجیہ سبھا کے ممبر ہیں لیکن دو چار کو چھوڑ کر یہ سب ملت کے لئے باعث ننگ ہیں وہ ملت کی قیمت پر اپنا ذاتی مفاد پورا کر رہے ہیں۔ اس کنونشن کا واحد مقصد یہ ہے کہ ہماری صفوں کا انتشار ختم ہو ہمارے اندر ایک اجتماعی قیادت اُبھرے اور ایک باوقار ملت کی حیثیت سے ہم کو زندگی گذارنے کا موقع ملے۔

ہمیں مسلمانوں کے علماء رہنماؤں اور خاص طور پر سیاسی افراد سے گذارش کرنی ہے کہ آپ سیاسی یا معاشی مفاد کو مقصد نہیں بلکہ مقصد کا ذریعہ بنائیں آپ شخصی یا جماعتی یا طبقاتی مفاد کے مقابلہ میں ملی مفاد کو ترجیح دیں۔ آزادی سے پہلے ملی کاموں میں علماء پیش پیش رہتے تھے، مگر آزادی کے بعد تو یہ کہنا پڑتا ہے ؎

کامل اس فرقۂ زہاد سے اُٹھا نہ کوئی — کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے

[illegible]

فسادزدگان میں ریلیف کا کام کرنے میں بھی ہمارے اندر رسہ کشی جاری رہتی ہے اور ہم مظلوموں کی مدد سے زیادہ جماعتی اور شخصی حیثیت کو نمایاں کرنے میں لگے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

آزادی کے بعد ہندستان کے مسلمانوں میں پہلے سے زیادہ خوش حالی بھی آئی ہے، اور سیاسی شعور بھی پیدا ہوا ہے اور چند افراد کو بڑے بڑے عہدے بھی ملے ہیں۔ مگر آپ غور کریں گے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ اس سے آپ کا ملی وزن بڑھا نہیں بلکہ گھٹا ہے۔ بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ بحیثیت ملت آپ کو صفر کے درجہ پر پہونچا دیا گیا ہے، آپ کی یہ حیثیت نہ ہونی چاہیئے[۲] بلکہ لوگ آپ کے پیچھے بھاگیں، آپ نے اس سے پہلے ملک کو بہت کچھ دیا ہے، آپ نے ملک کو علم وفن دیا ہے، ایک نئی زبان اور تہذیب دی ہے، تلسی داس کی ہندی زبان بھی مسلمان عہد کی پیداوار ہے، اونچ نیچ ختم کر کے انسانی مساوات دی ہے فکر وعقیدہ کو بلندی عطا کی ہے، آج بھی آپ بہت کچھ دے سکتے ہیں۔

اس وقت ملک کو سب سے زیادہ ضرورت اچھے اور پرامن اور دیانتدار اور باکردار افراد وشہریوں کی ہے آپ جس دین کے ماننے والے ہیں اس نے ان اخلاقی خوبیوں کو آپ کے ایمان جوڑ رکھا ہے۔ اسلئے یہ آپ کے ایمان کا تقاضا ہے کہ آپ ملک کی اس کمی کو اپنے طرز عمل سے دور کریں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب آپ کی صفوں کا انتشار دور ہو آپ ایک آواز ہوں اور ایک اجتماعی قیادت کے سپرد اپنے سارے معاملات کو کر دیں۔ بہرائچ کے علاقہ میں ایک برادری بھارو بستی ہے آپ اگر کسی بھارو سے کوئی کام لینا چاہیں اور اس سے بات کریں تو وہ آپ سے بات نہیں کریگا، بلکہ وہ کہے گا بجیا (دوسرے لوگوں کو وہ بجیا کہتے ہیں) ہم سے بات مت کرو سردار سے بات کرو ہم تو کمویا ہیں (کمانے والے ہیں)، کاش ہم بھی ایک ایسی اجتماعی قیادت کو بروئے کار لاتے، اور اپنے ذاتی مفادات کو اجتماعی مفادات کے تابع کر کے دوسروں سے یہ کہتے ہیں کہ ہماری اجتماعی قیادت جو فیصلہ کرے گی ہم وہ کریں گے۔ ہم یہاں دو اور اہم باتیں بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں ایک یہ کہ اس وقت دنیا میں کمیونزم کے شکست وریخت کا جو عمل تیزی سے جاری ہے اسے ذہن میں رکھیں، آذربائیجان کا وہ مسلم علاقہ جس کے بارے میں ہم یہ سمجھنے لگے تھے کہ وہاں کمیونزم نے ایمان کی روشنی ہمیشہ کے لئے بجھا دی ہے مگر معلوم ہوا کہ کمیونزم کا غیر فطری نظریہ ایمان واسلام کی فطری روشنی کو بجھانے میں کامیاب نہیں ہو سکا، ایمان کی دبی ہوئی چنگاریاں بحمد للہ شعلہ بن کر بھڑکنا شروع ہو گئی ہیں، اس انقلاب پر آپ دینی وسیاسی دونوں حیثیتوں سے غور کریں، دینی حیثیت سے غور کرنے سے میری مراد

۲ آپ لوگ کے پیچھے بھاگیں

طاقتیں اسے اپنے پھونکوں سے نہ بجھا سکیں گی سیاسی حیثیت سے قابل غور بات یہ ہے کہ جبر و ظلم کی سیاست بظاہر کچھ دنوں کے لئے کامیاب نظر آتی ہے لیکن آخر میں اس کا زوال ضروری ہے ۔

دوسرے یہ کہ ابھی آپ نے جنوبی افریقہ میں نیلسن منڈیلا کی رہائی کی خبر سنی ہوگی، ہمارے عوام اور رہنماؤں دونوں کے لئے اس میں بڑی عبرت ہے، رہنما ۲۷ برس تک قید و بند کی مصیبت جھیلتا ہے، مگر اپنے مقصد سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹتا، اور عوام نے بھی احسان شناسی کے جذبہ کے ساتھ اپنے رہنما کو یاد رکھا اور اس کی قربانی کو ایک دن بھی نہیں بھولے، کاش! ہمارے رہنما میں بھی یہی جذبۂ ایثار و قربانی اور استقامت اور عوام میں احسان شناسی اور جذبۂ وفاداری پیدا ہو جاتا تو ہمارے سارے مشکل مسائل چند دن میں حل ہو جاتے ۔

بقیہ : العشر فی القرآن

کا عمل ہمارے لئے بہترین مثال ہے اور دوسرے کے لئے آج ہم خود اجتہاد کر سکتے ہیں اور ہمارے اس طرز عمل سے حدیث یا شریعت کی خلاف ورزی نہیں ہوگی بلکہ اس کا عین منشا پورا ہوگا ۔

نفاذِ زکوٰۃ و عشر کے سلسلے میں البتہ یہ بات قابلِ غور ہے کہ قرآن حکیم کے پیش نظر انسان کی صرف معاشی صلاح و فلاح نہیں ہے بلکہ وہ پوری حیات انسانی کی ہدایت و فلاح کے لئے اپنا ایک عالمگیر اور ہمہ گیر نظام فکر و عمل رکھتا ہے۔ قرآن کی معاشی ہدایات و احکام دراصل اس کی مجموعی دعوت کا محض ایک حصہ ہیں۔ اس لئے اسلام کے صرف کسی جز کو نافذ کر کے اس کے ذریعے سے اس کے کلی نفاذ کی برکات حاصل نہیں کی جا سکتیں ۔

لہٰذا جب تک نظام اسلام کو اس کے ہمہ جہتی اصولوں کی بنیاد پر پورے اخلاص سے قائم کرنے کی کوشش نہیں ہوگی اس وقت تک اسلامی انقلاب کی منزلِ مقصود کا حصول ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا ۔

العشر فی القرآن

مولانا محمد رفیق چودھری

یہ ایک حقیقت ہے کہ مفلس سے مفلس آدمی بھی اللہ تعالیٰ کی اَن گنت نعمتوں سے فیضیاب ہوتا ہے اور منعمِ حقیقی کی ہر نعمت اپنے منعم علیہ بندے سے مناسب شکر گزاری کا تقاضا کرتی ہے۔ مال و دولتِ دنیا جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے لیے ایک آزمائش ہے۔ وہاں ایک عظیم نعمت بھی ہے اور اس پر شکر گزاری کی معین صورت یہ ہے کہ اس نعمت سے مستفید و متمتع ہوتے ہوئے اس کا کچھ خاص حصہ ان لوگوں تک منتقل کر دیا جائے جو اس سے بالکل محروم ہیں۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو خدا تعالیٰ کی یہ نعمت خود انسان کے لیے نقمت بن جاتی ہے جس کے نتیجے میں اسے دنیا و آخرت میں ناکامی و نامرادی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

خدائے رحیم نے اپنے مالدار بندوں کو ایسی صورت حال سے بچانے، ان کو اپنا فرمانبردار بنانے اور دنیا و عقبیٰ میں فلاح یاب کرنے کے لیے مال و دولت پر بطور شکر گزاری زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ٹھہرائی ہے اور اس سلسلے میں زرعی پیداوار پر عشر ادا کرنا واجب کیا ہے۔ غور کرنے سے زکوٰۃ و عشر کے اس وجوب و حکم کی حکمت سمجھ میں آسکتی ہے کیونکہ جس طرح مال و دولت اکثر و بیشتر خدا تعالیٰ کی خاص بخشش کا فیضان ہوتا ہے بالکل اسی طرح پھل اور اناج کی زرعی پیداوا[illegible] رب العالمین

کے مخصوص فضل وکرم کی مرہون منت ہوتی ہے۔

اب ظاہر ہے کہ ہر استحقاق اپنے ساتھ کچھ نہ کچھ ذمہ داری بھی رکھتا ہے۔ مال ودولت اور زرعی پیداوار کے اسی استحقاق پر زکوٰۃ وعشر کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

قرآن حکیم میں اس حقیقت کو کئی مقامات پر مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر سورہ واقعہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۝ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَٰهُ حُطَٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ۝ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝ أَفَرَءَيْتُمُ ٱلْمَآءَ ٱلَّذِى تَشْرَبُونَ ۝ ءَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ ٱلْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ ٱلْمُنزِلُونَ ۝ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنَٰهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ۝

ترجمہ: بھلا تم اس بات پر غور کرو کہ جو کچھ تم کاشتکاری کرتے ہو، اُسے تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اُسے چورا چورا کردیں اور تم صرف باتیں بناتے رہ جاؤ۔ کہ "ہم پر اُلٹی چٹی پڑ گئی بلکہ ہم تو اپنی محنت کے سارے فائدوں ہی سے محروم ہوگئے"۔ اچھا تم نے دیکھا کہ یہ پانی جو تمہارے پینے کے کام آتا ہے۔ اُسے کون برساتا ہے؟ تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری کردیں، تم کیوں شکر نہیں کرتے؟

(الواقعہ ۶۳ تا ۷۰)

گویا جس ہستی کی ربوبیت کے فیض سے تمہیں اناج اور پھلوں کا رزق عطا ہوا، اسی رب کائنات کا یہ حق ہے کہ اس کے دیئے ہوئے رزق کا کچھ حصہ محروم المعیشت لوگوں کو بھی ادا کیا جائے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

فَلْيَنظُرِ ٱلْإِنسَٰنُ إِلَىٰ طَعَامِهِۦٓ ۝ أَنَّا صَبَبْنَا ٱلْمَآءَ صَبًّا ۝

ترجمہ: انسان اپنی غذا پر نظر ڈالے ـــ ہم پہلے زمین پر پانی

ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۝ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۝ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۝ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۝ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ

(عبس ۲۶ تا ۳۲)

برساتے ہیں، پھر اس کی سطح شق کر دیتے ہیں، پھر اس سے طرح طرح کی چیزیں پیدا کر دیتے ہیں اناج کے دانے، انگور کی بیلیں، سبزی ترکاری، زیتون کا تیل، کھجور کے خوشے، گھنے باغات، قسم قسم کے میوے، پھل اور طرح طرح کا چارہ ـــ یہ سب کچھ تمہارے فائدے کیلئے اور تمہارے جانوروں کے لیے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ ۝ (النمل ۶۰)

ترجمہ: بھلا آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ آسمان سے تمہارے لیے کس نے پانی برسایا؟ پھر اس کے ذریعے سے ہم نے خوشنما باغ اگا دیئے۔ حالانکہ تمہارے بس کی یہ بات نہ تھی کہ ان باغوں کے درخت اگاتے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ افسوس یہ لوگ راہِ حق سے ہٹے ہوئے ہیں!

پھر ارشاد ہوا:

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ ۝ فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّاتٍ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝

(المؤمنون ۱۸ تا ۱۹)

ترجمہ: اور ہم نے ایک خاص اندازے کے مطابق آسمان سے پانی برسایا، پھر اسے زمین میں ٹھہرائے رکھا اور ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ اسے واپس لے جائیں۔ پھر اسی پانی سے ہم نے تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کر دیئے جن میں بہت سے پھل لگتے ہیں اور انہی سے تم اپنی غذا بھی حاصل کرتے ہو۔

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ

(الانعام ـ ۹۶)

ترجمہ : یقیناً اللہ ہی کی قدرت ہے کہ وہ دانے اور گٹھلی کو شق کرتا ہے (پھر اس سے ہر چیز کا پودا یا درخت پیدا کر دیتا ہے)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا :

وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ
مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ
شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا
نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ
النَّخْلِ مِن طَلْعِهَا قِنْوَانٌ
دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ
وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا
وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ انظُرُوا
إِلَىٰ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ
إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ
يُؤْمِنُونَ ۝

(الانعام ...)

ترجمہ : اور وہی (اللہ) ہے جس نے آسمان
سے پانی برسایا۔ پھر اس کے ذریعے سے ہر قسم
کی نباتات اُگائی، پھر اس سے سرسبز کھیت اور
درخت پیدا کئے۔ پھر ان سے تہ بہ تہ چڑھے ہوئے
دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے
پیدا کئے جو بوجھ کی وجہ سے جھکے پڑتے ہیں۔ اور انگور
زیتون اور انار کے باغ اُگائے جن کے پھل
ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور پھر ذائقے
الگ الگ بھی ہیں۔ جب یہ درخت پکتے
ہیں تو ان میں پھل آنے اور اُن کے پکنے کی کیفیت
پر نظر ڈالو۔ ان تمام چیزوں میں ایمان لانے والوں
کے لئے بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔

پھر فرمایا :

وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً
فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ
رِزْقًا لَّكُمْ

(البقرہ : ۲۲)

ترجمہ : اور اُسی (اللہ) نے آسمان سے پانی،
برسایا اور اس کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار
نکال کر تمہارے لئے روزی فراہم کر دی۔

قرآن حکیم کی درج بالا آیات کا مدعا و مطلب یہ ہے کہ ربوبیت الٰہی کی کارفرمائی انسان کو اس کی معمولی محنت و مشقت کے صلے میں زمین سے بہت زیادہ اناج اور پھل مہیا کر دیتی ہے۔ اس

کے بعد انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ بخشش رحمانی اور عطائے ربانی سے جہاں خود بہرہ یاب ہوا ہے وہاں خدا تعالیٰ کے ان بندوں کو فراموش نہ کر بیٹھے جو تہی دامن اور بے سروسامان ہیں بلکہ ان کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے اور ان کو معاشی سہارا دینے کے لئے اس نعمتِ خداوندی کا ایک مخصوص حصہ ان تک پہنچا دے۔

عشر کیا ہے؟

عشر کے لغوی معنی "کسی چیز کا دسواں حصہ" کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں یہ زرعی پیداوار پر زکوٰۃ کا دوسرا نام ہے۔ بارانی زمین کی صورت میں اس کی پیداوار کا دسواں حصہ اور غیر بارانی آراضی یعنی نہری یا چاہی وغیرہ کی صورت میں اس کی پیداوار کا بیسواں حصہ شرعاً عشر کے طور پر واجب الادا ہوتا ہے بشرطیکہ کل پیداوار شرعی نصاب کے مطابق ہو۔

قرآن اور عشر

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، عشر دراصل زرعی پیداوار کی زکوٰۃ کا دوسرا نام ہے۔ اس لیے جہاں تک مطلق زکوٰۃ کے حکم کا تعلق ہے تو اس کی فرضیت اور وجوب کے لئے قرآن مجید میں بیسیوں آیات موجود ہیں۔ بالعموم اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ یعنی نماز و زکوٰۃ کا حکم ساتھ ساتھ آیا ہے لیکن زکوٰۃ کی اس خاص قسم یعنی عشر کا ثبوت ہمیں قرآن حکیم کی درج ذیل آیات سے ملتا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۔	ترجمہ: اور وہی (اللہ) ہے جس نے باغات پیدا کئے جو ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے ہیں اور بعض نہیں چڑھائے ہوتے، نیز کھجوروں کے درخت اور کھیتیاں اگائیں جنہیں مختلف قسم کے کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں اور زیتون اور انار کبھی باہم مشابہ اور بعض مشابہ نہیں ہوتے تم ان کے پھلوں اور پیداوار میں سے کھاؤ اور ان نعمتوں کے شکریے میں) ان کے کاٹنے اور

توڑنے کے دن اُن کا معین حصہ ادا کیا کرو۔ (الانعام ۱۴۱)
فضول خرچی نہ کرو کیونکہ فضول خرچی کرنیوالوں
کو اللہ پسند نہیں کرتا۔

اس آیت کے الفاظ " وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ " (اور فصل کی کٹائی اور پھل توڑنے کے دن ان کا معین حصہ ادا کیا کرو۔) سے ظاہر ہے کہ کھیت سے فصل اور پیداوار حاصل کرتے وقت اس کا ایک خاص حصہ بطور حق المال الگ کر کے ادا کرنا واجب ہے اور عشر کا یہ وجوب اسی لمحے عائد ہو جائے گا جس لمحے زرعی پیداوار حاصل کر لی گئی۔

اس آیت کے تحت چند مفسرین کرام کی آراء ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ تفسیر طبری : (از ابن جریر طبری)

اس تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ، حسنؓ، انس بن مالکؓ، جابر بن زید، سعید بن مسیب قتادہ، طاؤس، محمد بن حنفیہ، ضحاک اور زید بن اسلم کا یہ قول نقل کیا گیا ہے :

" هذا امر من الله بايتاء الصدقة المفروضة من الثمر والحب "

(ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، تفسیر الطبری ، ۱۲ : ۱۵۸ طبع مصر)

ترجمہ : یہ اللہ کا حکم ہے کہ پھلوں اور اناج سے فرض زکوٰۃ یعنی عشر ادا کیا جائے۔

۲۔ تفسیر الکشاف (از علامہ زمخشری) :

اس تفسیر میں آیت مذکورہ کے تحت درج ہے کہ :

الآية مكية والزكاة انما فرضت بالمدينة " فاريد بالحق ما كان يتصدق به على المساكين يوم الحصاد وكان ذلك واجبا حتى نسخه افتراض العشر ونصف العشر وقيل ... [illegible]

ترجمہ : یہ آیت مکی ہے اور مدینہ میں زکوٰۃ فرض ہوئی ہے لہذا اس آیت میں " حق " سے مراد وہ صدقہ ہے جو فصل کی کٹائی کے وقت مسکینوں کو دیا جاتا ہے۔ ابتدا میں یہ صدقہ واجب تھا، پھر عشر اور نصف عشر کی فرضیت کے بعد منسوخ ہو گیا ۔۔۔ یہ بھی کہا گیا ۔ [illegible]

میں "حق" سے مراد وہ زرعی پیداوار پر) زکوٰۃ ہے جو فرض ہے۔

۳۔ احکام القرآن (ابن العربی) :

وقد افادت هذه الآية وجوب الزكاة فيما سقى الله سبحانه وافادت بيان ما يجب فيه من مخرجات الارض التى احملها فى قوله : " وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ " فسرها ههنا فكانت آية البقرة عامة فى المخرج كله مجملة فى القدر، وهذه الآية خاصة فى مخرجات الارض مجملة فى القدر، فبيّنه رسول الله صلى الله عليه وسلم الذى أمر بأن يبين للناس ما نزل عليهم فقال : " فيما سقت السماء العشر وما سقى بنضح او دالية نصف العشر " فكان هذا بيانا لمقدار الحق المجمل فى هذه الآية ۔ وقال ايضا صلى الله عليه وسلم " ليس فيما دون خمسة أوسق من حب او تمر صدقة " خرجه مسلم وغيره۔ فكان هذا بيانا للمقدار الذى

ترجمہ : اس آیت سے اس چیز کے واجب ہونے کا ثبوت ملتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا نام دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس جگہ پر اللہ تعالیٰ کے ایک اور ارشاد " وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ " یعنی (اے ایمان والو!) ان اشیاء میں سے (اللہ کی راہ میں خرچ کرو) جو ہم نے زمین سے نکالی ہیں ۔ البقرہ ۲۶۷) کی تشریح بھی مل جاتی ہے کہ وہاں پر " زمین سے نکالی ہوئی اشیاء " سے کیا مراد سورۂ بقرہ کی آیت کے مفہوم میں وہ تمام اشیاء آجاتی تھیں جو زمین میں سے نکلتی ہیں اور اس کے علاوہ وہاں نصاب زکوٰۃ کا بھی ذکر نہیں تھا۔ مگر اب سورہ انعام کی آیت زیر بحث کے مفہوم میں زمین سے نکلنے والی اشیاء کی خاص نوعیت بیان کردی گئی ہے اگرچہ یہاں پر بھی نصاب زکوٰۃ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ پھر اس آیت کی تشریح و تبیین اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے ۔ جنہیں قرآن کی تشریح و تبیین کرنے کا حکم خود خدا نے قرآن مجید میں دیا ہے۔

يؤخذ منه الحق ، والذي يبيّن
في السنة العلماء نصابًا ۔
(ابن العربي : احکام القرآن : ۲۱۲
۲۱۳ طبع مصر ۱۳۳۱ھ)

وہ تشریح تبیین یہ ہے کہ :

" فیما سقت السماء العشر وما سقی بنضح اودالیۃ نصف العشر ۔ "

جو زمین بارش سے سیراب ہوتی ہے اس پر عشر ہے اور جو دوسرے وسائل آبپاشی کے ذریعے سیراب ہوا اس پر نصف عشر ہے ۔

سنتِ نبوی نے آیت مذکورہ کے لفظ " حَقَّہٗ " میں حق کے اجمال کی یہی تفصیل بیان کی ہے ۔

پھر اس کے علاوہ اسی سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

" لیس فیما دون خمسۃ اوسق من حب اوتمر صدقۃ ۔ " (صحیح مسلم)

ترجمہ : غلے اور کھجور میں پانچ وسق سے کم مقدار پر زکوٰۃ (عشر) نہیں ہے ۔

گویا اس حدیث نے وہ مقدار بھی معین کر دی جس پر " حق " کی وصولی کی جائے گی اور جسے علمائے کرام اپنی اصطلاح میں " نصاب " کہتے ہیں :

۴۔ تفسیر (امام فخر الدین رازی)

فی تفسیر قولہ (وآتوا حقہ) ثلاثۃ اقوال ۔ القول الاول :

ترجمہ : اللہ تعالیٰ کے قول " وَآتُوا حَقَّہٗ " کی تفسیر میں تین قول ہیں ۔ پہلا

(گذشتہ صفحہ حاشیہ) قرآن مجید میں : وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ۔ اور (اے نبیؐ) ہم نے اس سراپا ذکر یعنی قرآن کو آپ پر نازل کیا ہے تاکہ آپ کی طرف سے جو کچھ بھیجا گیا ہے اسے آپ لوگوں پر واضح فرما دیں ۔

قال ابن عباس فی روایۃ عطاء یرید بہ العشر فیما سقت السمآء ونصف العشر فیما سقی بالدوالیب و ھو قول سعید بن المسیب والحسن وطاؤس والضحاک۔"

(الفخرالرازی . التفسیرالکبیر: ۱۳ : ۲۱۳ طبع مصر ۱۹۳۸)

قول جسے عطاؒ نے ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے یہ ہے کہ اس سے بارانی زمین کا عشر اور غیر بارانی کا نصف عشر ہے ۔ یہی قول سعید بن مسیبؒ حسنؒ، طاؤس اور ضحاک کا بھی ہے ۔



۵۔ تفسیر قرطبی (الجامع لاحکام القرآن ۔ ـــــ امام قرطبی) :

" اختلف الناس فی تفسیر ھذا الحق ما ھو، فقال انس بن مالك وابن عباس وطاؤس والحسن و ابن زید وابن الحنفیۃ والضحاك وسعید بن المسیب ھی الزکوۃ المفروضۃ العشر نصف العشر"

(ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی: ۷ : ۹۹ طبع مصر ۱۹۶۱ء)

ترجمہ : اس آیت میں لفظ " حق " کے بارے میں مختلف رائیں ہیں ۔ حضرت ابن عباسؓ انس بن مالکؓ طاؤس، حسن، ابن زید، ابن الحنفیہ، ضحاک اور سعید بن مسیب کی رائے میں اس سے مراد وہ فرض زکوٰۃ ہے جو عشر اور نصف عشر کی صورت میں ہے ۔



۶۔ تفسیر ابن کثیر :

" عن ابن عباس (وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ) یعنی الزکوٰۃ المفروضۃ یوم یکال ویعلم کیلہ ۔"

(عماد الدین اسماعیل بن کثیر : تفسیر القرآن العظیم ۲ : ۱۸۱ طبع سہیل اکیڈمی ، لاہور)

ترجمہ : ابن عباسؓ کا قول ہے کہ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ سے مراد وہ فرض زکوٰۃ یعنی عشر ہے جب فصل کی مقدار معلوم کر لی جائے ۔



۷۔ احکام القرآن ــــ ابوبکر جصاص۔

"روی عن ابن عباس وجابر بن زید، محمد بن والحسن، سعید بن المسیب وطاؤس وزید بن اسلم وقتادۃ والضحاک انہ العشر ونصف العشر۔"	ترجمہ: ابن عباسؓ، جابر بن زید، محمد بن حنفیہ، حسن، سعید بن مسیبؒ طاؤس زید بن اسلم، قتادہ اور ضحاک کی رائے یہ ہے کہ اس آیت میں عشر اور نصف عشر مراد ہے۔



۸۔ تفسیر جلالین:

"العشر أو نصفہ۔" (جلال الدین سیوطی: تفسیر جلالین: ۹۸ طبع دہلی ۱۹۲۲ء)	ترجمہ: اس سے عشر یا نصف عشر مراد ہے۔

۹۔ تفسیر مظہری (قاضی ثناء اللہ پانی پتی):

"قال ابن عباس وطاؤس والحسن وجابر بن زید وسعید بن المسیب انہ الزکوۃ المفروضۃ من العشر و نصف العشر لان الامر للوجوب۔" (قاضی ثناء اللہ پانی پتی: تفسیر مظہری: ۳: ۳۹۳ طبع دہلی ۱۹۶۸ء)	ترجمہ: ابن عباس، طاؤس، حسن، جابر بن زید اور سعید بن مسیب کا قول ہے کہ اس جگہ فرض زکوۃ مراد ہے جو عشر اور نصف عشر کی صورت میں ہے کیونکہ فعل امر سے وجوب کا حکم ثابت ہوتا ہے۔

۱۰۔ تفسیر روح المعانی (علامہ محمود آلوسی):

"وَاٰتُوْا حَقَّہٗ" الذی أوجبہ اللہ تعالیٰ فیہ "یَوْمَ حَصَادِہٖ" عن ابن عباس العشر ونصف	ترجمہ: "وَاٰتُوْا حَقَّہٗ" میں 'حق' سے مراد وہ حق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے واجب ٹھہرایا ہے۔ اس بارے

العشر، واليه ذهب الحسن و سعيد بن المسیب و قتادة وطاؤس وغیرهم. (علامه محمود آلوسی : ۸ : ۳۸ طبع بیروت)	میں ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس سے عشر اور نصف عشر مراد ہے۔ یہی رائے حسن ، سعید بن مسیب قتادہ اور طاؤس وغیرہم کی ہے۔

اس طرح تقریباً تمام مفسرین حضرات نے آیتِ زیرِ بحث سے عشر کی فرضیت کا اثبات کیا ہے۔

دوسری جگہ پر حکمِ خداوندی ہے کہ :

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ٥ (البقرة : ۲۶۷)	اے ایمان والو ! اپنی کمائی میں سے عمدہ چیزیں (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو، اور ان چیزوں سے بھی جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہوں۔ لیکن خراب چیز کو (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو درآنحالیکہ تم خود بھی اسے لینا پسند نہیں کرتے الا یہ کہ چشم پوشی کر دو۔ خوب جان لو کہ اللہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔

اس آیت کے الفاظ " أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ (اپنی کمائی میں سے بھی چیزوں کا انفاق کرو) کے بعد وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ (اور ان چیزوں میں سے بھی انفاق جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیں) سے واضح ہے کہ زمینی پیداوار میں سے کچھ خاص حصے کے انفاق کا حکم دیا گیا ہے۔ غور کیجئے ، زمینی پیداوار کے کچھ خاص حصّے کا یہ حکمِ انفاق سوائے حکمِ عشر کے اور کیا ہو سکتا ہے ؟

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ٥ (الذاریات ۱۹)	اور ان (متقیوں) کے مالوں میں مانگنے والے اور محتاج کا حصہ ہوتا تھا۔

یہ آیت اپنے سیاق کلام کے لحاظ سے متقین کے اوصاف کے ضمن میں آئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں کی ایک صفت ہے کہ وہ ہر سائل اور محروم المعیشت آدمی کے لئے اپنے مال میں سے ایک معین حصہ بطور حق ادا کرتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ نہ تو زرعی پیداوار کو " اموالھم " کے قرآنی عموم سے خارج سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی زرعی پیداوار کے لئے سائلوں اور مفلسوں کا فقدان ہو سکتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ صاحب نصاب متقین جہاں دوسرے اموال میں سے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں وہاں وہ زمینی پیداوار کی زکوٰۃ یعنی عشر بھی دیتے ہیں اور ان کی طرف سے عشر کی یہ ادائیگی بطور حق ضروری متصور ہوئی ہے۔

قرآن کی ایک اور آیت یہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ؀ (المعارج ۲۴ تا ۲۵)	ترجمہ: اور جن لوگوں کے اموال میں ایک معلوم و معین حصہ ہے، مانگنے اور نہ مانگنے والے حاجت مندوں کے لئے۔

آیات بالا میں اپنے سیاق و سباق میں جنتی لوگوں کی صفات کے تذکرے میں وارد ہوئی ہیں وہ اعمال جن کی جزا کے نتیجے میں نیک لوگ جنت کے مستحق قرار پائیں گے ان میں سے ایک عمل یہ ہوگا کہ ان کے اموال میں دست سوال دراز کرنے والے غریبوں اور نہ مانگنے والوں کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایک خاص حصہ بطور حق معین ہوتا تھا۔ "اموالہم" کے عموم میں زرعی پیداوار بھی شامل ہے۔ لہٰذا ان دونوں آیات سے جہاں ایک طرف زکوٰۃ کے حکم کا اثبات ہوتا ہے وہاں دوسری طرف عشر کا ثبوت بھی فراہم ہو جاتا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشادِ خداوندی ہے :

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (التوبۃ ۱۰۳)	ترجمہ: (اے نبیؐ!) ان لوگوں کے مال میں سے بھی زکوٰۃ لے لیا کریں تاکہ اس طرح آپ ان کو (گناہوں سے) پاک و صاف کریں اور ان کے حق میں دعائے خیر کریں کیونکہ آپ کی دعا ان کیلئے سکون بخش ہے اور اللہ بہت سننے اور

جاننے والا ہے۔

یہ آیت سیاق بیان میں ان لوگوں کے بارے میں آئی ہے جو ایمان کے باوصف مرض منافقت میں بھی مبتلا تھے۔ گویا قانونی اعتبار سے اُن پر مسلمان ہونے کا اطلاق ہوتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر یہ حکم دیا ہے کہ ایسے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کریں۔ آیت میں مستعمل لفظ صَدَقَۃً (یا صدقات کا لفظ) قرآن مجید میں زکوٰۃ کے ہم معنیٰ ہے جیسا کہ سورۂ توبہ میں ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ ...... (التوبہ: ٦٠)	زکوٰۃ تو اُن کا حق ہے جو فقرا ہوں، مساکین ہوں ....

تو یہاں پر صدقات سے مراد صرف صدقہ واجبہ یعنی زکوٰۃ ہے (ان کے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کرو) اس طرح آیت زیر بحث میں " خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً " کے عام معنیٰ میں زرعی پیداوار بھی بطور مال شامل ہے جس میں سے زکوٰۃ یعنی عشر کی وصولی کا یہ حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ (البقرہ ٣)	ترجمہ: (متقین وہ ہیں) جو غائبانہ طور پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دے رکھا ہے، اس میں سے خدا کی راہ میں بھی خرچ کرتے ہیں۔

آیت مذکورہ میں آمدہ الفاظ " وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ " (اور جو کچھ ہم نے ان کو دے رکھا ہے۔ اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں) سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو روزی عطا کی ہے تو اس کے بندے اللہ تعالےٰ کی عطا کردہ روزی میں سے انفاق کرتے ہیں۔

اس آیت کے سیاق کلام میں متقین کے جو اوصاف بیان ہوئے ہیں، ان میں جہاں ایمان بالغیب اور اقامت صلوٰۃ کی خصوصیات کا ذکر ہوا ہے وہاں انفاق کو بھی متقین کی ایک خصوصیت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

اہلِ نظر سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ قرآن مجید کا یہ ایک عام اسلوب ہے اور اس کے بیسیوں نظائر بھی موجود ہیں کہ نماز پر انفاق کا عطف بالعموم زکوٰۃ کے مفہوم کا حامل ہوتا ہے کیونکہ خود نماز پر زکوٰۃ کا عطف آنا قرآن مجید کا عام انداز بیان ہے۔

اب زیرِ نظر مقام پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ قرآنی الفاظ "وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ" (اور ہمارے دیئے میں سے خرچ کرتے ہیں) کا مطلب یہ ہے کہ متقین کے اوصاف میں سے ہے کہ وہ حالت ایمان میں اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ ایتائے زکوٰۃ بھی کرتے ہیں۔ یا اس کا دوسرا اور جامع مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ متقین نماز پڑھتے اور انفاق کرتے ہیں اور پھر اس انفاق میں صدقاتِ واجبہ یعنی زکوٰۃ و عشر اور صدقات نافلہ یعنی خیرات دونوں مفاہیم بیک وقت موجود ہوں گے الغرض دونوں مذکورہ مطالب کی رو سے زکوٰۃ کا مفہوم اس آیت میں شامل رہتا ہے۔

اب دوبارہ اصل قرآنی الفاظ پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ روزی اور اس کے بخشے ہوئے رزق کے تحت جہاں دوسرے اموال آتے ہیں جن پر زکوٰۃ واجب ہے وہاں وہ روزی اور وہ رزق بھی بطور مال آجاتا ہے جو زمین سے حاصل کرتے ہیں اس لئے زرعی پیداوار پر عشر کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔

پھر یہ امر بھی یاد رہے کہ اس مقام پر متقین کے صرف تین ہی بنیادی اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے — ایمان، نماز اور انفاق کا — اور صرف انہی تینوں خصوصیات کی بنا پر ایسے لوگوں کے راہ ہدایت پر ہونے اور ان کے فلاح یاب ہونے کی خوشخبری بھی دی گئی ہے۔

"وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ" کے الفاظ اسی انداز میں صلوٰۃ پر عطف کے ساتھ قرآن حکیم میں چند اور مقامات پر بھی وارد ہوئے ہیں اور وہاں بھی بالعموم زکوٰۃ ہی کا مفہوم لئے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۂ انفال میں ہے کہ:

اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۔	ترجمہ: (مومنین وہ ہیں) جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے ان کو روزی دی ہے اس

میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ (الانفال: ۳)

البتہ اس ساری بحث پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ہم نے یُنْفِقُوْنَ کے مضارع سے وجوب حکم ثابت کیا ہے جبکہ عربی زبان میں فعل مضارع وجوب حکم کے لئے نہیں آتا بلکہ وجوب حکم کے لیے فعل امر آنا چاہیئے۔

مگر اول تو یہ اصول بنیادی طور پر صحیح نہیں ہے اسلئے قرآن مجید کے بہت سے نظائر اس اصول کے خلاف موجود ہیں اور ہمیں قرآن حکیم کے مقابل میں بہرحال اپنے بنائے ہوئے اصولوں کو کچھ بھی وقعت نہیں دینی چاہیے۔ اس لئے کہ جن مقامات کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ وہاں ساتھ ہی معطوف علیہ کے طور پر یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ بھی فعل مضارع ہی کے ساتھ آیا ہے۔ تو کیا اس فعلِ مضارع کے سبب صلوٰۃ کا وجوب باقی نہیں رہے گا اور ایسے تمام مقامات پر فرض نمازوں کی بجائے نفل نمازیں مُرادلی جائینگی؟

دوسرے یہ کہ خود قرآن حکیم نے اہل ایمان کے لئے جہاں یُنْفِقُوْنَ کی خصوصیت فعل مضارع کے ساتھ آئی ہے وہاں وہ فعل امر میں اہل ایمان کو انفاق وجوبی کا حکم دیا ہے۔ جیساکہ سورۃ بقرہ میں آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ (البقرہ: ۲۵۴)

ترجمہ: ایمان والو! ہمارے دیے میں سے راہِ خدا میں بھی خرچ کرلو اس سے پہلے کہ وہ دن آموجود ہو جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش کام دے گی۔ اور کافر لوگ ہی ظالم ہیں۔

اس آیت میں اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ (ہمارے دیئے میں سے راہ خدا میں خرچ کرو) میں اَنْفِقُوْا کا صیغہ فعلِ امر کا ہے جس سے انفاق واجب ثابت ہوتا ہے نیز اس آیت کے آخری ٹکڑے وَالْكَافِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (اور کافر لوگ ہی ظالم ہیں) سے بھی یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ جو لوگ اس انفاق کے وجوب کو نہ مانیں اور

اس حکم پر عمل نہ کریں تو ایسے لوگوں کی یہ روش مومنانہ کرداری نہیں بلکہ کافرانہ طرز عمل کی غمازہے۔ لہٰذا اس آیت کے الفاظ " اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ " (ہمارے دیئے میں سے خرچ کرو) سے زکوٰۃ اور عشر کا حکم ثابت ہوگیا کیونکہ کفر کا معاملہ صرف ضروریات دین کے انکار ہی سے پیدا ہوسکتا ہے اور زکوٰۃ و عشر کے ضروریات دین میں ہونے سے کسے انکار ہے۔

اس سلسلے میں " وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ " کی تفسیر میں علامہ زمخشریؒ نے اپنی تفسیر " الکشاف " میں لکھا ہے کہ :

" وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ " اراد والتارکون الزکوٰۃ هُمُ الظالمون فقال والکافرون للتغليظ. کما قال فی آخر آیة الحج " وَمَنْ كَفَرَ " مکان ومن لم يحج، ولانّه جعل ترك الزكاة من صفات الكفار فی قوله " وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ "

" وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ " (اور کافر لوگ ہی ظالم ہیں) سے مراد یہ ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے والے ظالم ہیں۔ اَلْكٰفِرُوْنَ کا لفظ شدت کے لئے آیا ہے جیسا کہ آیت حج کے آخر میں آیا ہے کہ وَمَنْ كَفَرَ (اور جس نے کفر کیا " آل عمران آیت) آیا ہے۔ حالانکہ وہاں پر مفہوم یہ تھا کہ " اور جس نے حج نہ کیا " پھر یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت میں ترک زکوٰۃ کو کافروں کی علامت کے طور پر بیان کیا ہے : وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ (اور مشرکین کے لئے ہلاکت ہے کیونکہ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔

ایک دوسرے مقام پر فعل امر کے وجوب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان سے ارشاد ہے

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى

ترجمہ : اور (اے ایمان والو!) ہمارے دیئے میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے رہا کرو اس سے پہلے کہ تمہیں موت آلے اور آدمی کہنے

إِلَىٰٓ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ (المنافقون : ۱۰)

کہ اے میرے رب! کاش تو مجھے کچھ دنوں کی مہلت دیدیتا تو میں صدقہ دیتا اور پھر صالحین میں سے ہوتا۔

آیت بالا میں اہل ایمان مخاطب ہیں اور اس آیت سے پہلے کی آیت میں وہ مذکور ہیں اور اس جگہ بھی اہل ایمان ہی کو فعلِ امر کے وجوب کے ساتھ انفاق کا حکم دیا گیا ہے اور ایسا انفاق اور "صدقہ" کرنے کا حکم موجود ہے جو کسی آدمی کو زمرۂ صالحین میں شامل ہونے کے لئے شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ کی دی ہوئی روزی سے وہ انفاق اور وہ صدقہ کیا چیز ہے جو صالحین کی خصوصیت اور اہل ایمان کا وصف خاص ہے؛ کیا اس سے زکوٰۃ و عشر مراد نہیں ہو سکتے اور کیا یہاں پر بھی صرف صدقاتِ نافلہ یا خیرات مراد لی جا سکتی ہے؛ ہرگز نہیں۔ البتہ وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنَاكُم (اور ہمارے دیے میں سے خرچ کرو) کے عمومی الفاظ میں زکوٰۃ و عشر اور خیرات دونوں کا مفہوم بیک وقت ممکن ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

قُل لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ ۝

(ابراهيم : ۳۱)

ترجمہ: (اے نبی) میرے ان بندوں کو جو ایمان لائے ہیں، کہہ دو کہ نماز قائم کیا کریں اور جو کچھ ہم نے اُن کو عطا کیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ طور پر (خدا کی راہ میں) خرچ کیا کریں، اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ کچھ خرید و فروخت ہوگی۔ اور نہ ہی دوستی کچھ کام آسکے گی۔

آیت بالا میں بھی فعلِ امر (غائب) کے ساتھ اہل ایمان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایک تو نماز کا اہتمام کریں اور دوسرے اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال سے اس کا کچھ حصہ اُسی کی راہ میں خرچ کیا کریں۔ انفاق کے اس حکم میں زکوٰۃ و عشر کے ساتھ ساتھ صدقہ و خیرات بھی شامل ہیں۔ اول الذکر کے لئے آیت کے لفظ عَلَانِيَةً اور ثانی الذکر کے لئے سِرًّا کا اشارہ

اور قرینہ موجود ہے۔ اور اس سے بڑھ کر فعل امر غائب کا صیغہ اس انفاق کو وجوب و حکم کا درجہ دیدیتا ہے۔ پھر نماز پر انفاق کا یہ عطف بھی زکوٰۃ و عشر کا مفہوم لئے ہوئے ہے جس کے نظائر قرآن حکیم میں موجود ہیں اور جن کی مثالیں اس سے قبل ہم نے بیان کر دی ہیں۔

آیت مذکورہ بھی منجملہ اُن آیاتِ قرآنیہ میں سے ہے جن سے زکوٰۃ و عشر کے فرض و واجب ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

اس مختصر سے مضمون میں ہم نے قرآن حکیم کی چند ایسی آیات پیش کر دی ہیں جن سے صراحتاً یا اشارۃً عشر کے فرض و واجب ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ باقی رہیں اس نظامِ عشر کی عملی تفصیلات، تو نظامِ زکوٰۃ کی طرح وہ بھی سنت نبوی کے نصوص صحابہ کرامؓ کے اجماع اور باقی اُمت کے تعامل سے معلوم کر لینی چاہئیں۔

البتہ اس سلسلے میں ایک ضروری امر پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ قرآن حکیم کے عمومی حکم کے باوصف بعض اموال و اشیاء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ و عشر سے مستثنیٰ بھی کیا ہے۔ مثال کے طور پر گھوڑوں، غلاموں اور سبزیوں کے بارے میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ ان پر زکوٰۃ و عشر واجب نہیں ہے۔ لیکن آج ایسی تمام مستثنیات پر بھی زکوٰۃ و عشر عائد کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ مالِ تجارت کی تعریف میں آجاتے ہوں اور نصاب مقررہ کے مطابق ہوں۔

حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایت ہے کہ:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامرنا ان نخرج الصدقة من الذی نعد للبیع۔"	ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ایسی تمام اشیاء سے زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیتے تھے جن کو ہم لوگ بغرض تجارت استعمال کرتے تھے۔
(السنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ)	

اس حدیث کی رو سے ان گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ عائد ہو سکتی ہے جو تجارت کی غرض سے ہوں اور نصاب کے مطابق ہوں، اور ان تمام پھلوں اور سبزیوں پر بھی عشر عائد ہو گا جو بغرض تجارت ہوں اور ۶۰ مقدار نصاب ہوں۔ پہلے معاملے کے لئے عمر فاروق رضی اللہ عنہ

زکوٰۃ دنیا کی سب سے پہلی اجتماعی خود کفالت

از :- مولانا سید اسعد گیلانی لاہور

دنیا میں سب سے پہلے اسلام نے غربا ء و مساکین اور محرومین کی کفالت کے بارے میں ایک اجتماعی اسکیم تیار کی اور اسے ایک عبادت بنا کر نافذ کیا۔ دین اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے اسے ایک رکن بنایا۔ اسے ادا کرنا ہر صاحب نصاب فرد معاشرہ پر لازم کیا اور خلیفۂ راشد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عمل کے مطابق جو اس کی ادائیگی سے انکار کرے اس کے خلاف اسلامی حکومت کو جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ غرباء و مساکین کا یہ حق جو معاشرے کے متمول اور صاحب ثروت افراد کے ذمے خود خدا کی طرف سے عائد کیا گیا' اس سے سرتابی کی کسی شخص کو جرأت نہ ہو۔ بقول علامہ اقبالؒ اسلام وہ دین ہے جس میں غرباء امراء پر ٹیکس عائد کرتے ہیں اور یہ کوئی بھیک اور خیرات نہیں ہے بلکہ غربا مساکین اور محرومین کا حق ہے جو امرا کے ذمے ہے اور جب تک امرا اس حق کو ادا نہ کریں۔ وہ خدا و رسول اور تمام غربا اور مساکین کے مقروض ہیں۔

اسلام کا یہ رکن واضح طور پر ایک اجتماعی فریضہ ہے اور اسلام کے اقتصادی نظام میں زکوٰۃ کی حیثیت مرکزی اور محوری ہے اس کو نظر انداز کر کے اسلام کے اقتصادی نظام کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔

زکوٰۃ مسلمانوں کے مال پر خدا اور رسول اور غریب مسلمانوں کی طرف سے عائد ہونے والا ایک اجتماعی حق ہے۔ ایک پہلو سے یہ عبادت ہے اس لئے کہ یہ ارکان اسلام میں سے ہے اور ارکان اسلام سب عبادات ہیں۔ اور دوسرے اعتبار سے یہ اجتماعی ٹیکس یا اجتماعی فریضہ ہے جو غریب مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ان کی اجتماعی کفالت کا ذریعہ ہے۔ غرباء کی اجتماعی کفالت ایک ایسا فریضہ ہے جس میں پورے معاشرے کو مجتمع ہو کر شریک ہونا چاہیئے۔ اس کا تصور صرف اسلام نے دیا ہے اس لئے اگر کسی معاشرے کے اندر غربا اور مساکین کی ایک خاص تعداد موجود ہو جو اپنی روزمرہ کی

ضروریات بھی پوری کرنے سے بھی قاصر ہو جو سیدھی سادی جسمانی ضروریات ہیں تو وہ معاشرے کے صحیح ارتقا میں کوئی حصہ نہیں لے سکتے جس کے نتیجے میں وہ معاشرہ صرف حیوانی ضروریات کی فراہمی کے لئے باہمی کشمکش کرنے والا خالص مادی اور حیوانی معاشرہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اور انسان احسن تقویم کے اس مقام سے گر جاتا ہے جو منشائے تخلیق انسانیت ہے۔ اس لئے اسلام کے مخصوص مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے ہم زکوٰۃ کو ایک عبادتی اجتماعی فریضہ قرار دیں گے۔ زکوٰۃ کا نام اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس کے معنی میں طہارت اور ضمیر کی پاکیزگی پوشیدہ ہے جو زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد ادا کرنے والے کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ گویا قلب کی اس صفائی کا نام ہے جو حب ذات اور حرص و بخل سے بلند و بے نیاز ہو جانے پر انسان پر میسر آتی ہے۔ مال تو ہر ایک کو عزیز ہوتا ہے۔ اور اپنی ملکیت ہر ایک کو محبوب ہوتی ہے لیکن انسان یہ مال دوسروں کی خاطر صرف کرے تو اسے پاکیزگی نفس اور طہارت ضمیر حاصل ہوتی ہے۔ اس میں اس کی عبادت مضمر ہے۔ زکوٰۃ مال کی وہ پاکیزگی ہے جو حق مال ادا کرنے اور اس طرح حلال قرار پا جانے کے بعد اسے حاصل ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کا یہی عبادتی پہلو ہے جس کے سبب اسلام کے لطیف احساس نے یہ گوارا نہ کیا کہ اہل ذمہ اور اہل کتاب سے اس عبادت کی ادائیگی کا مطالبہ کرے۔ چنانچہ اس نے اس کے عوض ان پر یہ جزیہ عائد کیا تاکہ وہ اس کے ذریعہ ریاست کے عام اخراجات میں شریک ہو سکیں۔ اور جبراً کسی اسلامی عبادت کے پابند نہ قرار دیے جائیں۔

زکوٰۃ سماج کا ایک حق ہے۔ جو فرد پر واجب ہوتا ہے تاکہ ضرورت مند طبقوں کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ اور ناگزیر ضروریات کے علاوہ کبھی انہیں کچھ سامان زندگی فراہم کیا جا سکے۔ اس طرح اسلام کسی حد تک اپنے اس اصول کو عملی جامہ پہناتا ہے جو آیت کریمہ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ میں بیان ہوا ہے۔ اسلام کو انسانوں کا فقر و احتیاج میں مبتلا رہنا گوارہ نہیں ہے اس نے یہ اصول طے کر دیا ہے کہ فرد اگر استطاعت رکھتا ہو تو اپنی قوت بازو کے بل پر اپنی ضروریات کی تکمیل کا اہتمام کرے اور اگر کسی وجہ سے ایسا نہ کر سکتا ہو تو اسے سماج کے مال میں سے کفاف دیا جائے۔ معذوری کی صورت میں معاشرے کے ذمے اس کا حق کفالت ہے

اسلام کو انسان کا فقر و احتیاج میں مبتلا رہنا کیوں گوارہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ چاہتا ہے کہ انسان کو اس کی مادی ضروریات سے فارغ کر کے ان بلند تر مقامات و منازل کی طرف توجہ کرنے کا موقع

فراہم کرے، جو مقام انسانیت اور اس خصوصی شرف و امتیاز کے شایان شان ہیں۔ جو اللہ نے بنی آدم کو عطا فرمایا ہے۔

"ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور ان کو خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی"۔

(بنی اسرائیل ۷۰)

اللہ نے انسانوں کو یہ بزرگی عقل و جذبات اور جسمانی ضروریات سے بلند تر مقاصد کی طرف روحانی میلانات دے کر عملاً عطا کر دی ہے۔ اب اگر انسانوں کو ضروری سامانِ زندگی اس قدر بھی میسر نہ ہو کہ انہیں روحانی میلانات اور فکری بلند پروازیوں کے لئے کچھ وقت مل سکے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ان کی یہ بزرگی ان سے چھین لی گئی اور وہ جانوروں کے مقام پر واپس چلے گئے بلکہ اس سے بھی نیچے۔ کیوں کہ جانوروں کو تو عموماً کھانے پینے کو مل جاتا ہے بہت سے جانور مست ہو کر کلیلیں کرتے پھرتے ہیں اور کتنی ہی چڑیاں پیٹ بھر لینے کے بعد زندگی کی رعنائیوں پر خوشیاں مناتی اور چہچہاتی پھرتی ہیں پھر انسان اس سے محروم کیوں ہو؟ ایسا شخص جسے اپنے کھانے پینے کی فکر ہی ہر وقت مشغول رکھے وہ کسی بلند مقام انسان کے شایانِ شان افکار و تصورات کیسے رکھ سکتا ہے۔ اگر اسے اتنی فرصت بھی میسر نہ ہو جتنا چرند و پرند کو حاصل ہوتی ہے تو وہ نہ تو انسان کہلانے کا مستحق ہے اور نہ اللہ کے نزدیک شرف امتیاز کا حامل۔ غرض یہ صورت حال کہ آدمی اپنا سارا وقت صرف کر دینے اور ہر ممکن کوشش کر لینے کے باوجود بقدر کفایت و کفالت روزی حاصل نہ کر سکے اس کے حق میں زہر قاتل ہے یہ صورت حال آا اس مقام سے بہت نیچے گرا دیتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے پسند فرمایا ہے۔ یہ صورت حال اس معاشرے کے حق میں بھی مہلک ہے جس کے افراد اس صورت حال میں مبتلا ہوں۔ ایسا معاشرہ ایک پست معاشرہ ہے جو اللہ کی طرف سے ملنے والی عزت و بزرگی کا مستحق نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس نے ارادۂ الٰہی کی خلاف ورزی کی ہے اور انسان کو احسن تقویم کے مقام سے اسفل السافلین میں گرا دیا ہے۔

انسان کو اللہ نے منصب نیابت عطا فرمایا ہے تاکہ وہ اس زمین پر زندگی کی شادابی اور حسن سے لطف اندوز ہو کر ان ساری نعمتوں پر اللہ کا شکر بجا لائے۔ جو اللہ کی عطا کردہ ہیں لیکن اگر کسی انسان کی زندگی بس روٹی کے چکر ہی میں [illegible] مقام کو کبھی حاصل نہ کر سکے گا۔ [illegible]

• اسلام کو یہ بات بہت ناپسند ہے کہ امت مسلمہ کے مختلف افراد کے درمیان اتنا تفاوت پایا جائے کہ کچھ لوگ تو عیش و عشرت کی زندگی گذاریں اور دوسرے لوگ خستہ حال اور پریشان ہوں۔ اور یہ خستہ حالی اور مفلسی۔ فاقہ کشی اور کپڑوں کے بغیر ننگے رہنے کی حد تک جا پہنچے۔ ایسی قوم مسلمان نہیں کہی جا سکتی۔ اللہ کا رسول فرماتا ہے۔

" جس بستی میں کسی شخص نے اس حال میں صبح کی وہ رات بھر بھوکا رہا اس بستی سے اللہ کی حفاظت و نگرانی کا وعدہ ختم ہو جاتا ہے۔" (مسند امام احمد)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ۔

. تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک معتبر نہیں جب تک وہ جو کچھ اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لئے نہ پسند کرے۔ (متفق علیہ)

اسلام امت کے مختلف افراد کے درمیان اتنے زیادہ تفاوت کو کیوں نہیں پسند کرتا؟ اس کا جواب حسد و کینہ کے ان "پر خطر جذبات میں مضمر ہے جو طبقاتی احساس کے نتیجے میں معاشرے کی بنیادیں ہلا دیتے ہیں۔ اس کا جواب اس بے جا امتیاز، حق تلفی" اور سنگ دلی میں پوشیدہ ہے جو قلب و ضمیر کو آلودہ کر دیتے ہیں۔ اتنا تفاوت ہونے کا مطلب ضرورت مندوں کو چوری اور غصب کرتے یا عزت نفس اور خودداری سے ہاتھ دھو کر انتہائی ذلت و خواری میں مبتلا ہو جانے پر مجبور کرتا ہے۔ یہ انسانوں کو پستی کی طرف لے جانے والے عوامل میں سب سے بڑا سبب ہے۔ جن سے اسلام معاشرے کو بچائے رکھنا چاہتا ہے

اسلام نہیں چاہتا کہ دولت مالدار افراد کے درمیان ہی گردش کرتی رہے اور عوام کی اکثریت کو خرچ کرنے کے لئے مال میسر نہ ہو کیوں کہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم کی زندگی ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے اور روزگار اور آمدنی کی سطح گر جاتی ہے۔ اکثر لوگوں کے ہاتھوں میں مال ہوگا تو وہ اسے ضروریات زندگی کی خریداری میں خرچ کریں گے۔ اشیاء کی طلب بڑھے گی۔ پیداوار میں اضافہ ہوگا اور قابل کار افراد کے لئے مکمل روزگار حاصل ہو سکے گا۔ اس طرح محنت، پیدائش دولت اور صرف دولت کا عمل اپنے قدرتی انداز پر جاری رہ کر مفید نتائج سامنے لا سکے گا۔ دولت کی گردش میں ہی معاشرے کی اقتصادی صحت پوشیدہ ہے۔ یہی مقصد زکوٰۃ کا ہے۔ اسلام نے اسے ایک مالی فریضہ قرار دیا ہے۔ یہ محرومین اور مستحقین کا ایک قانونی حق ہے۔ یہ زکوٰۃ نکالنے والوں کا احسان نہیں ہے۔ بلکہ ان کے مال کے تحفظ کی

ضمانت ہے۔ اس کا نصاب اس طرح مقرر کیا گیا ہے کہ سارے مال دار لوگ اس کی ادائیگی میں شریک ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ مد جس سے کم مال پر زکوٰۃ نہیں عائد ہوتی۔ صرف بیس مثقال سونا ہے۔ جو ہمارے سکہ میں تیس پاؤنڈ کے برابر ہے البتہ شرط یہ ہے کہ مالک مقروض نہ ہو۔ یہ رقم ضروریات کے علاوہ اس کے پاس فاضل بچ رہی ہو۔ اور اس پر پورا ایک سال گزر چکا ہو۔ ظاہر ہے کہ جو آدمی خود ہی زکوٰۃ کا مستحق ہو اس سے زکوٰۃ ادا کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ عشر یا دوسرے الفاظ میں زرعی پیداوار اور پھلوں کی زکاۃ فصل کے موسم میں وصول کی جاتی ہے اور فصل تیار ہونے پر واجب ہو جاتی ہے۔ سامان تجارت کی زکوٰۃ سونے یا چاندی میں اس کی جو قیمت آتی ہے، اس کے حساب سے لی جاتی ہے۔ مویشیوں کی زکوٰۃ کی شرحیں بھی مقرر ہیں اور ان میں وہی تناسب ملحوظ رکھا گیا ہے جو نقد سرمایہ کی زکوٰۃ میں پایا جاتا ہے (یعنی چالیسواں حصہ) یہی حال زکوٰۃ کی دوسری اقسام کا ہے۔

مستحقین زکوٰۃ

اسلام نے معاشرے کے حاجتمند حضرات کو چن چن کر اس مال کا مستحق قرار دیا ہے۔ قرآن کریم کی صراحت کے بموجب مال زکوٰۃ کے مستحق یہ لوگ ہیں۔

۱۔ فقراء

یہ وہ لوگ ہیں جو نصاب سے کم مال رکھتے ہیں۔ یا اگر صاحب نصاب ہیں تو اتنے مقروض ہیں کہ قرضہ وضع کرنے کے بعد صاحب نصاب نہیں رہ جاتے اسلام چاہتا ہے کہ ہر فرد کو جہاں تک ممکن ہو سامان دنیا سے مستفید ہونے کی خاطر قدر کفایت سے کچھ زیادہ بھی حاصل ہو۔

۲۔ مساکین

وہ لوگ جن کے پاس کچھ نہ ہو۔ قدرتی طور پر یہ لوگ فقراء سے زیادہ مستحق ہیں لیکن احکام مستحقین میں فقراء کے ذکر کو دوسروں پر مقدم رکھنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ فقراء کے پاس جو تھوڑا مال ہوتا ہے وہ کافی نہیں اور ان کا حال بھی گویا مساکین جیسا ہی ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اسلام بقدر ضرورت کفالت کی فراہمی پر قانع نہیں ہے وہ اس سے کچھ زیادہ فراہم کرنا چاہتا ہے۔

۳۔ عاملین زکوٰۃ

یہ وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کی تحصیل عمل میں لاتے ہیں ان کو ان کے کام کے معاوضہ کے طور پر جو کچھ دیا جاتا ہے۔ وہ ظاہر ہے کہ اسی مد میں سے
[illegible]

نظام محنت و اجرت سے ہے۔ نہ کہ ضروریات کی تکمیل سے یہ کفالت نہیں ہے فراہمی زکوٰۃ کے فریضے اور ادائیگی کارکردگی کی اجرت ہے

۴۔ مؤلفۃ القلوب یہ وہ لوگ ہیں جو ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوتے ہوئے ہوں ان کو مال دے کر ان کی ہمت افزائی کرنا اور نئے حالات میں ان کو سہارا دینا اور ان جیسے دوسرے لوگوں کو اسلام کی طرف لانا مقصود ہوتا ہے۔ اگرچہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں اس مصرف پر خرچ کرنا بند کر دیا گیا تھا[1]۔ لیکن چونکہ قرآن کی ایک آیت کی موجودگی میں حضرت عمرؓ اور دوسرے فقہا اس سلسلہ میں تصرف کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے اس لئے ضرورت کے مطابق یہ مد ہر دور میں استعمال کی جا سکتی ہے۔

۵۔ گردنیں چھڑانے میں (قیدیوں اور غلاموں کی) اس سے مراد ان مکاتب غلاموں کی مالی امداد ہے جو اپنے آقاؤں سے ایک متعین رقم کے عوض آزادی حاصل کر لینے کا معاہدہ کر لیں تاکہ وہ اپنا مقصد حاصل کر سکیں۔ قیدیوں کے لئے بھی یہ رقم صرف کی جا سکتی ہے اور بے گناہ قیدیوں کی رہائی یا ان کے قرضوں کی ادائیگی کے کام آ سکتی ہے۔

قرض دار وہ لوگ جن کی پونجی سے کہیں زیادہ قرض ہو ان کا قرض ادا کرنے میں مدد کرنے کے لئے البتہ شرط یہ ہے کہ وہ قرض کسی گناہ کے کام کے لئے نہ لیا گیا ہو۔ مثلاً عیش پرستی وغیرہ۔ ان کو زکوٰۃ سے حصہ دینا ایک طرف تو قرض سے نجات کا ذریعہ بنے گا۔ دوسری طرف ان کو صاف ستھری باعزت زندگی بسر کرنے کا موقع مہیا کرے گا۔

۷۔ فی سبیل اللہ یہ ایک عام مد ہے جس کی عملی شکلیں حالات ہی متعین کر سکتے ہیں۔ مجاہدین کی تیاری، بیماروں کا علاج جو لوگ خود سے تعلیم نہ حاصل کر سکتے ہوں، ان کی تعلیم کا بندوبست۔ غرض یہ کہ وہ سارے کام جو مصالح مسلمین کی خاطر مفید اور ضروری ہوں حتیٰ کی تبلیغ دین اور اشاعت دین کے کام بھی اس مد کے تحت آجاتے ہیں[2]۔

۸۔ مسافر وہ شخص جو غریب الوطنی کے باعث اپنے مال سے فائدہ نہ اٹھا سکتا ہو

[1] یہ ایک عام غلط فہمی ہے جسے مضمون نگار نے دہرایا ہے اس کی تردید کے لئے مرتب کی کتاب اجتہاد و تبدیلی احکام دیکھنی چاہئے (مرتب رسالہ)
[2] اس میں اتنی وسعت دینی صحیح نہیں ہے۔

اور اس وقت اس کا ہاتھ خالی ہو۔ اس تعریف کے تحت آج کل کے مہاجرین بھی آجاتے ہیں۔ جو جنگ غارت گری اور ظلم و جبر کے باعث بے گھر جاتے ہیں۔ جو کچھ مال و دولت ان کے پاس تھا وہ وہیں چھوٹ گیا اور اب ان کے لئے اس سے استفادہ ممکن نہیں رہ جاتا واضح رہے کہ اسلام ان مستحقین کو زکوٰۃ میں سے حصہ پانے کا حق اسی وقت دیتا ہے جب کہ کسب مال کی کوشش کے باوجود ان کا کام نہ چلے۔ اس پالیسی کی وجہ یہ ہے کہ اسلام عزت نفس اور خودداری کو سب سے اہم چیز سمجھتا ہے اس لئے وہ اس کا اہتمام کرتا ہے کہ ہر فرد کو روزی کا ایک ایسا ذریعہ حاصل رہے جو اس کے اپنے اختیار میں ہو اور جس کے سلسلہ میں وہ کسی کا بھی یہاں تک کہ معاشرے کا بھی، محتاج اور دست نگر بننے پر مجبور نہ ہو۔ اسی لئے وہ لوگوں کو ترغیب دلاتا ہے کہ محنت کریں اور اس طرح مدد لینے سے مستغنی ہو جائیں۔ اسی لئے اس نے حکومت اور معاشرے کی اولین ذمہ داری یہ قرار دی ہے کہ ہر فرد کے لئے روزگار فراہم کرے۔ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگنے آیا۔ آپ نے اسے ایک درہم عنایت فرمایا کہ اس سے ایک رسی خرید لے جنگل سے لکڑیاں چنے اور انہیں باندھ کر لے آئے اور اس طرح اپنی قوت بازو کی کمائی پر گذر بسر کرے۔

زکوٰۃ کی رقم سے دی جانے والی امداد آخری اجتماعی بچاؤ ہے۔ یہ درحقیقت ایسے افراد کے لئے معاشرتی تحفظ ہے جو باوجود کوشش کے کچھ نہ کما سکیں یا ضرورت سے کم یا بقدر ضرورت ہی حاصل کر سکیں زکوٰۃ کے ذریعہ یہ مقصد بھی حاصل کیا جاتا ہے کہ دولت تمام افراد معاشرہ کے درمیان گردش کرتی رہے تاکہ پیداوار محنت اور صرف کے درمیان سرمایہ کی گردش موزوں طریقہ پر انجام پاتی رہے۔ اسلام بیک وقت معاملہ کے دونوں پہلوؤں کی رعایت ملحوظ رکھتا ہے ایک طرف تو اس کی یہ خواہش ہے کہ ہر فرد اپنی طاقت بھر کام کرے اور اجتماعی امداد کا سہارا لے کر بے کار وقت گذاری نہ کرے۔ اور دوسری طرف وہ اس بات کا لحاظ رکھتا ہے کہ ضرورت مند کو بقدر ضرورت مدد دے کر ضروریات حیات کا بوجھ اس کے سر سے ہلکا کر دیا جائے اور اسے ایک صاف ستھری اطمینان و سکون کی زندگی بسر کرنے کے مواقع فراہم کر دیئے جائیں۔ ساتھ ہی وہ اس کے ذریعہ سرمایہ کے موزوں طریقہ پر گردش کرتے رہنے کا اہتمام بھی کرتا ہے تاکہ مال معاشرے کے ہر گوشے تک پہنچ سکے۔

اصل اہمیت اس نظام زکوٰۃ کے ڈھانچہ کو حاصل نہیں ہے بلکہ اہم چیز اس نظام کی خود کفالتی کی روح ہے۔ اسلام اپنی تلقین و ترغیب، اپنے قوانین اور اپنے اجتماعی ضوابط کے ذریعہ جو معاشرہ برپا

کرتا ہے وہ اس نظام کے ڈھانچے اور اس کے طریقہ نفاذ سے مزاجی مناسبت رکھتا ہے۔ وہ قوانین اور ترغیبات سے مل کر تکمیل پاتا ہے۔ اس میں کفالت باہمی تعاون سے بھی جنم لیتی ہے اور ظاہری قوانین کے ذریعہ بھی عمل میں آتی ہے دونوں طریقے ایک دوسرے کی کمی پوری کرتے اور ہم آہنگ ہو جاتے ہیں کفالت باہمی کا یہ نظام جن بنیادی اصولوں پر استوار ہوتا ہے وہ یہ ہیں۔

۱۔ ۱۔ انسان زمین پر خدا کا نائب اور خلیفہ ہے وہ خود کسی شے کا فی نفسہٖ مالک نہیں ہے اس لئے کہ وہ اس کا خالق نہیں ہے دنیا کا نظام ملکیت دراصل نظام نیابت ہے اس لئے کہ زمین کے جملہ وسائل کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اس لئے انسان پر لازم ہے کہ وہ خدا کی اس ملکیت میں خدا کی شریعت کے مطابق تصرف کرے اس شرط کی خلاف ورزی سے تصرف کا حق کالعدم ہو جاتا ہے اور نیابت کے معاہدہ کی خلاف ورزی ہو جاتی ہے۔

۲۔ یوں تو یہ نیابت عام ہے البتہ افراد کو ان کے عمل اور محنت کے عوض انفرادی ملکیت کا حق حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ حقیقی مالک اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے انہیں بعض متعین املاک کا مالک بنا دیا ہے پھر اس حق کو وہ عام تحفظات عطا کرتا ہے جن کے نتیجے میں فرد کو اپنی روزی کی طرف سے اطمینان حاصل ہو جائے اور وہ باعزت طریقہ پر زندگی گزار سکے۔ تاکہ وہ شریعت الٰہی کے نفاذ کے سلسلہ میں جدوجہد نگرانی اور احتساب کی وہ ذمہ داری بھی ادا کر سکے جو اس پر عائد کی گئی ہے۔

۳۔ امت مسلمہ کی زندگی کا بنیادی طریقہ انفرادی ملکیت کے اصول کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے کفالت باہمی ہے انفرادی ملکیت پر عائد ہونے والی جن ذمہ داریوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس اصول کفالت باہمی کا تقاضا ہیں ان حدود کو شریعت نے واضح کر دیا ہے کفالت باہمی پر عمل کے لئے شریعت کی عائد کردہ پابندیاں اور ذمہ داریاں کافی ہیں۔

۴۔ اس نظام کے ذریعے اس سے کہیں زیادہ اور بہتر اجتماعی عدل قائم ہوتا ہے جتنا انسان کے وضع کردہ کسی دوسرے نظام کے ذریعہ ممکن ہے جس میں صحیح اور غلط دونوں طریقوں کی آمیزش ہوتی ہے۔

غرض جب ہم اسلام کے نظام زکوٰۃ کی خودکفالتی اسکیم کو دیکھتے ہیں تو اس سے ہمارے سامنے اس کا یہ منشا ہوتا ہے کہ انسانوں میں مال کی کمی کے سبب ذلت و رسوائی کا احساس اور زیادتی کے سبب غرور کبریائی کی رعونت نہ پیدا ہونے پائے اسلامی معاشرے میں یہ روح کارفرما ہے۔

- انسان ہونے کے ناطے سے سب انسان ایک ہی والدین کی اولاد ہیں۔
- مسلمان ہونے کے رشتے سے سب برابر اور بھائی ہیں۔
- مال کی کمی بیشی کسی ذاتی زوال وکمال کی دلیل نہیں بلکہ خدا کی تقسیم کردہ معیشت میں بندوں کا پرچۂ امتحان ہے احساس ذمہ داری کا امتحان، اجتماعی اخوت کا امتحان، خدا کے بندوں تک ان کا گم شدہ حصۂ رزق پہنچانے کی دیانت کا امتحان اور یہ امتحان کہ کمی پر صبر کرنے والے اور بیشی پر شکر کرنے والے اور ان دونوں جذبوں کا حق کرنے والے کون لوگ ہیں؟

غرض اسلام کا نظام زکوٰۃ طبقاتی احساسات مٹا کر اخوت و مساوات کا ماحول بناتا ہے۔ اس مساوات کے بہترین نمونے ہمارے سامنے دور اول کے آتے ہیں۔ رسول اکرمؐ نے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کی شادی جو قریش کے ہاشمی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، اپنے آزاد کردہ غلام زید کے ساتھ کر دی۔ شادی ایک ایسا نازک مسئلہ ہے جس میں برابری کا سوال دوسرے سوالات سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ رسول اکرمؐ کے سوا کسی دوسرے شخص یا دین اسلام کے سوا کسی دوسری قوت کے بس میں نہ تھا ایسا معجزہ کر دکھائے جو آج بھی ممالک اسلامیہ کے سوا کہیں اور دیکھنا ممکن نہیں ہے۔ ممالک متحدہ امریکہ میں غلامی قانوناً ممنوع ہے لیکن کسی نیگرو کے لئے کسی گوری نسل کی عورت کے ساتھ خواہ وہ کتنی ہی گئی گزری ہو، شادی کرنا آج بھی ممنوع ہے۔ یہی نہیں بلکہ نیگرو کا پبلک بسوں اور دوسری سواریوں میں گوروں کے پہلو میں بیٹھنا یا اُن کے ساتھ ریستوران یا تھیٹر میں جانا، یا کسی سرائے یا ہوٹل میں ٹھہرنا بھی آج بھی ممنوع ہے۔

ہجرت کے اولین دور میں جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ کرائی تو ان کے آزاد کردہ غلام زیدؓ اور ان کے چچا حمزہ بھائی بھائی قرار دیئے گئے اور حضرت خالدؓ اور حضرت بلالؓ کے درمیان مواخاۃ ہوئی۔ یہ بھائی چارہ خونی رشتہ کے برابر تھا۔ جان و مال اور زندگی کے سارے ہی معاملات میں ان کے درمیان قرابت داری قائم ہوگئی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصل بحق ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ جیش اسامہ کی روانگی پر اصرار کیا تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کئے ہوئے کمانڈر کو ہی باقی رکھا آپ ان کو رخصت کرنے

اس حال میں مدینہ کے باہر تک گئے۔ اسامہؓ سواری پر تھے اور خلیفۃ المسلمین ابو بکرؓ پیدل چل رہے تھے
پھر حضرت ابوبکرؓ کو یہ خیال آیا کہ ان کو حضرت عمرؓ کی ضرورت پڑے گی خصوصاً اب جب کہ خلافت کا بار
ان کے کندھوں پر آن پڑا تھا۔ مشکل یہ تھی عمرؓ جیش اسامہؓ کے ایک سپاہی تھے۔ چونکہ اس کے امیر اسامہؓ
تھے لہذا ضروری تھا کہ ان سے اجازت حاصل کی جائے۔ چنانچہ خلیفۃ المسلمین نے کہا اگر آپ مناسب سمجھیں
تو عمرؓ کو میری مدد کے لئے چھوڑ جائیں۔

اللہ اللہ یہ مقامات کتنے بلند ہیں۔ اتنے بلند کہ الفاظ ان تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ اسلامی معاشرہ
ایک ہمہ گیر اجتماعی عدل کا نظام ہے۔ اس میں معذور و ذی استطاعت اور غریب امیر سب کے درمیان باہمی
تعاون موجود ہوتا ہے مسلمانوں کی تاریخ اس پر گواہ ہے۔

۱۔ اسلام لاتے وقت حضرت ابوبکرؓ کے پاس تجارتی کاروبار کی آمدنی سے چالیس ہزار درہم جمع تھے۔
اسلام کے بعد انہوں نے تجارت کے ذریعے کافی نفع کمایا۔ مگر جس دن انہوں نے اپنے رفیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے ہمراہ مدینہ کو ہجرت کی ہے اس دن ان کی پونجی میں سے صرف پانچ ہزار درہم باقی رہ گئے تھے۔ یہ
سارا سرمایہ ان کمزور مسلمانوں کا فدیہ ادا کرنے میں صرف کر چکے تھے جو غلام تھے اور جنہیں اپنے آقاؤں کے
ہاتھ ہر طرح کا عذاب سہنا ہوتا تھا۔ اس مال میں سے وہ فقرا اور مساکین کی امداد بھی کرتے تھے۔

خلافت سے قبل حضرت عثمانؓ کے پاس شام سے ایک تجارتی قافلہ آیا۔ جو گیہوں، روغن زیتون اور
منقیٰ سے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا۔ قحط کا زمانہ تھا بہت سے تاجر آپ کے پاس آئے
کہا کہ آپ لوگوں کی ضرورت مندی سے بخوبی واقف ہیں۔ یہ مال ہمارے ہاتھ فروخت کر دیجئے۔ بڑی
خوشی کے ساتھ۔ یہ بتاؤ کہ مجھے قیمت خرید پر کتنا نفع دو گے۔ تاجروں نے کہا کہ دوگنے دام لے لیجئے۔ آپ
نے فرمایا کہ مجھے تو اس سے زیادہ کی پیش کش کی جا چکی ہے وہ لوگ حیران ہو کر کہنے لگے۔ اے ابو عمرو۔ مدینہ
کے سارے تاجر تو اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ کوئی دوسرا آدمی بھی ہم سے پہلے آپ سے
نہیں ملا آخر یہ کون ہے۔ جس نے آپ کو یہ پیش کش کی ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے ایک کے دس
دینے کا وعدہ کیا ہے۔ کیا تم اس سے زیادہ دے سکتے ہو۔ انہوں نے کہا: نہیں۔ عثمانؓ نے اللہ کو
گواہ ٹھہرا کر اعلان کر دیا کہ اس قافلہ کا سارا مال اللہ کی راہ میں فقرا اور مساکین کے لئے صدقہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے گھر والوں کے پاس ایک دن ستو کی بنی ہوئی تین روٹیوں کا

سوا کچھ نہ تھا۔ یہ روٹیاں انہوں نے ایک مسکین ایک یتیم اور ایک قیدی کو صدقہ کو دیں مسکین یتیم اور قیدی شکم سیر ہوگئے اور یہ خود فاقہ کر کے سو رہے۔

حضرت حسینؓ پر قرض کا بار بہت بڑھ گیا تھا۔ ایک چشمہ آپ کی ملک تھا۔ جسے فروخت کر کے آپ قرض اتار سکتے تھے لیکن آپ اس لئے اسے نہیں فروخت کرتے تھے کہ اس سے غریب مسلمان سینچائی کا کام لیتے تھے مدینہ میں انصار نے مہاجرین کو اپنے مال اور مکان ہر چیز میں شریک ٹھہرا لیا۔ ان کو اپنا بھائی بنالیا۔ ان کی طرف سے دیت ادا کی۔ ان کے قیدیوں فدیہ دیا غرض یہ کہ اُن کو بالکل اپنا بنالیا۔

حضرت عمرؓ فاروق نے بیت المال سے بچوں، بوڑھوں اور بیماروں کے لئے وظائف مقرر کئے یہ وظائف زکوٰۃ کے معروف مصارف کے علاوہ تھے اپنی نوعیت کے اعتبار سے اسے اس دور کے لئے سماجی تحفظ کا نظام قرار دیا جا سکتا ہے۔ آپ نے قحط کے دوران چوری کی سزا معطل کر دی تھی کیونکہ اس بات کا شبہ موجود تھا۔ کہ چوری پر بھوک نے مجبور کر دیا ہو۔ اسلام نے شبہ کی بنا پر حدود ٹال دی جاتی ہیں ظاہر ہے کہ یہ واقعہ اجتماعی کفالت کی عملی مثالوں میں ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔

ایک صحابی کے غلاموں نے ایک آدمی کی اونٹنی چرالی۔ ان کے اعتراف پر حضرت عمرؓ نے اُن کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا لیکن جب ہاتھ کاٹنے کے لئے ان کو لے کر چلے تو آپؓ نے ان کو روک لیا۔ اور صحابی سے فرمایا سنو۔ خدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ تم ان غلاموں سے کام تو خوب لیتے ہو لیکن انھیں بھوکا رکھتے ہو۔ اور وہ اس حال کو پہنچ گئے ہیں کہ جس میں کوئی شخص حرام کھائے تو بھی اس کے لئے جائز ہو۔ پھر آپ نے اس صحابی سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ خدا کی قسم میں ان کا ہاتھ نہیں کاٹوں گا۔ مگر تیرے اوپر تاوان عائد کروں گا۔ پھر آپ نے اونٹنی کے مالک سے اس کے دام معلوم کئے! اس نے کہا چار سو درہم حضرت عمرؓ نے صحابی سے کہا۔ جاؤ اور اسے آٹھ سو ادا کرو"۔ اور پھر آپ نے چوری کے مجرم غلاموں کو سزا معاف کر دی۔ کیونکہ اُن کے آقا نے انہیں بھوکا رکھ کر چوری کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور وہ محتاج ہوگئے تھے۔ اسلام کی

اسلام کی تاریخ میں اجتماعی کفالت کی شان کو جو چیز دوبالا کرتی ہے وہ اس کا اسلامی دائرہ سے نکل کر پوری انسانیت کے لئے عام ہونا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے نابینا کو ایک دروازے پر بھیک [illegible] پوچھا تمہیں کس چیز نے اس

حالت تک پہنچا دیا۔ اس نے جواب دیا جزیہ ضرورت اور بڑھاپا حضرت عمرؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور اتنا کچھ دیا جو اس کی ضروریات کے لئے بہت کافی تھا۔ پھر آپ نے بیت المال کے خزانچی کو کہلا بھیجا اس شخص اور اس جیسے دوسرے اشخاص کی طرف توجہ کی جائے۔ خدا تعالیٰ کی قسم یہ انصاف کی بات نہیں ہے کہ ہم اس کی جوانی (کی کمائی) کھائیں اور بڑھاپے میں اسے دھتکار دیں۔ زکوٰۃ فقرا اور مساکین کے لئے ہے اور یہ اہل کتاب کے مساکین میں سے ہے۔ آپ نے اس فرد اور اس جیسے دوسرے افراد کو جزیہ سے بری قرار دے دیا۔ اور ان کا وظیفہ مقرر کرایا۔

غرض یہ کہ خود کفالتی کی یہ اسکیم ایسی تھی جس نے انسانیت کو بلند مقام پر پہنچا دیا اسلام نے سماجی تحفظ کو ایک انسانی حق قرار دے دیا جو کسی مخصوص مذہب یا فرقہ کے ساتھ بھی مشروط نہ تھا۔ خود کفالتی کے اس عمل پر اس بات کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ کہ محتاج کا عقیدہ کیا ہے۔ اور وہ کس شریعت کا پابند ہے۔ یہ وہ مقام بلند ہے جس کی طرف اقدام میں آج انسانیت کے قدم تھک چکے ہیں اور وہ اب بھی اس سے بہت دور ہے۔ انسانیت کو اس مقام تک صرف اسلام ہی پہنچا سکتا ہے۔

بقیہ: الرشاد کی ڈاک

محترمی و مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۱۹-۲-۹۰

عرصہ سے سوچ رہا تھا کہ آپ کو خط لکھوں لیکن عدیم الفرصتی کے باعث نہ لکھ سکا۔ میں ماہنامہ الرشاد سے بہت دلچسپی رکھتا ہوں اور ہر ماہ مجھے تلاش کر کے پڑھنا پڑتا ہے اور یہ پرچہ مجھے بہت پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ الرشاد کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور آپ کو اجر عظیم دے۔ میں اس کا خریدار بننا چاہتا ہوں۔ مگر افسوس کہ میں سوچتا ہوں کہ اس ماہ چندہ بھیج دوں مگر ہر بار پیسے نہیں بچ پاتے ہیں۔ میں یہاں کی ایک مقامی درسگاہ میں تعلیم و تدریس کی خدمت انجام دے رہا ہوں لیکن قلیل تنخواہ اجازت نہیں دیتی کہ میں چندہ روانہ کروں۔ براہِ کرم اگر آپ میرے نام ایک رسالہ جاری کر دیں تو آپ کا مشکور ہوں گا۔ اور جب بھی میرے پاس پیسے ہوئے تو کوشش کروں گا کہ بھیج دوں۔ اور میں یہ بھی کوشش کروں گا کہ خریدار زیادہ سے زیادہ بن جائے۔

امید ہے کہ میرے اس جذبے کو جلا بخشیں گے۔ اور مجھے مایوس نہیں کرینگے۔

الرشاد کی ڈاک

محترم المقام مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب

السلام علیکم

خدا کرے آپ بخیر ہوں اور ہمیشہ خیر و عافیت سے رہیں، دسمبر ۱۹۸۹ء کا جامعۃ الرشاد پڑھا، رشحات نہایت حقیقت پسندانہ ہے، تحریری و تقریری جہاد کرنے والوں میں ہندوستان میں کئی لوگ ملیں گے۔ مولانا علی میاں ندوی، ڈاکٹر اشتیاق قریشی، سید شہاب الدین صاحب مولانا عبید اللہ اعظمی نشیمن ہفت روزہ وغیرہ۔ لیکن ہندوستان گیر پیمانے پر قیادت کا نہ ابھر سکنا افسوسناک ہے۔ علاقائی قیادتیں کہیں نظر آرہی ہے۔ علاقائی قیادتوں کو منظم کرکے ملکی قیادت کا ابھرنا ممکن ہے لیکن خلوص کی کمی نے خلوص کا سبق پڑھنے پڑھانے والوں میں کوئی کام ہونے نہیں دیا اگر ملکی قیادت فی الحال دشوار ہو (ناممکن نہیں) تو علاقائی قیادتوں کو متحد کرنے کے لئے بے لوث افراد کو فوری سعی کرنی چاہئے وقت تیزی سے گزرا جارہا ہے اور ملت کی پریشانیوں میں ہر روز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ کانگریس کا دور حکومت خاص کر اندرا، سنجے، راجیو کا دور ملت پر ظلم و ستم کے معاملے میں ہٹلر کو بھی شرمندہ کرتا ہے اب وقتی طور پر عافیت ہے یہ ظالم حکومت میں نہ رہنے کی وجہ سے صرف کمزور ہوا ہے لیکن ریشہ دوانیوں اور ظالموں کا ساتھ دینے کی طاقت اب بھی بہت ہے، آج ملت کو پہلے خدا اعتمادی پھر خود اعتمادی کی سخت ضرورت ہے لیکن رسمی نہیں بلکہ عمل کی ضرورت ہے، اللہ پاک نے جس کلام پاک میں اقیموا الصلوۃ و اٰتوا الزکوٰۃ فرمایا اسی میں واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ بھی فرمایا، آج دفاع کا مسئلہ ملت کے لئے پہلا مسئلہ ہے آپ نے مشترکہ لائحہ عمل طے کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے تین ماہ ہونے کو ہے

کیا پیش رفت ہوئی ہے مناسب سمجھیں تو مطلع کریں میرا ممکن تعاون للہ حاضر رہیگا۔

فقط والسلام

ایس۔ اے انصاری

گودھرا۔ گجرات

۱۵-۲-۹۰

مخدومی و معظمی جناب حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

مزاج گرامی!

حضرت والا کا گرامی نامہ موصول ہو کر بیحد حوصلہ افزائی کا باعث ہوا ہے خط سے رسالہ الرشاد اور مندرجہ ذیل کتابیں ڈاک سے موصول ہوئیں۔ حضرت والا کی اس توجہ فرمائی و حوصلہ افزائی کے ہم خدام مدرسہ بیحد ممنون و مشکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی صحت و عافیت اور آپ کی سرپرستی و توجہ فرمائی کو تادیر قائم و دائم رکھے اور بیحد قبول فرمائے۔ انشاءاللہ حسب حکم پہلی فرصت میں مسجد کا کام شروع کر دیا جائے گا۔ اگرچہ ابھی ظاہرہ کوئی انتظام نہیں ہے لیکن حضرت والا کا یہ فرمانا بجا ہے کہ جب کام شروع ہوگا تو اللہ تعالیٰ انتظام فرمائیں گے۔ اس سلسلہ میں مسجد کے لئے آپ کی پیش کش مزید ڈھارس کا باعث ہوئی۔ اسلامی تعلیم حصہ اول تا چہارم نصاب میں داخل کرنے کے لائق ہے۔ ہم نے طے کر لیا ہے کہ درجہ حفظ میں خصوصیت سے جماعت وار یہ کتاب پڑھائی جائے گی۔ اس سے پہلے اسلامی فقہ ندوۃ کتب خانہ سے لایا تھا۔ اور مزید آپ کی کتابیں اپنے کتب خانہ میں رکھنا چاہتا ہوں۔ ہمارے یہاں کتب خانہ کے لئے آپ توجہ فرمائیں گے۔ حضرت والا کی اسی طرح سرپرستی رہی تو انشاءاللہ مدرسہ ترقی کرے گا اور یہاں اس ماحول میں ان میں اصلاحی کام اچھا ہوگا۔ حضرت والا کی صحت و عافیت کے لئے ہم خدام مدرسہ دعا کرتے ہیں اور خیر و برکت کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

فقط والسلام

(حافظ) محمد خلیل، خادم مدرسہ ہذا

۲۴ ذی الحجہ سنہ ۱۴۱۰ھ

المدرسۃ الاسلامیہ للتربیۃ والتعلیم

جامعۃ الرشاد۔ اعظم گڈھ۔

اس نام سے محترم شیخ سعید بن احمد آل لوتاہ صاحب نے دبئی میں ایک ادارہ قائم کیا ہے جس کی مجلس انتظامیہ میں ممتاز اہل علم کے ساتھ عبدالرحمن بن راشد خلیفہ اور ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف وغیرہ بھی شامل ہیں، وہ پچھلے سال ہماری دعوت پر اعظم گڈھ تشریف لائے تھے، اس موقع پر انہوں نے اس کی ایک شاخ جامعۃ الرشاد کی نگرانی میں قائم کرنے کی منظوری دی تھی ان کے پیش نظر ہے کہ اس کیلئے ایک وسیع زمین خریدی جائے اور اسی پر اس کے لئے عمارت بنائی جائے، زمین کا انتظام تو ہوگیا مگر عمارت کی تعمیر میں ابھی وقت لگے گا، ان کی خواہش ہے کہ یہ کام فی الحال کسی بھی عارضی عمارت میں شروع کردیا جائے، انشاء اللہ ایک سال بعد یہ نئی عمارت میں منتقل ہوجائیگا، اس بنا پر اس کام کو جامعۃ الرشاد کے انڈر گراونڈ ہال میں جولائی ۱۹۹۰ء سے شروع کیا جارہا ہے۔ اس مدرسہ میں چھ برس کے ساٹھ بچے داخل ہوں گے اور پندرہ برس کی عمر تک انھیں یہاں سے فارغ کردیا جائے گا، اگر کوئی بچہ اردو، انگریزی اور حساب وغیرہ کسی نرسری اسکول میں پڑھا ہوگا تو ٹسٹ کے بعد اسے دوسرے درجہ میں بھی داخل کیا جاسکتا ہے۔

یہ کل نو برس کا کورس ہوگا جسمیں چار برس بنیادی تعلیم دی جائیگی ایک سال تعلیم کے ساتھ اس کا رجحان دیکھا جائے گا اور پھر چار برس تعلیم کے ساتھ اس کے رجحان کے مطابق اس کو کوئی نہ کوئی ٹیکنیکل تعلیم دی جائے گی، انگریزی عربی ٹائپنگ اور کمپیوٹر سسٹم کی تعلیم ہر لڑکے کے لئے لازمی ہوگی اور دوسری چھوٹی چھوٹی صنعتیں اس کے رجحان کے اعتبار سے سکھائی جائیں گی۔

اس ادارہ کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ سن بلوغ کے بعد بچہ باپ کے اوپر بوجھ نہ بنے، بلکہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہوجائے، اسی لئے انہوں نے تعلیم سے پہلے تربیت کا لفظ رکھا ہے۔ اس میں ہر لڑکے کو دارالاقامہ میں رہنا ضروری ہوگا اور کھانے ناشتہ کی فیس کے علاوہ تعلیمی فیس پچاس روپے ماہوار ہوگی، جو لڑکا جو ہنر سیکھے گا اس کی مشین وغیرہ کے انتظام کے سلسلہ میں ادارہ بھرپور تعاون کرے گا۔

جامعة الطیبات

بچیوں کے لئے قدیم وجدید تعلیم کا بہترین مرکز

آج سے پچاس برس پہلے تک ماں کی گود، ہمارا گھر اور ہمارا ماحول بچوں کی دینی نشو ونما کے لئے کافی ہوتا تھا مگر اب جدید تہذیب وتمدن اور مادیت کے اثر سے بچوں کے ساتھ بچیوں کی اعلیٰ دنیاوی تعلیم کی جو وبا پھیل گئی ہے اس کی وجہ سے ہمارے گھروں سے نہ یہ کہ دینی فضا ختم ہوتی جارہی ہے بلکہ اس کی جگہ نہایت سطحی اور گندی فضا پیدا ہورہی ہے، اب لڑکیاں گھر کی ملکہ بننے اور اس کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بجائے بازار جیسی سطحی اور نمود ونمائش کی زندگی زیادہ پسند کرنے لگی ہیں اور والدین اس میں معاون بن رہے ہیں، جدید اسکولوں کا ماحول اور اس کی تعلیم ایک طرف تو ان کو گھریلو زندگی کے قابل نہیں رکھتی، تو دوسری طرف ان کی دینی واخلاقی حس اور شرم وحیا بھی چھین لیتی ہے اگر خدانخواستہ ہم نے اس طرف جلد توجہ نہ کی تو اس کے نتائج بڑے ہولناک نکلیں گے، ہماری صد ہا دینی اور تہذیبی قدریں محض عورتوں کی وجہ سے محفوظ تھیں، اگر ان قلعوں میں بھی شگاف پڑ گیا تو پھر ہمیں الحاد وبے دینی سے نہ تو مدرسوں کی فضا بچا سکتی ہے اور نہ وعظ وتلقین کی مجلسیں آج یہ حال ہو گیا ہے کہ ہماری لڑکیاں اردو زبان میں خط وکتابت تک نہیں کر سکتیں ظاہر ہے کہ جب وہ اردو زبان سے بیگانہ ہیں تو پھر قرآن پاک کے الفاظ سے کیسے دلچسپی پیدا ہو سکتی ہے، کیا ہمارے لئے یہ غیرت کی بات نہیں ہے کہ ایک ہزار برس تک مسلمانوں کے زیر اثر رہتے ہوئے ہندو عورتوں نے اپنی تہذیب وزبان نہیں چھوڑی اور ہماری عورتیں تیس چالیس برس میں اپنی زبان وتہذیب سے بیگانہ ہوتی جارہی ہیں۔ اس وقت بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لئے ملک میں ابتدائی، ثانوی، اعلیٰ ہر طرح کی درسگاہیں موجود ہیں مگر یہ افسوسناک بات ہے کہ چند سال پہلے تک پورے ہندوستان میں بچیوں کی اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے بہت کم جگہوں پر انتظام تھا، اب ادھر اس طرف کسی قدر توجہ ہوئی ہے مگر ابھی مرکزی

مقام پر بچیوں کی ایک اعلیٰ درسگاہ کی ضرورت ہے۔ گو اس کام میں بڑی ذمہ داریاں اور بڑا مسائل ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمان نسل کے دین و ایمان کا بقا اور تحفظ ہمیں عزیز ہے تو ہمیں اس کی طرف پوری توجہ دینی ہوگی ہم نے طے کیا ہے کہ بچیوں کی تعلیم محض کتاب تک محدود نہ ہو بلکہ انہیں تعلیم کے ساتھ ہوم سائنس اور چھوٹی چھوٹی صنعتیں بھی سکھا دی جائیں، ہوم سائنس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں عملی طور پر امور خانہ داری سے واقفیت حاصل ہو کہ وہ گھر کی دیکھ بھال کر سکیں اور اس میں دینی فضا پیدا کر سکیں، بچوں کی تربیت اور علاج و معالجہ کا انہیں پورا طریقہ معلوم ہو، مل جل کر رہنے کی نفسیات کا انہیں علم ہو ان میں ذہنی بلندی، قناعت، صبر، تحمل اور سادگی کی عادت پیدا ہو، ان میں حسد و رشک اور دکھاوے کی عادت کم سے کم ہو، شرم و حیا کے ساتھ دین پر عمل کرنے اور حکمت کے ساتھ دوسروں سے عمل کرانے کی صلاحیت اور جرأت پیدا ہو۔

ان مقاصد کو سامنے رکھ کر ہم اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر جامعۃ الرشاد میں جولائی ۱۹۹۰ء سے اس کام کی ابتدا کر رہے ہیں، اس سال شعبۂ نسواں میں صرف سو لڑکیوں کا پانچویں چھٹے اور ساتویں درجہ میں داخلہ ہوگا اور بیس پچیس لڑکیوں کے لئے دار الاقامہ میں رہنے کی گنجائش پیدا کی جا رہی ہے، ہر سال ہم ایک درجہ بڑھاتے رہیں گے، انشاء اللہ جدید علوم کے تمام مضامین کے ساتھ اردو ناظرہ قرآن پاک، انگریزی اور ہندی زبان کی معیاری تعلیم دینے کی کوشش کی جائے گی، ساتویں درجہ سے عربی زبان لازمی ہوگی، ساتویں درجہ کے بعد جو لڑکی پانچ برس نحو و صرف حدیث اور فقہ اور ادب عربی کی تعلیم حاصل کرے گی، وہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، یا لکھنؤ یونیورسٹی یا جامعہ ملیہ اسلامیہ میں سے جہاں چاہے گی ایم۔ اے کا امتحان دے سکے گی۔

کپڑے کی کٹنگ، سلائی اور سوئٹر کی بنائی تو ہر لڑکی کے لئے سیکھنا ضروری ہوگا اور اس کے علاوہ کتابت جلد سازی، موم بتی سازی، انگریزی، ہندی اور عربی ٹائپنگ اور دوسری کچھ چھوٹی صنعتوں میں لڑکیاں اپنے شوق سے جو پسند کریں گی وہ ان کو سکھا دی جائے گی اور جو صنعت یا کام سیکھ لیں گی، فارغ ہونے کے بعد ان کو اسکی ایک مشین بھی ادارے کی طرف سے دینے کی کوشش کی جائے گی تاکہ وہ اپنا کام شروع کر سکیں، بشرطیکہ اس کی قیمت دو ڈھائی ہزار سے نا ئد نہ ہو۔ جو حضرات داخلہ چاہتے ہوں وہ ابھی سے خط و کتابت کریں۔

پتہ: ناظم جامعۃ الرشاد، رشاد نگر، ضلع اعظم گڈھ (یو۔ پی)

محترم مرتب الرشاد کی چند کتابیں جو دار التالیف والترجمہ جامعتہ الرشاد اعظم گڈھ

سے شائع ہوئی ہیں

۱۔ اہل دل کی باتیں | یہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی مدظلہ کے ان ملفوظات کا ہے جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی آخرت کی یاد اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، قیمت ۱۵/-

۲۔ اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم | اس میں اسلامی مسائل کو بڑے سلیس اور دلچسپ انداز میں بچوں کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے، یہ سیکڑوں مکاتب کے نصاب میں داخل ہے پورے سٹ کی قیمت ۱۶/-

۳۔ قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت | اس میں قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ساری مثالیں قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی سے دی گئی ہیں۔ قیمت صرف ۵/- ہے۔

۴۔ خطبۂ نکاح | جو خطبۂ نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے وہ ایک زبردست معاشرتی ہدایت ہے، مصنف نے اس کی بڑی موثر تشریح کی ہے یہ ہر نکاح کے وقت تقسیم کرنے کے قابل ہے، قیمت صرف ۳/- روپے،

۵۔ مسئلہ کفاءت | شادی بیاہ میں برابری کا خیال کرنا صحیح ہے مگر یہ برابری دین و تقویٰ میں ہونی چاہئے، مسلمانوں میں جو پیشہ کے اعتبار سے مستقل طور پر برادریاں قائم ہوگئی ہیں اُن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ فہم و تہذیب کے اثر سے ہے، اس مسئلہ پر مصنف نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ قیمت ۵/- ہے۔

۶۔ جہیز کی شرعی حیثیت | اس وقت شادی بیاہ میں جہیز کے مطالبہ نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کر لی ہے جس سے لڑکیوں کی شادی عام آدمیوں کے لئے ایک مصیبت بن گئی ہے، اس پر ایک عالم نے بہت تحقیقی بحث کی ہے جس پر مولانا ندوی کے قلم سے ایک دیباچہ بھی ہے، قیمت صرف ۵/- ہے۔ یہ تینوں کتابیں اصلاح معاشرہ کے لئے بہترین تحفہ ہیں۔

جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کا ترجمان

ماهنامه جامعة الرشاد

سالانہ چندہ
ہندوستان سے ۲۵/-
خصوصی معاون ۱۰۰/-
قیمت
فی پرچہ ۳/-

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے :
۱۵ ڈالر امریکی
15/$

جلد ۱۸ | اپریل، مئی ۱۹۹۰ء بمطابق : رمضان، شوال سنہ ۱۴۱۰ھ | شمارہ ۲۳

فہرست مضامین



مجیب اللہ ندوی (مرتب)

• ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی مقیم ابوظبی • رضی الاسلام ندوی ایم۔اے علیگ

منیجر توسیع اشاعت
مولوی عقیل احمد صاحب ٹانڈوی

کتابت :
ابو الحسنات ۔ خورشید احمد

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے شائع کیا

رشحات

آہ! عزیزی مشیر الحق مرحوم

غم زدہ

مجیب اللہ ندوی

عزیزوں سے زیادہ عزیز اور حقیقی چھوٹے بھائیوں کی طرح قریب کو مرحوم لکھتے ہوئے قلب و دماغ کا جو حال ہے اسے زبان قلم سے بیان کرنا مشکل ہے، زندگی میں نہ جانے کتنے غم جھیلنے پڑے ہیں، مگر یہ اپنی نوعیت کا انتہائی اندوہناک غم ہے، جس کو مشو (گھر کا نام) کہنے سے ڈاکٹر، پروفیسر اور وائس چانسلر کہتا اور لکھتا رہا اسے قلم سے مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ منھ کو آرہا ہے

لوگ مجھ سے کہتے تھے کہ اپنے بارے میں لکھ کر چھوڑ جاؤں، میں کہتا تھا کہ میری اہمیت ہی کیا ہے، مگر میری زندگی کے نشیب و فراز اور خامیوں اور خوبیوں سے مشیر سب سے زیادہ واقف ہیں، وہی اس کے لیے کافی ہیں، مجھے افسوس ہی نہیں قلق ہے کہ آج مجھے اس کے بارے میں کچھ لکھنا پڑ رہا ہے جو میرے مرنے پر کچھ لکھتا، وائس چانسلر ہونے کے بعد میں نے لکھا تھا کہ اب تم کو تم لکھتے ہوئے قلم رکتا ہے، جواب آیا کہ اگر آپ تم لکھنا چھوڑ دیں گے تو میں سمجھوں گا کہ آپ نے ۵۲ سالہ رشتۂ شفقت و محبت کو کاٹ دیا۔

وہ غازی پور کے مشہور قصبہ بحری آباد کے رہنے والے تھے، ان کے والد منیر الحق مرحوم داروغہ تھے، اور نوجوانی میں سنہ ۲۹ یا سنہ ۳۰ء میں ان کا انتقال ہوگیا تھا، اس وقت یہ تین چار برس کے تھے۔ اور ان کے چھوٹے بھائی محی الحق دو برس کے تھے ان کی دو شادیاں

ہوئی تھیں، پہلی بیوی سے ایک لڑکی تھی، جو مولوی قاسم صاحب سے منسوب ہیں، اور دوسری شادی محمد آباد گوہنہ محلہ کھرانٹی میں ہوئی تھی، ان کے ماموں بشیر احمد مرحوم راجہ پڈرونہ کی ریاست میں جنرل منیجر تھے، ان کے دو لڑکے مشیر و محی آور ایک لڑکی رئیس فاطمہ تھی جس کا جوانی میں انتقال ہوگیا تھا، منیر الحق مرحوم تین بھائی تھے، سب سے بڑے وہ خود تھے ان سے دو چھوٹے بھائی تھے ان میں ایک بشیر الحق مرحوم تھے جو گھر پر رہتے تھے اور زمین داری کا کام دیکھتے تھے، دوسرے ان کے چھوٹے بھائی نعیم الحق صاحب ہیں جو پولیس میں دارو غہ تھے، اب ریٹائرڈ ہو کر گھر پر ہیں جن سے کئی لڑکے ہیں، عزیزی مشیر کی شادی سرسلیمان مرحوم کے وطن ولید پور، ضلع اعظم گڈھ میں ہوئی تھی، راقم الحروف بھی اس میں شریک تھا، جب دولھا بنائے جانے لگے تو باپ کی غیر موجودگی کا ان پر بے حد اثر تھا جس سے ہم سب متاثر تھے، جب دولھا بن کر کھڑے ہوئے تو دیکھا کہ ان کی کلائی خالی ہے تو میں نے اپنی کلائی گھڑی آتار کر ان کی کلائی پر یہ کہکر باندھ دی کہ ننگی کلائی اچھی نہیں لگ رہی ہے، شادی کے کئی ہفتے بعد جب وہ اعظم گڈھ آئے تو اسے واپس کرنے لگے، میں نے کہا: اب تمھاری کلائی پر جو گھڑی بندھ گئی ہے وہ اس پر بندھی ہی رہے گی۔

۱۹۳۶ء میں ان کے چچا بشیر الحق مرحوم نے ان کو مدرسہ مظہر العلوم میں میرے سپرد کیا تھا، تین برس تک وہ میری نگرانی میں رہے، دو سال فارسی پڑھی اور پھر عربی شروع کی ۱۹۳۹ء کے آخر میں میں ندوہ چلا آیا تو وہ ڈیڑھ برس اِدھر اُدھر مدرسوں میں رہے، پھر میں نے ندوہ بلالیا، درجۂ چہارم میں داخل کرایا، جب وہ ششم میں تھے تو میں فارغ ہو کر دار المصنفین چلا آیا، اس کے بعد بہت سے نشیب و فراز کے بعد جس کی تفصیل بعد میں لکھونگا جامعہ ملیہ پہونچے، وہاں سے انٹر پھر بی۔اے پاس کیا اور مجیب صاحب مرحوم کے پی۔اے بنے، اور پھر علی گڑھ سے ایم اے کیا، اور پھر کنیڈا جاکر پی۔ایچ۔ڈی کی اور وہاں سے آکر پٹیالہ یونیورسٹی میں شعبۂ مطالعات میں، پھر علی گڑھ اور جامعۂ ملیہ میں اسلامک اسٹڈیز کے شعبہ سے وابستہ ہوئے اور آخر میں وائس چانسلری تک پہونچے، گویا ۱۱ راپریل سنہ ۹۰ء کو

[illegible] ندوہ کی زندگی کے

بعد اپنے اپنے مشاغل کی وجہ سے جسمانی بُعد بڑھتا گیا، مگر قلبی و روحانی تعلق میں بہت کم فرق آیا، اب زندگی کے جو دن رہ گئے ہیں ان شاء اللہ اس میں بھی اپنا قلبی و روحانی تعلق ختم نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی سے کیا عجب کہ جنت میں بھی ہم نشینی نصیب کرے۔

عزیزی مشیر الحق نے جو کچھ ترقی کی وہ کسی کی رہینِ منت نہیں ہے، بلکہ اس میں ان کی ذاتی صلاحیت اور محنت کو دخل ہے ہے۱۹۳۶ء میں بحری آباد کے پرائمری اسکول سے انھوں نے درجہ چہارم امتیاز سے پاس کیا اور دو روپیہ ماہوار ایک سال تک وظیفہ ملتا رہا، مدرسہ مظہر العلوم میں جب فارسی کے پہلے سال میں تھے ایک بار فارسی کے استاد ماسٹر پیغمبر بخش صاحب کو انھوں نے فارسی میں چھٹی کی درخواست دی، ماسٹر صاحب اتنا خوش ہوئے کہ مجھے بلا کر دکھلایا، اور کچھ انعام دیا۔

وہ ایک درجن علمی، تاریخی اور سماجی کتابوں کے مصنف تھے، شروع میں ان کی علمی زندگی کا آغاز مدرسوں سے ہوا، اور تصنیف و تالیف کا آغاز صحابۂ کرام اور بزرگوں کے حالات لکھنے سے ہوا، مگر مجیب صاحب مرحوم کی پرائیویٹ سکریٹری شپ اور پھر کنیڈا میں ڈاکٹر اسمتھ کی صحبت میں ان کے اندر کچھ فکری تبدیلی ہوئی جسے میں برابر فکری انحراف کہتا تھا اور جس پر میں برابر گرفت کرتا رہتا تھا، ان کی یہ فکری تبدیلی بعض اسلامی اور ملی مسائل کی توجیہ و تعبیر تک محدود تھی ورنہ بحمد اللہ اسلامی عقائد میں ان کے اندر کوئی تزلزل اور اعمال میں کوئی بڑی خامی نہیں پیدا ہوئی، نماز و روزہ کے انشراحِ قلب کے ساتھ پابند رہے، بلکہ وہ اغوا کی حالت میں بھی روزہ سے رہے اور نماز پنجگانہ ادا کرتے رہے، ابھی چند ماہ پہلے اپنی کتاب "مذہب اور مسلم سیاست آج اور کل" بھیجی اور لکھا کہ امید ہے کہ آپ اسے پسند کریں گے، میں نے اس پر کسی قدر اچھا تبصرہ کیا اور ان کو خط لکھا کہ تم نے یہ کتاب لکھ کر اپنے کو متنازع ہونے سے بچا لیا ہے، اور مزاحاً یہ بھی لکھا کہ یہ کتاب لکھ کر تم نے سری نگر اور علی گڑھ کے فاصلہ کو کم کر دیا، مگر کیا معلوم تھا وہ بہت جلد سفرِ آخرت کے فاصلے کو کم کرنے والے ہیں، وہ طبیعت کے انتہائی شریف، ملنسار، بے ضرر، کنبہ پرور اور متوازن تھے، میں سمجھتا ہوں کہ ان سے

شاید ہی کسی کو معاشرتی زندگی میں شکایت پیدا ہوئی ہو، میں نے ان کو ڈانٹا بھی ہے اور سزا بھی دی ہے، مگر کبھی ناگواری کا اظہار نہیں کیا، بلکہ آخر عمر تک ایک خورد جیسا معاملہ رکھا، خاندان اور عزیزوں کے نہ جانے کتنے بچوں کو تعلیم دے کر انھوں نے اعلیٰ مرتبہ تک پہونچایا،

ستمبر ۱۹۸۹ء میں اقبال انسٹی ٹیوٹ سری نگر سے ایک سیمینار کا دعوت نامہ آیا تھا، ان کو جب علم ہوا تو انھوں نے لکھا کہ آپ مہمان میرے رہیں گے، اس کے لیے بڑا اہتمام کیا تھا، میں نے لکھا کہ مجھے سیمینار سے زیادہ تمہاری وائس چانسلری دیکھنے کا شوق ہے، مگر میں بیماری کی وجہ سے نہ جاسکا، افسوس ہے کہ ہر اعزاز میں انھیں دیکھا مگر اس اعزاز میں نہ دیکھ سکا، دسمبر ۱۹۸۹ء میں فقہی سیمینار کے سلسلے میں دلی جانا ہوا، یہ سیمینار تغلق آباد میں ہو رہا تھا، اسی زمانے میں ایک سیمینار صباح الدین صاحب مرحوم پر غالب اکیڈمی میں ہو رہا تھا، جس میں وہ شریک تھے، نہ ان کو میرے آنے کی اطلاع ہوئی اور نہ مجھے ان کے آنے کی، ان کے ہوائی جہاز کے چھوٹنے میں ابھی چند گھنٹے باقی تھے کہ مولانا عبیداللہ صاحب کوٹی سے ۱۱ بجے رات میں ان کی قیام گاہ پر ملاقات ہوئی، انھوں نے میرے بارے میں بتایا تو انھوں نے سخت افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مجیب اللہ بھائی سے کہیے گا وہ ناخوش نہ ہوں گے، مجھے کوئی علم نہیں تھا، سری نگر پہونچنا ضروری ہے، ورنہ میں جہاز چھوڑ دیتا۔ اب مجیب اللہ بھائی کہہ کر ایسی محبت کا اظہار کرنے والا دنیا میں میرا کوئی نہیں رہا۔

مارچ ۱۹۸۹ء میں ان کا خط آیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اپنی صف میں نہ سہی اس کے قریب لاؤں (یہ اشارہ تھا اس طرف کہ میں ان کی سیکولر اور حکومت نواز پالیسی کو زیادہ پسند نہیں کرتا تھا) یہ فارم جا رہا ہے اس پر آپ دستخط بنا دیجیے بقیہ کام میں پورا کر لوں گا، وہ فارم تھا عربی ایوارڈ کا، میں نے فارم رکھ دیا اور لکھ دیا کہ عزیزم! تم مجھ جیسے حکومت کی نظر میں بدنام آدمی کے لیے کوشش مت کرو، اس سے تمہاری حیثیت بھی مجروح نہ ہو جائے اور پھر اگر وہ مجھے مل بھی گیا تو ملنے کے بعد چھن جائے گا، لیکن بعد میں بعض دوستوں اور عزیزوں کے [illegible] فارم پر دستخط بنا کر بھیج دیا، اور لکھا کہ تمہاری خواہش کے احترام

اور بعض دوستوں کے اصرار سے فارم پر دستخط بناکر بھیج رہا ہوں، غالباً ایک ماہ بعد ان کا خط آیا کہ میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ میری درخواست ایوارڈ کمیٹی نے منظور کر لی ہے، اور مجھے اس کی اطلاع دی کہ جن دو آدمیوں کو ایوارڈ ملے گا ان میں ایک نام ان کا بھی ہے۔ اب ۱۵ اگست کو اعلان کا انتظار ہے، ۱۵ اگست کو جب اعلان ہوا تو اس میں میرا نام نہیں آیا، میں نے اس پر کوئی توجہ نہیں کی، مگر ان کو تشویش ہوئی تو انھوں نے اس کی تحقیق کی ہوگی، پھر ستمبر کے شروع میں ان کا خط آیا کہ (خط آگے نقل کر رہا ہوں) میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ کی دعا قبول ہوئی اسلئے کہ آپ نے فارم بھرنے کے بعد بھی عدم قبولیت ہی کی دعا کی ہوگی، وہ جو کہتے ہیں کہ چائے کی پیالی اور ہونٹ میں بڑا لمبا فاصلہ ہوتا ہے، اس کی صداقت پر یقین آگیا۔ ہوا یہ کہ کمیٹی کی منظوری کے بعد وزارت داخلہ نے اسے روک دیا، یعنی جیسی میں نے پیشین گوئی کی تھی ویسا ہی ہوا، اگلے دونوں خطوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

۱۹۶۷ء میں میں دارالمصنفین سے علحدہ ہوکر جامعۃ الرشاد کی چہار دیواری میں بیٹھ گیا تو وہ برابر مجھے لکھنے پڑھنے کی صلاحیت سے کام لینے کی ترغیب دیتے رہے، اور اسی غرض سے اکثر سیمناروں میں وہ مجھے دعوت نامے بھیج دیا کرتے تھے، کہ میں کچھ باہر نکلوں اور کچھ لکھنے پڑھنے کا مشغلہ جاری رکھوں، میرے فقہی مضامین جمع کراکے "فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل" کے نام سے مکتبہ جامعہ سے انھیں نے شائع کرایا، اب یہ سب سوچنے والا اور میرے لیے اعزاز واکرام کی صورتیں پیدا کرنے والا دنیا میں کوئی باقی نہیں رہا۔

میں ان کے بعض خیالات پر خط کے ذریعہ اور بعض سمیناروں میں رد و قدح و تنقید کرتا تھا، مگر ان کی طرف سے کبھی ناگواری کا اظہار نہیں ہوا، بلکہ آہستہ آہستہ ان کے خیالات میں بڑی حد تک تبدیلی ہوگئی تھی۔

عزیزی شبیر کی شہادت سے میں اب ایک چھوٹے بھائی، ایک عزیز، ایک غمگسار بلکہ ایک محسن سے محروم ہو گیا ہوں

۱۹۸۱ء میں الرسالہ [illegible]

جب پرچہ دیکھا تو لکھا کہ میرے نام کی وجہ سے کہیں آپ کو کچھ ملامت نہ سننی پڑ جائے، میں نے
لکھا کہ نام اس لیے ڈال دیا ہے کہ تمھارے اشہبِ قلم پر کچھ لگام لگی رہے۔ اب سوچتا ہوں
ان کا نام اپنے قلم سے کس طرح کاٹوں، مگر قدرت الٰہی کے فیصلے کے آگے سرنگوں ہونا
ہی پڑتا ہے ؎

مصائب اور تھے پر دل کا جانا ٭ عجب اک سانحہ سا ہوگیا ہے،

ابھی نومبر ۱۹۸۹ء میں میں نے لکھا کہ میں ایشیا میں اسلامی ثقافت پر
ایک سیمینار کرنا چاہتا ہوں بشرطیکہ تم اس کی ذمہ داری لے لو۔ انھوں نے لکھا کہ میں ۳۰ اپریل
۹۰ء کو ریٹائر ہو رہا ہوں، ان شاء اللہ جون میں ہفتہ دس دن آپ کے ساتھ رہ کر
اس کا پروگرام بناؤں گا۔ افسوس نہیں بلکہ قلق ہے کہ ان کی شہادت سے ان کے بال بچوں
کی طرح نہ جانے کتنے لوگوں کی تمناؤں کا خون ہوا ہوگا۔ خط آگے نقل ہے جس کو پڑھ کر آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

عزیزی مشیر اور ان کے ساتھ ان کے پرائیوٹ سکریٹری عبدالغنی کی شہادت اور مسٹر کھیڑ
کے قتل کی ذمہ داری کس پر ڈالی جائے؟ کیا دہشت پسندوں نے انھیں شہید اور قتل کیا؟ یا
حکومت اور جگموہن کی پالیسی نے انھیں قتل کرایا؟ غالب کے اس شعر کو ؎

مگس کو باغ میں جانے نہ دیجو ٭ کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

بہت سے اصحاب ذوق اس کو معاملاتی شعر سمجھتے رہے، مگر اب یہ واقعاتی شعر بن گیا ہے،
اگر جگموہن کو کشمیر کی جنت ارضی میں نہ بھیجا گیا ہوتا تو شاید وہاں کے حالات اتنے زیادہ
خراب نہ ہوتے اور نہ ان معصوموں کا خون ناحق ہوتا، جارج فرنانڈیز جو کشمیر کے معاملات
کے ذمہ دار بنائے گئے ہیں وہ تو دہشت گردوں کو چھوڑنے پر راضی ہوگئے تھے، مگر جگموہن
اور اس کا شیطانی ٹولہ اس کے لیے راضی نہیں ہوا، ہندوستان کے ہر باضمیر انسان کی زبان
پر یہ بات ہے کہ اگر مفتی سعید کی لڑکی کی جان بچانے کے لیے پانچ دہشت گرد چھوڑے جاسکتے
ہیں تو کیا اتنی قیمتی جانوں کو بچانے کے لیے ان کو چھوڑا نہیں جاسکتا تھا؟ جب کہ دہشت گرد
ایک کے چھوڑتے اور پھر محض کرفیو کی ڈھیل پر راضی ہوگئے تھے، میں نے اس سے پہلے

کئی بار لکھا ہے کہ جبر و تشدد کے ساتھ اکھنڈ بھارت کا تصور رکھنے والوں کو روس کی حالیہ تبدیلیوں سے سبق حاصل کرنا چاہیے، اس وقت کشمیر میں جو حالات پیدا ہوگئے ہیں وہ ایک دن میں نہیں بلکہ یہ ہندوستان کی چالیس سالہ حکومت کی مکر و فریب کی پالیسی کا نتیجہ ہے، جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ظلم و جبر کی پالیسی سے کشمیر کے مسئلہ کو حل کرلیں گے وہ تاریخ کو الٹے سمت لے جانا چاہ رہے ہیں۔

بہرحال اس دہشت گردی کی تعریف و تائید نہیں کی جاسکتی، بلکہ یہ ہر طرح قابل مذمت ہے، لیکن حکومت کی موجودہ پالیسی کی تائید کرنی بھی مشکل ہے، جس کے نتیجے میں یہ صورت پیدا ہوئی ہے، آسام اور پنجاب جو غیر متنازعہ ہندوستان کا حصہ ہے وہاں سات برس سے خون بہ رہا ہے اور علاحدگی پسندی کا پرچار ہو رہا ہے وہاں وہ پالیسی نہیں اپنائی جارہی ہے جو کشمیر میں اختیار کی گئی ہے، جبکہ وہ متنازعہ مسئلہ ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کا طرز عمل دوسری اقلیتوں کے ساتھ اور ہے اور مسلمان اقلیتوں کے ساتھ اور ہے ؎

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف　　آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

عزیزی مشیر نے اپنے پیچھے چار بچیاں اور ایک بھائی چھوڑا ہے، ان کا ایک اکلوتا لڑکا جس کا نام ازہر تھا جو تین چار برس کی عمر میں انتقال کرگیا، انھوں نے اس کے انتقال کی خبر دی تو تعزیت کے لیے لکھنؤ گیا، بڑا پیارا بچہ تھا، اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں اور مظلومانہ شہادت کے بدلے ان کی مغفرت فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

ابھی ان کی علمی زندگی اور اپنے تعلقات پر بہت کچھ لکھنا باقی ہے، اغوا کی کارروائی اور شہادت کو کئی ہفتے گذر جانے کے بعد بھی دل و دماغ اور قلم قابو میں نہیں ہے، بڑی مشکل سے یہ سطریں لکھ سکا ہوں، البتہ ایک ٹیس دل و دماغ کو برابر کچوکے دے رہی ہے کہ ارادہ کے باوجود فون کے ذریعہ دلی سے رابطہ قائم نہ ہونے کی وجہ سے میں ان کی تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہوا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عالم ارواح سے عزیزی مشیر کی طرف سے کانوں میں یہ صدا آرہی ہے ؎

پھول کیا ڈالوگے میری لحد پر　　؎　　خاک بھی تم سے نہ ڈالی جائے گی

تعزیت کے لیے میرے گھر والوں کے ساتھ عالم بدیع اعظمی بھی گئے تھے، جب وہ مشیر مرحوم کے گھر سے نکلے تو مجھ سے کہنے لگے کہ "مولانا دنیاوی اعتبار سے اتنی حیثیت کا مالک ہوتے ہوئے

لے طرح نہیں دیا سطر ہیں الی، ہمارے کان نے موٹی چر ربڑ پیپڑی اند ر ہد زالقاداد
رنے والے بھی اس سے زیادہ شاندار مکان بنا لیتے ہیں اور ان کے گھروں میں اس سے
سازوسامان نظر آتا ہے، ان کے گھر کے درودیوار، کھڑکی اور دروازے ہر چیز سے سادگی
تھی، اس سے ان کی بلندی اور بے نفسی کا پتہ چلتا ہے۔ میں ان کی یہ ایمان افروز باتیں سن کر
یر دم بخود رہا، پھر عرض کیا کہ وہ طبیعتہً سادہ مزاج بلکہ فقیر منش آدمی تھے، انھوں نے جو کچھ کمایا
بال بچوں کی ضروریات کے بعد اپنے کنبہ وخاندان کے بچوں کی تعلیم وتربیت پر صرف کیا
ن محض ان کی سلیقہ مندی سے بن گیا، جب ان سے کہا جاتا کہ اس میں کچھ اضافہ کر لیا جائے
ے کہ گذر اوقات کے لیے کافی ہے۔

کہاں تک لکھا جائے "بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں"
اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کے بدلے ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور درجۂ شہادت
نوازے۔ آمین ثم آمین۔

فارم نمبر ۴

بیان بابت ملکیت اخبار و دیگر تفصیلات

ا۔ مقام اشاعت۔ رشادنگر اعظم گڑھ   پتہ ۔ جامعۃ الرشاد، رشادنگر۔ اعظم گڑھ

۲۔ وقفۂ اشاعت ۔ ماہانہ   ۵۔ ایڈیٹر کا نام۔ مجیب اللہ ندوی

۳۔ پرنٹر کا نام ۔ مجیب اللہ ندوی   قومیت۔ ہندوستانی

قومیت ۔ ہندوستانی   پتہ ۔ جامعۃ الرشاد، رشادنگر۔ اعظم گڑھ

پتہ ۔ جامعۃ الرشاد، رشادنگر اعظم گڑھ   ملکیت۔ جامعۃ الرشاد ایجوکیشنل سوسائٹی اعظم گڑھ

۴ پبلشر کا نام ۔ مجیب اللہ ندوی   ۷۔ پریس ۔ نشاط پریس ٹانڈہ ۔

قومیت ہندوستانی

میں مجیب اللہ ندوی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم اور یقین کے
مطابق درست ہیں۔

مجیب اللہ ندوی ۱۹۹۰ء

محمد رضی الاسلام ندوی

علیگڈھ

قرآن کریم میں صحف سماوی کے حوالے

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے اپنے انبیاء کے ساتھ آسمانی کتابیں بھی نازل کیں۔ یہ کتابیں زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ تصحیف وتحریف کا شکار ہوتی گئیں۔ لوگوں نے خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہوئے کلام الٰہی میں کلام انسانی آمیز کردی۔ سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کا معجزہ عطا فرمایا اور رہتی دنیا تک کے لئے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی۔

ان آسمانی کتابوں میں (باوجود یہ کہ قرآن کے علاوہ سب تحریف کا شکار ہوگئیں اب بھی کافی حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔ انبیاء کے قصے، گذشتہ قوموں کے واقعات، بنیادی عقائد اور احکام وتعلیمات سب میں قرآن اور دیگر آسمانی کتابوں میں بڑی حد تک مماثلت اور یک رنگی ملتی ہے۔ اس لئے کہ وہ سب وحی کے خالص اور شفاف تر سرچشمے نکلی ہیں۔ اس لئے یہ بات عقل کو لگتی ہوتی ہے کہ ہم قرآن کی تفسیر وتاویل میں ان کتابوں سے بھی مدد لیں۔ اس سے ہم کو متعدد فوائد حاصل ہوں گے۔

١۔ اس سے معلوم ہوگا کہ ان آسمانی کتابوں میں جو واقعات یا تعلیمات قرآن کے مماثل ہیں وہ برحق اور منزل من اللہ ہیں۔ اس لئے قرآن اپنے آپ کو پچھلی کتابوں کا مصدق (تصدیق کرنے والا) قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری ہے :

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ   اور یہ قرآن وہ چیز نہیں ہے جو اللہ کی وحی اور

تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (یونس۔ ۳۷)	تعلیم کے بغیر تصنیف کر لیا جائے بلکہ یہ تو جو کچھ پہلے آچکا تھا اس کی تصدیق اور الکتاب کی تفصیل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فرمانروائے کائنات کی طرف سے ہے۔

۲۔ قرآن گزشتہ کتابوں کی تحریفات کی اصلاح بھی کرتا ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (المائدہ۔ ۴۸)	اور اے نبی ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور الکتاب میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ و نگراں ہے۔

اس لئے قرآن اور ان کے تقابلی مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ گزشتہ قوموں نے اپنی آسمانی کتابوں میں کہاں کہاں اور کیا کیا تحریفات کی ہیں؟ اور قرآن نے حقیقت کا پردہ چاک کرکے کیا بیان کیا ہے؟

اس سلسلہ میں پیش آمدہ ایک شبہ کا جواب دیتے ہوئے مولانا حمید الدین فراہی نے لکھا ہے:

"اگر تم کو شبہ ہو کہ یہ کتب مقدسہ غیر محفوظ ہیں اس وجہ سے اگر قرآن کی تاویل میں ہم ان سے رجوع کریں گے تو غلطی میں پڑنے کا امکان ہے تو یہ شبہ بالکل بجا ہے لیکن ہم یہ بات نہیں کہتے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ پہلے قرآن کو خود قرآن اور عربی زبان کی مدد سے سمجھنا چاہیئے پھر اگر کتب مقدسہ میں کوئی بات ایسی ملے جو معنی اور اسلوب کے اعتبار سے قرآن سے ملتی جلتی یا اس سے واضح تعلق رکھتی ہوئی نظر آئے تو دونوں باتوں پر تدبر اور ان دونوں اسلوبوں کے تقابل سے قرآن مجید کی بلاغت واضح ہوگی۔ نیز مختلف معانی میں ہم جس مفہوم کو ترجیح دیں گے اس تائید مزید سے اس پر ہمارا اعتماد مضبوط ہوگا۔ علاوہ بریں وحی قدیم کی بعض ایسی باتوں کا مفہوم ہم پر واضح ہو جائے گا جس کا واضح ہونا

بظاہر خواب نظر آتا تھا۔ یہ چیز اہل کتاب کے ارباب نظر کے لئے قرآن کی صداقت کی اور ہمارے لئے خود ان کی کتابوں کی صداقت کی ایک دلیل ہوئی جس سے باہمی محبت کی راہیں بھی کھلیں گی اور یہ چیز ان لوگوں کی ہدایت کے لئے بھی راہ ہموار کرے گی" [1]

قرآن کریم صحف سماوی میں سے صحف ابراہیم، توریت، زبور اور انجیل کا تذکرہ کرتا ہے۔ اور بعض تعلیمات اور احکام بیان کرتے ہوئے جا بجا ان کے حوالے بھی دیتا ہے۔ گزشتہ آسمانی کتابیں آج جس صورت میں ملتی ہیں کیا اس صورت میں ان میں قرآن کے مذکورہ حوالوں کو تلاش کرنا سود مند ہوگا؟ مضمون نگار کا جواب اثبات میں ہے۔ اس لئے کہ اس کے نزدیک ان کے محرف ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کلام الٰہی سے یکسر خالی اور محض بے بنیاد روایات اور واقعات کا پلندہ ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں اب بھی حکمت و معرفت کے موتی اور کلام ربانی کے جواہر پوشیدہ ہیں۔ اس عمل سے جہاں ہم ان آسمانی کتابوں میں کلام الٰہی اور کلام انسانی کے مابین امتیاز کر سکیں گے وہیں ان کے ذریعے حکمت قرآن کا صحیح فہم بھی حاصل ہو سکے گا اور اس کے معانی کی صحیح تعیین کی جا سکے گی۔ مولانا امین احسن اصلاحی اپنی تفسیر تدبر قرآن کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

> "یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اسی طرح توریت، زبور اور انجیل بھی اللہ ہی کے اتارے ہوئے صحیفے ہیں۔ اگر ان کے بدقسمت حاملوں نے ان صحیفوں میں تحریفیں نہ کر دی ہوتیں تو یہ بھی اسی طرح ہمارے لئے رحمت و برکت تھے جس طرح قرآن ہے لیکن ان تحریفات کے باوجود آج بھی ان کے اندر حکمت کے خزانے ہیں۔ اگر آدمی ان کو پڑھے تو یہ حقیقت آفتاب کی طرح سامنے آتی ہے کہ ان صحیفوں کا سرچشمہ بھی بلاشبہ وہی ہے جو قرآن کا ہے۔ میں ان کو بار بار پڑھنے کے بعد اس رائے کا اظہار کرتا ہوں کہ قرآن کی حکمت کے سمجھنے میں جو مدد ان صحیفوں سے ملتی ہے وہ مدد مشکل ہی سے کسی دوسری چیز سے ملتی ہے" [2]

مولانا فراہی نے بھی اس کی افادیت کی طرف یوں اشارہ کیا ہے :

" جس طرح سورج کے طلوع ہو جانے کے بعد تاروں کی روشنی کی ضرورت باقی نہیں رہتی اسی طرح قرآن کے نازل ہو جانے کے بعد مسلمان بھی ان پچھلی آسمانی کتابوں سے بالکل بے نیاز ہو گئے جن میں جھوٹی اور سچی ہر قسم کی باتیں ملا دی گئی ہیں۔ تاہم قرآن مجید آسمانی صحیفوں ہی میں سے ایک صحیفہ ہے .... اس وجہ سے ہمارے لئے پچھلے صحیفوں کی تعلیمات کو جاننا ضروری ہے .... اس سے قرآن مجید کے وہ اشارات بھی واضح ہوں گے جو ہمارے دور آخر کے مفسرین سے مخفی رہ گئے اور اس کے سبب وہ ایک سے زیادہ مقامات میں اصل حقیقت تک نہ پہنچ سکے" [۳]

زیر نظر مضمون میں ہم اسی بات کو دلائل کی روشنی میں، مثالوں کے ذریعے واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

(۱) سورۃ الانبیاء میں ہے :

ولقد كتبنا في الزبور	اور زبور میں ہم نصیحت کے بعد
من بعد الذكر ان	یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث
الارض يرثها عبادي	ہمارے نیک بندے ہوں
الصالحون (۲۱ انبیاء ۱۰۵)	گے۔

اس آیت میں تین الفاظ محل غور و فکر ہیں۔ زبور، ذکر اور الارض ، زبور سے مراد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں کتب تفسیر میں متعدد اقوال ملتے ہیں [۴]

لیکن صحیح اور قرین قیاس ابن عباس، شعبی، حسن، قتادہ اور دوسرے اہل علم کا یہ قول معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہونے والی آسمانی کتاب ہے [۵] یہ طے ہو جانے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ ذکر سے مراد کیا ہے اور الارض کس سرزمین کو کہا گیا ہے؟ مقدم الذکر کے سلسلہ میں بھی متعدد اقوال

ہیں۔ مثلاً ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ذکر سے مراد قرآن ہے، سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد " ذکرِ آسمانی" ہے۔ مجاہد کے نزدیک ذکر ام الکتاب سے عبارت ہے، ثوری کہتے ہیں کہ ذکر لوح محفوظ ہے۔ زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ کتاب اول کو ذکر کہا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے ذکر توریت کو قرار دیا ہے[۲۶]

ارض سے مراد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں بھی متعدد اقوال ہیں مثلاً ارض[۲۸] مقدس کافروں کے علاقے، دنیا[۲۹]، جنت[۳۰] ہے

متاخرین میں سے مولانا ابوالکلام آزاد نے ارض سے مراد دنیا کی سرزمین لیا ہے اور آیت کی تشریح میں لکھا ہے:

" فرمایا ہم نے زبور میں اپنے اس مقررہ قانون کا اعلان کر دیا تھا کہ زمین کے وارث خدا کے صالح بندے ہوتے ہیں۔ یعنی جماعتوں اور قوموں کے لئے یہاں یہ قانون الٰہی کام کر رہا ہے کہ انھیں لوگوں کے حصے میں ملک کی فرمانروائی آتی ہے جو صالح ہوتے ہیں۔ صلح کے معنی سنورنے اور سنوارنے کے ہیں ..... پس قانون یہ ہوا کہ زمین کی وراثت سنورنے اور سنوارنے والوں کے حصہ میں آتی ہے اُن کے حصے میں نہیں جو اپنے اعتقاد و عمل میں بگڑ جاتے ہیں اور سنوارنے کی جگہ بگاڑنے والے ہوتے ہیں" [۳۱]

اس آیت کے صحیح مفہوم کے تعین دو طریقوں سے کی جا سکتی ہے۔ ایک تو یہ کہ قرآن نے جس کتاب آسمانی (زبور کا حوالہ دیا ہے) اس میں دیکھا جائے اور معلوم کیا جائے کہ اسکی عبارتیں صراحتہً یا کنایتہً کس مفہوم پر دلالت کرتی ہیں؛ اور دوسرے یہ کہ خود قرآن میں مذکورہ آیت کے سیاق و سباق میں غور کیا جائے۔ جہاں تک زبور کا معاملہ ہے اس کے سینتیسویں[۳۲] باب میں ہمیں متعدد مقامات پر " زمین اور وراثت" سے متعلق عبارتیں ملتی ہیں۔ ان کا کچھ اقتباس ملاحظہ ہو:

" تو بدکرداروں کے سبب سے بیزار نہ ہو اور بدی کرنے والوں پر رشک نہ کر کیونکہ وہ گھاس کی طرح جلد کاٹ ڈالے جائیں گے اور سبزہ کی طرح مرجھا

جائیں گے۔ خداوند پر توکل کر اور نیکی کر، ملک میں آباد رہ اور اس کی وفاداری سے پرورش پا۔ خداوند میں مسرور رہ اور وہ تیرے دل کی مراد پوری کرے گا .... (۱ ــ ۵) کیونکہ بدکردار کاٹ ڈالے جائیں گے لیکن جن کو خداوند کی آس ہے ملک کے وارث ہوں گے۔ کیونکہ تھوڑی دیر میں شریر نابود ہو جائے گا تو اس کی جگہ کو غور سے دیکھے گا پر وہ نہ ہوگا لیکن حلیم ملک کے وارث ہوں گے اور سلامتی کی فراوانی سے شادماں رہیں گے (۹ ــ ۱۱) .... صادق کا تھوڑا سا مال بہت سے شریروں کی دولت سے بہتر ہے کیونکہ شریروں کے بازو توڑے جائیں گے لیکن خداوند صادقوں کو سنبھالتا ہے کامل لوگوں کے ایام کو خداوند جانتا ہے۔ ان کی میراث ہمیشہ کے لئے ہوگی (۱۶ ــ ۱۸) .... شریر قرض لیتا ہے اور ادا نہیں کرتا لیکن صادق رحم کرتا ہے اور دیتا ہے کیونکہ جن کو وہ برکت دیتا ہے وہ زمین کے وارث ہوں گے اور جن پر وہ لعنت کرتا ہے وہ کاٹ ڈالے جائیں گے (۲۱ ــ ۲۲) بدی کو چھوڑ دے اور نیکی کر اور ہمیشہ تک آباد رہ۔ کیونکہ خداوند انصاف کو پسند کرتا ہے اور اپنے مقدسوں کو ترک نہیں کرتا وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہیں۔ پر شریروں کی نسل کاٹ ڈالی جائے گی۔ صادق زمین کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ بسے رہیں گے (۲۷ ــ ۲۹) ..... خدا کی آس رکھ اور اور اس کی راہ پر چلتا رہ۔ اور وہ تجھے سرفراز زمین کا وارث بنائے گا (۳۴)

اس سے دو باتیں واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس میں "وراثت ارضی" کا تذکرہ کرنے سے قبل نصیحت کی گئی ہے۔ نیک کاموں کی ترغیب دی گئی ہے صبر، راست بازی اور توکل پر اکسایا گیا ہے اور بدکرداری کے انجام سے ڈرایا گیا ہے اور دوسرے یہ کہ وراثت کے ساتھ ابدیت کا تذکرہ بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ دنیا میں کسی کو قرار نہیں۔ کوئی یہاں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وراثت کا تعلق ایسی

سے ہے جہاں وہ ابدی زندگی گزاریں گے۔

پھر جب ہم قرآن میں آیت مذکور کے سیاق و سباق میں غور کرتے ہیں تو اس سے بھی مفہوم مذکور کی تائید ہوتی ہے۔ اس آیت سے اوپر جو مضمون بیان ہوا ہے وہ آخرت سے متعلق ہے۔ آیت ۹۷ سے آیت ۱۰۰ تک قیامت کی منظر کشی کرتے ہوئے بتلایا گیا ہے کہ کافر اور ان کے خود ساختہ معبود جہنم کا ایندھن ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ پھر آیت ۱۰۱ سے آیت ۱۰۳ تک نیکوکار لوگوں کا حسن انجام بیان کیا گیا ہے۔ آیت نمبر ۱۰۴ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کا برپا کرنا اور مرنے کے بعد انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لئے ناممکن نہیں ہے جبکہ ہم انھیں پہلی بار پیدا کر چکے ہیں۔ اس کے بعد زیر بحث آیت ۱۰۵ میں زبور کے حوالے سے فرمایا گیا ہے کہ زمین کے وارث نیک لوگ ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں جس ارض (زمین) کا تذکرہ ہے وہ دنیا کی نہیں بلکہ جنت کی ہے۔ مولانا مودودی نے آیت کے سیاق و سباق کی وضاحت کرتے ہوئے اور جن لوگوں نے اُسے سیاق و سباق سے کاٹ کر اس کا مفہوم بیان کیا ہے ان پر تنقید کرتے ہوئے بہت اچھی بحث کی ہے۔ لکھا ہے :

> " ہر آیت کے صحیح معنی صرف وہی ہو سکتے ہیں جو سیاق و سباق سے مناسبت رکھتے ہوں۔ اگر یہ غلطی نہ کی جاتی تو آسانی کے ساتھ دیکھا جا سکتا تھا کہ اوپر سے جو مضمون مسلسل چلا آ رہا ہے وہ عالم آخرت میں مومنین صالحین اور کفار و مشرکین کے انجام سے بحث کرتا ہے۔ اس مضمون میں یکایک اس مضمون کے بیان کرنے کا آخر کون سا موقع تھا کہ دنیا میں وراثت زمین کا انتظام کس قاعدے پر ہو رہا ہے۔
>
> تفسیر کے صحیح اصولوں کو ملحوظ رکھ کر دیکھا جائے تو آیت کا مطلب صاف ہے کہ دوسری تخلیق میں جس کا ذکر اس سے پہلے کی آیت میں ہوا ہے زمین کے وارث صرف صالح لوگ ہوں گے اور اس ابدی زندگی کے نظام میں موجودہ عارضی نظام زندگی کی سی کیفیت برقرار نہ رہے گی کہ زمین پر فاسقوں

اور ظالموں کو بھی تسلط حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ مضمون اس سے زیادہ صریح الفاظ میں سورۂ زمر کے خاتمہ پر بیان کیا گیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ قیامت اور نفخ صور اول و ثانی کا ذکر کرنے کے بعد اپنی عدالت کا ذکر فرماتا ہے پھر کفر کا انجام بیان کر کے نیک لوگوں کا انجام یہ بتاتا ہے کہ وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ..... وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ط

(اور جو لوگ اپنے رب کی نافرمانی سے پرہیز کرتے تھے انہیں گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا ..... اور وہ کہیں گے شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہم کو زمین کا وارث بنا دیا۔ اب ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بنا سکتے ہیں)

یہ دونوں آیتیں ایک ہی مضمون بیان کر رہی ہیں اور دونوں جگہ وراثت زمین کا تعلق عالم آخرت سے ہے نہ کہ اس دنیا سے" [1]

(۲) یہود پر کیا کیا چیزیں حرام ہیں؟ کب سے حرام ہیں؟ اور کیوں حرام ہیں؟ اس سے متعلق قرآن نے توریت کے حوالے سے متعدد امور بیان کئے ہیں:

الف: كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ○ فَمَنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○ قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا [illegible]

کھانے کی یہ ساری چیزیں (جو شریعت محمدی میں حلال ہیں) بنی اسرائیل کے لئے بھی حلال تھیں جنہیں توراۃ کے نازل کئے جانے سے پہلے اسرائیل (حضرت یعقوب) نے خود اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ ان سے کہو اگر تم اپنے اعتراض میں سچے ہو تو لاؤ توراۃ اور پیش کرو اس کی کوئی عبارت، اس کے بعد بھی جو لوگ اپنی جھوٹی گھڑی ہوئی باتیں اللہ کی جانب منسوب کرتے رہیں وہی در حقیقت ظالم ہیں۔ کہو اللہ نے جو کچھ فرمایا

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

(آل عمران ۹۳ ــ ۹۵)

ہے سچ فرمایا ہے۔ تم کو یکسو ہو کر ابراہیم کے طریقہ کی
پیروی کرنی چاہیئے اور ابراہیم شرک کرنیوالوں میں سے نہ تھا۔

(ب) فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ
هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ
أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ
عَنْ سَبِيلِ اللهِ وَأَخْذِهِمُ
الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ
أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ
أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ
عَذَابًا أَلِيمًا ۝

(النساء : ۱۶۰ ــ ۱۶۱)

غرض ان یہودیوں کے اسی ظالمانہ رویہ کی
بنا پر اور اس بنا پر کہ یہ بکثرت اللہ کے راستے
سے روکتے ہیں اور سود لیتے ہیں جس سے انھیں منع
کیا گیا تھا اور لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے
کھاتے ہیں۔ ہم نے بہت سی وہ پاک چیزیں
ان پر حرام کر دیں جو پہلے ان کے لئے حلال تھیں۔
اور جو لوگ ان میں سے کافر ہیں ان کے لئے ہم
نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ج ۔ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا
حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ، وَمِنَ
الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ
شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ
ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا
اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ، ذٰلِكَ جَزَيْنَا
هُمْ بِبَغْيِهِمْ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝

(الانعام - ۱۴۶)

اور جن لوگوں نے یہودیت اختیار کی ان پر ہم
نے سب ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے
اور گائے اور بکری کی چربی بھی۔ بجز اس کے
جو ان کی پیٹھ یا ان کی آنتوں سے لگی ہوئی ہو۔
یا ہڈی سے لگی رہ جائے۔ یہ ہم نے ان کی سرکشی
کی سزا انہیں دی تھی۔ اور یہ جو کچھ ہم کہہ رہے
ہیں بالکل سچ کہہ رہے ہیں۔

پہلی آیت کا شان نزول یہ ہے کہ " یہود مدعی تھے کہ اصل ملت ابراہیمیہ وہ
ہیں نہ کہ مسلمان۔ اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں جو باتیں وہ کہتے تھے ان میں سے ایک بات
یہ بھی تھی کہ مسلمانوں نے جو چیزیں جائز کر رکھی ہیں ان میں سے بعض چیزیں ملت ابراہیمی
میں حرام ہیں۔ لیکن مسلمان نہ صرف یہ کہ ان کو جائز رکھتے ہیں بلکہ ان کے بہ تقوی اور ان کے

انفاق و قربانی کا انحصار انھیں چیزوں پر ہے۔ ان کا اشارہ اونٹ کے ذبیحہ اور اس کی قربانی کی طرف ہوگا اس لئے کہ اونٹ عرب کے محبوب ترین اموال میں سے تھا اور یہود کی شریعت میں جیسا کہ احبار میں وارد ہے وہ حرام ہے۔ قرآن نے یہاں مناسب موقع پر ان کے اس غلط خیال کی تردید کردی۔ فرمایا کہ جو چیزیں طیبات میں داخل اور کھانے پینے کی ہیں وہ سب ابتداً بنی اسرائیل کے یہاں بھی حلال تھیں انہی جملہ اونٹ بھی ہے۔ البتہ تورات کے نازل ہونے سے پہلے یعقوب علیہ السلام نے بعض چیزیں اپنے اوپر حرام ٹھہرائی تھیں چنانچہ تورات میں دیکھ لو کہ اونٹ یا بعض دوسری چیزیں جن کو تم حرام قرار دیتے ہو ان کی حرمت کا کوئی ذکر عہد ابراہیمی میں نہیں ملتا۔ اگر ملتا ہے تو تورات میں ملتا ہے" [10]

تورات کتاب پیدائش (۹ : ۳) میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے کشتی سے اترنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سے اور ان کے متبعین سے فرمایا: "وہ سب جیتے چلتے جانور تمہارے کھانے کے لئے ہیں۔ میں نے ان سب کو نباتات کی مانند تمہیں دیا ہے"۔

معلوم ہوا کہ تمام ہی جانور حضرت نوح علیہ السلام ہی کے عہد سے حلال تھے۔ وہ عہد ابراہیمی میں بھی حلال رہے اور بعد میں بھی [11]

موخر الذکر دونوں آیتوں میں بنی اسرائیل پر حرام کی جانے والی اشیاء کا تذکرہ ہے۔ پہلی آیت میں بطور اجمال بیان کیا گیا ہے کہ بعض پاک اور حلال چیزیں بنی اسرائیل کی سرکشی کی وجہ سے ان پر حرام کر دی گئیں۔ دوسری آیت میں ان محرمات کی تفصیل مذکور ہے۔ توریت میں ان چیزوں کی حرمت کی صراحت ملتی ہے:

"یہ تمہاری سب سکونت گاہوں میں نسل در نسل ایک دائمی قانون رہے گا کہ تم چربی یا خون مطلق نہ کھاؤ" (احبار باب ۱۷)

"اور خداوند نے موسیٰ سے کہا: بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ تم لوگ نہ بیل کی نہ بھیڑ کی اور نہ بکری کی کچھ چربی کھانا" (احبار باب ۲۲-۲۳)

اسی طرح احبار ۱۱ : ۱۶ ــــ ۱۸ اور استثنار ۱۴ : ۱۴ ــــ ۱۶ میں ناخن والے جانوروں کی حرمت بیان کی گئی ہے۔

ان چیزوں کی حرمت یہود کے لئے تشریعی طور پر تھی یا خود یہود نے اپنے طور پر انھیں حرام کر لیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی سرکشی کی وجہ سے انھیں اس غلط فہمی میں مبتلا رہنے دیا، علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ دونوں کا احتمال ہے [۱۲] مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا مودودی ان کی حرمت کو تشریعی نہیں مانتے لکھتے ہیں :

" توریت میں ملت ابراہیمی کے خلاف جن طیبات کو حرام ٹھہرایا گیا ہے وہ تین قسم کی ہیں:۔ ایک تو وہ ہیں جو محض یہود کے فقہار کی تحلیل و تحریم اور ان کی موشگافیوں کی پیدا کردہ ہیں۔ انھوں نے اپنے فتویٰ کے تحت کسی چیز کو حرام ٹھہرایا اور بعد میں ان کا یہی فتویٰ تورات میں شامل ہو کر اس کا ایک جز بن گیا...... دوسری وہ ہیں جو یہود کی سرکشی ان کی کٹ حجتی اور ان کی سوال بازی کے سبب سے حرام ہوئیں۔ انھوں نے کسی چیز کے متعین کرانے میں اتنے سوالات اٹھائے کہ ان کے لئے جواز کی راہ تنگ سے تنگ ہوتی چلی گئی، اور اچھی بھلی طیب وطاہر چیزیں بھی ان کے لئے حرام ہو کر رہ گئیں۔ تیسری وہ ہیں جن سے احتراز واجتناب کا تصور ان کے ہاں بزرگوں سے چلا آرہا تھا مثلاً بعض چیزیں حضرت یعقوب کسی احتیاط یا محض طبعی و ذوقی عدم مناسبت کی بنا پر نہیں استعمال کرتے تھے۔ یہود نے اس طرح کی چیزوں کا سرا حضرت ابراہیم سے ملا دیا اور ان کی حرمت بھی تورات کی محرمات کی فہرست میں شامل ہو گئی" [۱۳]

" اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی شریعت سے جب یہودیوں نے بغاوت کی اور آپ اپنے شارع بن بیٹھے تو انھوں نے بہت سی پاک چیزوں کو اپنی موشگافیوں سے خود حرام کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر انھیں اس غلط فہمی میں مبتلا رہنے دیا۔ ان اشیاء میں ایک تو ناخن والے جانور

شامل ہیں یعنی شتر مرغ، قاز، بط وغیرہ دوسرے گائے اور بکری کی چربی بائبل میں ان دونوں قسم کی حرمتوں کو احکام توراۃ میں داخل کر دیا گیا ہے (احبار ۱۱: ۱۶ — ۱۸، استثنار ۱۴: ۱۴ — ۱۶، احبار ۳: ۱۷، ۷: ۲۲ — ۲۴)
لیکن سورۂ نسار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں توراۃ میں حرام نہ تھیں بلکہ حضرت عیسیٰ کے بعد حرام ہوئی ہیں اور تاریخ بھی شہادت دیتی ہے کہ موجودہ یہودی شریعت کی تدوین دوسری صدی عیسوی کے آخر میں ابی یہوداہ کے ہاتھوں مکمل ہوئی ہے" [۱۴]

مولانا ابوالکلام آزاد کے انداز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ان چیزوں کی حرمت تشریعی ہے۔ لکھتے ہیں:

"جب کسی جماعت میں راست بازی اور پرہیزگاری باقی نہیں رہتی تو مباح اور جائز باتوں کا بھی استعمال اس طرح کرنے لگتی ہے کہ طرح طرح کی برائیوں کا ذریعہ بن جاتی ہے اور اس وقت مصلح کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ سداً للذریعہ ان جائز باتوں کو بھی عارضی طور پر روک دے چنانچہ یہودیوں کی بے لگام طبیعت کا یہی حال تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کتنی ہی حلال چیزیں جن کے لئے پہلے کوئی روک ٹوک نہ تھی مصلحتہً روک دی گئیں۔ یہاں اسی معاملہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے" [۱۵]

"یہودیوں کو ناخن والے جانوروں اور گائے بکری کی چربی کے استعمال سے روک دیا گیا تھا مگر اس لئے نہیں کہ یہ چیزیں حرام ہیں بلکہ اس لئے کہ یہودیوں کی بے قید اور ناہموار طبیعتوں کی زجر و توبیخ کے لئے ضروری تھا کہ عارضی طور پر بعض مباحات روک دی جائیں" [۱۶]

علامہ رشید رضا مصری [۱۷] اور مولانا عبدالماجد دریابادی [۱۸] کا بھی یہی خیال ہے۔
مضمون نگار کے نزدیک توریت اور قرآن دونوں کے واضح اور صریح انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ توریت میں مذکورہ چیزوں کی حرمت جن کا قرآن نے حوالہ دیا ہے۔ خواہ اس کے اسباب جو بھی رہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تشریعی طور پر تھی۔ "مدون تعا

کی تاریخ دوسری صدی عیسوی قرار دے کر مذکورہ بالا چیزوں کی حرمت کو بعد کا اضافہ بتلانا صحیح نہیں۔

(۳) سورۃ المائدہ میں ہے:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ (المائدہ ۵ - ۴۳)	اور یہ تمہیں کیسے حکم بناتے ہیں جبکہ ان کے پاس توراۃ موجود ہے جس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے اور پھر یہ اس سے منہ موڑ رہے ہیں اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔

اس آیت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ان یہودیوں کی سرزنش کی گئی ہے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلہ کو جو خود انھیں کی آسمانی کتاب توریت پر مبنی تھا، قبول نہیں کیا تھا۔ وہ فیصلہ کیا تھا؛ اس کا علم مذکورہ آیت کی شان نزول میں مروی احادیث اور روایات سے ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ ہجرت کے بعد یہودیوں کے ایک معزز خاندان میں سے ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان زنا ہوا۔ زنا کا حکم توریت میں رجم تھا لیکن ان یہودیوں نے اس سے فرار حاصل کرنے کے لئے یہ ترکیب سوچی کہ اس کا فیصلہ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کرائیں پھر اگر وہ رجم کے علاوہ کوئی کم درجے کی سزا (مثلاً کوڑے یا منہ کالا کرنا وغیرہ) دیں تو اسے یہ کہکر قبول کرلیں کہ اللہ کے ایک نبی نے یہ فیصلہ کیا ہے اور اگر وہ بھی رجم ہی کا فیصلہ کریں تو اسے قبول کرنے سے انکار کردیں۔ بالآخر وہ مقدمہ آپ کے سامنے لایا گیا۔ آپؐ نے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ تمہارے مذہب میں زنا کی سزا کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہم زنا کرنے والے کا منہ کالا کرکے رسوا کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تم لوگ جھوٹے ہو، تمہاری کتاب توریت میں رجم کا حکم ہے۔ پھر آپؐ نے توریت لانے کا حکم دیا۔ توریت لائی گئی اور ساتھ ہی ایک قاری کو بلایا گیا۔ اس نے توریت کا ایک حصہ پڑھا اور جب آیت رجم پر پہنچا تو اس پر ہاتھ رکھ لیا (اور اسے نہیں پڑھا)، آپؐ نے فرمایا ہاتھ اٹھاؤ (اور اس جگہ پڑھو) اس نے ہاتھ اٹھایا تو وہاں آیت رجم

تھی۔ اس پر ان یہودیوں نے اعتراف کیا کہ ہاں توریت میں آیت رجم ہے لیکن ہم لوگوں نے اُسے چھپا رکھا تھا اور اس پر عمل نہیں کرتے تھے"[1]

قرآن نے مذکورہ آیت میں توریت کے جس حکم کا حوالہ دیا ہے کیا وہ موجودہ توریت میں بھی موجود ہے؟ اس کا جواب حاصل کرنے کے لئے جب ہم کتاب مقدس کی ورق گردانی کرتے ہیں تو کتاب استثنا کی مختلف آیتوں میں زنا کی مختلف صورتوں اور ان کی سزاؤں کا ذکر پاتے ہیں۔ مثلاً:

" اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں۔ یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی۔ یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی دفع کرنا" (باب ۲۲)

" اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہو گئی ہو اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا۔ اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں۔ لڑکی کو اس لئے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لئے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا" (باب ۲۲: ۲۳-۲۴)

" پر اگر اس آدمی کو وہی لڑکی جس کی نسبت ہو چکی ہو کسی میدان یا کھیت میں مل جائے اور وہ آدمی جبراً اس سے صحبت کرے تو فقط وہ آدمی جس نے صحبت کی مار ڈالا جائے پر اس لڑکی سے کچھ نہ کہنا...... کیونکہ وہ لڑکی اسے میدان میں ملی اور وہ منسوبہ لڑکی چلائی بھی۔ پر وہاں کوئی ایسا نہ تھا جو اُسے چھڑاتا" (باب ۲۲: ۲۵-۲۷)

ان کے علاوہ زنا کے کچھ احکام ۲۰: ۱۰، ۲۰: ۲۷ (اور عہد نامہ جدید کے یوحنا ۸: ۴-۶) میں بھی مذکور ہیں۔

(۱) [illegible]

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ ۚ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝
(المائدہ — ۴۵)

توراۃ میں ہم نے یہودیوں پر یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان آنکھ کے بدلے آنکھ ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں کیلئے برابر کا بدلہ، پھر جو قصاص کا صدقہ کردے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔

اللہ تعالیٰ یہود کی سرکشی و نافرمانی اور احکام الٰہی سے اعراض کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ہم نے ان پر قانون قصاص عائد کیا تھا مگر انھوں نے خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہوئے اس میں من مانی ترمیمات کرلیں۔ یہ قانون قصاص اب بھی عہد نامہ قدیم میں مختلف مقامات پر مذکور ہے مثلاً :

"تو جان کے بدلے جان لے، اور آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ۔ پاؤں کے بدلے پاؤں، جلانے کے بدلے جلانا، زخم کے بدلے زخم اور چوٹ کے بدلے چوٹ"

(خروج باب ۲۱ ۲۳—۲۵)

"اور جو کوئی کسی آدمی کو مار ڈالے وہ ضرور جان سے مارا جائے"

(احبار باب ۲۴ ۱۷)

"اور اگر کوئی شخص اپنے ہمسایہ کو عیب دار بنا دے تو جیسا اس نے کیا ویسا ہی اس سے کیا جائے۔ یعنی عضو توڑنے کے بدلے عضو توڑنا ہو اور آنکھ کے بدلے آنکھ، اور دانت کے بدلے دانت۔ جیسا عیب اس نے دوسرے آدمی میں پیدا کر دیا ہے ویسا ہی اس میں بھی کر دیا جائے"

"اور تجھ کو ذرا ترس نہ آئے۔ جان کا بدلہ جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، دانت کا بدلہ دانت، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہو" (استثناء ۱۹ : ۲۱)

(۵) سورۂ البقرہ میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ. (البقرہ — ۱۸۳)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ تم پر روزے فرض کر دیئے گئے جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کئے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔

اس آیت میں اہل ایمان سے خطاب کرکے انھیں بتایا گیا ہے کہ ان پر اسی طرح روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح ان سے پہلے کی امتوں پر فرض کئے گئے تھے۔ پہلے کی امتوں سے مراد مفسرین کے نزدیک اہل کتاب ہیں جیسا کہ بعض روایات میں بھی مذکور ہے [۲] البتہ وجہ تشبیہ میں اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ تشبیہ اس بات میں ہے کہ جس طرح اس امت پر رمضان کے روزے فرض کئے گئے ہیں اسی طرح گزشتہ امتوں (یہود اور نصاریٰ) پر بھی رمضان کے روزے فرض کئے گئے تھے لیکن بعد میں انھوں نے ان میں تبدیلی کر لی [۱] بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ تشبیہ صرف وجوب میں ہے۔

کتاب مقدس کے دونوں عہدناموں میں اب بھی وجوب روزہ کے حوالے ملتے ہیں۔ بعض صحیفوں میں اشارۃً اور بعض میں صراحتاً مثلاً:

"اور یہ تمہارے لئے ایک دائمی قانون ہو کہ ساتویں مہینہ کی دسویں تاریخ کو تم اپنی اپنی جان کو دکھ دینا اور اس دن خواہ وہ دیسی ہو یا پردیسی جو تمہارے بیچ بودوباش رکھتا ہو کسی طرح کا کام نہ کرے ...... تم اس دن اپنی اپنی جان کو دکھ دینا" (احبار باب ۱۶ : ۲۹ — ۳۱)

" پھر اسی ساتویں مہینہ کی دسویں تاریخ کو تمہارا مقدس مجمع ہو۔ تم اپنی

اپنی جان کو دکھ دینا اور کسی طرح کا کام نہ کرنا" (گنتی باب ۲۹، ۷)

کتاب مقدس کی مذکورہ بالا آیات میں لفظ "دکھ" سے مراد ـــــ جیسا کہ علماء کہتے ہیں۔ روزہ ہے۔ قدیم صحیفوں میں روزہ کے لئے یہی لفظ استعمال ہوتا تھا" [۲۲] بعد کے صحیفوں میں صراحت کے ساتھ روزہ کا تذکرہ ہے:

"یرمیاہ نے باروک کو حکم دیا اور کہا ...... تو جا اور خداوند کا وہ کلام جو تو نے میرے منہ سے اس طومار میں لکھا ہے خداوند کے گھر میں روزہ کے دن لوگوں کو پڑھ کر سنا (یرمیاہ باب ۳۶ ۵ ـ ۶)

" سموئیل نے کہا کہ سب اسرائیل کو مصفاہ میں جمع کرو اور میں تمہارے لئے خداوند سے دعا کروں گا۔ سو وہ سب مصفاۃ میں فراہم ہوئے اور پانی بھر کر خداوند کے آگے انڈیلا اور اس دن روزہ رکھا"

(سموئیل اول باب ۷ ۵ ـ ۶)

" اور جب تم روزہ رکھو تو ریاکاروں کی طرح اپنی صورت اداس نہ بناؤ کیونکہ وہ اپنا منہ بگاڑتے ہیں تاکہ لوگ ان کو روزہ دار جانیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے۔ بلکہ جب تو روزہ رکھے تو اپنے سر میں تیل ڈال اور منہ دھو۔ تاکہ آدمی نہیں بلکہ تیرا باپ جو پوشیدگی میں ہے تجھے روزہ دار جانے" (متی باب ۶ ۱۶ ـ ۱۸)

" اور یوحنا کے شاگرد اور فریسی روزہ سے تھے۔ انہوں نے آکر اس سے کہا، یوحنا کے شاگرد اور فریسیوں کے شاگرد تو روزہ رکھتے ہیں لیکن تیرے شاگرد روزہ کیوں نہیں رکھتے ہیں جس وقت تک دولہا ان کے ساتھ ہے وہ روزہ نہیں رکھ سکتے۔ مگر وہ دن آئیں گے کہ دولہا ان سے جدا کیا جائے گا اس وقت وہ روزہ رکھیں گے"

(مرقس باب ۲ ۱۸ ـ ۲۰) نیز لوقا باب ۵ ۳۳ ـ ۳۵

روزہ کا مقصد پچھلی امتوں کے لئے بھی یہی تھا کہ ان میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو۔

لیکن بعد میں ان میں روزے محض کسی بلا کو دفع کرنے یا کسی فوری اور روحانی کیفیت کو حاصل کرنے کے لئے رکھے جانے لگے یہود کی قاموس اعظم جیوش انسائیکلو پیڈیا میں ہے :

" قدیم زمانہ میں روزہ یا تو بطور علامت ماتم کے رکھا جاتا تھا اور یا جب کوئی خطرہ درپیش آتا تھا اور یا پھر جب سالک اپنے میں قبول الہام کی استعداد پیدا کرنا چاہتا تھا " ۲۳ے

(۶) سورۃ الفتح میں ہے :

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَیْنَہُمْ ، تَرٰىہُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا ، سِیْمَاہُمْ فِیْ وُجُوْہِہِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِکَ مَثَلُہُمْ فِی التَّوْرٰىۃِ وَمَثَلُہُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ ، یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِہِمُ الْکُفَّارَ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْہُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا

. . . .

(الفتح ـ ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں ۔ تم جب دیکھو گے انھیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے ، سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں ۔ یہ ہے ان کی صفت توراۃ میں ۔ اور انجیل میں ان کی مثال یوں دی گئی ہے ۔ کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی پھر اس کو تقویت دی پھر وہ گدرائی پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی ۔ کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں ۔ اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں ۔ اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے ۔

اس آیت میں اللہ نے رسول اور آپ کے اصحاب کی ایک ایک تمثیل توریت اور انجیل کے حوالے سے جو تمثیل بیان ہوئی ہے کیا وہ موجودہ عہد نامہ قدیم میں موجود ہے؟ یہ جاننے کے لئے جب ہم اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں اس قسم کی کوئی تمثیل قرار دیا ہے :

" خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا۔ وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔ اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ اس کے دہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشی شریعت تھی۔ وہ بیشک قوموں سے محبت رکھتا ہے اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں میں بیٹھے ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگا "

(استثناء باب ۳۳ ۲-۳)

البتہ انجیل کی جس تمثیل کا حوالہ دیا گیا ہے عہد نامہ جدید میں اس سے ملتی جلتی تمثیل متعدد مقامات پر ملتی ہے۔ مثلاً متی لوقا اور مرقس تینوں انجیلوں میں درج ذیل تمثیل مذکور ہے :

" اس نے ایک اور تمثیل ان کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اس دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں "

(متی باب ۱۳ ۳۱-۳۲، لوقا باب ۱۳ ۱۸-۱۹، مرقس باب ۴ ۳۰-۳۱)

مرقس میں ہے :

" اور اس نے کہا خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے اور وہ بیج اس طرح اگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے۔ زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے پہلے

پتی پھر بالیں پھر بالوں میں تیار دانے پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آپہنچا" (مرقس باب ۴ ۲۶ - ۲۹)

(۷) سورۂ اعراف میں ہے :

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ
كَتَبَهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ
هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ،
اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ
النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ
مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ
وَالْاِنْجِيْلِ ط
(الاعراف)

میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے اور اسے میں ان لوگوں کے حق لکھوں گا جو نافرمانی سے پرہیز کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے اور میری آیات پر ایمان لائیں گے۔ (پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کریں گے جس کا ذکر انھیں اپنے یہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میری رحمت ان تمام لوگوں کے لئے وسیع ہے جو تقویٰ، زکاۃ اور ایمان بالآیات کے ساتھ ساتھ اس نبی امی کی لائی ہوئی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں جس کا تذکرہ اپنی کتابوں تورات اور انجیل میں پاتے ہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر مسلمانوں کی آج تک کی تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانے میں یہودیوں اور عیسائیوں نے مسلمانوں سے دشمنی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔ اس کے باوجود قرآن کے بیان کے مطابق آج بھی یہودی اور عیسائی آسمانی نوشتوں ہزارہا تحریفات کے علی الرغم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بشارتیں موجود ہیں۔
متعدد علماء اور مصنفین نے اس قسم کی بشارتیں اپنی تصنیفات میں جمع کر دی ہیں[۲۵] مولانا عبدالماجد دریابادی نے آیت مذکور کی تفصیل میں جو کچھ لکھا ہے اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ اس میں انھوں نے اجمال کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق توریت اور انجیل کی بشارتوں کو جمع کر دیا ہے۔

فرماتے ہیں :

" تحریف و تصحیف کے بعد بھی یہ حوالے مروجہ توریت و انجیل سے اب تک نہ دُھل سکے چنانچہ توریت میں ہے " خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی طرف کان دھریو " (استثناء ۱۸ : ۱۵) اور خداوند نے مجھے کہا کہ انھوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا " (استثناء ۱۸ : ۱۸) دونوں آیتوں میں بنی اسرائیل کے "بھائیوں" سے مراد ظاہر ہے کہ بنی اسماعیل ہی ہو سکتے ہیں ۔" خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا ۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا ۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی (استثناء ۳۳ : ۲) آتشی شریعت بھی ہمارے ہی رسول کی تھی فتح مکہ کے وقت آپ ہی داخل ہوئے ۔ شہر میں دس ہزار پاک نفس صحابہ " (قدسیوں) کے جلو میں اور سینا (حضرت موسیٰ) اور سعیر (حضرت عیسیٰ) کی نبوتوں کے بعد فاران سے جو نور نبوت جلوہ گر ہوا وہ بھی ہمارے ہی نبی کا تھا (فاران مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے)

" اور اسماعیل کے حق میں میں نے تیری سنی دیکھ میں اُسے برکت دوں گا اور اُسے برومند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے ۔ میں اُسے ایک بہت بڑی قوم بناؤں گا " (پیدائش ۱۷ : ۲۱) حضرت اسماعیل کی نسل کے حق میں یہ سارے وعدے ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے جا کر پورے ہوئے ہیں ۔ " یہوداہ سے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا اور نہ حاکم اس کے پاؤں کے پاس سے جاتا رہے گا جب تک وہ نہ آئے جو بھیجا جانے والا ہے ۔ اور قومیں اس کے

پاؤں کے پاس سے جاتا رہے گا۔ جب تک کہ وہ نہ آئے جو بھیجا جانے والا ہے۔ اور قومیں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی" (پیدائش ۴۹: ۱۰)

زیر خط عبارت کا ترجمہ رومن کیتھولک بائبل یعنی (VERSION DO WEY) کے مطابق ہے) دنیا کی مختلف قومیں ہمارے رسول ہی کے علم کے نیچے جمع ہوئیں۔ وہی نبی مرسل تھے۔ انہی کے بعد سے یہود کا اقتدار نمایاں اور دیرپا طور پر ختم ہوگیا۔ اور داؤد کے ایک نغمے میں ہے: "میں ساری پشتوں کو تیرا نام دلاؤں گا۔ پس سارے لوگ ابدالآباد تک تیری ستائش کریں گے" (زبور ۴۵: ۱۷) ستائش ہی کو عربی میں محمدت کہتے ہیں۔ اسم محمد صاف ترجمہ ہے ستودہ کا۔ " دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا بڑا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے۔ میں نے اپنی روح اس پر رکھی وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرے گا۔ اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائے گا۔ جبتک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے گا اور بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں" (یسعیاہ ۴۲: ۱-۴) یہ "میرا بندہ" (عبدہٗ ورسولہٗ) اور میرا "برگزیدہ (مصطفٰی)" جس کا زوال نہ ہوگا ـــــ" (خاتم النبیین) صاف ہمارے ہی رسول اکرم ہیں جن کی شریعت بحری ممالک تک پھیلی ہوئی ہے ......

اور انجیل میں ہے: " یسوع نے ان سے کہا کہ کیا تم نے کتاب مقدس میں نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوگیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے، دے دی جائے گی۔ اور جو اس پتھر پر گرے گا اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے مگر جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا" (متی ۲۱: ۴۲-۴۴) جس پتھر کو اسرائیلیوں (معماروں)

ــــنے ہمیشہ رد کیا وہ اسماعیلی تھی۔ آخر میں اسی اسماعیلی نسل کے ایک فرد کو نبوت ملی اور نبوت بھی اس شان کی کہ یہود و نصاری جو بھی اس سے ٹکرائے چور چور ہوکر رہ گئے۔ یسوع مسیح شہر یروشلم کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ " جب تک عالم بالا پر سے تم کو خوف کا لباس نہ ملے اس شہر میں ٹھہرے رہو " (لوقا ۲۴ : ۴۹) جب تک ہمارے حضور کا نزول اجلال نہ ہوا تقدس شہر یروشلم ہی کا قائم رہا اور اس کے بعد کعبہ (واقع شہر مکہ) کیجانب منتقل ہوا۔ حضرت یحیی کے ظہور کے بعد جب یہودیوں نے یروشلم کے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے ؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انھوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے ؟ کیا تو ایلیاہ ہے اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے اس نے جواب دیا کہ نہیں (یوحنا ۱ : ۱۹ - ۲۱) انھوں نے اس سے سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے اور نہ ایلیاہ اور نہ وہ نبی تو پھر کیوں دیتا ہے ؟ (یوحنا ۱ : ۲۵) یہ صاف اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ علاوہ مسیح کے ایک اور نبی " وہ نہ نبی " (النبی) کی معلوم وہ یہی وہ نبی ہے۔ اوروں نے کہا یہ مسیح ہے (یوحنا ۷ : ۴۰) ثبوت مزید اس امر کا کہ علاوہ مسیح کے ایک اور نبی موعود (النبی) کا انتظار ہو رہا تھا : " اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں، دوسرا مددگار (یا وکیل یا شفیع بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے (۱۴ : ۱) جب وہ مددگار (یا وکیل یا شفیع) آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا " (۱۵ : ۲۶) یہ ابد تک ساتھ رہنے والا اور حضرت مسیح کی تصدیق کرنے والا بجز خاتم المرسلین کے جنھوں نے آکر حضرت مسیح کی تصدیق کی اور کون ہو سکتا ہے ؟ یہ حوالے ان نام نہاد

"اناجیل اربعہ کے تھے جو آج بھی کلیسا میں مستند ہیں باقی انجیل برنابا تو اس سے اس سے کہیں زیادہ اور کھلی ہوئی تصریحات سے لبریز ہے" [۲۶]

اس مضمون میں ان تمام حوالوں کا استقصا نہیں کیا گیا ہے جو قرآن کریم میں صحف سماوی سے متعلق پائے جاتے ہیں۔ محض چند مثالیں دی گئی۔ اس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ صحف سماوی میں باوجود ہزارہا تحریفات کے اب بھی حکمت و معرفت کے جواہر پوشیدہ ہیں۔ قرآن اور دوسری آسمانی کتابیں ایک ہی سرچشمے سے نکلی ہیں اس لئے فہم قرآن میں ان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

حواشی وتعلیقات

[۱] مقدمہ تفسیر نظام القرآن۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی۔ دائرہ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڑھ طبع اول مقدمہ نمبر ۲ ص ۴۲-۴۳

[۲] تدبر قرآن۔ مولانا امین احسن اصلاحی۔ مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور جلد اول طبع سوم ۱۹۷۶ء مقدمہ ص

[۳] مقدمہ تفسیر نظام القرآن مقدمہ ۸ "احکام و حقائق کے باب میں قرآن اور کتب سابقہ کا تعلق"

[۴] مثلاً اعمش کا قول ہے کہ اس سے مراد توریت، انجیل اور قرآن ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد الکتاب ہے۔ دیکھئے تفسیر ابن کثیر ۲۰۱/۳۔ فتح القدیر، شوکانی، دار الفکر بیروت طبع سوم ۱۹۷۳ء ۴۲۰/۳ اور دوسری تفسیریں۔ [۵] ایضاً

[۶] دیکھئے ابن کثیر ۲۰۱/۳ اور تفسیر کی دوسری کتابیں۔ [۷] ایضاً

[۸] ترجمان القرآن مولانا ابوالکلام آزاد، ساہتیہ اکادمی دہلی طبع اول ۶۲۷/۲-۶۴

[۹] تفہیم القرآن۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی۔ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، جلد سوم طبع اول ۱۹۶۳ء

ص ۱۹۰، ۱۹۱، [۱۰] تدبر اول ص ۲۴۵

۱۱ مولانا مودودی نے لکھا ہے: "نزول توراۃ سے صدیوں پہلے حضرت یعقوب (اسرائیل علیہ السلام) نے بعض چیزوں کا استعمال چھوڑ دیا تھا۔ اور ان کے بعد ان کی اولاد بھی ان چیزوں کی تارک رہی حتیٰ کہ یہودی فقہاء نے ان کو باقاعدہ حرام سمجھ لیا اور ان کی حرمت توراۃ میں لکھ لی۔ ان اشیاء میں اونٹ اور خرگوش اور سافان شامل ہیں۔ آج بائبل میں توراۃ کے جو اجزاء ہم کو ملتے ہیں ان میں ان تینوں چیزوں کی حرمت کا ذکر ہے (احبار ۱۱: ۴—۶، استثناء ۱۴: ۷)، لیکن قرآن مجید میں یہودیوں کو جو چیلنج دیا گیا تھا کہ لاؤ توراۃ اور دکھاؤ یہ چیزیں کہاں حرام لکھی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ توراۃ میں ان احکام کا اضافہ اس کے بعد کیا گیا ہے کیونکہ اگر اس وقت توراۃ میں یہ احکام موجود ہوتے تو بنی اسرائیل فوراً لا کر پیش کر دیتے۔" (تفہیم القرآن اول ص۲۹۴)

مضمون نگار کے نزدیک مولانا کی یہ تاویل صحیح نہیں ہے کیونکہ "لاؤ توراۃ اور دکھاؤ" کہنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ دکھاؤ تورات میں ان کی حرمت کہاں بیان ہوئی ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم ملت ابراہیمی میں ان کی حرمت کے مدعی ہو تو دکھاؤ توریت میں یہ کہاں لکھا ہے کہ وہ عہد ابراہیمی سے حرام ہیں۔ اس لئے یہ فرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ ان کی حرمت سے متعلق احکام کا اضافہ توریت میں عہد نبوی کے بعد کیا گیا ہے۔

۱۲ تفسیر ابن کثیر ۱/ ۵۸۳ ۱۳ تدبر قرآن اول ص۷۳۶

۱۴ تفہیم القرآن اول طبع ۱۹۰۵ھ ص۵۱۴—۵۱۵

۱۵ ترجمان القرآن ۲/ ۵۰۰ ۱۶ ایضا ۲/ ۱۰۲ مزید دیکھئے ۲/ ۳۲۲—۳۲۱

۱۷ تفسیر المنار، رشید رضا مصری، مکتبہ المنار ۶ ۶۰—۶۱

۱۸ تفسیر ماجدی ۶ مولانا عبدالماجد دریابادی - تاج کمپنی پاکستان ص۲۲۹

۱۹ تفسیر ابن کثیر ۲/ ۵۸، تفسیر المنار ۶/ ۳۸۵، تفہیم القرآن ۱/ ۴۷۲، وغیرہ ابن کثیر نے اس واقعہ سے متعلق احادیث موطا، بخاری، مسلم، ابوداؤد کے واسطے سے نقل کی ہیں۔ احمد، نسائی، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے بھی اس کی روایت کی ہے۔

۲۰ فتح القدیر ۱/ ۱۸۱

۲۱ فتح [illegible]

اصلاحِ معاشرہ میں خواتین کا کردار

ڈاکٹر حافظ محمد یونس

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو دائمی اور ابدی تعلیمات نازل فرمائی ہیں، ان سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ٹھیک ٹھیک بنائی ہوئی ساخت کے مطابق انسانی زندگی کا انتظام درست کیا جائے، اس کے لئے عورتوں کی اصلاح اتنی ہی ضروری ہے جتنی مردوں کی۔

اسلام جس اللہ کی عبادت کی طرف بلاتا ہے وہ عورتوں کا بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مردوں کا ہے۔ جس دین کو وہ حق کہتا ہے وہ عورتوں کے لئے بھی ویسا ہی حق ہے جیسا مردوں کے لئے ہے۔ جس نجات کو وہ مقصود قرار دیتا ہے اس کی ضرورت عورتوں کو بھی ویسی ہی ہے جیسی مردوں کو ہے۔ جس جہنم سے اسلام بچانا چاہتا ہے وہ عورتوں کے لئے اتنی ہی خوفناک ہے جتنی مردوں کے لئے ہے، اور جس جنت کی اُمید دلاتا ہے وہ عورتوں کے لئے اپنی ہی کوشش سے مل سکتی ہے جس طرح مردوں کو اپنی کوشش سے۔

اگر کسی مرد کی نجات کے لئے یہ بات کافی نہیں ہو سکتی کہ اس کی بیوی یا ماں یا بہن، ایمان لائی تھی اور اللہ کی خوشنودی کے لئے کوشش کرتی رہتی تھی، تو ظاہر ہے کہ کوئی عورت بھی صرف اس بنا پر نجات نہیں پا سکتی کہ اس کا شوہر یا باپ یا بھائی ایمان لایا

تھا اور اس نے اپنے اللہ کو خوش کرنے کے لئے بار بار کھپائی تھی۔ اللہ کے ہاں کوئی شخص کچھ بھی نہیں پا سکتا جب تک اس نے خود کچھ پانے کی کوشش نہ کی ہو۔

اس لئے اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کو یکساں اپنی اپنی نجات کی فکر ہو۔ ہر ایک دل و جان سے وہ خدمات بجا لائے جو انہیں اللہ کی سزا سے بچائیں اور اس کے انعام کا مستحق بنائیں۔ کوئی مرد کیا عورت اس طرح اپنے آپ کو دوسروں کے ساتھ باندھ لے کہ اس کے ساتھ بندھے بندھے جہنم میں جا پہنچے، اور نہ کوئی مرد یا عورت ایسی اندھوں کی سی زندگی بسر کرے کہ اس کے اپنے گھر میں دین اور ایمان کی روشنی موجود ہو مگر وہ اس سے فائدہ نہ اٹھائے۔

تحریکِ اصلاحِ معاشرہ کی جو تاریخ ہمارے سامنے ہے وہ ہمیں بتاتی ہے کہ ابتدا سے عورتوں نے اس تحریک میں مردوں کے ساتھ برابر حصہ لیا ہے۔ نبی کریمؐ پر ایمان لانے کی سعادت سب سے پہلے جس ہستی کو نصیب ہوئی وہ ایک خاتون ہی تھیں۔ یعنی ہماری آپ کی اور سب مسلمانوں کی ماں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ[1] ہی تھیں، جنھوں نے بارِ نبوت کو اٹھاتے وقت حضورؐ کے کانپتے ہوئے دل کو تسکین[2] دی، وہی تھیں جو دس سال تک ہر قسم کی سختیوں میں حضورؐ کی بہترین رفیق بنی رہیں اور اصلاح معاشرہ میں خاتون اوّل کی حیثیت سے شاندار کردار ادا کیا، اور ان ہی کا مال و دولت اور سرمایہ تھا جس سے مکی دور میں اصلاح معاشرہ کا مشن جاری و ساری رہا۔

اصلاح معاشرہ کی اس تحریک میں نبوت کے پہلے تین سالوں میں جو ۵۵ اشخاص ایمان کے ساتھ شامل ہوئے، ان میں نو عورتیں شامل تھیں[3]۔ پانچ چھ برس تک مکہ میں اصلاح معاشرہ کی خاطر انتہائی ظلم و ستم سہنے کے بعد جو ۹۳ اشخاص اپنے گھر بار چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کر گئے تھے ان میں ۱۸ عورتیں شامل تھیں[4] جنہوں نے دین و ایمان کی خاطر جلاوطنی کی مصیبتوں میں

---

[1] ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ج ۳ ص ۱۷

[2] البخاری، الجامع الصحیح للبخاری، ج ۱، ص ۳ (باب بدء الوحی) مکتبہ آرام باغ نور محمد، کراچی،

[3] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۱، ص ۲۷۱ – ۲۷۷ (دار احیاء التراث العربی، بیروت)

[4] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۱۳۸

اپنے شوہروں اور بھائیوں کا ساتھ دیا۔ مکہ میں جن لوگوں نے کفار کے ہاتھوں سب سے بڑھ کر ظلم سہے ان میں اگر یاسرؓ اور عمارؓ جیسے مرد تھے، تو ام عبیسؓ، ام عمارؓ اور زنیرہؓ جیسی عورتیں تھیں[1]۔ اسی طرح مدینے میں جہاں انصار کے مردوں نے احیائے معاشرہ اور اسلام کی خاطر قربانیاں دیں عورتوں نے بھی کم حصہ نہیں لیا۔

ایک نیک بخت خاتون کا مشہور قصہ روایات میں آیا ہے، جس نے جنگ اُحد کے موقع پر اپنے بیٹوں کو بلایا اور ایک ایک کو رخصت کیا اور کہا، بیٹا پیٹھ نہ دکھانا، میں نے اس دن کے لئے تم کو دودھ نہیں پلایا تھا۔ اس کے بعد ایک ایک کی شہادت کی خبر سنتی رہیں اور جب اپنے آخری بیٹے کی شہادت کی خبر سنی تو ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

"الحمد لله الذی اکرمنی بشهادتهم" (اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے ان کی شہادت سے مجھے سرفراز فرمایا اور اس کی عزت بخشی)۔

اسی جنگ میں ان کے شوہر، باپ اور بھائی کی شہادت کی خبر پہنچی تو اس نے پوچھا۔ مجھے یہ بتاؤ کہ رسولؐ اللہ تو خیریت سے ہیں اور جب اُس نے حضورؐ کو بخیریت دیکھ لیا تو کہنے لگی "آپؐ زندہ ہیں تو ہر مصیبت قابل برداشت ہے"[2]۔

اسی جنگ اُحد میں ایک خاتون اُم عمارہؓ پانی پلانے کی خدمت کر رہی تھیں، جب انھوں نے دیکھا کہ حضورؐ زخمی ہو گئے اور کفار نے آپؐ پر نرغہ کر لیا ہے تو تلوار کھینچ کر سامنے آکھڑی ہوئیں اور آپؐ کو بچانے کے لئے لڑتی رہیں یہاں تک کہ شانے پر گہرا زخم کھایا[3]۔

یہ اور ایسے ہی بے شمار واقعات بتاتے ہیں کہ اسلام کی راہ میں جو کچھ مردوں نے کیا ہے اس سے کچھ کم عورتوں نے نہیں کیا ہے۔ انھوں نے اس دین کی خاطر اور اصلاح معاشرہ میں ظلم بھی سہے، خطرات بھی مول لئے، جان و مال کی قربانیاں بھی دیں، عزیز و اقارب کو بھی چھوڑا جلا وطنی اور فقر و فاقہ کی تکلیفیں بھی اُٹھائیں، اور اپنے ایمان دار باپوں، شوہروں اور بھائیوں کے

۱؎ ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۲۰۔ ۲؎ ابن جریر، الطبری پیرا نمبر ۱۴۲۵، ابن ہشام ج ۳، ص ۱۰۵۔

۳؎ ابن ہشام، ج ۳، ص ۸۶-۸۔

ساتھ وفاداری کا حق بھی پوری طرح ادا کیا۔ یہ ان خواتین کے کارنامے ہیں، جن کی بدولت ابتداء میں اسلام دنیا پر چھایا تھا اور آج اگر اس ملک اور معاشرے کو پھر دنیا پر چھانا ہے تو یہ اس کے بغیر نہیں ہوسکتا کہ آج کل کی خواتین ان ہی جاں نثار خواتین اسلام کے نقش قدم پر چلیں، اور ان ہی کی طرح اخلاص ایمانی کا ثبوت دیں۔

اس وقت عورت کے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ وہ اپنے گھروں کو اپنے ہمسایوں اور اپنے ملنے جلنے والوں کے گھروں کو شرک و جاہلیت اور فسق سے پاک کرنے کی کوشش کریں۔ گھروں کی معاشرت کو اسلامی بنائیں۔ پرانی اور نئی جاہلیتوں کے اثرات سے خود بچیں اور دوسرے گھروں کو بچائیں۔ ان پڑھ اور نیم خواندہ عورتوں میں علم دین کی روشنی پھیلائیں، تعلیم یافتہ خواتین کے خیالات کی اصلاح کریں، خوشحال گھروں میں خدا سے غفلت اور اصول اسلام سے انحراف کی جو بیماریاں پھیلی ہوئی ہیں ان کو روکیں، اپنی اولاد کو اسلام پر اٹھائیں۔ اپنے گھروں کے مردوں کو اگر وہ فسق اور بے دینی میں مبتلا ہوں، راہ راست پر لانے کی کوشش کریں اور اگر اسلام کی راہ میں کوئی خدمت کر رہے ہوں تو اپنی رفاقت اور معاونت سے ان کا ہاتھ بٹائیں۔

رسالت کے عہد کی خواتین کا واسطہ کفار اور بدترین دشمن اسلام سے تھا، اس کے باوجود جو کچھ انھوں نے اپنے دین اور معاشرے کی اصلاح کے لئے کردار ادا کیا تھا اور جس جرأت اور ہمت و استقلال کے ساتھ اپنے خاندان کی انتہائی مخالفت اور دشمنی کے مقابلہ میں حق پرستی کا کمال دکھایا وہ ہمیشہ تمام دنیا کی عورتوں کے لئے ایک بہترین نمونہ رہے گا۔

سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کو لیجئے۔ ان کے خاندان کے زیادہ تر لوگ اسلام کے سخت دشمن تھے[۱] خصوصیت کے ساتھ ان کا حقیقی بھائی نَوفَل ان کا چچازاد بھائی اَسوَدْ اور اسود کا بیٹا زَمْعَہ یہ لوگ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ابوجہل کے دست راست تھے[۲] لیکن اس کے باوجود وہ حضورؐ کی رفاقت اور پشت پناہی کرتی رہیں اور خود اپنے میکے والوں

---

[۱] ابن ہشام، ج۱، ص۱۳۹

[۲] ایضاً، ج۱، ص۳۰۱، ۳۰۵، ج۲، ص۳

کی دشمنی کی انھوں نے ذرا برابر پرواہ نہیں کی۔

حضرت ام سلمہ کو دیکھئے۔ ان کے ایک چچا کا بیٹا ابوجہل تھا۔[1] دوسرا چچا ولید بن مغیرہ تھا[2] اور اس کا بیٹا خالد اسلام کا سخت دشمن تھا۔[3] ان کا اپنا حقیقی بھائی عبداللہ ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں سرگرم تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ بہادر خاتون اسلام لائیں اور جب خاندان والوں نے بہت زیادہ تنگ کیا تو گھر بار خاندان کو چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کر گئی۔ حضرت عمر کی بہن فاطمہ کی مثال لیجئے۔ ان کا باپ خطاب اور ان کا ماموں ابوجہل دونوں اسلام کی دشمنی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے،[4] ان کے حقیقی بھائی حضرت عمر بھی زمانۂ کفر میں اسلام کی دشمنی اور مسلمانوں پر ظلم کرنے میں کسی سے کم نہ تھے۔[5] باپ بھائی اور ماموں کے اس رویہ سے وہ واقف تھیں۔ پھر بھی اپنے شوہر کے ساتھ اسلام قبول کرنے سے نہ جھجکیں۔[6] حضرت عمر کو جب معلوم ہوا کہ بہن اور بہنوئی دونوں ایک اصلاحی تحریک میں داخل ہو کر مسلمان ہو گئے ہیں، تو وہ ڈھونڈنے لگے آئے۔ ابھی دروازے ہی پر تھے کہ اندر سے قرآن پڑھنے کی آواز آئی، گھر میں گھس کر بہن اور بہنوئی دونوں کو خوب مارا، یہاں تک کر لہولہان ہو گئیں۔ مگر اس اللہ کی بندی نے بھائی سے صاف کہہ دیا کہ تم چاہے مار ڈالو، حق جو میں پا چکی ہوں، اسے چھوڑ نہیں سکتی۔ اس پر بھائی کا دل پسیجا اور اس نے کہا "ذرا میں بھی تو سنوں، کہ وہ چیز کیا تھی جو تم دونوں پڑھ رہے تھے۔" بہن نے قرآن کے اوراق نکال کر سامنے رکھ دیئے، جن میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ بھائی نے پڑھنا شروع کیا اور جوں جوں پڑھتا گیا حق کی تاثیر دل میں اترتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ جب سورۃ ختم ہوئی تو وہی دل جو ابھی تھوڑی دیر پہلے تک کفر اور بغض اسلام سے بھرا ہوا تھا۔ ایمان لانے سے لبریز ہو گیا۔[7]

اس طرح ایک عورت ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ عمرؓ فاروق جیسے عظیم الشان انسان کو اسلام کے دائرے میں لائی جس کا نام تاریخ اسلام میں ہمیشہ درخشاں رہے گا۔[8]

---

۱ بخاری، ج ۲، ص ۹۶۱۔ ۲ ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۶۳۔ ۳ ایضاً، ج ۳، ص ۹۱، ۷۰
۴ ایضاً، ج ۱، ص ۳۱۵، ۵ ایضاً، ج ۱، ص ۳۴۵۔ ۶ ایضاً، ج ۱، ص ۳۷۵
۷ [illegible] ج ۱، ص ۳۶۷، ۸ ایضاً، ج ۱، ص ۳۶۶، ۹ ایضاً، ج ۱، ص ۳۷۱

یہ ہیں سچے اور مسلمان عورتوں کے کارنامے ' اور اگر موجودہ دور کی خواتین کو اپنی نجات درکار ہے، تو یہی کردار ان کو بھی اپنے اندر پیدا کرنا ہوگا۔

اسلام نے عورت کی جدوجہد کو صرف علم و فکر کے میدان تک محدود نہیں رکھا ہے، بلکہ اس کی پرواز عمل کے لئے اس سے وسیع تر فضا مہیا کی ہے وہ جس طرح علم و ادب کی راہ میں ترقی کرسکتی ہے اسی طرح زراعت اور تجارت میں بھی ترقی کرنے کا حق رکھتی ہے، اس کو مختلف پیشوں اور صنعتوں کو اپنانے اور بہت سی ملی و اجتماعی خدمات کے انجام دینے کی بھی اجازت ہے۔ یہی نہیں بلکہ زندگی و حرکت کے جو داعیات اس کے اندر اٹھتے رہتے ہیں ان کو دبانے اور مٹانے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ ان کی تکمیل کی اس کو دعوت دی گئی ہے۔

البتہ اسلام نے کوشش کی ہے کہ عورت کے اندر تکلف و تصنع، عیش و راحت، نازک طبعی اور غیر مستقل مزاجی جیسی مذموم صفات راہ نہ پانے پائیں اور وہ اس قابل ہوسکے کہ زندگی کے شوائد کا استقلال کے ساتھ مقابلہ کرسکے۔ چنانچہ اسی غرض سے شریعت نے اس کو پرمشقت اور سادہ زندگی کی تعلیم دی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طبقوں کے متعلق فرمایا کہ وہ جہنمی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے:-

" وہ عورتیں جو لباس پہننے کے باوجود عریاں رہتی ہیں۔ جو مٹک مٹک کر چلتی ہیں اور جو اونٹ کے کوہان کی طرح اپنے مونڈھوں کو ہلا ہلا کر ناز و ادا کا اظہار کرتی ہیں، وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی بلکہ اس کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکیں گی۔ حالانکہ جنت کی مہک دور دور تک پھیلی ہوئی ہے[1]"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا یہ نہیں ہے کہ یہ عمل ان کی تباہی کا واحد ذریعہ بنا تھا بلکہ آپ ایک متعین عمل کے ذریعے اس ذہن و مزاج کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جو افراد کو تیزی کے ساتھ ہلاکت و بربادی کی طرف لئے چلا جاتا ہے۔ اگر کوئی قوم سادگی کی بجائے تصنع اور تکلف کی عادی اور جفاکشی کے بجائے عیش و راحت کی طالب بن جائے تو کشمکش حیات میں وہ کبھی ثابت قدم نہیں رہ سکتی۔

[illegible]

شریعت، ان ہی اسباب تباہی سے عورت کو محفوظ رکھنا چاہتی ہے تاکہ زندگی کے کارزار میں اس کو نامرادیوں کا سامنا نہ کرنا پڑے اور وہ کامیابی کے ساتھ اپنے فرائض پورے کر سکے۔

جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میری خالہ کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی۔ طلاق کے بعد ان کو عدت کے دن گھر ہی میں گزارنے چاہیئے تھے لیکن انھوں نے عدت کے دوران ہی میں اپنے کھجور کے چند پیڑ کاٹنے اور فروخت کرنے کا ارادہ کیا تو ایک صاحب نے سختی سے منع کیا کہ اس مدت میں گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں استفسار کے لئے گئیں تو آپ نے جواب دیا:-

"کھیت جاؤ اور اپنے کھجور کے درخت کاٹو اور فروخت کرو، اس رقم سے بہت ممکن ہے تم صدقہ وخیرات یا کوئی بھلائی کا کام کر سکو۔ اس طرح یہ تمہارے لئے اجر آخرت کا سبب ہو گا[۱]۔"

ان الفاظ کے ذریعے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ کی خالہ کو انسانیت کی بہی خواہی اور فلاح وبہبود پر اکسایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت عورت کو اس قابل دیکھنا ہے کہ وہ اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی خدمت کر سکے اور اس کے ہاتھوں بھلے کام انجام پائیں۔

اس حدیث سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ پاکیزہ مقاصد کے حصول اور امور خیر کی تکمیل کے لئے عورت گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور یہ کہ دور اول کی خواتین ضرورت پر بازار اور کھیت وغیرہ آیا جایا کرتی تھیں کیونکہ اگر پہلے سے کوئی عمومی ممانعت ہوتی تو حضرت جابرؓ کی خالہ کھیت جانے کا قصد ہی کیوں کرتیں اور بحث بھی یہ نہ چھڑتی کہ فلاں مخصوص حالت میں ان کا گھر سے نکلنا جائز ہے یا نہیں ؛

بعض دوسری روایات سے یہ بات اور واضح ہو گئی ہے۔

"بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی ضروریات کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے[۲]۔"

---

[۱]. ابوداؤد، محمد بن اشعث، سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۳۲۵ (کتاب الطلاق)

[۲]. بخاری، ج ۱، ص ... (کتاب التفسیر، سورۃ احزاب)

اس کی عملی سرگرمیوں نے تو اس امر کے قطعی اور یقینی شواہد فراہم دیئے ہیں کہ اس نے امورِ خانہ داری کے علاوہ دوسری بہت سی مصروفیات اندرون خانہ و بیرون خانہ جاری رکھیں اور اسلامی معاشرہ کبھی ان میں حائل نہیں ہوا۔

سہیلؓ بن سعد ایک خاتون کا ذکر کرتے ہیں، جن کی اپنی کھیتی تھی اور وہ پانی کی نالیوں کے اطراف چقندر کی کاشت کیا کرتی تھیں۔ جمعہ کے دن سہل بن سعد اور بعض دیگر صحابہ ان سے ملاقات کے لئے جاتے تو وہ چقندر اور آٹے سے تیار کردہ حلوہ ان کو کھلائیں۔[1]

حضرت ابوبکر کی صاحبزادی اسماءؓ اپنا ابتدائی حال بیان کرتی ہیں کہ حضرت زبیرؓ سے میرا بیاہ ہو چکا تھا، لیکن ان کے پاس ایک پانی لانے والے اونٹ اور ایک گھوڑے کے سوا نہ تو کسی قسم کا کوئی مال تھا نہ خادم اور نہ کوئی دوسری چیز۔ میں خود ہی ان کے گھوڑے کو چارہ دیتی، پانی پلاتی اور اس کا ڈول بھرتی، گھر کا کام کاج بھی مجھ ہی کو کرنا پڑتا، چنانچہ مجھے خود ہی آٹا گوندھنا اور روٹی پکانا پڑتی۔ میں روٹی اچھی نہیں پکا سکتی تھی۔ پڑوس میں انصار کی کچھ عورتیں تھیں جو اپنی دوستی میں بڑی مخلص ثابت ہوئیں، وہ میری روٹی پکا دیا کرتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کو میرے مکان سے دو میل کے فاصلہ پر ایک زمین کاشت کرنے اور فائدہ اٹھانے کے لئے دے رکھی تھی۔ میں اس زمین سے کھجور کی گٹھلیاں لایا کرتی تھی۔[2]

قیلہؓ نامی ایک صحابیہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ انی امراۃ ابیع واشتری "میں ایک ایسی عورت ہوں، اور پھر آپؐ سے خرید و فروخت سے متعلق مسائل دریافت کئے۔[3]

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کا واقعہ ہے کہ اسماءؓ بنت مخربہ کو ان کے لڑکے عبداللہؓ بن ابی ربیعہ یمن سے عطر روانہ کرتے تھے اور وہ اس کا کاروبار کرتی تھیں۔[4]

---

[1] بخاری، ج ۱، ص ۱۲۸ (کتاب الجمعہ)، [2] ایضاً، ج ۲، ص ۷۸۶ (کتاب النکاح)

[3] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۲۳۰ (قیلہ)، [4] ایضاً، ج ۸، ص ۲۲۰

عمرہؓ بنت طبیخ کہتی ہیں کہ " ایک مرتبہ اپنی لونڈی کے ساتھ بازار جاکر میں نے مچھلی خریدی اور اس کو جھولے میں رکھا، لیکن چونکہ جھولا چھوٹا تھا، اس لئے مچھلی کا سر اور دم باہر نکلی ہوئی تھی ۔ حضرت علیؓ کا ادھر سے گزر ہوا تو دیکھ کر پوچھا کتنے میں خریدی ہے ؟ یہ تو بہت بڑی بھی ہے اور نفیس بھی ۔ اس سے گھر کے سب لوگ سیر ہوکر کھا سکتے ہیں ۔[۱]

حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی ریطہؓ بنت عبداللہ صنعت و حرفت سے واقف تھیں اس کے ذریعہ اپنے اور اپنے خاوند اور بچوں کے اخراجات بھی پورے کرتی تھیں ۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا :

" میں کاریگر عورت ہوں چیزیں تیار کر کے فروخت کرتی ہوں ، اس طرح میں تو کما سکتی ہوں لیکن میرے شوہر اور بچوں کا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے اس لئے ان کے پاس کچھ نہیں ہے " ۔

اور دریافت کیا کہ کیا وہ ان پر خرچ کرسکتی ہیں ۔ آپ نے جواب دیا " ہاں تم کو اس کا اجر ملے گا " ۔[۲]

اصلاحی معاشرہ نے عورت کو جو حقوق و مراعات عطا کئے ہیں ان سے اس نے فائدہ بھی اٹھایا ہے اور جہاں کہیں دیکھا کہ اس کے حقوق تلف کئے جارہے ہیں یا اس پر کسی قسم کی زیادتی ہو رہی ہے تو اس نے اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے پوری بصیرت کے ساتھ جدوجہد بھی کی ہے اور اسلامی قانون نے اپنے تمام مواقع پر اس کو کامیاب بنایا ہے ۔

ایک صاحب نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک مالدار شخص سے کردیا ۔ لیکن لڑکی اس کو پسند نہیں کر رہی تھی ، اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا :

" میرے والد نے میری شادی اپنے ایک دولت مند بھتیجے سے کردی ہے تاکہ ہے تاکہ مجھ کو پھنسا کر اپنی کشائش کا سامان کریں ۔ "

آپؐ نے فرمایا اگر تجھ کو یہ عقد پسند نہیں ہے تو تو آزاد ہے " ۔ اس نے کہا :

---

۱ ۔ ابن سعد ، الطبقات الکبریٰ ج ۸ ، ص ۳۵۸ (تذکرہ عمرہؓ بنت طبیخ)
۲ ۔ ایضاً ، ص ۲۱۲ (تذکرہ ریطہؓ بنت عبداللہ)

"میرے والد نے جو اقدام کیا ہے میں اس کو بحال کرتی ہوں لیکن میں چاہتی ہوں کہ عورتوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کی مرضی کے خلاف باپوں کو ان کے نکاح کا حق نہیں۔"[1]

یہ گویا ایک عورت کا اپنے باپ کی زیادتی کے خلاف کامیاب احتجاج تھا۔ اس معمولی سے واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی معاشرہ میں عورت کے حقوق کا کتنا اور کہاں تک احترام کیا جاتا ہے۔ اور یہ کہ خواتین نے معاشرہ کے مفاد اور اس کے بقاء و تحفظ کے لئے جو خدمات انجام دی ہیں۔ ان خدمات کے پیچھے شخصی منفعت کے بجائے معاشرہ کی خیر خواہی اور اس کو فائدہ پہنچانے کا جذبہ کارفرما رہا ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمان خواتین نے اپنے دین کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دیں۔ اس کے لئے انھوں نے قریب ترین تعلقات اور رشتوں پر چھری پھیر دی۔ خاندان اور قبیلہ سے جنگ مول لی، مصیبتیں جھیلیں، گھر بار چھوڑا، غرض یہ کہ مفاد دین سے ان کا جو بھی مفاد ٹکرایا اسے ٹھکراتے میں انھوں نے کوئی تامل اور پس و پیش نہیں کیا اور آخری وقت تک اپنے رب سے وفاداری کا جو عہد کیا تھا اس پر کوئی آنچ نہ آنے دی۔

مکہ کے ابتدائی دور میں جن سعادت مند اور باہمت نفوس نے ایمان قبول کیا تھا ان میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا خاندان بھی تھا۔ ان کی والدہ ابوحذیفہ بن مغیرہ کی باندی تھیں۔ ان کو دین سے پھیرنے کے لئے ہر طرح کی اذیت دی جاتی رہی۔ یہاں تک کہ ابوجہل نے اس جرم جن کی پاداش میں نیزہ مار کر ان کو شہید کر دیا لیکن ان کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آئی[2]

حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ بنت خطاب ایمان لے آئیں تو حضرت عمرؓ نے ان کو زدوکوب کیا کہ لہولہان ہو گئیں لیکن اس کے باوجود اپنے مولیٰ سے جو عہد وفا باندھا اس میں کوئی کمزوری نہ آنے پائی۔ حضرت عمر کی سختی کے جواب میں کہتی ہیں۔

---

[1] احمد بن حنبل، مسند، ج ۶، ص ۱۳۶ - ابن ماجہ، ج ۱، ص ۶۰۲

[2] ابن حجر، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ج ۸، ص ۱۱۳ (تذکرہ ام عمارؓ)

" ابن خطاب ! میں تو ایمان قبول کر چکی اب جو چاہو کر گذرو میں اس سے پھر نہیں سکتی ۔"

حضرت عمرؓ نے قرآن کو ہاتھ میں لینا چاہا تو کہا :

" ابن خطاب اس کو رکھ دو کیونکہ تم جنابت سے پاکی نہیں حاصل کرتے اور یہ وہ کتاب ہے جس کو پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں ۔ [۱]

ابوسفیان کے ایمان لانے سے قبل کا واقعہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکہ حاضر ہوئے تو اپنی بیٹی اُمّ المومنین اُمّ حبیبہؓ سے بھی ملنے گئے ۔ گھر میں ذات اقدسؐ کا بستر بچھا ہوا تھا، وہ اس پر بیٹھنے لگے، تو بیٹی نے فوراً اس کو تہہ کر دیا ۔ باپ کے لئے یہ حرکت سخت تعجب خیز تھی ۔

پوچھا " کیا تم نے اس کو میرے شایان شان نہ سمجھ کر اٹھا دیا یا مجھے اس قابل نہ سمجھا کہ اس پر بیٹھوں ۔"

بیٹی نے جواب دیا ۔ " یہ رسولؐ خدا کا بستر ہے اور آپ مشرک اور نجس ہیں ۔ اس مقدس بستر پر آپ کو بٹھا کر اس کو پلید کرنا نہیں چاہتی تھی ۔" [۲]

رقیقہؓ بنت ابی صیفی نے مکہ کے نازک ترین دور میں صدائے حق پر لبیک کہی تھی ۔ قریش نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا، تو انھوں نے ہی آپ کو قبل از وقت متنبہ کیا کہ آپ پر شب خوں مارنے کا فیصلہ ہو چکا ہے ۔ [۳]

جن لوگوں نے حضرت عائشہؓ پر افترا پردازی میں حصہ لیا ان میں مسطح بن اثاثہ بھی تھے، ان کی ماں کے ایمانی تقاضوں نے اس کی اجازت نہ دی کہ بیٹے کی اس غلط حرکت کو گوارا کریں یا کم از کم تاویل و توجیہ کے پردوں میں اس کو چھپا دیں ۔ ابن سعد نے لکھا ہے ۔

" مسطح نے جب حضرت عائشہؓ پر افترا پردازی کرنے والوں کے ساتھ

---

[۱] ابن ہشام، ج ۱، صفحہ ۳۴۳ (اسلام حضرت عمرؓ) [۲] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، صفحہ ۷۰ (تذکرہ ام حبیبہؓ) [۳] ایضاً ۔ الطبقات الکبریٰ ج ۸، صفحہ ۱۶۲ (رقیقہ بنت ابی)

تہمت باندھتے ہیں جس سے یا تو یہ ان پر اور نامردوں سے زیادہ سخت تھا۔[1]
روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت ان کے اس عیرت مندی اور نامدانشمندی پر پیچ و
تاب کھاتی اور غم و غصہ کا اظہار کرتی تھیں۔

شریعت نے ریاست کے دفاع اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری عورت پر نہیں ڈالی
ہے لیکن اس کے باوجود خدا کے دین کو سربلند دیکھنے کی تمنا اس کو دشمن کے خلاف محاذ جنگ پر
لے آتی اور مردوں کے ساتھ وہ بھی کفر کا علم سرنگوں کرنے میں حصہ لیتی۔

اسماء بنت یزید کے ہاتھ سے جنگ یرموک میں نو رومیوں کو موت کا پیالہ پینا پڑا۔[2]

"ایک انصاری خاتون ام حارث کی ثابت قدمی اور شجاعت دیکھئے کہ جنگ
حنین میں اسلامی فوج کے قدم میدان سے اکھڑ چکے ہیں لیکن چند باہمت
نفوس کے ساتھ پہاڑ کی طرح جمی ہوئی ہیں۔"[3]

حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیم خنجر لئے ہوئے احد میں آئی تھیں حنین میں بھی ان کے
پاس خنجر تھا۔ اس طرح مسلح ہو کر آنے کا مقصد حضورؐ نے دریافت فرمایا، تو جواب دیا:

"میں نے اس کو اس لئے ساتھ رکھا ہے تاکہ اگر کوئی مشرک قریب ہو تو اس سے
اس کا پیٹ چاک کر دوں۔"[4]

دشمنان دین کو ناکام بنانے میں عورت نے جتنا براہ راست حصہ لیا ہے اس سے کہیں
زیادہ وہ بالواسطہ باطل کی قوتوں کا مقابلہ کرتی رہی ہے۔ اگر اس نے محاذ جنگ پر تیر نہیں چلائے
ہیں، تو دشمن پر ناوک گرنے والے ہاتھوں کو ناوک فراہم کئے ہیں۔ اگر اس نے تلوار نہیں
اٹھائی ہے، تو تیغ زنوں کو تیغ زنی کے قابل بنایا ہے۔ خدا کی راہ میں لڑنے والے زخمی ہوتے

---

1. ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۱۲۹ (تذکرہ مسطح)
2. الاصابہ، ج ۴، ص ۲۳۵ (تذکرہ اسماءؓ بنت یزید)
3. ابن عبدالبر، الاستیعاب، ج ۲، ص ۷۹۱ (تذکرہ ام حارثؓ)
4. مسلم، ج ۲، ص ۹۱

تو یہ ان کا مرہم بن جاتی، وہ گر پڑتے، تو یہ ان کا سہارا ہوتی، وہ بھوکے اور پیاسے ہوتے،
تو یہ ان کے لئے کھانا اور پانی لئے دوڑتی۔

ربیعؓ بنت موعود کا بیان ہے:

"ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد پر جاتی تھیں اور (ہماری خدمات یہ ہوتی تھیں کہ) مجاہدین کو پانی پلاتیں، ان کی خدمت کرتیں اور جنگ میں کام آنے والوں اور زخمی ہونے والوں کو مدینہ لوٹاتیں"[1]

ایک اور صحابیہ جو حضورؐ کے ساتھ چھ غزوات میں شریک ہوئی تھیں، بیان کرتی ہیں:

"ہم زخمیوں کی مرہم پٹی اور بیماروں کا علاج معالجہ اور ان کی تیمارداری کرتی تھیں"[2]

اُمّ عطیہؓ اپنے متعلق فرماتی ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں نے سات غزوات میں شرکت کی،
وہاں میں مجاہدین کے سامان کی نگہداشت کرتی، ان کے لئے کھانا تیار کرتی،
زخمیوں کا علاج اور بیماروں کی تیمارداری کرتی"[3]

اُحد کے مجروح مجاہدین کی مرہم پٹی اور خدمت کے لئے بہت سی صحابیات جنگ کے بعد مدینہ سے گئی تھیں، طبرانی کی روایت ہے:

"جس دن اُحد کی جنگ ہوئی۔ اور جنگ کے بعد مشرکین واپس ہو گئے، تو خواتین، صحابہ کی معاونت کے لئے روانہ ہوئیں۔ حضرت فاطمہؓ بھی ان ہی میں تھیں"[4]

چنانچہ حضور اس دن زخمی ہوئے۔ تو حضرت فاطمہؓ ہی نے زخم، چٹائی کی راکھ سے بھرا تھا۔[5]

حضرت انسؓ کا بیان ہے، کہ جنگ اُحد میں حضرت عائشہؓ اور اُمّ سلیم نے بھی مجاہدین کی خدمت کی تھی۔

[1] بخاری، ج۱، ص ۴۰۳ — [2] احمد بن حنبل، مسند، ج ۶، ص ۴۲۳
[3] مسلم، ج ۲، ص ۱۱۸ — [4] ابن حجر، فتح الباری، ج ۷، ص ۲۷۹
[5] بخاری، ج ۲، ص ۵۸۴ (باب غزوۂ احد، کتاب المغازی)

"میں نے عائشہؓ بنت ابی بکر اور اُم سلیمؓ کو کمربستہ (لوگوں کی خدمت کرتے ہوئے) دیکھا، وہ اس قدر تیزی سے دوڑ دھوپ کر رہی تھیں، کہ میں نے ان کی پنڈلیوں پر کے پازیب دیکھے، وہ اپنی پشت پر پانی سے بھرے ہوئے مشک لاد لاد کر لاتی تھیں اور مجاہدین کو پلاتیں، پھر واپس جاتیں اور بھر کر لاتیں اور مجاہدین کی تشنگی دور کرتیں"۔[1]

خیبر میں حضورؐ کے ساتھ مسلمان خواتین میں سے بہت سی خواتین نے شرکت کی۔ حشرج بن زیاد کی دادی، اور پانچ عورتیں بھی اس جنگ میں گئی تھیں۔ انھوں نے حضورؐ سے آنے کا مقصد ان الفاظ میں ظاہر کیا

"اے اللہ کے رسول ہم اس لئے آئی ہیں، کہ صوف بنیں گی اور اس کے ذریعہ اللہ کی راہ میں مدد کریں گی، ہمارے پاس زخمیوں کے لئے دوا ہے، ہم تیر اندازوں کو تیر فراہم کریں گی اور ضرورت پر مجاہدین کو ستو گھول کر پلائیں گی"۔[2]

اس سے اہم تربات یہ ہے کہ وہ کسی خارجی دباؤ کے تحت یہ خدمات انجام نہیں دیتی تھیں بلکہ محافظین دین کی رفاقت اور تعاون کو اپنے لئے باعث عزت سمجھ کر خود ہی پیش کش کرتی تھیں۔

بعض خواتین میدان جنگ سے باہر بھی یہ خدمات انجام دیتی تھیں، مثلاً رفیدہ نامی قبیلہ اسلم کی عورت کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے کہ:

"زخمی ہونے والوں کی وہ مرہم پٹی کرتی تھیں اور جو مسلمان محتاج خدمت ہوتا، کہ اگر اس کی ٹھیک سے دیکھ بھال نہ ہو، تو ہلاک ہو جائے۔ ثواب کے خیال سے یہ اس کی خدمت کرتیں"۔

چنانچہ مسجد نبوی میں ان کا خیمہ تھا حضرت سعدؓ بن معاذ جنگ خندق میں مجروح ہوئے

---

[1] ایضاً، ج ۲، ص ۵۸۱

[2] ابوداؤد، ج ۲، ص ۳۲۲

تو حضورؐ نے ان کو رفیدہ ہی کے خیمہ میں منتقل کر دیا تھا، تاکہ آپ بآسانی ان کی عیادت کر سکیں۔[1]

دین کی مدافعت اور اس کی ترغیب :

دین کی مدافعت خواتین جس طرح شمشیر و سنان کے ذریعہ کرتی رہی ہیں، اسی طرح زبان و بیان سے بھی انھوں نے یہ فریضہ انجام دیا ہے۔ حق کی نصرت و حمایت میں نیزہ اور تلوار بھی بلند کیا ہے، اور زبان کی قوت بھی صرف کی ہے۔ ان کی پرجوش خطابت و تقریر نے بہت سوں کے لئے اللہ کی راہ میں مرنا اور جینا اور اپنی ہر متاع حیات کا لٹانا آسان بنا دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اَروی بنت عبدالمطلب کے متعلق ابن عبدالبر نے لکھا ہے :

"ایمان لانے کے بعد وہ حضورؐ کی معاونت کرتی تھیں اور اپنے لڑکے کو آپؐ کی مدد کرنے اور آپؐ کے مقصد کو لے کر کھڑے ہونے پر ابھارتی تھیں۔[2]"

خواتین نے اپنوں ہی کو حق پر ثابت قدم رکھنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ معاشرہ میں جہاں کہیں ان کو بگاڑ نظر آیا، اس کو بدلنے اور اس کی جگہ خیر و صلاح کو قائم کرنے کی جدوجہد کرتی رہی ہیں۔ سمراءؓ بنت نہیک کے متعلق ابن عبدالبر نے لکھا ہے :

"وہ بازاروں میں گھوم پھر کر بھلائی کا حکم دیتیں اور برائی سے روکتی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں ایک کوڑا ہوتا تھا، جس سے وہ لوگوں کو منکر کے ارتکاب پر مارتی تھیں"۔[3]

اس معاملہ میں خواتینِ امت نے نہ تو رعایا کی پروا کی اور نہ فرمانرواؤں اور حاکموں کی۔ ان کے ایمانی جذبات نے جس طرح دین کے کھلے دشمنوں کا مقابلہ کیا ہے، اسی طرح

---

[1] الاصابہ، ابن حجر ج ۴، ص ۶۴۹ (تذکرہ رفیدہؓ)

[2] ابن عبدالبر، الاستیعاب، ج ۲، ص ۷۰۳ (تذکرہ اروی بنت عبدالمطلب)

[3] ایضاً ، ج ۲، ص ۷۴۶ (سمراءؓ بنت نہیک)

دین کے نام لیواؤں کے فسادِ فکر و عمل کو بھی برداشت کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اظہارِ حق کے اظہار میں نہ تو باطل کی بڑی سے بڑی قوت ان کے لئے مانع بنی اور نہ جابر و سخت گیر حکام کی زیادتی اور سختی۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو سولی دینے کے بعد، حجاج ان کی والدہ اسماءؓ کے پاس گیا اور کہا آپ کے صاحبزادے نے خدا کے گھر میں بے دینی اور الحاد پھیلایا، جس کی سزا خدا نے اس کو دردناک عذاب کی شکل میں چکھائی ہے۔ حضرت اسماءؓ نے کہا:

"تم نے جھوٹ کہا وہ بے دین نہیں تھا، وہ تو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والا، روزے دار اور تہجد گزار تھا۔ حقیقتاً تم نے اس پر ظلم و زیادتی کی ہے، قسم خدا کی حضورؐ نے ہم سے کہا تھا کہ قبیلۂ ثقیف سے دو جھوٹے پیدا ہوں گے، اس میں بھی دوسرا پہلے سے بدتر ہوگا، کیونکہ وہ ہلاکت و تباہی مچائے گا۔ ثقیف کے پہلے جھوٹے مدعیٔ نبوت مسیلمہ کو تو دیکھ چکے اور دوسرے تم ہو۔"[1]

تنقید یا تائید اسی وقت سود مند ہوتی ہے، جب کہ اس کے پیچھے خلوص اور خیر خواہی کے جذبات کارفرما ہوں، کسی کے عمل پر گرفت کی جائے یا اس کی تائید اور حمایت، دونوں کو ذاتی نفع و غرض سے پاک ہونا چاہیئے، ورنہ نہ تو تائید کا کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ تردید کا۔ مسلمان خواتین نے جو کچھ کہا اور کیا ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر خالص دین اور ریاست کے مفاد کے لئے کہا اور کیا۔

دین کے نفع و ضرر کا پاس و لحاظ، اس کے لئے ہر طرح کی قربانی اور شدید ترین حالات میں مواقع پر استقامت، مسلمان عورت کی یہ اپنی صفات تھیں، جنہوں نے اس کے خلوص اور وفاداری کو ہر شک و شبہ سے بالاتر کر دیا اور کوئی بھی شخص اس کو دین اور اربابِ دین کا بدخواہ اور غدار نہیں ثابت کر سکا۔ اس نے فرد اور جماعت کے مفاد کے لئے جو بھی اقدام

---

[1] احمد بن حنبل، [illegible] ۳۵۱

کیا اس کو ذاتی غرض اور نفسانی خواہش پر محمول نہیں کیا گیا بلکہ مخلصانہ جذبہ کے تحت اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ عام افراد تو کیا ذمہ داران ریاست تک نے اس کی تنقید اور نصیحت کو عزت کی نگاہ سے دیکھا اور اس سے استفادہ کیا ہے۔

حضرت معاویہؓ نے حضرت عائشہ کو لکھا، کہ مجھے ایک مختصر سی نصیحت کیجئے۔ تو حضرت عائشہؓ نے انتہائی مؤثر اور ایک حاکم وقت کو رہنمائی کا کام دینے والا حضورؐ کا یہ ارشاد لکھ کر بھیجا۔

"جو شخص لوگوں کو ناخوش کرکے اللہ کی رضا تلاش کرے اللہ تعالیٰ اس کو انسانوں کے شر سے بچا لیتا ہے لیکن جو شخص اللہ کو خفا کر کے لوگوں کی رضا ڈھونڈے، تو اللہ تعالیٰ اس کو ان ہی کے حوالے کر دیتا ہے۔ اور وہ جس طرح چاہتے ہیں اس پر حکومت کرتے ہیں"[۱]

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، "مہر کی مقدار کم رکھو"۔ تو ایک عورت نے تردید کرتے ہوئے کہا، آپ کو اس کی تبلیغ کا حق نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ "اگر تم اپنی عورتوں کو مہر میں ایک ڈھیر مال بھی دے دو، تو اس سے ایک حبہ بھی نہ لو" اس سے معلوم ہوا کہ مہر کی کوئی حد نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا، ایک عورت نے عمر سے بحث کی اور غالب رہی"[۲]

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ عام مسلمان خواتین تک کو کس قدر دین کے بقا و تحفظ کی فکر دامن گیر رہتی تھی اور ان کو اسلام اور اصول عدل و مساوات پر قائم شدہ ریاست کی سربلندی اور پائیداری سے دلچسپی تھی؛ پھر یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ دین اور اقتدار دین کے فروغ و زوال اور تباہی اور ترقی سے کنارہ کش رہیں گی یا اس سے اغماض برتیں گی؟

---

۱ ترمذی، الجامع للترمذی، ج ۴، ص ۳۴، حدیث نمبر ۲۴۲۵

۲ ابن حجر، فتح الباری، ج ۹، ص ۱۶۱

یہ تاریخی شہادتیں اس بات کا ثبوت ہیں، کہ اسلامی معاشرہ کے سود وزیاں اور نفع وضرر سے مسلمان عورت کسی تماشائی کی طرح غیر متعلق نہیں رہ سکتی کیونکہ معاشرہ کے بناؤ اور بگاڑ اور اصلاح و فساد سے اس کا اپنا نقصان اور معاشرہ کا فائدہ اس کا اپنا فائدہ ہے۔ وہ معاشرہ کو خیر کی بنیادوں پر قائم رکھنے میں مدد دے گی تو لازماً شر کی راہ پر لئے جانے کی مخالفت اور مزاحمت بھی کرے گی۔ بھلائیوں کا خیر مقدم کرے گی تو برائیوں پر احتجاج بھی کرے گی۔ یہ اس کا فطری حق ہے جو اجتماعی زندگی نے اس کو عطا کیا ہے۔ شریعت اس کے اس حق کو تسلیم کرتی ہے اور زندگی کے مختلف معاملات میں خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی اس کو اپنے جذبات و احساسات، رائے اور خیال اور پسند و ناپسند کے اظہار اجازت عطا کرتی ہے۔ یہ اظہار اپنے حدود کے اندر زبان و بیان، تحریر و انشاء، غرض جس ذریعہ سے بھی ہو شریعت اس پر کوئی قدغن نہیں لگاتی۔

جہاں تک اس کے ذاتی مسائل کا تعلق ہے، مثلاً نکاح، خلع وغیرہ تو ان کے متعلق شریعت نے صاف اور واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ کوئی بھی شخص اس پر اپنا فیصلہ لاد نہیں سکتا جو بھی اقدام کیا جائے گا اس کی رضا اور خوشی کے بعد کیا جائے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"شادی شدہ عورت کا نکاح بیوگی یا طلاق کے بعد اس وقت تک نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس سے مشورہ نہ لیا جائے اور دوشیزہ کا نکاح بھی اس کی اجازت لئے بغیر نہیں کیا جائے گا۔"[1]

ایک دوسری روایت ہے۔

"یتیم لڑکیوں کا نکاح ان سے رائے اور مشورہ کرنے سے پہلے نہ کرو"[2]

---

[1] مسلم، ج۱، ص ۲، (کتاب النکاح)

[2] ابن ماجہ، ج۱، ص ۴۰، (کتاب النکاح)؛ کنز العمال ج۸، ص۲۸۵ (کتاب النکاح)

ان معاملات کا تعلق تو اس کی اپنی شخصیت سے ہے۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے۔

"عورتوں سے ان کی لڑکیوں کے معاملہ میں مشورہ لو"[1]

یہ حدیث بتاتی ہے کہ زندگی کے جن شعبوں سے متعلق وہ تجربات رکھتی ہے اور ان کے نفع و نقصان سے بہتر طور پر واقف ہے، ان کے سلسلہ میں اس کے افکار و خیالات خصوصی توجہ اور اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، جن کو نظر انداز کرنا ہمارے لئے کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا، بلکہ ان معاملات میں اس کی رائے اور مشورہ سے فائدہ اٹھانے میں پیش قدمی کرنی چاہیئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عام اسوہ اور طریق عمل حضرت حسن بصری یہ بتاتے ہیں:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشورہ کرتے تھے یہاں تک کہ عورت سے بھی اور وہ کبھی ایسی رائے دیتی جسے آپ اختیار فرماتے"۔

یہ اسوۂ زندگی کے کسی ایک یا چند پہلوؤں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق ہر نوعیت کے مسائل اور تمام پہلوؤں سے ہے۔

مختلف سیاسی و غیر سیاسی مسائل میں عورت کی رائے اور فہم سے اسلامی معاشرہ نے جس طرح فائدہ اٹھایا ہے اسی طرح اپنی تعمیر و تشکیل کے سلسلے میں بھی اس کی عملی صلاحیتوں سے وہ مدد حاصل کرتا رہا ہے۔

شفاءؓ بنت عبداللہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ:

"بسا اوقات حضرت عمرؓ ان کو بازار کی کوئی ذمہ داری سونپتے تھے"[2]

یہ واقعات اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ اسلامی معاشرے نے مسلمان عورت پر بہت سی سیاسی و سماجی ذمہ داریاں عائد کیں اور مسلمان عورت نے اپنے خانگی فرائض کے ساتھ ان سے بھی عہدہ برآ ہونے کی سعی کی۔

---

[1] کنز العمال، ج ۸، ص ۲۸۰ (کتاب النکاح)

[2] ابن عبد البر، الاستیعاب ... ۲، ص ... ۷۲۱ (تذکرہ شفاء بنت عبداللہ)

الرشاد کی ڈاک

عزیزی مشیر الحق مرحوم کے چند خطوط

(اوپر اداریہ میں جن خطوط کا ذکر آیا ہے ان میں سے کچھ خطوط اور ان کے جوابات درج ذیل ہیں) جوابات کا ذکر اس لئے کر دیا گیا ہے کہ خط کے بعض مندرجات اس کے بغیر سمجھ میں نہیں آئیں گے۔

مجیب اللہ بھائی، السلام علیکم۔

امید کے برخلاف اخبارات میں آپ کا نام نظر نہیں آیا۔ ہوسکتا ہے چھپنے سے رہ گیا ہو۔ اگرچہ اس کی امید کم ہی ہے۔ دنا بولتے ہیں کہ پیالی اور ہونٹ کے درمیان ذرا سا بڑا فاصلہ ہوتا ہے، اس کی صداقت پر یقین آگیا۔ بہرحال مجھے اس بات سے اطمینان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کی حقیقی خواہش کو پورا کر دیا۔ میں چاہتا تھا کہ آپ بھی ہم لوگوں کی صف میں آجائیں۔ سو اسے خدا نے یوں پورا کیا کہ گریبان پر جہاں تک میرا زور چل سکتا تھا، وہاں تک کامیابی کے ساتھ چلا۔ دوسری طرف آپ اپنی رضامندی دے دینے کے بعد بھی دل سے اس پر راضی نہ تھے، اور کیا عجب کہ ہم لوگوں کی ناکامی کی دعائیں بھی مانگتے رہے ہوں، کیوں کہ اس معاملہ خاص میں میری ناکامی آپ کی کامیابی تھی۔ سو خدا نے آپ کی بھی بات رکھ لی۔ اس قبولیت دعا کے لئے میں پہلا شخص ہوں جو عمیق دل سے آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ انشاءاللہ سیمنار کے موقع پر ملاقات ہوگی۔ اپنی واپسی کا پروگرام اگر آپ مجھے ابھی سے لکھ دیں تو اس کے مطابق واپسی کا جہاز میں ریزرویشن کر دا رکھوں وقت کے وقت دشواری ہوگی۔ آپ نے کے ریزرویشن کے لئے آپ دہلی میں کسی کو تعینات کر دیں

یہاں سے ریزرویشن کرانا ممکن نہ ہوگا۔

مقالہ کے موضوع کے بارے میں تو آپ ہی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ ویسے اگر لکھنے کا موقع ہو تو ان دونوں موضوعات کے بجائے حسب ذیل موضوعات پر بھی غور کریں!

۱۔ اقبال کے خطبات کے بارے میں یہ روایت مشہور ہے کہ سید صاحبؒ نے فرمایا تھا "کاش اقبال یہ خطبات نہ دیتے" آخر ان خطبات میں کون سی ایسی بات ہے جس کی وجہ سے سید صاحب نے یہ خیال ظاہر کیا تھا۔

۲۔ اقبال اور آزاد دونوں ہی "قرآن فہمی" کے ایک طرح کے دعویدار ہیں۔ ان دونوں کی قرآن فہمی: ایک تقابلی مطالعہ

۳۔ فقہ اور اجتہاد کے موضوع پر اقبال اور آزاد کا نقطۂ نظر۔

بہرحال آپ کو انتخاب کا پورا اختیار ہے۔ امید ہے آپ سب لوگ خیریت سے ہوں گے۔ فقط والسلام

آپ کا بھائی

مشیر الحق

مشیر صاحب — برادرعزیز زید لطفکم — 5/9/89

تمہارا دلچسپ خط مل گیا خدا کا شکر ہے میں تم لوگوں کی صف میں آنے کے قابل نہیں ٹھہرا حقیقت یہ ہے کہ تمہارے خط کے بعد آزمائش سمجھتے ہوئے کچھ صفت قائل ہونے لگی تھی۔ مگر سب سے زیادہ جو چیز میرے لئے فکر کی تھی وہ یہ تھی کہ کہیں تمہاری پوزیشن یہ خراب نہ ہو کہ تم نے کیسے نالائق آدمی کا انتخاب کیا ہے، جولائی + اگست کا جو پرچہ تمہارے پاس پہنچا ہوگا گورنمنٹ کے نزدیک میرے نالائقی کے لئے اس کا اداریہ کافی ہے۔

ادھر ہفتہ عشرہ سے طبیعت خراب چل رہی ہے دو دن سے کچھ طبیعت سنبھلی تھی تو [illegible] شروع کر دیا تھا مگر اچانک [illegible] سے پھر طبیعت زیادہ

خراب ہوگئی اس وجہ سے اب سفر ملتوی کردیا کیونکہ جسم کی موجودہ کمزوری کو دیکھتے ہوئے وہاں کی سردی سے ڈر لگ رہا ہے، خدا کرے تم سب لوگ بخیرو عافیت ہو، صفیہ کو اور عرشی کو دعا کہو، اگر مقالہ تیار ہوگیا اور پہنچ گیا تو مناسب ہو تو کسی سے پڑھوا دینا یا تم خود پڑھ دینا۔

مجیب اللہ ندوی

برادر عزیز زید لطفکم ۸۹/۱۰/۲۱

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

بڑے انتظار کے بعد کتاب کے ساتھ تمہارا خط ملا، خط پڑھنے کے بعد تمہاری خواہش کے مطابق کتاب پر ایک سرسری نظر ہی نہیں ڈالی بلکہ اسے پڑھ ڈالا اور کئی جگہ نشان بھی لگائے عموماً نشان قابل اعتراض جملوں پر لگایا جاتا ہے لیکن نشان زدہ عبارتیں قابل اعتراض تو شاید دو ایک جملے ہوں گے زیادہ تر عبارت میری معلومات میں اضافہ کا سبب بنیں، خاص طور پر سرسید، حالی، ڈپٹی نذیر احمد وغیرہ کے مقابلہ میں شبلی سرکاری ملازمت سے آزاد رہے جس سے دل میں مزید ان کی عظمت بڑھی، اس نے میرے لئے ایک مضمون کا مواد فراہم کردیا۔ اور سرسید وغیرہ سے اختلافات کا ایک سبب بھی ملا، اسی طرح دکن کے مسلمانوں کے سلسلہ میں جو تجربہ تم نے کیا ہے وہ بڑی حد تک حقیقت پسندانہ ہے، مگر "نام نہاد وہابی تحریک" کا جملہ غلط محسوس ہوا، اگر سبقت قلم ہے تو کوئی بات نہیں لیکن یہ رائے ہے تو انتہائی غلط ہے۔ بہر حال کتاب کو پڑھ کر مجھے دو مسرت ہوئی ایک تو یہ کہ تم نے اپنی شخصیت کو اس میں متنازعہ فیہ ہونے سے بچا لیا ہے جس سے ذہنی تبدیلی محسوس ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے ذریعہ تم نے سری نگر اور علی گڑھ کے فاصلہ کو فاصلہ کم کردیا ہے خدا کرے وہ فاصلہ بھی جلد ختم ہو جائے، مگر ابھی تو سری نگر ہی کی صفائی باقی ہے

تم سے ایک مشورہ کرنا ہے مگر اس کے لئے تم کو وقت نکال کر آنا ہوتا، ارادہ ہے کہ ہندستان میں یا ایشیا و افریقہ میں " اسلامی ثقافت" کے عنوان سے ایک بڑے پیمانہ کا سیمنار جامعۃ الرشاد میں کیا جائے، جس میں ہندستان کے اہل علم کے ساتھ دوسرے ملکوں کے دو چار اہل علم شریک ہوں، ہندستان میں اسلامی ثقافت کا عنوان قدرے محدود ہوگا اور ایشیا و افریقہ میں اسلامی ثقافت کا عنوان وسیع ہو جائے گا، بہرحال تم اس سلسلہ میں مشورہ دو کہ عنوان کیا رکھا جائے اس پر ایک لاکھ روپیہ خرچ کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ تم اس کی پوری ذمہ داری اٹھا لو۔

ایک لطیفہ سنو، ایک دن مولانا محمد رابع کا خط آیا کہ میں آپ کو عربی ایوارڈ کے ملنے پر مبارک باد دیتا ہوں، میں نے ان کو لکھا کہ یہ افواہ ہے اور تمہارے حوالے سے لکھا کہ یہ صحیح نہیں ہے، مگر دوبارہ پھر ان کا خط آیا کہ مجھے ڈاکٹر رضوان علوی صاحب جو خود اس کے مستحق قرار دیئے گئے ہیں انہوں نے بتایا کہ مولانا کا نام بھی ہے یہ کیا معمہ ہے سمجھ میں نہیں آیا، میں نے سوچا کہ اگر لوگوں کو خوش گمانی ہے تو اب اس کو باقی رہنے دیا جائے۔

خادم
مجیب اللہ ندوی

۲۵ر نومبر ۱۹۸۹ء　　　　مجیب اللہ بھائی،

السلام علیکم

چند دن ہوئے آپ کا خط ملا، خدا کا شکر ہے کہ ہم سب لوگ خیریت سے ہیں، سردی بڑھتی جارہی ہے۔ لیکن حساب سے یہ یہاں کی آخری سردی ہے میرے لئے۔ ۳ اپریل ۱۹۹۰ء کو میرے تین سال انشاء اللہ پورے ہو جائیں گے، خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک کا وقت نیک نامی اور خیر و خوبی سے

گذر گیا۔ ان تین برسوں میں جو تھوڑے سے بہت کام کر سکتا تھا وہ بھی کئے۔ بس یہ چند ماہ بھی خیریت سے اللہ تعالیٰ گذار دے تو اس کا کرم ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اصل نتیجہ آنکھوں کی سوئیوں پر ہی طے ہوتا ہے!

سیمنار کا ارادہ بہت نیک ہے۔ لیکن یہ انٹرنیشنل قسم کے سیمناروں میں مجھے کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا۔ خصوصاً اگر انٹرنیشنل سے مراد ہندستان اور عالم عرب ہو۔ میں نے بڑے بڑے اداروں میں دیکھا ہے کہ جہاں عرب "فضلا" بلائے جاتے ہیں تو ان کی حیثیت برات کے دولہا کی سی ہوتی ہے، چند لوگ ان سے گفتگو اور بحث و مباحث کر سکتے ہیں بقیہ بیٹھے ہوئے انھیں دیکھتے رہتے ہیں۔ اس لئے اگر سچ مچ سیمنار کرنا ہو تو پھر زیادہ سے زیادہ برصغیر (ہند، پاک، بنگلہ دیش) تک اسے رکھئے۔ اس سلسلے میں مجھ سے جو خدمت بھی آپ لینا چاہیں اس کے لئے حاضر ہوں۔ مشاورتی میٹنگ اعظم گڑھ میں رکھنے کے بجائے اگر دلی میں کریں تو زیادہ بہتر ہوگا آپ اور لوگوں کو بھی اس طرح اس میں شریک کر سکتے ہیں۔ یوں میں اعظم گڑھ آکر اس کے لئے وقت دوں گا۔

رابع صاحب نے جو مبارکباد کا خط بھیجا تھا وہ صحیح تھا۔ بات دراصل یہ ہوئی کہ رضوان صاحب کئی سال سے مجھ سے کہہ رہے تھے کہ وہ ہر سال درخواست دیتے ہیں اور وہ نامنظور ہو جاتی ہے۔ اس لئے اگر میرا کوئی ذریعہ ہو تو میں اپنی سطح پر کوشش کروں۔ میں نے ان سے وعدہ کر لیا تھا۔ اس سال جو صاحب اس انتخابی کمیٹی میں تھے وہ مجھے جانتے تھے، میں نے احتیاطاً ان سے پہلے سے کہہ رکھا تھا کہ اگر آپ اس کمیٹی پر ہوں تو ان دونوں ناموں کو ذہن میں رکھئے گا۔ اتفاق سے وہی ممبر بنائے گئے۔ انھوں نے کمیٹی ختم ہو جانے کے بعد مجھے مطلع کیا کہ مطلوبہ دونوں نام کمیٹی نے منظور کر دیئے ہیں جس طرح میں نے آپ کو خط سے مطلع کیا تھا اسی طرح رضوان صاحب کو بھی اطلاع دی۔ باقاعدہ اعلان سے پہلے میری ان کی ملاقات ہوئی انھوں نے شکریہ بھی ادا کیا اور پوچھا کہ دوسرے کون ہیں اور فارسی میں کون ہیں میں نے انھیں آپ

نام بتادیا اور کہہ دیا کہ اعلان ہونے تک اُسے بصیغۂ راز رکھیں لیکن شاید جس طرح میں نے کمیٹی کے فیصلہ کو آخری اور حتمی سمجھ کر دو ایک آدمیوں کو آپ کے بارے میں بتادیا تھا اسی طرح انھوں نے بھی رابع صاحب کو خبر دے دی ہوگی۔

جب اخبار میں آپ کا نام نہیں آیا تو پہلے تو یہ شبہ ہوا کہ شاید چھپنے سے رہ گیا ہے، لیکن جوں جوں دن گزرتا گیا یقین ہوگیا کہ اوپر سے نام کٹ گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ صرف کمیٹی کی سفارش کا مطلب منظوری نہیں ہوتا بلکہ کچھ اور بھی مراحل ہوتے ہیں۔ ناموں کا ان سے گذرنا ضروری ہوتا ہے۔

بھابھی سے ہم لوگوں کا سلام کہئے گا، بچوں کو دعائیں۔ والسلام

خیر طلب

مشیر الحق

کچھ تعزیتی خطوط

ڈربن

۱۱/اپریل ۱۹۹۰ء

برادر مکرم حفظکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آج ہی ریڈیو سے کشمیر میں مشیر الحق صاحب کے قتل کی افسوسناک خبر سنی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس خبر سے سخت تکلیف پہنچی۔ ایک مسلمان کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان کا قتل اور وہ بھی رمضان کے مہینہ میں یہ کونسا اسلام ہے۔ جائز مقصد کے لئے ناجائز ذریعہ کا استعمال کونسی شریعت ہے۔ مشیر الحق سے میری آخری ملاقات فروری ۱۹۸۲ء میں مستشرقین، کانفرنس کے موقع پر شبلی منزل اعظم گڈھ میں ہوئی تھی اور پھر آپ کے یہاں اسی موقع پر دوپہر کے کھانے پر ہم دونوں ساتھ تھے۔ یہ خبر سن کر مجھے اپنا اور مشیر الحق کا ندوہ کا زمانہ یاد آگیا۔ ان کے علمی اور فکری رجحانات سے کسی کو کتنا ہی اختلاف سہی مگر اس اختلاف کو انھوں نے کبھی بھی ذاتی تعلقات پر اثر انداز نہیں ہونے دیا۔ ہندوستان میں مشیر الحق نے بہرحال اپنا ایک علمی مقام پیدا کرلیا تھا، چونکہ مشیر الحق آپ کے

عزیز شاگرد اور الرشاد کی مجلس ادارت سے منسلک تھے اس لئے سوچا آپ ہی سے
تعزیت کرکے دل ہلکا کرلوں۔ مشیر الحق صاحب کتنے ہی اعلیٰ مقام پر تھے مگر ہم لوگوں
کے لئے وہ مشیر الحق بحری آبادی ہی رہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی
تسامحات سے درگذر کرے اور ان کو اپنی مغفرت سے نوازے۔

آپ کا الرشاد پابندی سے مل رہا ہے اور اس کے مضامین سے
استفادہ کرتا ہوں۔

برہان میں پھر الفرقان میں مصارف زکوٰۃ کے سلسلہ میں فی سبیل اللہ
کے بارے میں مولانا شہاب الدین ندوی اور مولانا عتیق بستوی کے درمیان
بحث چلی تھی۔ انداز بیان و تخاطب علمی سطح سے کم تر تھا۔ مگر پوچھنا مجھے یہ تھا کہ آپ
نے بھی اس پر غور کیا ہے؟ سیرت النبی میں والد ماجد مرحوم نے زکوٰۃ کے
سلسلہ میں فی سبیل اللہ کے بارے میں ہلکا سا اشارہ کیا ہے کہ اس میں
وسعت ہے۔ نہ معلوم آپ کی کیا رائے ہے؟

پچھلے دسمبر میں صرف ایک ہفتہ کے لئے میں علی گڑھ اپنی چھوٹی ہمشیرہ سے
ملنے گیا تھا۔ دسمبر میں ہمارے بہنوئی سید حسین صاحب کا انتقال ہو گیا تھا
میں اسی وجہ سے وہاں گیا تھا اور فوراً ہی کراچی واپس چلا گیا تھا۔ جی چاہتا ہے کہ
ہندوستان کا سفر دوبارہ طویل عرصہ کے لئے کروں۔ اگر آنا ہوا تو آپ سے ملنے کے
لئے اعظم گڈھ بھی آنا ہوگا۔

آپ کی صحت کے لئے دعا گو ہوں۔ جب بھی یاد آ جائے مجھے بھی اپنی دعاؤں
میں یاد رکھئے۔ والسلام آپ کا

(مولانا) سلمان ندوی

رئاسة القضاء الشرعي
محكمة أبو ظبي الشرعية

مخدوم گرامی زیدت الطافکم!

پروفیسر مشیر الحق مرحوم کے بہیمانہ اور وحشیانہ قتل پر تعزیت کے لئے موزوں الفاظ کہ

سے لاؤں۔ تمام تعبیرات اس حادثہ کی سنگینی اور وحشتناکی کو ظاہر کرنے سے قاصر ہیں، آپ کیلئے خصوصًا یہ حادثہ فاجعہ ذاتی نوعیت بھی رکھتا ہے۔ میں خود اس پر سخت رنجور، افسردہ اور حزین ہوں، یہ صرف ایک شخص کا قتل نہیں، خلق و شرافت، ہمت و حوصلہ، علم و فضل اور بلند حوصلگیوں کا قتل ہے۔ کون کس سے کس طرح تعزیت کرے ہم سب ایک دوسرے کی تعزیت کے مستحق ہیں۔ میں آپ کے رنج و غم کی شدت کو پورے طور پر محسوس کر سکتا ہوں۔ کیوں کہ میں آپ دونوں کے باہمی تعلقات کی نوعیت سے نہایت قریبی واقفیت رکھتا ہوں۔ جب سیلف میڈ (ذاتی کوشش سے ترقی کرنے والوں) اکابر رجال کی کوئی تاریخ مرتب کی جائے گی تو اس میں مرحوم کو نمایاں مقام دینا ہوگا۔ مرحوم کی پوری زندگی اقبال کے الفاظ میں "ہر دم رواں ہیہم دواں" تھی، انھوں نے بغیر کسی بیساکھی کا سہارا لئے محض اپنی ذاتی تگ و دو، جدوجہد اور محنت و کاوش سے ترقی کی تمام منزلیں طے کی تھیں۔ خدا مشیر صاحب مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نعیم نصیب فرمائے۔

(مولانا) نعیم صدیقی۔ ابو ظبی

بقیہ حاشیہ: "قرآن کریم میں صحف سماوی کے حوالے"

۳۳ے ماہنامہ معارف اعظم گڑھ جنوری ۱۹۸۱ء مضمون "قرآن میں بائبل کے حوالے" از سعید انصاری

۳۴ے جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۵ صفحہ ۳۴۰ بحوالہ تفسیر ماجدی ص ۹۰

۳۵ے مثال کے طور پر مولانا مودودی (تفہیم القرآن ۵/۹۴) مولانا عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی ص ۱۰۲۸ - ۱۰۲۹، مولانا امین احسن اصلاحی اور دیگر مفسرین۔۔

۳۶ے مثلاً دیکھئے البیان فی علوم القرآن۔ مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی دارالاشاعت تفسیر حقانی دہلی ۱۹۳۲ء ص ۵۲۳ - ۵۲۰، بشریٰ، مولانا عنایت رسول چریا کوٹی

۳۷ے تفسیر ماجدی ص ۳۶۰ - ۳۶۱

عربی مدارس کا نصابِ تعلیم اور عصری تقاضے

عربی مدارس اور عصری تقاضے پر ایک سیمینار ۲ مئی ۱۹۹۰ء کو خدا بخش خاں لائبریری پٹنہ کے تحت گورنر ہاؤس رانچی میں منعقد ہوا جسمیں دو موضوع پر گفتگو ہوئی ایک مولانا آزاد اور رانچی سے ان کا تعلق اور دوسرے عربی مدارس اور عصری تقاضے پہلے موضوع پر متعدد لوگوں کے علاوہ اس موضوع پر انڈیا دلیس فریڈم میں تقی رحیم صاحب نے ایک اچھا مقالہ پیش کیا جسمیں یہ ثابت کیا کہ مولانا آزاد کے نزدیک تقسیم ہندوستان کی ذمہ داری مسلم لیگ اور مسٹر جناح سے زیادہ کانگریس کے لیڈر اور خاص طور پر جواہر لال نہرو پر ہے کیبنٹ مشن (یعنی کرپس اسکیم) کو مسٹر جناح نے مان لیا تھا مگر کانگریس کے لیڈروں نے اسے رد کر دیا۔

مولانا آزاد رانچی میں تقریباً ۴ برس نظر بند رہے ہیں ان کی یہاں بہت سی یادگاریں آج بھی باقی ہیں ان سب پر مختلف لوگوں نے روشنی ڈالی، بشمبر ناتھ پانڈے مشہور مورخ اور سابق گورنر نے مولانا آزاد اور ہندوستان میں پڑھائی جانے والی تاریخ کی غلطیوں پر بڑی پر اثر تقریر کی ان کے علاوہ ممتاز ہندو لیڈر کرشن کانت صاحب نے بھی اچھی تقریر کی کاش ان غیر مسلم حضرات کی تقریریں ہندوستان کے مختلف مقامات پر کرادی جائیں تو موجودہ فرقہ وارانہ فضا میں کچھ سدھار کی امید کی جا سکتی ہے۔

دوسرے موضوع پر بھی متعدد مدارس کے علماء و فضلاء نے اپنے مقالے پیش کئے۔ راقم الحروف نے بھی ایک مقالہ پیش کیا جو ان شاء اللہ جولائی کے پرچے میں آئے گا۔

عربی مدارس کے نصاب میں عصری علوم داخل کرنے کی ضرورت کو کم و بیش سب نے تسلیم کر لیا [illegible] مگر [illegible] دارالعلوم [illegible]

دارالعلوم ندوۃ العلماء وغیرہ کے نمائندے شریک نہیں تھے اس لئے اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔

اس سیمنار کی کئی خصوصیتیں تھیں اس میں سے ایک یہ کہ جناب یونس سلیم صاحب گورنر بہار نے ذاتی طور پر اس میں پوری دلچسپی لی اور انہوں نے اس کی ساری میٹنگیں گورنر ہاؤس میں کرائیں اور خود تینوں دن ہر مجلس میں شریک رہے۔

آخر میں انہوں نے بڑی متوازن تقریر کی جس میں انہوں نے بڑی دردمندی سے کہا کہ یہ مسلمانوں کے اندر قدیم وجدید کی جو خلیج پیدا ہوگئی ہے اُسے کم ہونا چاہئے پھر انہوں نے سوال کیا کہ اس کام کو کون کرے؟ پھر اپنی رائے دی کہ اگر عابد رضا بیدار صاحب عربی مدارس کی ایک بڑے پیمانہ پر کانفرنس بلائیں تو اس میں کوئی فیصلہ ممکن ہے اس سلسلہ میں انہوں نے ہر طرح کے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔

راقم الحروف نے آخر اجلاس میں عابد رضا بیدار صاحب اور یونس سلیم صاحب کا شکریہ ادا کیا عابد رضا بیدار صاحب کی یہ کوشش لائق شکر ہے کہ انہوں نے خدابخش لائبریری کو کتابوں کے پڑھنے پڑھانے کی سطح سے اوپر اُٹھا کر اُسے فکری ادارہ بنانے کی کوشش کی ہے۔

یونس سلیم نے ذاتی طور پر تین دن تک جو دلچسپی لی اور مہمانوں کی ہر طرح کی خاطر مدارات گورنر ہاؤس میں کی اور مفید مشورے دیئے وہ ہر طرح لائق ستائش ہے۔

(پرچہ پریس میں جانے کے لئے تیار تھا اس لئے سیمنار کی یہ بہت ہی مختصر روداد لکھ دی ہے۔)



لاکھوں سلام

ڈاکٹر آزاد بستوی — استاذ جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ

مطلع صبح عظمت پہ لاکھوں سلام ‏ ‏ مقطع شام رفعت پہ لاکھوں سلام

مظہر حسن قدرت پہ لاکھوں سلام ‏ ‏ پرتو نور وحدت پہ لاکھوں سلام

مہر چرخ رسالت پہ بے حد درود ‏ ‏ ماہ عرش نبوت پہ لاکھوں سلام

وہ جو تخلیق آدم سے پہلے بھی تھا ‏ ‏ نور کی اس قدامت پہ لاکھوں سلام

جس پہ پیار آیا نقاش فطرت کو خود ‏ ‏ ایسی نورانی صورت پہ لاکھوں سلام

بھوکا رہ کے خود اوروں کو جو بخش دے ‏ ‏ ایسے غم خوار امت پہ لاکھوں سلام

بخش دی دشمن جاں کو جس نے اماں ‏ ‏ اس قدر رحم و رافت پہ لاکھوں سلام

جو عطا اور بخشش کے در کھول دے ‏ ‏ ایسی شان سخاوت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے بے کس کے کس مجھ سے بے بس کے بس ‏ ‏ اہل عسرت کی دولت پہ لاکھوں سلام

جس کی رنگت سے رنگت ملی رنگ کو ‏ ‏ ان کے اس رخ کی رنگت پہ لاکھوں سلام

جس کی طاقت سے طاقت نے پایا فروغ ‏ ‏ اس خداداد قوت پہ لاکھوں سلام

جو ہے عرش معلیٰ سے بھی کچھ فزوں ‏ ‏ ان کی اس پاک تربت پہ لاکھوں سلام

کالی کملی جو دوش نبوت پہ تھی ‏ ‏ اس گلیم سعادت پہ لاکھوں سلام

بالخصوص ان کے خلفا پہ اور بالعموم ‏ ‏ جملہ اصحاب حضرت پہ لاکھوں سلام

بھیجتا ہوں میں آزاد شام و سحر

[illegible]

سالانہ چندہ غیر ممالک سے : ۱۵ ڈالر امریکی 15/-	جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کا ترجمان ماہنامہ جامعۃ الرشاد	سالانہ چندہ ہندوستان سے ۳۵/- خصوصی معاون ۱۰۰/- قیمت فی پرچہ ۳/-

شمارہ ۲۴	جون ۱۹۹۰ء بمطابق: ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ	جلد ۱

فہرست مضامین

مجلس ادارت

مجیب اللہ ندوی (مرتب)

• ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی، مقیم ابوظبی • رضی الاسلام ندوی، ایم۔اے، علیگ

منیجر توسیع اشاعت مولوی عقیل احمد صاحب ٹانڈوی	کتابت: ابوالحسنات - خورشید احمد

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے شائع کیا

رشحات

الرشاد کے پڑھنے والوں میں مختلف خیال کے لوگ ہیں۔ رشحات میں سیاسی و ملی مسائل پر موجودہ حالات کے تحت جو کچھ لکھا جاتا ہے اس کے سلسلہ میں بعض ناظرین الرشاد مرتب کو خط لکھتے رہتے ہیں کہ ایک علمی و دینی پرچہ میں سیاسی مسائل پر لکھنے سے نہ تو کوئی فائدہ ہے اور نہ اس کی کوئی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ اس کی آواز ان لوگوں تک نہیں پہنچ پاتی جن سے متعلق ان مسائل کا حل ہے، اور اگر پہونچے بھی تو وہ اس کا کوئی خاص اثر نہ لیں گے۔ ان حضرات کے جواب میں راقم الحروف جو کچھ لکھتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان کی مرکزی یا صوبائی حکومت جب بھی کوئی ایسی پالیسی بناتی ہے یا کوئی ایسا طرز عمل اختیار کرتی ہے جس کا اثر براہ راست یا بالواسطہ مسلمانوں کے دین و ملت یا ان کی زبان و تہذیب پر پڑتا ہے۔ تو اس پر کوئی باغیرت مسلمان کیسے خاموش رہ سکتا ہے؟ کیا ملت اسلامیہ ہندیہ کے ہم لوگ فرد نہیں ہیں؟ اور کیا علمی و دینی پرچہ کا مطلب اتنا ہی ہے کہ جس میں صرف ایسی اخلاقی باتیں لکھی جائیں جن سے کوئی ناخوش نہ ہو اور نہ کوئی خطرہ ہو۔ لیکن جو باتیں دین و ملت کے لحاظ سے مضر معلوم ہوں کیا اپنی فہم کے مطابق ان سے اپنے ہمدردوں کو آگاہ نہ کیا جائے؟ یہ بات الگ ہے کہ ہماری آواز نقارخانہ میں طوطی کی آواز ثابت ہو مگر دینی حمیت اور ملی غیرت کا تقاضہ تو یہی ہے کہ ہم اس سلسلہ میں "شیطان اخرس" بن کر خاموش نہ رہیں، کیا دین میں امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر کی بھی کوئی اہمیت ہے یا نہیں؟ کیا صرف امر بالمعروف

سے دین کے پورے تقاضے پورے ہو جائیں گے ؛ اگر ایسا ہوتا تو پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور بزرگان ملت کو کوئی آزمائش پیش ہی نہ آتی ، اگر ہماری آواز دس بیس آدمی ہی تک پہونچ سکتی ہے تو ہماری غیرت کا تقاضہ ہے کہ ہم اسے ان تک پہونچائیں اور اس سلسلہ میں نقصان یا خطرہ پیش آئے تو اُسے صبر کے ساتھ برداشت کریں ۔ انشاء اللہ یہ مختصر کوشش بھی رائگاں نہیں جائیگی ۔

۱۹۴۷ء سے ۱۹۹۰ء تک ۴۳ سال ہوئے ہیں اور اس طویل مدت میں پورے ہندستان اور خاص طور پر ہندی بولنے والے صوبوں میں مسلمانوں کو جانی و مالی نقصان پہونچا ہے اور ان کی زبان و تہذیب کے ایک ایک خدوخال کو مٹانے کی جو کوششیں کی گئی ہیں وہ ہندوستان کے عوام اور ان کی سیکولر جمہوری حکومت کے لئے ایک بدنما داغ ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ آزادی کے بعد کی تاریخ کا یہ سیاہ ترین صفحہ ہے۔ کیا ہندوستان کا کوئی فرد اس بات سے انکار کرسکتا ہے کہ ۱۹۴۷ء سے لیکر اب تک ہندوستان میں کئی ہزار فسادات نہیں ہوئے ہیں ؟ اور کیا ان فسادات میں لاکھوں مسلمان شہید ، ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم نہیں ہوئے ہیں ؟ صرف حیدرآباد پولیس ایکشن کے سلسلہ میں پنڈت سندرلال آنجہانی اپنی تقریروں میں ہر جگہ کہا کرتے تھے کہ وہاں لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کا قتل ہوا ہے ۔ اور ہزاروں عورتوں کی عصمت لٹی ہے ، اور اب تو میرٹھ اور ۱۹۸۹ء کے بھاگلپور کے فسادات نے پچھلے فسادات کی پوری تاریخ کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ کیا اردو زبان کو اسکولوں کچہریوں دفتروں اور سارے تعلیمی شعبوں سے دیس نکالا نہیں ملا ہے ؟ کیا عثمانیہ اردو یونیورسٹی حیدرآباد کو ہندی۔ یونیورسٹی نہیں بنا دیا گیا ؟ کیا مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کی چند ظاہری مسلم خصوصیات کو بھی مٹانے کی کوشش نہیں کی گئی ؟ کیا انگریزوں کے زمانہ میں جتنا محمڈن لا (پرسنل لا میں قصداً نہیں لکھ رہا ہوں) رائج تھا اس کا ½ حصہ کالعدم قرار نہیں دیا جا چکا ہے ؟ کیا جن سرکاری ملازمتوں میں آزادی

سے پہلے مسلمانوں کا تناسب ۲۰، ۲۵ فیصد سے لے کر ۴۰ فیصد تک ہوتا تھا وہ گھٹ کر اب ۱ — ۲ فیصد بلکہ بعض شعبوں میں صفر نہیں رہ گیا ہے ؟ کیا ہمارے دینی احساس اور ملی غیرت کا تقاضہ اتنا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ ہم اس ظلم کے خلاف زبان کھول سکیں اور قلم کو حرکت دے سکیں ؟ کیا ان مسائل کو سیاسی مسائل کہکر کچھ لوگ ہماری دینی حمیت اور ملی غیرت کو ہمیشہ کے لئے مردہ کردینا چاہتے ہیں ؟ بہر حال ہماری آواز چاہے جتنی نحیف اور کمزور کیوں نہ ہو ہم اسے بلند کرتے رہیں گے۔ خاموشی کی بے غیرتی ہماری ایمانی حمیت برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

جو لوگ اپنے ذہن میں دین کا محدود تصور رکھتے ہیں ان کو غور سے سن لینا چاہیئے کہ ہماری زبان، ہماری تہذیب اور اس کے جو امتیازات و تشخصات ہیں اگر وہ باقی نہ رہے تو ہندستان میں مسلمانوں کی دینی زندگی کی مثال اس درخت کی سی ہوگی جس کا تنا تو کھڑا ہو مگر اس کی شاخیں اور پتیاں تراش دی گئی ہوں جس سے نہ تو درخت کی قسم ہی پہچانی جا سکتی ہے اور نہ اس سے کوئی پھل پھول ہی آ سکتے ہیں، اور نہ اس کے سایہ میں کوئی بیٹھ کر دم لے سکتا ہے۔ بہر حال ہمارا دینی و ملی احساس کسی حال میں مسلمانوں کے لئے یہ بے غیرتی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے کہ ہم پر ظلم ہوتا رہے اور ہم اس ظلم کے خلاف زبان بھی نہ کھول سکیں۔ قرآن پاک میں جہاں مومنوں کے بہت سے صفات بیان کئے گئے ہیں وہاں ان کی صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے" يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ" اور حدیث میں ظالم حکمرانوں کے سامنے حق بات کہنے کو سب سے بڑا جہاد قرار دیا گیا ہے۔

کیا ہمارے لئے یہ بے غیرتی کی بات نہیں ہے کہ ملک کی چھوٹی چھوٹی اقلیتیں جنہیں مسلمانوں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں وہ خود اختیاری نہیں بلکہ خود مختاری کا مطالبہ کریں اور ہم دفعہ ۳۰ میں دیئے گئے دینی و ملی حقوق کے لینے میں بھی بزدلی

دکھائیں۔ یہ اسمبلی اور پارلیمنٹ کے باغیرت مسلمان ممبران اور حکومت کے مسلمان وزراء جو مسلمانوں کے نمائندے بن کر منتخب ہوتے ہیں اور اسی نام سے ہر طرح کے فائدے سمیٹتے ہیں ان کی ملی حمیت اور غیرت کبھی انھیں کسی اقدام پر مجبور نہیں کرتی بلکہ صورت حال یہ ہے کہ اگر ناگفتہ بہ حالات کی بنا پر کبھی کچھ بولنے یا ایک میمورنڈم دینے کی ضرورت پیش آجاتی ہے تو وہ چور دروازے سے اپنے ناخداؤں سے معذرت کرتے اور معافی مانگتے رہتے ہیں اور اگر کہیں اوپر سے ڈانٹ پڑ گئی تو اسے خدائی ڈانٹ سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اس "غلطی" کی تلافی کے لئے سو سو جتن کرتے ہیں۔ کیا لوگ چاہتے ہیں کہ ہم بھی یہی بے غیرتی اختیار کرلیں! اور اسے دنیاوی جھمیلا اور دینداری اور مولویت کے وقار کے منافی سمجھ کر ان رسوا کن واقعات سے آنکھیں بند کرلیں! ہم اپنے بزرگوں کے دار ورسن کے واقعات بڑے جوش وخروش سے بیان کرتے اور ذوق وشوق سے سنتے ہیں، مگر یہ رتبہ بلند پانے کی سعادت تو الگ رہی ایک ادنیٰ نقصان کے تصور سے ہم لرزہ براندام ہوجاتے ہیں۔ یاد رکھئے! ایمان ویقین کا رشتہ آزمائشوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ یہ آزمائش ہی ایسی کسوٹی ہے جس میں پڑنے کے بعد ایمان کے صدق وکذب کا پتہ چلتا ہے۔

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۔

(کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ یہ کہنے کے بعد کہ ہم ایمان لے آئے آزمائے نہ جائیں گے حالانکہ اس سے پہلے اہل ایمان آزمائے جا چکے ہیں اور اس آزمائش کا مقصد یہ ہے ۔تاکہ اللہ جان لے کہ کون اپنے ایمان میں سچا ہے اور کون جھوٹا ہے)

روزنامہ عزائم کے ذریعے یہ خوشخبری ملی کہ وزیراعظم وی پی سنگھ نے مسلمانوں کے ایک باوقار وفد کو یہ یقین دلایا ہے کہ مسلم پرسنل لا میں مداخلت نہیں کی جائیگی۔ اس خبر پر عزائم کے اڈیٹر صاحب نے بڑے طمطراق سے ایک زوردار اداریہ

سے پہلے مسلمانوں کا تناسب ۲۰، ۲۵ فیصد سے لے کر ۴۰ فیصد تک ہوتا تھا وہ گھٹ کر اب ۱۔۲ فیصد بلکہ بعض شعبوں میں صفر نہیں رہ گیا ہے ؟ کیا ہمارے دینی احساس اور ملی غیرت کا تقاضہ اتنا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ ہم اس ظلم کے خلاف زبان کھول سکیں اور قلم کو حرکت دے سکیں ؟ کیا ان مسائل کو سیاسی مسائل کہکر کچھ لوگ ہماری دینی حمیت اور ملی غیرت کو ہمیشہ کے لئے مردہ کردینا چاہتے ہیں ؟ بہرحال ہماری آواز چاہے جتنی نحیف اور کمزور کیوں نہ ہو ہم اسے بلند کرتے رہیں گے۔ خاموشی کی بے غیرتی ہماری ایمانی حمیت برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

جو لوگ اپنے ذہن میں دین کا محدود تصور رکھتے ہیں ان کو غور سے سن لینا چاہیئے کہ ہماری زبان، ہماری تہذیب اور اس کے جو امتیازات و تشخصات ہیں اگر وہ باقی نہ رہے تو ہندستان میں مسلمانوں کی دینی زندگی کی مثال اس درخت کی سی ہو گی جس کا تنا تو کھڑا ہو مگر اس کی شاخیں اور پتیاں تراش دی گئی ہوں جس سے نہ تو درخت کی قسم ہی پہچانی جا سکتی ہے اور نہ اس سے کوئی پھل پھول ہی آسکتے ہیں، اور نہ اس کے سایہ میں کوئی بیٹھ کر دم لے سکتا ہے۔ بہرحال ہمارا دینی و ملی احساس کسی حال میں مسلمانوں کے لئے یہ بے غیرتی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے کہ ہم پر ظلم ہوتا رہے اور ہم اس ظلم کے خلاف زبان بھی نہ کھول سکیں۔ قرآن پاک میں جہاں مومنوں کے بہت سے صفات بیان کئے گئے ہیں وہاں ان کی صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے "یُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ" اور حدیث میں ظالم حکمرانوں کے سامنے حق بات کہنے کو سب سے بڑا جہاد قرار دیا گیا ہے۔

کیا ہمارے لئے یہ بے غیرتی کی بات نہیں ہے کہ ملک کی چھوٹی چھوٹی اقلیتیں جنہیں مسلمانوں سے زیادہ حقوق حاصل ہیں وہ خود اختیاری نہیں بلکہ خود مختاری کا مطالبہ کریں اور ہم دفعہ ۳۰ میں دیئے گئے دینی و ملی حقوق کے لینے میں بھی بزدلی سے

دکھائیں۔ یہ اسمبلی اور پارلیمنٹ کے باغیرت مسلمان ممبران اور حکومت کے مسلمان وزراء جو
مسلمانوں کے نمائندے بن کر منتخب ہوتے ہیں اور اسی نام سے ہر طرح کے فائدے سمیٹتے
ہیں ان کی ملی حمیت اور غیرت کبھی انھیں کسی اقدام پر مجبور نہیں کرتی بلکہ صورت حال یہ ہے
کہ اگر ناگفتہ بہ حالات کی بنا پر کبھی کچھ بولتے یا ایک میمورنڈم دینے کی ضرورت پیش آجاتی
ہے تو وہ چور دروازے سے اپنے ناخداؤں سے معذرت کرتے اور معافی مانگتے
رہتے ہیں اور اگر کہیں اوپر سے ڈانٹ پڑ گئی تو اسے خدائی ڈانٹ سے زیادہ اہمیت
دیتے ہیں اور اس "غلطی" کی تلافی کے لئے سو سو جتن کرتے ہیں۔ کیا لوگ چاہتے ہیں کہ
ہم بھی یہی بے غیرتی اختیار کرلیں؟ اور اسے دنیاوی جھمیلا اور دینداری اور مولویت کے
وقار کے منافی سمجھ کر ان رسوا کن واقعات سے آنکھیں بند کرلیں! ہم اپنے بزرگوں کے
دار ورسن کے واقعات بڑے جوش و خروش سے بیان کرتے اور بڑے ذوق و شوق
سے سنتے ہیں، مگر یہ رتبۂ بلند پانے کی سعادت تو الگ رہی ایک ادنیٰ نقصان کے
تصور سے ہم لرزہ براندام ہوجاتے ہیں۔ یاد رکھئے! ایمان و یقین کا رشتہ آزمائشوں
کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ یہ آزمائش ہی ایسی بھٹی ہے جس میں پڑنے کے بعد
ایمان کے صدق و کذب کا پتہ چلتا ہے۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا
وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ؕ

(کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ یہ کہنے کے بعد کہ ہم ایمان لے آئے آزمائے
نہ جائیں گے حالانکہ اس سے پہلے اہل ایمان آزمائے جا چکے ہیں اور اس آزمائش
کا مقصد یہ ہے۔ تاکہ اللہ جان لے کہ کون اپنے ایمان میں سچا ہے اور کون جھوٹا ہے)

روزنامہ عزائم کے ذریعے یہ خوشخبری ملی کہ وزیراعظم وی پی سنگھ نے مسلمانوں
کے ایک باوقار وفد کو یہ یقین دلایا ہے کہ مسلم پرسنل لا میں مداخلت نہیں کی جائیگی
اس خبر پر عزائم کے اڈیٹر صاحب نے بڑے طمطراق سے ایک زوردار اداریہ

لکھ ڈالا اور مسلمانوں کے دوسرے موجودہ سیاسی قائدین پر یہ ملامت بھی کر ڈالی کہ یہ لوگ جلسہ اور مظاہرہ سے جو چیز حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ بغیر کسی خرخشہ کے پُرامن طور پر حاصل ہو گئی، مگر اڈیٹر عزائم اس بات کو بھول گئے کہ مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں دو باتیں قابل غور ہیں ایک یہ کہ ۱۹۴۷ء کے بعد ہندو سکشن ایکٹ یا اسپیشل میرج ایکٹ اور زمینداری ابالیشن ایکٹ وغیرہ کے ذریعہ اسلامی طریقہ نکاح وطلاق اور وراثت کو جو بدل ڈالا گیا اس کے بارے میں پُرامن وفد نے کوئی بات کی یا نہیں، اور کی تو کیا کی اور نہیں کی تو کیا یہ سمجھا جائے کہ یہ دفعات اس کے ختم ہوجانے پر راضی ہو گیا؟ دوسری بات یہ کہ دستور میں بغیر کسی ترمیم کے یکساں سول کوڈ کی دفعہ ۴۴ کی موجودگی سے مسلم پرسنل لا کو جو خطرہ لاحق ہے وہ کیا اس زبانی یقین دہانی سے دور ہو جائے گا ان تمام حضرات پر میر کا یہ عامیانہ شعر صادق آتا ہے۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب ۔۔۔ اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

نیشنل پریس اور فرقہ پرست جماعتوں کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف فرقہ واریت کا اتنا زبردست پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ اب وہ اپنے بنیادی حقوق کے بارے میں بھی زبان کھولنے اور لکھنے سے بھی ڈرنے لگے ہیں کہ کہیں ان پر فرقہ واریت کا الزام نہ آجائے۔ مگر ہم ہندوستان میں فرقہ واریت کے الزام سے اس وقت تک نہیں بچ سکتے جب تک ہم اپنے سارے امتیازات سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں اور شاید اس کے بعد بھی ہم کو چین نہ ملے اسلئے جو حضرات اس سلسلہ میں پُرامن کوشش میں لگے ہوئے ہیں وہ قابل تحسین ہیں مگر فرقہ واریت تنگ نظری اور جذباتیت کی الزام بلکہ گالی کے ڈر سے ادھوری کوشش مستقبل کے لحاظ سے مفید نہیں ہوسکتی بلکہ مسلم پرسنل لا میں جو مداخلت ہو چکی ہے اس پر ذمہ داروں کی خاموشی سے رضامندی کی مُہر لگ جائے گی جو ملت کے لئے بہت بڑا المیہ ہوگا۔

اس سے پہلے راقم الحروف کئی بار عرض کر چکا ہے کہ ہماری مرکزی حکومت نے کشمیر کے مسلمانوں کے سلسلہ میں پانچ مہینے سے ظلم وجور کا جو رویہ اختیار کر رکھا ہے وہ اس نے پنجاب اور آسام وغیرہ

میں اختیار نہیں کیا ہے حالانکہ کشمیر بہرحال ایک متنازعہ مسئلہ ہے اور پنجاب وغیرہ غیر متنازعہ ہے پھر پنجاب کو ترقی یافتہ بنانے میں حکومت نے جتنی توجہ کی اس کی چوتھائی بھی کشمیریوں کے لئے نہیں کی، اسس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ہماری حکومت نے اقلیت اقلیت میں فرق کر رکھا ہے، مسلمان اقلیت کو کمزور اور اجنبی سمجھتی ہے اس لئے اس کے ساتھ وہ ہر طرح کے ظلم و جور کو جائز سمجھتی ہے اور پنجاب اور آسام وغیرہ کی اقلیتوں کو وہ مضبوط اور اپنے سے قریب سمجھتی ہے اس لئے ان کے بارے میں اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتی ہے، حالانکہ آٹھ نو برس کے اندر پنجاب میں کشمیر سے زیادہ خون بہہ چکا ہے اور بہہ رہا ہے مگر وہاں کسی جگ موہن کو بھیجنے کی ہمت نہیں ہے۔

کاش! ہندوستان کے مسلمان اور ہمارے راہنما آزاد ہندوستان میں اپنی اس حیثیت کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔!

پردے کا ارتقاء واہمیت

مولانا ریاض الحسن صاحب نوری

دور قدیم میں پردہ

صنف نازک کے لئے پردہ کا طریقہ ابتدائے آفرینش سے چلا آرہا ہے۔ قرآن میں آدم وحوّا کا ذکر ہے کہ انہوں نے پتوں سے جسم چھپایا۔ عہد نامۂ قدیم میں بھی برقع کا لفظ ہمیں کئی جگہ ملتا ہے۔ میرے سامنے اس وقت مشہور انگریزی رسالہ لائف کا بائیبل نمبر موجود ہے۔ اس خاص نمبر میں اس وقت کو ایک آرٹسٹ نے تصویر بند کیا ہے جب تین فرشتے قوم لوط پر عذاب نازل کرنے سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس انسانی شکل میں آئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو انسان سمجھ کر فوراً بھنا ہوا بکری کا بچہ ان کی تواضع کے لئے لے آئے۔ یہ تمام واقعہ قرآن کریم میں بھی آیا ہے۔ اس تصویر میں اس وقت کو بھی قلمبند کیا ہے جب کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری سنائی۔ اس تصویر میں جو صفحات ۲۶، ۲۷ پر دی گئی ہے دکھایا گیا ہے کہ تین مہمان جن کے پر بھی ہیں دروازے سے دور بیٹھے ہیں جب کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام دروازے کے نسبتاً قریب بیٹھے ہیں اور دروازے کے پیچھے پردہ سے حضرت

۱۔ مثلاً پیدائش باب ۲۵ [illegible]

سارہ علیہا السلام کھڑی خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی ہیں حالانکہ سارہ علیہا السلام بہت بوڑھی ہو چکی تھیں مگر اس کے باوجود وہ روایتی پردے کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ جب فرشتے نے ان کو بیٹے کی خوشخبری دی تو ان کو ہنسی آ گئی کیونکہ وہ اس عمر ہی سے گذر چکی تھیں کہ ان کے بچہ پیدا ہو سکے۔ ہم تصویر تو نہیں دے سکتے کیونکہ تصاویر یا اور وہ بھی پیغمبروں کی گناہ کبیرہ سے کم نہیں۔ البتہ ان کی گفتگو جو لائف رسالہ نے دی ہے اس کے چند فقرے سن لیجئے۔ یاد رہے کہ بائبل کے مطابق نعوذ باللہ ایک فرشتہ خدا ہی تھا۔ اور[1] کھانا گھر سے باہر میدان میں فرشتے بھی کھا رہے تھے۔ (نعوذ باللہ)

> یعنی خدا (فرشتہ) نے کہا کہ سارہ کے لڑکا پیدا ہوگا۔ دروازے کے پیچھے ڈیوڑھی میں کھڑی سارہ ہنس پڑیں اور فرمانے لگیں کہ میں بوڑھی پھونس ہو چکی ہوں کیا اس عمر میں بھی مجھے خوشی مل سکتی ہے اور میرا خاوند بھی اتنا بوڑھا ہو چکا ہے۔

جس طرح ہمارے مذہبی گھرانوں کی بوڑھیاں بھی سخت پردہ کرتی ہیں اور مہمانوں سے بات کرتی ہیں تو دروازے کے پیچھے ہی سے بات کرتی ہیں اسی طرح کا رواج حضرت ابراہیم کے گھرانے میں بھی تھا۔ یاد رہے کہ حضرت ابراہیم کا دور سائنسی ترقی کا اعلےٰ ترین دور تھا۔ اس زمانے کے لوگ سائنس اور ریاضی میں ان بلندیوں کو چھو رہے تھے جن تک ان کے بعد آنے والے یونانیوں کی رسائی نہ ہو سکی جو دراصل ان ہی کے خوشہ چیں تھے۔ ایٹمی سائنس دان جارج گیماؤ نے لکھا ہے کہ جدید کھدائیوں کے بعد بجلی کے سیل کے برآمد ہونے سے ثابت ہو گیا کہ وہ لوگ بجلی کے ذریعے زیورات پر سونا چڑھاتے تھے[2]

پس ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم کے دور کے عرب سائنس اور ریاضی میں

---

[1] مثلاً پیدائش باب ۲۵۔ آیت: ۶۵ و باب ۳۹۔ آیت ۹۴۔

[2] George Gamow- Birth and Death of the Sun. P/30

اٹھارویں صدی کے یورپ سے بھی آگے تھے۔

یہ وہی ابراہیم ہیں جو سب انبیاء کے باپ ہیں اور جنہوں نے ہمارے مذہب کے پیرووں کو مسلم کا نام دیا۔ جیسا کہ قرآن میں موجود ہے۔

قدیم یونان میں پردہ اور عورت

یونان کی عریانی اور فحاشی کی داستانیں تو بہت مشہور ہیں۔ یہاں ان کا کوئی ذکر نہیں کریں گے۔ بلکہ صرف تصویر کا دوسرا رخ بیان کریں گے۔ جس سے ثابت ہوگا کہ ایسی سوسائٹی میں بھی پردہ کا رواج کتنا رہا ہے۔ اور یہ کہ گھریلو شریف عورت کی عزت ہر سوسائٹی میں رہی ہے۔

Hans Licht لکھتا ہے کہ جدید دور کا نظریہ کہ عورتوں کی دو قسمیں ہیں۔ ماں اور بازاری عورت قدیم ترین یونانیوں میں بھی موجود تھا۔ اور اسی کے مطابق ان کا عمل بھی تھا۔ جب یونانی عورت ماں بن جاتی تو گویا اس نے اپنی زندگی کا مقصد پالیا ماں بننے والی عورت کی جتنی عزت یونانی کرتے تھے اتنی کسی کی نہ کرتے تھے۔ ماں بننے کے بعد عورت کا کام گھر سنبھالنا اور بچے پالنا اور لڑکیوں کی نگہداشت ہوتا تھا حتیٰ کہ ان کی شادی کردی جائے [1]

یہی مصنف ہومر کے حوالوں سے ثابت کرتا ہے کہ نوجوان لڑکیاں گھروں کی محدود زندگی میں خوش رہتی تھیں اگر ایسا نہ ہوتا تو ہومر ہرگز ان حالات کے منہ بولتے عمدہ نظارے نہ پیش کرتا۔

بیوی کی بے وفائی کو وہ لوگ سخت برا خیال کرتے تھے اور ٹروجن وار محض اس مفروضے کی بنا پر لڑی گئی کہ ہیلن نے اپنے خاوند سے بے وفائی کی تھی۔ اسی وجہ سے یونانی کلچر میں ہمیں ایسے لوگ ملتے ہیں جو عورتوں سے نفرت کرتے تھے۔

---

[1] Hans Licht Life in Ancient Greece, Published by the Abbey Library London 10th Edition, 1971, P/23.

پھر مصنف لکھتا ہے کہ ہومر کی نظموں میں ہمیں عورتوں کے متعلق کچھ نہیں ملتا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شروع دور میں بھی عورتیں صرف اندرونِ خانہ محدود رہتی تھیں۔ کہتا ہے وہ عورتیں سب سے اچھی ہیں جن کی اچھائی یا برائی کسی قسم کا بھی ذکر سوسائٹی میں نہیں کیا جاتا۔

شاعر اس غیر شادی شدہ لڑکی کے متعلق بہت اچھے الفاظ استعمال کرتا ہے جو اپنی ماں کے ساتھ ہر وقت گھر میں رہتی ہے [1]

شاعر ان عورتوں کے سخت خلاف ہے جو اپنے نازو ادا دکھانے کی شائق ہوتی ہیں اور جن کی وجہ سے برائیاں پھیلتی ہیں اس وجہ سے وہ احمق اور خودستائی کی دلدادہ پنڈورا کا ذکر کرتا ہے جس نے اپنا بکس کھولا اور تمام انسانیت کو برائیوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر دیا [2]

مصنف مزید لکھتا ہے کہ ایتھنز کے لوگ بلند پایہ علمی گفتگو کو مردوں کے لئے روٹی کی مانند ضروری سمجھتے تھے لیکن ان کے نزدیک عورتوں کی نفسیات مختلف تھی اس وجہ سے ان کو عورتوں کے کمرہ میں ہی محدود رکھا جاتا تھا۔ [3]

It was this that banished the women to the women's chamber.

شادی کے بعد بیوی کو حرکت کی نسبتاً زیادہ آزادی مل جاتی تھی۔ لیکن پھر بھی گھر ہی اس کی حکومت کا علاقہ رہتا تھا۔ اس بات کا ثبوت کہ یونانی عورتیں گھروں سے باہر نہ نکلتی تھیں اس واقعہ سے مل سکتا ہے کہ جب Chaeronea کی خوفناک شکست کی خبر ایتھنز پہنچی تو ایتھنز کی عورتیں صرف گھروں کے دروازوں تک پہنچیں جہاں

---

[1] محولہ بالا صفحہ ۲۶

[2] " " ۲۷ گویا آج کی ہر آزاد لڑکی اپنے معاشرے کے پنڈورا بکس کھول رہی ہے۔

[3] " " ۲۸ لیکن اسلام میں عورتوں کے لئے بلند سے بلند علمی مقام کھلے ہیں۔ حضرت عائشہ رضؓ نے بہت سے عظیم صحابہ کی غلط فہمیاں دور فرمائیں۔ امام سیوطی کے شیوخ حدیث میں نو خواتین کے نام ملتے ہیں بلکہ پانچ معاصرات میں پانچ چوٹی کی عالم تھیں (سیوطی، مصطفیٰ شکعہ) اس کتاب میں خاص باب ہے العالمات المعاصرات وشائخ السیوطی من النساء۔

سے وہ غمگین آوازوں میں اپنے خاوندوں اور باپوں اور بیٹوں کی خیریت دریافت کرتی تھیں۔ لیکن اس کو بھی عورتوں اور ان کے شہر کے شایانِ شان نہیں سمجھا گیا۔

مصنف مزید لکھتا ہے کہ Plutarch کے فلاں بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عورتوں کو باہر نکلنے کی اس عمر تک آزادی نہ ہوتی تھی جب تک کہ لوگ یہ نہ پوچھ سکیں کہ یہ عورت کس کی بیوی ہے بلکہ صرف یہ سوال کر سکیں کہ یہ کس کی ماں ہے [1]

مصنف ــــــــ کے خاص بیان سے مندرجہ ذیل نتیجہ نکالتا ہے۔

یعنی غیر شادی شدہ لڑکیوں کی خاص طور پر حفاظت کرنی چاہیئے اور شادی شدہ عورت کے لئے گھر کی دیکھ بھال اور خاموشی ہی زیادہ مناسب ہے [2]

مصنف کے مندرجہ ذیل بیان سے یونان کے شادی شدہ خواتین کے پردہ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مصنف سپارٹا کی عورتوں کے نیم عریاں لباس کا ذکر کر کے بطور تقابل ایتھنز کا حال یوں بیان کرتا ہے۔

یعنی ایتھنز میں شادی شدہ عورت کا یہ فرض تھا کہ وہ گھر کے اندرونی حصوں ہی میں رہے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی راہگیر کی نظر کھڑکی میں سے خاتونِ خانہ پر پڑ جائے [3]

مصنف لکھتا ہے کہ یونانیوں نے عورتوں کی تین طرح کی تقسیم کر رکھی تھی جو یقیناً بہادری کا کام نہ تھا۔ یونانی کہتے تھے کہ لطف اندوزی کے لئے فاحشہ عورتیں ہیں۔ ذاتی خدمت کے لئے داشتائیں یا لونڈیاں Concubines ہیں اور شادی شدہ عورتیں اس لئے ہیں کہ ہمارے لئے بچے پیدا کریں اور وفاداری سے ہمارا گھر سنبھالیں [4]

افلاطون کے نزدیک غیر شادی شدہ لوگوں کو جرمانہ ہونا چاہیئے اور ان کے شہری حقوق سلب ہو جانے چاہئیں۔ سپارٹا میں ایسا ہی ہوتا تھا۔ نہ صرف یہ کہ غیر شادی شدہ لوگوں کو سزا دی جاتی تھی بلکہ دیر سے شادی کرنے والوں کو بھی سزا دی

---

[1] محولہ بالا [2] محولہ بالا

[3] محولہ بالا ص ۳۱ [4] 〃 〃 ص ۲۸

جاتی تھی ان عورتوں کے دلالوں کو چاہے وہ مرد ہوں یا عورت موت کی سزا دی جاتی تھی [1]

مصنف قدیم یونانی کتاب کے حوالے سے لکھتا ہے کہ اس کا مصنف کہتا ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد اپنی اولاد کی عزت اور اخلاق کے معاملے میں اتنے حساس تھے کہ جب ایک باپ کو پتہ چلا کہ اس کی بیٹی شادی کے وقت کنواری نہ تھی تو اس نے اسے ایک اکیلے مکان میں بھوکے گھوڑے کے ساتھ بند کر دیا اور وہ بھوک سے مر گئی Scholiant کا بیان ہے کہ وہ گھوڑا جنگلی تھا جس نے پہلے اس لڑکی کو کھایا اور پھر خود بھی مر گیا [2]

مخلوط تعلیم پاگل پن کے مترادف ہے

نوائے وقت بابت ۲۵ نومبر ۱۹۸۴ صفحہ ۷ کے مطابق

کویت میں مخلوط تعلیم کے خلاف سعودی عرب کے شیخ عبدالعزیز نے فتویٰ جاری کیا ہے۔ اس کے پیش نظر مغرب کے دانشوروں کی رائے بھی سنئے جب تمام یونان کے لوگ ٹرائے کے خلاف جنگ میں مشغول تھے کیوں کہ اس کے شہزادہ پیرس نے یونانیوں کی بے عزتی ہیلن کے ساتھ بالجبر زیادتی سے کی تھی اور خزانے بھی لوٹے تھے۔ تو THETIS اپنے بیٹے کو دے گئی کہ وہ Lycomedes کی لڑکیوں کے ساتھ جزیرہ SYGROS میں پرورش پائے اور جنگ کی خونخواریوں میں حصہ نہ لے۔

مصنف لکھتا ہے کہ میرے علم کی حد تک قدیم یونان میں مخلوط تعلیم کا یہ ایک واحد واقعہ ہے ورنہ یونانی اس سے کہیں زیادہ ذہین اور عقل مند تھے کہ اس جیسی شرارت آمیز برائی کو برداشت کریں۔ وہ کہتے کہ یہ تو ایسی بات ہے جیسے کہ گھوڑے اور بیل کو ایک ساتھ ہل میں جوت دیں۔

گویا مخلوط تعلیم کو رواج دینا مصنف کے نزدیک پاگل پن کے سوا کچھ نہیں

---

[1] محولہ بالا ص ۲۴ [2] محولہ بالا ص ۲۶

قرونِ وسطیٰ کا یورپ ایک وسیع پاگل خانہ

یونان کے علم و عرفان کا دور یورپ سے ختم ہوا تو بتدریج یورپ قعرِ مذلت میں گرتا چلا گیا۔ مورخ ٹیلر اس سلسلے میں لکھتا ہے کہ۔

یعنی عورتوں سے بالجبر زیادتی اور محرکات سے زیادتی سن عیسوی کے ابتدائی صدیوں کے دوران انگریز قوم کا خاصہ تھی۔ اس کے بعد کی صدیوں میں ہم جنسی اور ہسٹریا اس قوم کا خاصہ بن گئی پس یہ کہنا کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ قرونِ وسطیٰ کے یورپ نے ایک وسیع پاگل خانے کی حیثیت اختیار کر رکھی تھی [۱]

ان سب حالات کے باوجود عورتیں سٹیج پر بالعموم کام نہ کرتیں۔ ڈراموں میں ایکٹنگ مرد ہی کرتے تھے۔

ڈاکٹر RICHERD LEWINSOHN M.D. لکھتے ہیں۔

یعنی دو ہزار سال تک ایکٹنگ خاص مردوں تک محدود رہی۔ قدیم دور میں عورت کبھی سٹیج پر آکر کام نہ کرتی تھیں .... کامیڈی اور ٹریجیڈی تمام قسم کے سٹیج ڈراموں میں لڑکے ہی لڑکیوں کا پارٹ ادا کرتے تھے ...... شیکسپیر کے ڈراموں میں عورتوں کے تمام پارٹ نوجوان لڑکے ہی ادا کیا کرتے تھے [۲]

تبدیلی

اسلامی تہذیب کا اثر یورپ پر مزید پڑا تو اس کے اثرات اور زیادہ گہرے ہوئے اور رفتہ رفتہ تبدیلی آنے لگی۔ حالات با اینجا رسید کہ عورتیں گھوڑے پر جب سوار ہوتیں تو ٹانگیں ایک طرف رکھتیں۔ مردوں کی طرح دونوں طرف ٹانگیں رکھ کر سوار ہونا بے حیائی خیال کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ وکٹوریہ کا زمانہ آگیا۔ جس کی حکومت کے دوران سلطنت برطانیہ نے اتنی ترقی کی کہ اس پر سورج کبھی غروب نہ ہوتا تھا۔ رچرڈ اس دور کے متعلق لکھتا ہے۔

---

(1) G. Rattray Taylor : Sex in History — 22

(2). A History of Sexual Customs by Richard Lewinsohn . M.D. P/196

یعنی وکٹوریہ کے دور میں عورتوں کی ٹانگیں نہیں ہوتی تھیں جس بات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں کی ٹانگیں چاہے وہ چلنے کی خاطر ہی ہوتی ہوں اسے قابل اعتراض سمجھا جاتا تھا۔ عورت کے نچلے بدن کے اعضاء کا خیال ہی بہت بے حیائی سمجھا جاتا تھا۔ کمر سے نیچے عورتوں کے کوئی چیز نہ تھی سوائے سکرٹ کے۔ بلکہ سکرٹ کی کنیز تہوں پر اس قدر مایا لگا ہوتا کہ تیز ہوا کا بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوتا۔

پھر سکرٹ کے نیچے گھٹنوں تک کا انڈرویر پہنا جاتا تھا۔ اشتہاروں میں ایسے دکھایا جاتا تھا کہ ان میں کوئی جوڑ نہیں کیونکہ مردوں کو پتہ نہیں چلنا چاہیئے کہ عورتیں نیچے کیا پہنتی ہیں۔

عورتوں کے پیٹ بھی نہیں ہوتا یہ محض سرکس کا مذاق نہ تھا بلکہ اس دور کا آئیڈیل تھا۔

ڈاکٹر اپنے کمروں میں پتلے رکھتے تھے جس جگہ علیمت ہوتی عورت اس پتلے پر انگلی رکھ کر بتاتی۔ پھر ڈاکٹر کپڑے کے اوپر سے مریضہ کے جسم کو ہاتھ لگا کر دیکھتا[1]۔ ایسا بھی مریضہ کے خاوند یا اس کی ماں کی موجودگی میں ہوتا تھا ورنہ کسی عورت کا اکیلی کسی ڈاکٹر کے ہاں جانا بے شرمی سمجھا جاتا تھا[2]

ٹیلر وکٹورین دور کی، خلاقی اصلاح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ لوگوں نے اخلاقی اصلاحات کو کافی حد تک قبول کیا۔ تھیٹروں میں الو بولنے لگے[3] اس کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

---

[1] اس کے برعکس آج کل پاکستان میں بڑے بڑے نمازی ڈاکٹروں نے بھی اپنے کلینک میں ایکس رے لینے یا E.C.G لینے کے لئے صرف مرد رکھے ہیں۔ عورتوں کا ایکس رے یا ای سی جی بھی وہی لیتے ہیں مجھ سے بعض عورتوں نے جو پردہ نہیں بھی کرتیں اس کی شکایت کی ہے لیکن مریضہ مجبور ہوتی ہے وہ ڈاکٹر کے سامنے بولنے کی ہمت نہیں رکھتی۔ بعد میں بڑبڑاتی اور کوستی ہے۔ مگر لاکھوں میں کھیلنے والے بچت کی خاطر لیڈی ٹیکنیشن الگ سے نہیں رکھتے۔ دولت پر اسلامی حیاء قربان کردی جاتی ہے۔ ایک طرف دعوی کیا جاتا ہے کہ آج کی عورت ہر کام کرسکتی ہے لیکن ہرزنانہ کالج میں مرد کلرک ضرور رکھے جاتے ہیں۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے۔

[2] ٹیلر: سیکس ان ہسٹری: ۹۵

And to a considerable extent people accepted the new standard
Theaters were deserted.

اس دور میں ہندوستان کے مغلیہ حکمران شراب وکباب میں مست تھے۔ جب محمد شاہ
رنگیلے کو خفیہ رپورٹ دشمنوں کے متعلق آئی تو اس نے اس رپورٹ کو شراب میں ڈال کر کہا۔

ایں دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولٰے [1]

اس کے برعکس اسی دور میں انگریزوں کی اخلاقی حس اتنی تیز ہو چکی تھی کہ جس سال
مغلیہ سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ اس کے فوراً بعد ۱۸۵۷ء میں انگلینڈ کی پارلیمنٹ میں
بل پیش ہوا کہ شادی شدہ شخص کو بدکاری کی سزا موت ملنی چاہیئے۔ پس اعلیٰ اخلاق کی بنا پر
انگریزوں کو فتح ہوئی اور دہلی اور لکھنؤ جہاں نوابوں کے بیٹے تہذیب سیکھنے بیسواؤں کے ہاں
جاتے تھے ان کو شکست ہوگئی۔

لیکن فتوحات عظیمہ اور دولت کی فراوانی کے بعد رفتہ رفتہ انگریزوں کے اخلاق گرنے
لگے سائیکل کے آنے کے بعد عورتوں کے سکرٹ اونچے ہونے لگے اور جس سلطنت
پر کبھی سورج غروب نہ ہوتا تھا اس کو بداخلاقی اور جنسی بے راہ روی گھن کی
طرح کھانے لگی۔

اسی عرصے میں جنگ عظیم اول میں شکست کے بعد یورپ میں ایک نئی قوت ابھرنے
لگی۔ ہٹلر کو آپ چاہے جتنا برا کہیں لیکن اس نے اپنی قوم کو اس قدر ترقی سے ہمکنار کیا کہ
تمام یورپ لرزنے لگا۔ ہٹلر نے عورتوں کو دوبارہ یہ سبق دینا شروع کیا کہ تمہارا
مقام گھر ہے نہ کہ بازار۔ عورتوں نے اسے خوشی خوشی قبول کیا ہٹلر نے عورتوں کو نیک
اور مردوں کو جانباز بنایا تصویر کا یہ رخ بھی سامنے رہے۔

جرمنی کا معاشرہ سائنسی دور کا اعلیٰ معاشرہ تھا جس نے آئنسٹائن جیسے

---

[1] جب مغلیہ بادشاہ شراب نوشی کرنے لگے تھے تو امریکہ و یورپ میں شراب نوشی کے خلاف تحریکات شروع ہوگئیں۔ امریکہ
[illegible]

سائنس دان پروان چڑھائے۔

نازی جرمنی اور پردہ

ہٹلر کوئی ملا نہیں تھا۔ وہ بیشک ظالم تھا اور اس نے دنیا کو ایک مہلک جنگ میں دھکیل دیا۔ لیکن وہ اتنا باشعور ضرور تھا۔ اور جانتا تھا کہ دنیا کو فتح کرنے اور سائنسی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ ان کی عورتوں کا اصل مقام گھر ہو اور وہ انجمن کی شمع نہ بنیں۔ نازی جرمنی کی سوشل تاریخ رچرڈ گرن برگر نے لکھی ہے اور اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

یعنی عورت کا سوسائٹی میں کیا رول ہے؟ عورتوں کے لئے اس دور کا نعرہ۔ بچے، چرچ (خدا)۔ اور باورچی خانہ تھا۔ ہٹلر کے پاس جب عورتوں کا وفد حقوق کے سلسلے میں بات کرنے آیا تو اس نے کہا کہ نازی جرمنی میں ہر عورت کو خاوند مل جائے گا۔ پارٹی کے ابتدائی قوانین کی رو سے ہی عورتوں کو پارٹی کے اعلیٰ عہدوں پر فائز نہ کرنے کا اصول مرتب کر لیا گیا تھا۔ ہٹلر کا کہنا تھا کہ ہم نے عورتوں کو پبلک لائف سے جو علیحدہ کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کو عزت کا مقام دینا چاہتے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ ہم ان کی عزت نہیں کرتے بلکہ چونکہ ہم ان کی بہت زیادہ عزت کرتے ہیں اس لئے ہم ان کو پارلیمنٹری جمہوریت کی گندگی سے الگ رکھنا چاہتے ہیں [1]

آگے چل کر مصنف لکھتا ہے۔

پولیس چیف کے آرڈر تھے کہ اگر کوئی عورت سگریٹ پیتی نظر آئے تو اُسے فوراً روک کر ایک جرمن عورت اور جرمن ماں کے فرائض یاد دلائے جائیں۔ جو عورت پوڈر یا لپ سٹک لگا کر آتی تو اسے عورتوں کی لیگ کی میٹنگ میں شامل نہ ہونے دیا جاتا اور اگر کوئی عورت پبلک میں سگریٹ پیتی نظر آ جاتی تو اس کی ممبر شپ ختم کر دی جاتی۔ عورتوں کو سپارٹا کی سادگی سکھائی جاتی کہ وہ کاسمیٹک کے بغیر گذارہ کریں۔ سخت بستروں پر سوئیں اور مزیدار کھانے پکانے

---

[1] Richard Grunberger – A Social History of the third Reich: 320 لے

• یاد رہے کہ نازیوں نے فرائڈ کی "کتابوں کو یہودیوں کی فحاشی" کا نام دے کر جلا دیا تھا۔ (صفحہ ۳۲۵)

نے سلسلے میں زیادہ باریکیاں نہ دکھائیں [۱]
پبلک لائف سے عورتوں کو نکال کر اس کا یہ مداوا کیا گیا کہ عورتوں کی الگ لیگ بنائی گئی جس کے تحت وہ مردوں سے الگ رہ کر اپنے طور سے رفاہ عامہ اور سوشل ورک کا کام کرتی تھیں [۲]

مصنف مزید لکھتا ہے کہ زنانہ ٹیچرز ایسوسی ایشن نے کہنا شروع کیا کہ خواتین استانیوں کو بھی وجود قائم رکھنے کا حق ہے۔ بلکہ بچوں کی صحیح پرورش کے لئے ضروری ہے کہ ان کو بہترین ٹریننگ ملے ۔ ۱۹۳۷ء میں مشہور نازی خاتون لیڈر فینٹ کو سرکاری طور پر خاموش کر دیا گیا۔ عورت کی آزادی کی دیگر وکالت کرنے والی عورتوں نے عورتوں کی تعلیم میں مواقع کی کمی کے متعلق نازیوں کے اصولوں کے اندر رہ کر بات کرنی شروع کی یعنی اس کو تسلیم کرتے ہوئے کہ عورتوں اور مردوں کے دائرہ کار علیحدہ علیحدہ ہیں۔ انہوں نے کہنا شروع کیا کہ عورت ڈاکٹر تھکی ہوئی ماں اور بلوغت کے قریب لڑکیوں کو بہتر جسمانی اور روحانی آسائش فراہم کر سکتی ہے۔ استانیاں لڑکیوں کو بیالوجی وغیرہ کی تعلیم زیادہ مناسب طریقہ سے دے سکتی ہیں۔ خاتون وکلاء بچوں اور عورتوں کے طلاق کے مقدمات میں بہتر کام کر سکتی ہیں۔ خاتون سائنس دان اور ماہر اقتصادیات گھریلو معاملات شہری پلاننگ اور ہاؤسنگ پالیسی بہتر طور پر مرتب کر سکتی ہیں۔ لیکن پیشہ ور کا زوال شروع ہوگ

.... illustrates the erosion of the position of professional and academic women (۳)

---

[۱] محولہ بالا ص ۳۳۴، ۳۳۵ [۲] محولہ بالا ص ۳۳۹

[۳] " " " ۳۳۵، ۳۳۱ - ۱۹۷۱ء میں امریکی کی خاتون لیڈر لکھتی ہیں کہ ۱۹۲۸ء میں پرائمری اسکول ۵۵ فیصد خواتین پرنسپل تھیں ۱۹۴۸ء میں ۴۱ فیصد، ۱۹۵۸ء میں ۳۸ فیصد اور ۱۹۶۸ء میں صرف ۲۲ فیصد الیسا کیوں (اس کی وجہ یہ ہے کہ تعلیمی بورڈوں کے سربراہوں کا خیال یہ ہے کہ مرد اساتذہ عورتوں کی نسبت بہتر منتظم ہیں تفصیلی حوالوں کے لئے دیکھئے۔

گویا نازی جرمنی کے لیڈر) اور ۱۹۰۱ء میں امریکن ماہرین تعلیم دونوں ہم خیال ہیں۔

مصنف لکھتا ہے کہ میک اپ کو زور و شور سے غیر جرمن فعل قرار دیا گیا ان کا کہنا تھا کہ سب سے خلاف قدرت یہ چیز ہے کہ سڑک پر کوئی جرمن ایسی نظر آجائے جس نے خوبصورتی کے تمام قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے چہرہ پر مشرقی جنگی رنگ لگا رکھا ہو۔ ان باتوں کی وجہ سے اگر بس میں کوئی عورت میک اپ کئے نظر آجاتی تو اسے بیسوا سے لے کر غدار وطن کے نعرے سننے پڑتے [۱]

یاد رہے کہ پہاڑی علاقوں کے جو لوگ جن میں بعض کی عمریں سو سال سے تجاوز کرتی ہیں اور حسن میں بھی میدانی لوگوں سے برتر ہوتے ہیں۔ کاسمٹیکس تو کیا ٹوتھ پیسٹ سے بھی ناآشنا ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں پاکستان کے سوشلسٹ بھی منہ بند کئے رہتے ہیں انہوں نے بھی کبھی اس زہریلی اور جنسی جذبات ابھارنے والی اشیاء پر فضول خرچی کے

---

[۱] محولہ بالا ص ۲۳۴ Gray nall and Steven null نے کتاب لکھی ہے جس کا نام How to get rid of the poisons in your body درج ذیل ہے: اس کتاب میں ایک باب ہے جس کا عنوان ہے "خوبصورت زہر" اس کے صفحہ ۸۹ پر بتایا گیا ہے امریکہ میں ۱۴ ملین ڈالر یعنی تقریباً ۲ کھرب روپے ہر سال کاسمٹیکس پر خرچ کئے جاتے ہیں اگلے صفحہ پر بتایا گیا ہے کہ کاسمٹیک کمپنیاں بھی اب یہ تسلیم کرنے لگی ہیں کہ چہرہ کی خوبصورتی کیلئے عام تیل وغیرہ ملنا قیمتی کریموں سے زیادہ محفوظ طریقہ ہے۔ اس مضمون میں بتایا گیا ہے کہ جدید دور کے کاسمٹیکس میں زہریلے کیمیکل شامل ہوتے ہیں جن سے عورتوں کو کینسر بھی ہو جاتا ہے۔ چہرہ کے پوڈر میں بھی نقصان دہ اجزاء شامل ہوتے ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ سانس کے ساتھ جو سولہ سال کی عمر میں پھیپھڑوں داخل ہو جاتے ہیں تو مرتے دم تک نہیں نکلتے۔ ان جدید پوڈروں کی بجائے باریک میدہ چہرہ پر ملنا زیادہ محفوظ ہے۔ لپ اسٹک کے ذریعے زہریلے اجزاء جسم میں داخل ہوتے ہیں۔ یہی حال کریموں اور دوسری اشیاء کا ہے۔ جدید خضاب بھی کینسر پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں بالوں کے لئے چائے سے دھونا یا مہندی لگانا زیادہ بہتر اور محفوظ طریقہ ہے۔ ناخنوں کی پالش میں ڈالا جاتا ہے۔ جو بہت زہریلی چیز ہے جس کی خوشبو آنکھوں کے لئے بھی نقصان دہ ہوتی ہے۔ (صفحات ۸۹ تا ۱۰۴) پس کاسمٹیکس پر پابندی کی سائنسی وجوہات بھی واضح ہیں)

خلاف کوئی آواز بلند نہیں کی حالانکہ اس پر پاکستان میں بھی امیر تو امیر غریب شہری عورتیں بھی بساط کے مطابق کافی خرچ کرتی ہیں جس کا کل میزانیہ اربوں تک پہنچتا ہے جمہوری گورنمنٹ چونکہ ٹیکس لگا کر روپیہ بٹورتی ہے اس لئے وہ بھی خاموش رہتی ہے حالانکہ حکومت کو اس سے اصلی ٹیکس کا بیسواں حصہ بھی نہیں ملتا۔ کمپنیاں ایکسائز والوں سے مل کر ٹیکس کی رقم کا ۸۰ فیصد حصہ خود کھا جاتی ہیں۔ گویا اس طرح سے عوام کی جیبیں تو کٹ جاتی ہیں لیکن حکومت کو اس کا عشر عشیر بھی وصول نہیں ہوتا۔ کاسمٹیکس کی برائی ہو یا سگریٹ نوشی کی ہو یا ریفل وغیرہ کے نام سے قماربازی ہو یا فلموں کے نام سے جنسی نمائش ہو۔ برائیوں کی اجازت دے کر اس کی فیس یا ٹیکس لینے کا طریقہ حکومتوں نے کیتھولک پادریوں سے ہی سیکھا ہے جو گناہوں کے پرمٹ جاری کرتے تھے۔ اور اس کی فیس وصول کرتے تھے، یا روپیہ لے کر گناہ معاف کر دیا کرتے تھے۔ ان خرابیوں کے ردعمل میں پروٹسٹنٹ فرقہ وجود میں آیا۔

رچرڈ گرن۔ برگر دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

یعنی بقول مصنف انیسویں صدی کے ابتدائی دور میں عورتوں کی چوٹیوں کو آئیڈیل قرار دیا گیا اور جو عورت نئے فیشن کے بال بنانا چاہتی مثلاً وہ مصنوعی طور سے بالوں کو گھونگریالے بناتی تو سزا کے طور پر اس کا سر مونڈ ڈالا جاتا۔

نازیوں نے عورتوں کو مکمل طور پر ستر عورت کی تلقین کی۔ انہوں نے عورتوں کو ٹخنے تک ڈھیلی تہ در تہ چنن والی سکرٹ پہننے پر مجبور کیا۔ (جب کہ باقی یورپ میں گھٹنوں تک سکرٹ کا رواج تھا) سینے کو چادر یا ڈوپٹے سے ڈھانکنے کی بجائے قمیض کے اوپر سے مزید ایک سفید بلاوز استعمال کرنے کا حکم دے کر ان کی مکمل پردہ پوشی کا بندوبست کیا۔ اس کے بعد سر پر کالے رنگ کے بڑے بڑے رومال باندھنے کا حکم دیا۔ اور پیروں میں پنڈلیوں تک بوٹ پہننے کا رواج جنگ سے پہلے عام ہو چکا تھا۔

گویا ہٹلر نے چہرہ پر نقاب کا حکم تو نہیں دیا لیکن جو مذکورہ بالا لباس مقرر کیا اس میں ستر عورت کی اس سے زیادہ پردہ پوشی تھی جو آج کل پاکستانی عورتوں کے فیشنی برقعوں میں ہوتی ہے۔ جن کو پہن کر وہ اکثر منہ کو کھلا رکھتی ہیں۔ ہٹلر نے جو کچھ کیا وہ مذہبی بنیاد پر

نہیں کیا۔ وہ خدا کو مانتا بھی نہیں تھا۔ اگرچہ کہا جاتا ہے کہ مرنے سے پہلے وہ بھی خدا پر ایمان لے آیا تھا[۱]، بہرحال اس نے وہی اقدامات کئے جو اس کی قوم کی مادی ترقی کے لئے ضروری تھے[۲] اور جس سے قوم کی جلد سائنسی و علمی ترقی میں رکاوٹ پیدا نہ ہوسکے۔

تاریخ انسانی میں روحانی ترقی سے قطع نظر مادی ترقی اور فوجی فتوحات کی دو مثالیں عظیم ترین ملتی ہیں۔ ایک تو اسلامی انقلاب جس کی ابتدا حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمائی اور خلیفہ دوم کے دور تک جتنی ترقی اور فتوحات مسلمانوں نے جس تیزی سے کیں۔ اس کی کوئی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے!

دوسری مثال غالباً نازی جرمنی کی ہے۔ ہٹلر نے ایک سخت شکست کے بعد تباہ حال قوم کو جس تیزی سے ابھارا اور اسے اس قابل بنایا کہ وہ چند دنوں کے اندر یورپ کے بیشتر حصہ پر قبضہ کرلے اور جس حکومت پر سورج غروب نہ ہوتا ہو اس کا ناطقہ بند کردے۔ اس کی مثال بھی تاریخ میں نہیں ملتی۔ درحقیقت انگریزوں کی وسیع حکومت کی تباہ کاری۔ ہندوستان کی آزادی بھی ہٹلر کی مرہون منت ہے۔ اگر ہٹلر اپنے غرور میں روس پر حملہ کی غلطی نہ کرتا تو تاریخ آج کچھ اور ہی ہوتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت یہی رہی ہے کہ وہ مغروروں کا سر غرور نیچا کرتا ہے۔

اگر کسی قوم کو تیزی سے ترقی کرنا مقصود ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورتوں کو حکم وقرن فی بیوتکن پر عمل کرائے۔ ہٹلر نے بھی اپنے ملک کی عورتوں سے اس پر عمل کرایا۔ رچرڈ گرن برگ لکھتے ہیں۔

یعنی نازیوں کا مقولہ یہ تھا کہ عورتوں اور مردوں کا دائرہ کار علیحدہ ہے اسی وجہ سے انہوں نے اقتدار سنبھالتے ہی شادی شدہ عورتوں کو، جو ڈاکٹر یا سرکاری ملازم تھیں نوکری سے برطرف کردیا۔[۳]

---

[۱] یہ روسی کمیونسٹوں کا بیان ہے۔ [۲] ایضاً [۳] ہمارے ڈاکٹر اسرار صاحب نے تو پنشن دے کر برطرف کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن نازیوں نے بغیر پنشن ہی کے برطرف کردیا۔

جون ۱۹۲۶ء میں عورتیں جج۔ سرکاری وکیل کے بطور کام کرنے سے بھی روک دی گئیں پھر آہستہ آہستہ نائب ججوں، نائب ٹیچروں کے مقام سے بھی رخصت کردی گئیں۔ یہ اعلان کیا گیا کہ عورتیں بطور جیوری بھی کام نہیں کرسکتیں کیونکہ وہ منطقی طور پر سوچ نہیں سکتیں (۱) اور مدلل طور پر بحث نہیں کرسکتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پر جذباتی[۲]

لہ لندن کے دو محقق لکھتے ہیں کہ شاپ لفٹنگ یعنی دکانوں سے چوری جدید دور میں خاص عورتوں کے جرائم میں شمار ہوتی ہے۔ یہ چوریاں فیشن کی خاطر کی جاتی ہیں .... پیرس کے صوبے میں لاکھ سے اوپر چوریاں اسی قسم کی سالانہ ہوتی ہیں کا دعویٰ ہے کہ اگر ایک غریب عورت چوری کرتی ہے تو اس کے مقابلہ میں ۹۹ امیر یا کھاتی پیتی عورتیں چوری کرتی ہیں کیونکہ فیشن کے مطابق پر آسائش زندگی گذارنے کی خاطر وہ چوری پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ یہ عورتیں جب شوکیسوں میں لگی ہوئی چیزوں کی نمائش دیکھتی ہیں تو صبر کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ ......حوالہ کے لئے دیکھئے۔

CAESAR LOMBROSO AND WILLIAM FERRERO- The FEMALE Offender: 206. 207- Published by Peter Owen Limited. London.

لہ مذکورہ بالا محققین نے اس پر بھی بحث کی ہے کہ تہذیب کی ترقی سے عورتوں میں جرائم بھی بڑھ رہے ہیں تفصیل کے لئے صفحات ۱۱۱، ۱۱۲ وغیرہ ملاحظہ فرمادیں۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ صرف فیشن ہی کی خاطر وہ اپنے خاوندوں کو بھی رشوت اور بے ایمانی کرنے پر مجبور کرتی ہیں ۔ اور خاوند بھی آسانی سے ان کے کہنے میں آجاتے ہیں۔ اسی طرح سے ملک و قوم تباہی کی طرف جا رہے ہیں ۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر جرمنی کے لوگ فرائڈ۔ ژنگ اور دیگر جدید جرمن ماہرین نفسیات کی تحقیقات کے بعد پہنچے تھے۔ ان محققین نے بتایا کہ عورتوں میں ہسٹریا کا مرض مردوں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ مزید روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ عورتیں احمقانہ فیشن فوراً اندھا دھند اپنانا شروع کر دیتی ہیں۔ مثلاً آجکل بھنویں ترشوا کران کو باریک بنانے کا فیشن چل نکلا ہے۔ جو درحقیقت مثلہ ہے۔ اسی طرح اونچی ایڑی اور تنگ لباس کا فیشن بھی صحت کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔ ڈاکٹروں نے جدید طرز کے کوڈوں کو منافی صحت قرار دیا ہے لیکن اس بھیڑ چال میں مرد بھی عورتوں کے ساتھ شامل ہیں۔ وھلم جرا۔ چہروں پر رنگ کرنے کا ایسا فیشن چلا کہ تاجروں نے پاکستان میں مونگ پھلیوں کو بھی کچا رنگ لگانا شروع کردیا جس سے کھانے والے کے ہاتھ خراب ہوجاتے ہیں۔ لاہور کی بانس منڈی میں بانس پر بھی رنگ لگنا شروع ہوگیا جس سے ہاتھ خراب ہوجاتے ہیں۔ راقم الحروف نے مچھردانی کے بانس خریدے تو ان پر کچا رنگ لگا تھا۔ تمام ہاتھ خراب ہوگئے۔

رہتے ہیں۔

پھر مصنف لکھتا ہے:

یعنی نئی حکومت نے خاندانی زندگی کے بہتر محافظ ہونے کے دعوے کو یوں ثابت کیا کہ عورتوں کی برابری اسقاط حمل۔ ہم جنسی تعلقات اور قحبہ گری پر قدغن لگا دی گئی فقیروں کو سڑکوں سے ہٹا دیا گیا کہ وہ عورتوں کے لئے تکلیف دہ ثابت نہ ہو سکیں۔ شادی کے لئے قرض، بچوں کے لئے وظیفے اور خاندانی الاؤنس مقرر کئے گئے (۱)، شادی کے وقت ہزار مارک (۲) قرض دیئے جاتے تھے۔ پھر بچوں تک ہر بچے کی پیدائش پر قرض کا چوتھائی حصہ بطور تحفہ معاف کر دیا جاتا۔ پھر قرضہ میں معافیوں کے علاوہ یہ بہت معمولی اقساط میں وصول کیا جاتا تھا یعنی میاں بیوی دونوں کماتے ہوں تو ہر ماہ صرف ۳ر فیصد قرضہ وصول کیا جاتا اور اگر صرف مرد ہی کماتا تو ایک فیصد قرضہ ہر ماہ وصول کیا جاتا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر بچہ کی پیدائش پر الگ سے کچھ رقم انعام ملتی۔ جو ایک بچے کے لئے زیادہ سے زیادہ سو مارک ہوتی اور جس کی کل تعداد ایک خاندان کے لئے ہزار مارک سے متجاوز نہ ہوتی۔ گویا مارک قرضہ بھی تقریباً معاف ہی ہو جاتا مزید ہزار مارک تک بچوں کے پیدا ہونے پر انعام بھی مل جاتا۔ ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۸ء تک کل گیارہ لاکھ سے زیادہ شادی شدہ کے قرضے دیئے گئے جن میں سے ۹۰ لاکھ ۸۰ لاکھ کے قرضے بچوں کی پیدائش پر معاف کر دیئے گئے یہی نہیں بلکہ بچے پیدا کرنے والی ماؤں کو سوسائٹی میں عزت اور بلندی کا وہی مقام دیا

۱؎ بے راہ روی روکنے کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ زنا کو بہت مشکل اور نکاح کو نہایت آسان بنا دیا جائے۔ ہٹلر نے اسی پر عمل کیا شادی کے لئے قرضے دیئے اور حضرت عمرؓ کی پیروی میں نومولود بچوں کے روزینے مقرر کئے۔ اس طرح سے اس نے عورتوں سے کیا گیا یہ وعدہ بھی پورا کیا کہ نئی حکومت میں ہر عورت کو خاوند مل جائے گا۔ مزید یہ کہ فلموں اور نوجوانوں پر پابندیاں لگائیں کہ وہ دیر تک رات کو گھر سے باہر نہ رہیں وغیرہ وغیرہ۔ کاش کسی اسلامی ملک میں بھی ایسا کیا جاتا۔ شاید ایران میں کسی حد تک اس پر عمل ہو رہا ہو۔

جاتا تھا جو کہ سرحد پر لڑنے والے بہادروں کو دیا جاتا تھا کیونکہ بچہ کی پیدائش کے وقت ملک وقوم کی خاطر یہ مائیں بھی اپنی جان کو اسی طرح خطرہ میں ڈالتی تھیں جس طرح کہ سپاہی توپوں کے گولوں کے سامنے جان کو خطرہ میں ڈالتا تھا۔ ان عورتوں کی اتنی زیادہ عزت افزائی حکومت اور عوام کرتے تھے کہ ٹراموں اور بسوں میں لوگ کود کر اپنی سیٹ سے علیحدہ ہو جاتے اور سیٹ کسی حاملہ ماں یا ایسی ماں کو دے دیتے جو چاہے حاملہ نہ ہوتی لیکن اس کے ساتھ چھوٹے بچے ہوتے [1]

نازیوں نے سائنسی ترقی کے لئے اخلاقی اصلاح اور ترقی کو ضروری خیال کرتے ہوئے مزید بہت سے قدم اٹھائے۔

مصنف لکھتا ہے کہ میکلنبرگ کے پولیس چیف نے قانون بنادیا کہ اٹھارہ سال سے کم عمر کا کوئی لڑکا یا لڑکی اگر کھلم کھلا سگریٹ پیتا دیکھا گیا تو اُسے ۵۰ مارک جرمانہ کیا جائے گا اور دو ہفتہ کے لئے جیل بھیج دیا جائے گا۔ ۹ر مارچ ۱۹۴۰ء میں نوجوان کے لئے قانون بنایا گیا کہ اٹھارہ سال سے کم عمر کا کوئی لڑکا یا لڑکی شام کے اندھیرے کے بعد گلیوں میں نہیں گھومے گا۔ مزید کسی ہوٹل یا سینما میں ۹ بجے کے بعد بالکل نظر نہیں آئے گا۔ سوائے اس کے کہ کوئی بزرگ اس کے ہمراہ ہو۔ ۱۹۴۰ء میں قانون بنایا گیا کہ نوجوان اپنے بزرگوں کے بغیر ان فلموں کو بھی شام کے وقت نہیں دیکھ سکتے جن فلموں کو خاص بچوں کے لئے اجازت نامہ نہ دیا گیا ہو۔ ایک موقعہ پر بعض نوجوانوں نے کہا کہ ہم سولہ سال کی عمر میں اچھے سپاہی بن کر میدان میں قتل ہو سکتے ہیں لیکن اٹھارہ سال کی عمر

---

[1] گویا پوری قوم نے یہ تسلیم کرنا شروع کر دیا تھا کہ نہ صرف ان کی خاص اپنی ماں کے قدموں میں جنت ہے بلکہ ہر ماں کے قدموں کے نیچے ہر مرد کے لئے جنت ہے۔ کیونکہ وہ کسی نہ کسی کی ماں تو بہرحال ہے۔ ایسی سوسائٹی میں ظاہر ہے کہ کوئی عورت بے راہ روی کی زندگی گزارنے کی بجائے ایک متاہل خاندانی زندگی اور ایک ماں کی زندگی کو ہر حال میں ترجیح دے گی۔ کوئی نیم پاگل عورت ہی بے راہ روی کا رستہ اختیار کر سکتی ہے۔

تک بڑوں کی فلموں کو دیکھنے کے قابل نہیں ہو سکتے۔ بڑوں کی فلمیں کیسی ہوتی تھیں ؟ سن لیجئے۔
مصنف کے صفحہ ۴۸۳ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ فلموں سے غیر اخلاقی عشق بازی کا
خاتمہ کر دیا گیا۔ اور فلم سازوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ایسی فلمیں بنائیں جن سے واضح ہو کہ نکاح کا رشتہ
ہرگز نہیں ٹوٹ سکتا اور جن سے قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو وارننگ مل جائے۔
مزید جنگی جذبہ اُبھارنے اور جنگی ٹکنیک سکھانے کے لئے فلمیں بنائی جاتی تھیں۔ اس
مقصد کے لئے گورنگ نے میدان جنگ سے دس ہزار پیادہ فوج اور ایک ہزار سوار فوج
اور سو توپیں منگوائیں تاکہ مطلوبہ فلمیں تیار ہو سکیں چاہے اس سے جنگی قوت میں کمی ہی کیوں نہ ہو[1]
یاد رہے کہ نازی مذہب کے سخت دشمن تھے۔ وہ خاص قسم کے سوشلسٹ تھے لیکن
وہ جانتے تھے کہ مخلوط سوسائٹی فلم گانے۔ سگریٹ پینے والی۔ اور راتوں کو دیر تک
جاگنے والی اور فیشن پرست۔ آرام طلب سوسائٹی نہ صحیح طور پر محنت طلب سائنسی
علم حاصل کر سکتی ہے اور نہ جنگ میں فتح حاصل کر سکتی ہے۔ اس لئے انہوں نے
ایسے اقدامات کئے جو بظاہر مذہبی لوگوں کی مانند تھے۔

مشہور امریکی ماہر ______________ لکھتا ہے کہ پچھلی جنگ عظیم کے دوران جرمنی
میں عورتوں کو جنگی کاموں میں نہیں لگایا گیا۔ جرمنی میں ؛ wa یا Waren کی مانند عورتوں
کی کوئی تنظیم نہیں بنائی تھی۔ سوائے کھیتی باڑی کے دوران عورتیں کام نہیں کرتی تھیں[2]
عورتوں سے کام نہ لینے کی ایک وجہ یہ تھی کہ نازیوں یعنی نیشنل سوشلسٹوں کا اصول یہ
تھا کہ عورت کا مقام اس کا گھر ہے یا بچے پیدا کرنے کا کمرہ۔

جیسے سیل مین کا کمال یہ ہے کہ سائبیریا میں رہنے والے کو فریج فروخت کرے
اسی طرح لیڈر شپ کا کمال یہ ہے کہ عورتوں میں ان تمام طریقوں کو رائج کر دے جن کو
جدید عورتیں پسند نہ کرتی ہوں اور پھر وہی عورتیں خوشی خوشی ان چیزوں کو اپنا لیں۔

---

[1] محولہ بالا ص ۴۹۰

[2] J.K Galbraith - The Galbraith Reader: 70 A pelican Book

ہٹلر نے نہ صرف عورتوں میں با پردہ لباس کو مقبول بنایا اور پوڈر (۱) و لپ سٹک سے ان کو متنفر کیا بلکہ وہ ان کا ہیرو بھی بن گیا۔ عورتیں اس کے احکام نہ صرف مانتی تھیں بلکہ اس پر فدا بھی تھیں۔ لیڈر بھی تسلیم کرتی تھیں۔ ہیل ہٹلر کا نعرہ بلند کرتی تھیں۔ اس نے نوجوانوں پر پابندیاں لگائیں لیکن ان کی محبت کم نہ ہوئی جب جنگ ختم ہوئی تو انہوں نے ایسی دنیا میں جینا گوارا نہ کیا جس میں ہٹلر نہ ہو۔ عورتوں نے مردوں سے زیادہ بڑے پیمانہ پر خودکشی کر کے ہٹلر کے عظیم اور محبوب لیڈر ہونے کا ثبوت مہیا کیا۔ اگر پاکستان میں کوئی واقعی سمجھدار لیڈر ہو تو وہ عورتوں کو حیا اور پردہ کا سبق دے کر بھی ان کا محبوب لیڈر بن سکتا ہے۔ نفسیاتی اصولوں سے تبلیغ کے ذریعے ہر چیز ممکن ہے۔

۱؎ آج کل ٹوتھ پیسٹ کے استعمال کو ضروری سمجھا جاتا ہے حتیٰ کی حکومت نے اس پر سے ڈیوٹی بھی ختم کردی ہے۔ ہمارے طبیعات کے پروفیسر مرزا حمید بیگ مرحوم قدرتی علاج کے قائل تھے۔ انہوں نے کہا۔ ٹوتھ پیسٹ کی بجائے محض خالی برش استعمال کرنا چاہیئے۔ کیمسٹری پروفیسر عبدالکریم مرحوم صاحب نے بھی یہی فرمایا۔ لیکن ساتھ ہی کہا کہ ضرور کوئی چیز استعمال کرتی ہو جراثیم مارنے کے لئے ٹوتھ پیسٹ کی بجائے ODIUM PERBORATE استعمال کریں۔ راقم الحروف پچھلے ۲۵ سال سے خالی برش بغیر ٹوتھ پیسٹ کے استعمال کررہا ہے۔ الحمدللہ خاکسار کے دانت ٹوتھ پیسٹ کے استعمال کرنیوالوں سے بہتر ہیں، دیہات کے لوگوں کے شہری لوگوں سے کئی درجے مضبوط ہوتے ہیں اور یہ لوگ لمبی عمر پاتے ہیں لیکن یہ ٹوتھ پیسٹ کے نام سے بھی ناواقف ہیں۔ ان عورتوں کے چہروں پر بغیر پوڈر کے شہری عورتوں سے زیادہ چمک ہوتی ہے۔

پس یہ ثابت ہوا کہ ٹوتھ پیسٹ وغیرہ سب اسراف ہے۔ جس کی قرآن میں سخت مذمت آئی ہے۔

دینی مدارس اور عصری تقاضے

(مولانا مجیب اللہ ندوی)

۷ تا ۹ مئی ۱۹۸۰ء کو مذکورہ عنوان کے تحت جو سیمنار خدا بخش لائبریری میں ہوا تھا اس میں راقم الحروف نے یہ مختصر مقالہ پڑھا تھا۔

جناب صدر اور محترم حاضرین کرام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عربی مدارس کے نصاب تعلیم کا مسئلہ محض نظری ہی نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ہماری رواں دواں عملی زندگی سے بھی ہے اس لئے ہمیں دونوں پہلوؤں سے اس پر گفتگو کرنی ضروری ہے۔ ہندستان میں یوں تو عربی مدارس کے نصاب میں برابر تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں مگر یہ تبدیلی عموماً تفسیر و حدیث کی کتابوں کے اضافہ کے سلسلہ میں ہوتی رہی ہیں۔ مگر یونانی علوم یعنی فلسفہ و منطق وغیرہ کا سکہ ہندستان میں ہمیشہ سکۂ رائج الوقت بنا رہا۔ یونانی علوم کو کم کرنے اور اس کی جگہ عربی ادب و انشا اور جدید علوم اور انگریزی زبان کو داخل کرنے کی آواز ایک صدی پہلے ندوۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے اٹھی مگر ندوۃ العلماء کے قیام سے اب تک جو باتیں کہی اور لکھی گئی ہیں وہ اب بھی دہرائی جا رہی ہیں، جہاں تک عربی مدارس کے نصاب تعلیم میں تبدیلی کا سوال ہے اب وہ مسئلہ مختلف فیہ نہیں رہا۔ اس لئے کہ ندوہ

کی تحریک اور بعض دوسرے اسباب کی بنا پر ہندوستان کی دو چار درسگاہوں کو چھوڑ کر سب نے اسے قبول نہیں تو تسلیم ضرور کر لیا ہے۔ اب ضرورت اس کے عملی پہلو کی طرف توجہ کی ہے اس سلسلہ میں زبان کے ساتھ مکان کا لحاظ بھی ضروری ہے یعنی نصابِ تعلیم پر غور کرتے وقت ہمیں اپنے ملک کے حالات اور وہاں کی دینی ضرورتوں کا جائزہ لینا بھی بہت ضروری ہے ہمیں صرف آزاد اسلامی ملکوں کی ریس یا تقلید میں یا معاشی استحصال کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہیئے۔

آزاد اسلامی ملکوں میں قدیم طرز کے مدرسے ہوں یا جدید و قدیم دونوں علوم کے حامل ادارے ہوں۔ بہرحال وہاں اس نصاب کو پڑھنے کے بعد طلبہ کے سامنے اپنی صلاحیتوں کے لحاظ سے ایک میدان بھی موجود ہوتا ہے اس لئے ان کے لئے جو بھی نصاب تعلیم بنایا جائے گا وہ شعوری یا غیر شعوری طور سے اسے یکسو ہو کر پڑھیں گے اس لئے کہ اس سے ان کا معاشی مستقبل بھی وابستہ ہوتا ہے مگر ہندوستان اور ایسے تمام ممالک میں جہاں مسلمان تعلیمی پالیسی بنانے میں آزاد نہیں ہیں وہاں دینی درسگاہوں کے سلسلے میں ہمیں سب سے پہلے مقصد اور ضرورت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ پڑھنے والوں کے لئے مستقبل میں ان کی عملی زندگی کے لئے کیا میدان ہوگا جسے وہ اپنی جولانگاہ بنا سکیں گے۔

ہندستان میں مسلمانوں کی حکومت کے زوال کے بعد سے اب تک ان کا سب سے بڑا مسئلہ دین اور علم دین کا تحفظ رہا ہے تاکہ مسلمان نسل ایمان کی روشنی اور توحید کی حرارت سے محروم نہ ہونے پائے اور آزادی کے بعد اس مسئلہ نے اور زیادہ اہمیت حاصل کر لی ہے اسی ضرورت اور مقصد کی تکمیل کے لئے ہمارے اسلاف نے آزاد دینی مدارس کے قیام کی پوری کوشش کی اور اس کے لئے اپنے جسم و جان کی پوری صلاحیت لگادی ان کی کوششوں کے نتیجہ میں نہ صرف دین اور علم دین کا چشمۂ صافی غیر اسلامی عناصر سے مکدر نہیں ہونے پایا بلکہ اسلام کی وہ اخلاقی اور روحانی زندگی جس کی تعمیر توحید خالص پر ہوئی تھی۔

یہاں ہمیشہ زندہ وتابندہ رہی اور الحمدللہ وہ آج تک زندہ وتابندہ ہے اس ضرورت اور مقصد کے تحت ہم جب ہندوستان کی درسگاہوں کے نصاب تعلیم پر غور کرتے ہیں تو موجودہ درس نظامیہ کا نصاب تعلیم ہمیں سب سے زیادہ کامیاب نظر آتا ہے اس لئے کہ ہندوستان میں دین اور علم دین کے تحفظ کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں ہر سطح کے آدمی ان درسگاہوں سے مل سکیں ہمیں قرآن پاک وحدیث نبوی کے اچھے مدرسین کی بھی ضرورت ہے اور فقہ وافتار کے لئے اچھے فقیہہ اور مفتی کی بھی ضرورت ہے ہمیں نحو وصرف اور ادب عربی پڑھانے والوں کی بھی ضرورت ہے۔ اور ہمیں امام و مؤذن کی بھی ضرورت ہے۔ مکتب کی چٹائی پر بیٹھ کر پڑھانے والے کی بھی ضرورت ہے تحریر وتقریر۔ وعظ وخطابت کے لئے بھی ہمیں افراد درکار ہیں ان ضرورتوں کے لحاظ سے جب ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں درس نظامیہ کے مطابق چلنے والے مدرسے اور وہاں کے فارغین زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں اور ان کے ذریعہ زیادہ تر ہماری ملی ضرورتیں پوری ہوئی اور بہت سی خرابیوں کے باوجود اب تک پوری ہو رہی ہیں،

اس کے برخلاف جہاں قدیم وجدید دونوں کے حاملین پیدا کرنے کی کوشش کی گئی یا کی جارہی ہے وہاں سے قدیم وجدید کے ماہر تو اب تک بہت کم پیدا ہو سکے البتہ کچھ انگریزی اسکولوں کے ٹیچر ادب وانشار کے کچھ واقفین کچھ اچھے مصنفین اور میدان صحافت کے کچھ شہسوار تو ضرور مل گئے مگر ہمارے ہر سطح کی ملی ضرورتیں ان سے پوری نہ ہو سکیں، راقم الحروف کے نزدیک ان کی ناکامی کے چند اسباب یہ ہیں۔ ایک یہ کہ ہم جس طرح کے مزاج وصلاحیت والے افراد تیار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اس کے لئے وسیع پیمانہ پر اس ملک کے اندر کوئی میدان نہیں ہے اس لئے ان درسگاہوں کے فارغین جدید تعلیم گاہوں کے فارغین کی طرح ایسے میدانوں کو اپنی جولانگاہ بناتے ہیں یا اس کے لئے کوشش کرتے ہیں جو ذاتی طور پر تو ان کے لئے تو مفید ہو سکتے ہیں مگر ملت کے۔

لئے اس کی کوئی افادیت نہیں ہوتی بلکہ اس سے دوسری درسگاہوں کے فارغین کے مزاج میں بھی بگاڑ پیدا ہونے لگا ہے دوسرا سبب یہ ہے کہ ہم ان کے اندر کسر نفسی، تواضع، قناعت پسندی کے بجائے جو ایک فرضی بلندی، احساس برتری بلکہ پندار پیدا کرتے ہیں اس کی وجہ سے ہندستان میں وہ کسی عربی درسگاہ کی مدرسی کو بھی آسانی سے پسند نہیں کرتے چہ جائیکہ ٹوٹی چٹائی اور پھٹے ٹاٹ والے مدرسوں کی پتساری والی زندگی کے لئے وہ تیار ہوں ہم نے ان مدرسوں کے ماحول کو خود ایسا بنایا ہے کہ ان کے فارغین ٹھوس علمی کام سے زیادہ سستی صحافت، سطحی مشاغل، معیار زندگی کی بلندی اور شہرت وعزت کی اچھل کود کو طرۂ امتیاز بناتے ہیں ایک جگہ بیٹھ کر کسی ایک چھوٹے یا بڑے کام میں زندگی کھپا دینے کا جذبہ ہمیں نایاب نظر آتا ہے میں ان مدارس کی اہمیت گھٹا نہیں رہا ہوں بلکہ یہ بات ملت کی وسیع ضرورت کے پیش نظر عرض کر رہا ہوں ورنہ ان کے ذریعہ بھی دین وعلم دین کے بہت سے کام انجام پائے ہیں اور پا رہے ہیں، خود جامعۃ الرشاد بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

راقم الحروف یہ بات تسلیم کرتا ہے کہ درس نظامیہ میں تبدیلی کی ضرورت ہے یعنی یونانی منطق وفلسفہ کی کتابیں کم کر کے ان کی جگہ ہیئت، جغرافیہ اور سائنس کی عام معلومات انہیں اتنی ضرور کر دی جائیں جن سے قرآن پاک کی وہ آیات جن میں آفاق و انفس پر غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ انہیں وہ وسیع طور پر سمجھ سکیں اور ساتھ ہی عربی ادب وانشاء کا اضافہ بھی کر دیا جائے تاکہ وہ تحریر وتقریر سے بے بہرہ نہ رہیں، رہی انگریزی زبان تو اس کی سارے طلبہ کو ضرورت نہیں ہے البتہ جو طلبہ اس کو اپنی علمی یا دعوتی زندگی کا میدان بنانا چاہیں ان کو اختتام تعلیم کے بعد خصوصی طور پر اس کے لئے تیار کیا جائے یوں ہندی وانگریزی کے لئے ایک آدھ گھنٹہ مقرر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مگر یہ کسی مقصد اور ضرورت کے تحت ہونا چاہیئے صرف قدامت پرستی کا داغ چھڑانے یا ماڈرن بننے کی غرض سے ہمیں اسے قطعاً قبول نہ کریں ہمارے مدارس میں انگریزی ونگریزی تو آتی نہیں البتہ دل و دماغ

میں بلا وجہ کی سطحیت پیدا ہو جاتی ہے اور دینی علوم کی ٹھوس[۴] سے ان کی توجہ قدرے ہٹتی ہے۔ البتہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے کہ سائنس کی عام معلومات اور ہیئت اور جغرافیہ اور تاریخ ہند و تاریخ اسلام کا اضافہ سب کے لئے ضروری ہے۔

یہاں یہ بات بھی سب سے زیادہ قابل غور ہے کہ کیا نصاب تعلیم کی تبدیلی سے عربی درسگاہوں میں کوئی انقلاب آجائے گا؟ یا اس کے لئے طلبہ اساتذہ اور منتظمین مدرسہ میں بھی کسی تبدیلی کی ضرورت ہے؟ راقم الحروف کے نزدیک سب سے زیادہ ضرورت اساتذہ اور منتظمین میں مقصدیت پیدا کرنے کی ہے۔ جب تک ان کے ذہن میں یہ بات نہ بیٹھے گی اور اپنے عمل سے وہ اس کا ثبوت نہ دیں گے کہ دینی درسگاہوں کا مقصد اور ان کی غرض کیا ہے اس وقت تک نصابِ تعلیم کی تبدیلی سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا، بے چاری بے جان کتابوں پر سب کا نزلہ گرتا ہے اور اسی کے رد و بدل کی بات کہی جاتی ہے مگر مدرسہ کے زندہ اساتذہ اور منتظمین میں کسی تبدیلی کی ضرورت ہم محسوس نہیں کرتے یا اس کے لئے بھرپور کوشش نہیں کرتے اس سے پہلے درس نظامیہ کے مدرسوں کے فارغین علم دین کے تحفظ کے ساتھ گاؤں گاؤں علم دین کی روشنی اسی وجہ سے پھیلا سکے کہ خود ان کے اساتذہ ایک گاؤں یا چھوٹے سے مدرسہ میں بیٹھ گئے تو پھر پوری زندگی گذار دی اور علم کے ساتھ انھوں نے اپنے عمل سے پوری پوری آبادی کو متاثر کر دیا پہلے منتظمین مدرسے کے کام کو اپنے ذاتی کام کی طرح شوق سے کرتے تھے اور دوسرے بہت سے جذباتی کاموں کے مقابلے میں اسے بنیادی کام سمجھتے تھے ان کا سینہ رشک و حسد اور اعزاز و اکرام کی خواہشوں سے پاک ہوتا تھا وہ مدرسے کا کام کر کے بھی اپنے کو سراپا تقصیر سمجھتے تھے اساتذہ اور منتظمین کے اس خلوص للّٰہیت اور مقصدیت کا اثر طلبہ پر بھی پڑتا تھا اور وہ بھی شعوری اور غیر شعوری طور پر دینی روش اختیار کرنے پر مجبور ہوتے تھے مگر اب اس لحاظ سے ہر طرف سناٹا دکھائی دیتا ہے دینی

۴ سطح اجنبیت پیدا کرے

نہیں ہوسکتی بلکہ کتابوں کے بدلنے سے پہلے خود اساتذہ اور منتظمین اپنے کو بدلنے
کی کوشش کریں اگر ہمارے اندر اسوۂ نبوی اور اصحاب صفہ کی زندگی کا ہلکا سا اثر
بھی آجائے تو مدرسوں کی دنیا بدل جائے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ مدرسے ہی نہیں
بلکہ مدرسہ میں جتنے اساتذہ ہوتے ہیں ان کی الگ الگ ریاستیں قائم ہوتی ہیں
جہاں آسائش پسندی کے سامان کے ساتھ خدم وحشم کی ایک فوج بھی موجود
ہوتی ہے ان میں بہت کم اساتذہ ہوتے ہیں جو خادم دکھائی دیں زیادہ تر مخدوم
ہی نظر آتے ہیں جو اپنے ہاتھ سے وضو کا ایک لوٹا پانی بھی نل سے لینے کو اپنی
مخدومیت کے منافی سمجھتے ہیں ظاہر ہے کہ ان کے طرز عمل کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ
فارغ ہونے کے بعد طلبہ بھی ایسا ہی گوشۂ عافیت تلاش کرتے ہیں نہ اساتذہ میں
مطالعہ وتحقیق کا ذوق نظر آتا ہے اور نہ خدمت کا کوئی جذبہ دکھائی دیتا ہے
اور نہ طلبہ میں یہ خوبیاں نظر آتی ہیں بس وہ چند کتابوں کے امام بن کر رہ جاتے ہیں
کہنے کی غرض یہ ہے کہ کتابوں سے زیادہ زندہ افراد میں تبدیلی کی ضرورت
ہے اس راستے کو اختیار کرنے میں نہ تو بہت زیادہ شور وغوغا نظر آئے گا اور
بھیڑ بھاڑ مگر ہندوستان میں دین اور علم دین کا تحفظ اس کے بغیر ممکن نہیں
ہے کہ بزرگوں کا خاموش اور خادمانہ طریقہ اختیار کیا جائے یہی احساس تھا جس
نے امام غزالیؒ سے مدرسہ نظامیہ کی صدارت چھوڑوا دی تھی۔

پھر نصاب تعلیم میں تبدیلی کی بات جب آتی ہے تو سب سے زیادہ یونانی
فلسفہ ومنطق کی کتابوں کی تبدیلی کی بات ہوتی ہے اور یہ ہونی بھی چاہیئے اور جدید
دانشوروں کے اضافہ کی بات آتی ہے اور آنی چاہیئے، ظاہر ہے کہ فقہ وحدیث میں
کوئی تبدیلی تو ہوگی نہیں اور نہ اس میں تبدیلی کے لئے کوئی کہتا ہے لیکن یہ
افسوسناک بات ہے کہ قرآن اور حدیث نبوی کی تعلیم کو نہ تو بنیادی اہمیت درس
نظامیہ میں دی گئی ہے اور نہ تو قدیم وجدید علوم کے ساتھ چلنے والے مدرسوں۔
کبھی [illegible]

اور بیضاوی کا ایک آدھ پارہ پڑھا دیا جاتا ہے اور جہاں قرآن پاک پر زور بھی دیا جاتا ہے وہاں بھی کسی خاص نقطۂ نظر سے اسی طرح حدیث کی کتابوں کا یا تو دورہ ہوتا ہے یا پھر اس کی چند کتابیں تبرکاً پڑھائی جاتی ہیں۔ ضرورت ہے کہ قرآن و حدیث کو مرکز بنا کر سارے علوم کو اس کے گرد گردش دی جائے اور قرآن پاک کی ایک ایک آیت کی معنویت کو ذہن و دماغ میں اتارا جائے اور حدیث نبوی کی تعلیم فقہی نقطۂ نظر کے ساتھ فنی اور اخلاقی اور تربیتی لحاظ سے بھی دی جائے اور کم از کم پانچ سال مسلسل اس کے گھنٹے ہوں بحمدللہ جامعۃ الرشاد میں اس کا اہتمام ہے۔

اس لئے راقم الحروف کے نزدیک نصاب تعلیم میں قدرے تبدیلی کے ساتھ معیار تعلیم پر بھی غور کرنا ضروری ہے اس لئے کہ سلیبس سے زیادہ ضروری کریکولم ہوتا ہے اور کریکولم کا تعلق منتظمین اور اساتذہ سے ہوتا ہے، آج ہماری نظر میں نصاب تعلیم کی خامیوں پر تو اٹھتی ہے لیکن معیار تعلیم کی تبدیلی پر ہم بہت کم غور کر پاتے ہیں۔

اوپر میں نے عربی درسگاہوں کے لئے مستقبل کے میدان کی بات جو کہی ہے۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم مدرسہ بورڈ بہار اور الہ آباد بورڈ یوپی کے امتحانات کو اہمیت دے رہے ہیں۔ بلکہ ان امتحانات نے تو عربی درسگاہوں کی اخلاقی و روحانی حیثیت کو بالکل مجروح کر ڈالا ہے۔ الا ماشاء اللہ بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اپنی دینی و اخلاقی حیثیت کو باقی رکھتے ہوئے وہ ملت کے لئے مفید بن سکیں اور ملت کے ساتھ اس ملک کو اپنی خدمت سے علم و اخلاق کی کوئی روشنی دے سکیں۔ چند سال پہلے دلی کا مشہور اخبار پٹریاٹ کا ایک وفد عربی مدارس کا دورہ کر رہا تھا اور ہر جگہ وہ یہ سوال رکھ رہا تھا کہ اس ملک میں عربی مدارس کی کیا ضرورت ہے یہ تو ملک کے اوپر بوجھ ہیں مختلف مدرسہ کے لوگوں نے جو جوابات دیئے اس سے وہ مطمئن نہیں ہوئے آخیر میں وہ جامعۃ الرشاد آئے اور راقم الحروف سے بھی یہی سوال کیا میں نے ان سے سوال کیا آپ بتائیں اس ملک میں سب سے زیادہ کمی کس چیز کی ہے جس کی وجہ سے ہر طرف فتنہ و فساد اور لوٹ کھسوٹ مچی ہوئی

ہے رشوت خوری عام ہوگئی ہے، انصاف اب ملتا نہیں بلکہ بک رہا ہے۔ ہر طرف شراب کا دریا بہہ رہا ہے۔ انسان کی جان و مال عزت و آبرو کو ہر وقت خطرہ لگا رہتا ہے۔ بولے کہ آپ ہی بتائیں میں نے عرض کیا کہ اس ملک میں سب سے زیادہ کمی اچھے اور دیانت دار شہریوں کی ہے۔ آپ کے اسکول کالج اور یونیورسٹیاں اچھے پُرامن اور دیانت دار شہری نہیں پیدا کر رہی ہیں، بلکہ یہ ساری خرابیاں انہیں درسگاہوں کے پڑھے لکھے لوگوں کے ذریعہ پھیل رہی ہے۔ عربی مدارس اس ملک میں یہی کام کر رہے ہیں کہ وہ اس ملک کے لئے اچھے اور دیانت دار شہری پیدا کر رہے ہیں کیا یہ ملک کی سب سے بڑی خدمت نہیں ہے ؟ ان کو یہ بات اپیل کی اور دلی جاکر اس کے ایڈیٹر نے ایک موٹی سُرخی کے ساتھ اس کا ذکر کیا۔

عربی مدارس کے نصاب میں تھوڑی ترمیم و تبدیلی کے ساتھ ایک عملی اضافہ کی بھی ضرورت ہے وہ اضافہ یہ ہے کہ ہم کو اپنے طلبہ کو کچھ چھوٹی چھوٹی صنعتوں کے سکھانے کا انتظام کرنا چاہیئے مثلاً جلد سازی، موم بتی سازی، کتابت، ٹائپنگ، اسکیل پنسل بنانے کا کام وغیرہ وہ بھی ہر لڑکے کو نہیں بلکہ یہ پروگرام ان لڑکوں کے لئے ہونا چاہیے جو تعلیمی لحاظ سے بہت اچھے نہ ہوں یا تعلیم مکمل کرنیکی پوزیشن میں نہ ہوں انہیں چند سال تعلیم دینے کے بعد رجحان کے اعتبار سے تعلیم کے ساتھ ساتھ کسی ہنر میں لگا دیا جائے تاکہ وہ کسی غلط راہ پر لگنے کے بجائے تعلیم کے بعد اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں اور آزاد رہ کر دین کی خدمت کر سکیں مگر وہ طلبہ جو پڑھنے میں اچھے ہوں اور شوقین بھی ہوں انہیں تعلیم کی لائن میں زیادہ سے زیادہ باصلاحیت بنانے کی کوشش کی جائے لیکن اس کے لئے مدرسہ کے منتظمین اور اساتذہ کو دردمندی کے ساتھ جائزہ لینا ہوگا اور اس کے مطابق پوری دلجوئی اور خلوص کے ساتھ ان کو تعلیم و تدریس یا دعوت و تبلیغ کے لئے تیار کرنا ہوگا جس کی اس وقت بے حد کمی ہے بہت سے ذہین لڑکوں کی تھوڑی سی شوخی کی وجہ سے ہم ان کو ضائع کر دیتے ہیں اور دوسرے اور تیسرے درجے کے خوشامدی یا اپنے قریبی طلبہ کو تعلیمی لائن میں داخل کر لیتے ہیں جس سے

مولانا شبیر احمد صاحب
میرٹھی

تحقیق حدیث الافک

پر اعتراض کرنیوالوں سے چند باتیں

(۱) میں نے لکھا ہے کہ بقول خود زہری نے کچھ قصہ افک سعید بن مسیب سے سنا تھا۔ کچھ علقمہ بن وقاص سے کچھ عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے اور کچھ عروہ بن زبیر سے۔ لیکن زہری نے یہ قطعاً نہیں بتایا کہ ان چاروں سے الگ الگ کیا کیا سنا تھا۔ اس لئے میں نے زہری کی اس پوری روایت کو "راوی معلوم و مروی مجہول" کے قبیل سے بتایا ہے۔ یعنی ان چاروں حضرات کی بیان کردہ ناقص باتیں زہری کو تو معلوم ہوں گی لیکن جن لوگوں سے زہری نے یہ قصہ بیان کیا تھا اور جن محدثین نے زہری کا روایت کردہ یہ قصہ تخریج کیا تھا اور پھر حال و ماضی کے جن بے شمار لوگوں نے ان محدثین کی کتابوں میں زہری کی یہ روایت پڑھی ہے ان میں سے کسی کو نہ آج تک معلوم ہوا ہے نہ آئندہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اس قصہ میں سے سعید بن مسیب نے زہری سے کیا بیان کیا تھا۔ علقمہ نے کیا بتایا تھا، عبید اللہ نے کیا سنایا تھا اور عروہ نے کیا فرمایا تھا۔ میں نے راوی معلوم اور مروی مجہول ہونے کو اسباب ضعف میں سے ایک سبب قرار دیا ہے۔ زین العابدین صاحب اور مفتی الاسلام صاحب دونوں نے اس کے برخلاف نووی کا قول پیش کیا ہے کہ اس طرح روایت کرنا جائز ہے۔

مگر یہ اعتراض عجیب ہے اگر میں نے یہ کہا ہوتا کہ زہری کو اس انداز سے روایت کرنا جائز نہ تھا تو اس کے برخلاف نوویؒ یا ابن حجر کا قول کرنا ٹھیک ہوتا۔

اللہ کے بندوں روایت کرنے کا جواز دوسری چیز ہے اور روایت کا ضعیف ہونا دوسری چیز ہے۔ قتادہ، زہری، حسن بصری وغیرہم نے بہت سی روایات مرسل بیان کی ہیں اور آج تک کسی نے نہیں کہا کہ ان حضرات کا یہ فعل ناجائز تھا لیکن ائمہ حدیث مرسل روایات کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔

پھر دونوں معترضین نے راوی معلوم مروی مجہول کے سبب ضعف قرار دینے کو میرا خودساختہ اصول بتایا ہے۔ لیکن یہ علم و تحقیق کا منہ چڑانا ہے، اصول کو رد کرنے کا معیار یہ مان لیا جائے کہ وہ کسی شخص کے خودساختہ نہ ہوں تب تو آپ کو کتنے ہی اصولِ نحو و صرف، اصولِ فقہ و اصول حدیث رد کرنے پڑیں گے، کسی اصل اور کسی قاعدہ کا خودساختہ ہونا کوئی عیب کی بات اور موجب رد نہیں ہے بلکہ اس کا غیر معقول ہونا موجب رد ہے۔

(۲) حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہ کی گم شدگی کا ذکر صرف زہری کی روایت میں ہے میں نے واضح دلائل کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلی منزل میں دوپہر کے وقت پڑاؤ کرنے تک بھی علم و احساس نہ ہو کہ وہ غائب ہیں۔ یہ سیدھی سادھی معقول بات جس شخص کی سمجھ میں نہیں آتی اور وہ اس ناممکن کو ممکن ہی نہیں بلکہ واقعہ سمجھنے پر مصر ہے تو کیا کیا جائے۔ قطعی معقول باتوں کو نہ ماننے والوں اور غیر معقول باتوں پر اصرار کرنے والوں کی دنیا میں کمی نہیں ہے۔

(۳) نیز زہری کی روایت میں میں نے دو اہم علتوں کا ذکر کیا ہے۔ اول یہ کہ اس میں حضرت حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے مسجد کے اندر بھرے مجمع میں اس شخص کو گردن زدنی قرار دیا تھا جو حضرت ام المومنین پر بہتان طرازی کا ذمہ دار تھا، یعنی عبداللہ بن اُبی کو ـــــ اور بتایا یہ جاتا ہے کہ حادثہ افک غزوۂ بنی مطلق سے واپسی میں پیش آیا تھا اور حضرت ام المومنین کی تصریح کے مطابق حضرت سعد بن معاذ غزوۂ بنی مطلق سے کئی ماہ پہلے وفات پا چکے تھے۔ پس اگر خود حضرت ام المومنین ؓ کو نے زہری کا روایت کردہ قصہ بیان کیا ہوتا تو وہ اس میں سعد بن معاذ کا ذکر کیسے فرما سکتی تھیں۔

اس علت کے متعلق زین العابدین صاحب نے کوئی تحقیقی بات نہ لکھی ہے نہ لکھ سکتے تھے

نسیں ژولیدہ بیانی سے کام لیا ہے۔ جیسا کہ ہر منصف سمجھدار شخص جو میری تحریر اور موصوف کی تحریر کا تقابل کرے گا یہی فیصلہ کرے گا۔

اور رضی صاحب نے اس خیال کو ترجیح دی ہے کہ زہری کی روایت میں سعد بن معاذ راوی کا وہم ہے، اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ کو سعد بن معاذ کہہ دیا ہے لیکن نہ موصوف نے یہ بتایا نہ قیامت تک بتا سکتے ہیں کہ یہ وہم کس راوی کا ہے، اور یہ نہ سوچا کہ اس سے تو صحیح بخاری کی روایت کی تغلیط لازم آ رہی ہے اور یہ " فر من المطر وقام تحت المیزاب" کا مصداق ہے۔

دوسری علت میں نے یہ بتائی ہے کہ اس میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے متعلق پوچھ گچھ کا ذکر ہے حالانکہ بریرہؓ کو فتح مکہ کے بعد حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے خرید کر آزاد کیا تھا۔ آزادی کے بعد وہ حضرت اُم المومنین ہی کی خدمت میں رہیں۔ اور یقیناً غزوہ بنی مصطلق فتح مکہ سے بہت پہلے ہوا ہے۔

اس علت کے جواب میں کہا گیا ہے کہ وہ آزاد ہونے سے پہلے سے ہی حضرت ام المومنین کی خدمت میں آتی رہی ہوں گی اور کام کاج کر دیتی ہوں گی۔

مگر اللہ کے بندو یہ تو صرف بے دلیل احتمال ہے۔ اس کا ثبوت چاہیئے، گوشت والے قصہ بریرہ کو رضی صاحب نے بریرہ کے زمانۂ غلامی کا بتا دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بریرہ کی خرید و آزادی کی حدیث انہوں نے غور سے نہیں پڑھی، صحیح بخاری میں یہ حدیث متعدد مواضع میں مذکور ہے کم از کم صحیح بخاری کی ہی وہ روایات دیکھ لی جائیں، کتاب الزکوٰۃ میں امام بخاری رحمۃ اللہ باب منعقد فرمایا ہے۔

باب الصدقة على موالى ازواج النبى صلى الله عليه وسلم : اس کے تحت امام بخاری دو حدیثیں لائے ہیں۔ ایک میں حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ ایک کنیز کی بکری مر جانے کا ذکر ہے جو اُسے صدقہ میں ملی تھی۔ دوسری حدیث میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آزاد فرمودہ بریرہ کا ذکر ہے جسے گوشت صدقہ میں ملا تھا۔

رضی صاحب نے لکھا ہے کہ آزاد ہو جانے کے بعد بریرہ ام المومنین کے یہاں کیوں رہتیں!
یہ بڑی ناواقفیت کی بات ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آزاد ہو جانے والے غلام باندی عموماً اپنے معتیق
کی ہی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ الولاء لحمة کلحمة النسب نافع بن سرجس حضرت
عبداللہ بن عمر کے آزاد کردہ ہیں مگر جب تک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما زندہ رہے نافع
ان ہی کی خدمت میں رہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے موالی قریب
وغیرہ ہیں۔ کوئی اہم بات پیش آجاتی تبھی معتق معتق کے گھر سے جدا ہوتا تھا صحیح بخاری میں اُن
معتقہ کا ذکر پڑھیے جو یہ کہا کرتی تھی۔

ویوم الوشاح من تعاجیب ربنا الا انه من بلدة الکفو انجانی

الغرض روایت زہری میں یہ دو علتیں قادح ہیں۔ اور ان کا ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ
زہری نے جو قصہ بیان کیا ہے وہ خود حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کا بیان فرمودہ
نہیں ہے ـــــ اگر راوی و مروی عنہ کا لقا ثابت یا ممکن تو بے شک ثقہ غیر مدلس
راوی کا عنعنہ محدثین کے نزدیک اتصال پر محمول ہوتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ انقطاع
پر دلالت کرنے والی کوئی دلیل نہ ہو۔ دلیل ہوگی تو عنعنہ اتصال پر محمول نہ ہوگا۔ امام
مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مقدمہ صحیح میں اس کی متعدد مثالیں مذکورہ ہیں۔ میں دو مثالوں کے
ذکر پر اکتفا کرتا ہوں۔

ایوب سختیانی و عبداللہ بن مبارک و وکیع و ابن نمیر وغیرھم کی روایت
ہے۔ عن هشام بن عروة ابیه عن عائشة قالت کنت اطیب
رسول الله صلے الله علیه وسلم لحله ولحرمه باطیب ما اجد۔
اور یہ ہی حدیث لیث بن سعد و داؤد العطار و حمید بن اسود و وھیب بن خالد و ابو اسامہ
نے روایت کی ہے: عن هشام قال اخبرنی عثمان بن عروة عن عروة
عن عائشة ـــ

ان حضرات کی روایت اس کی دلیل ہے کہ ایوب وغیرہ کی روایت منقطع ہے۔ ہشام
نے یہ حدیث اپنے والد عروہ سے نہیں بلکہ اپنے بھائی عثمان بن عروہ سے سنی تھی، ورنہ ہشام

عن ابیہ عن عائشۃ کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم اذا اعتکف یُدنی الی راسہ فارجلہ وانا حائض ۔ اور یہی حدیث امام مالک نے زہری سے روایت کی ہے عن عروۃ عن عمرۃ عن عائشۃ ۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہشام کی روایت منقطع ہے عروہ کو یہ حدیث خود اپنی خالہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا سے نہیں بلکہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے پہنچی ہے ۔ اسی طرح میں نے کہا ہے کہ زہری کا روایت کردہ قصۂ افک عروہ و سعید وعبید اللہ و علقمہ نے براہ راست حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا سے نہیں سنا تھا اور حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اسے بیان نہیں فرمایا تھا ورنہ وہ اس میں سعد بن معاذ و بریرہ کا ذکر کیسے فرما سکتی تھیں ۔ اس روایت میں گم شدگی کی داستان اور سعد بن معاذ و بریرہ کا ذکر اس کی دلیل ہے کہ یہ قصہ خود حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کا بیان فرمودہ نہیں ہے ۔

(۴) میں نے تفسیر سورۂ النور میں ص ۷۵ سے ص ۸۱ تک زہری و ابواسامہ اور مسروق تینوں کی روایات کا جو اختلاف ہے اور تعارض و تناقض بیان کیا ہے اُسے چٹکیوں میں اڑا دیا اور کہہ دینا کہ یہ ذکر و سکوت کے اختلافات ہیں ۔ صریحاً مغالطہ دینے کی کوشش ہے ، جو شخص میرے بیان کا اور معترضین کے جواب کا تقابل کرے گا اس پر واضح ہو جائے گا کہ معترضین روایات کے اس باہمی تعارض و تناقض کو رفع کرنے میں ناکام رہے ہیں ۔

(۵) خطیب بغدادی وغیرہ نے مسروق والی روایت پر جو اعتراض کیا ہے بیشک اس کے جواب میں حافظ ابن حجر وغیرہ نے کہا ہے کہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کی وفات حضرت عثمان کے زمانہ میں ہوئی ہے ۔ مگر میں نے اس جواب کو اس لئے نظر انداز کیا ہے کہ میرے نزدیک یہ جواب صحیح نہیں ہے ۔ یہ تو صرف اسی مسروق والی روایت کو متصل اور مسروق کے ام رومان سے سماع کو صحیح ثابت کرنے کی غرض سے کہا گیا ۔ اس مسروق والی روایت افک کے علاوہ اور کوئی روایت میرے علم میں ایسی نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ ام رومان رضی اللہ عنہا کی وفات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئی ہے ۔ اچھا میں مان لیتا ہوں کہ مسروق نے ام رومان رضی اللہ عنہا کا زمانہ پایا ہے ۔ مگر مسروق کی یہ روایت تو زہری وابواُسامہ دونوں کی روایت

سے مختلف و متعارض ہے معترضین اس تعارض کو رفع کر سکتے ہوں تو کریں۔

(۶) زین العابدین صاحب نے شدومد کے ساتھ مفسرین کے اجماع کا ذکر کیا ہے کہ یہ آیات (یعنی سورۂ نور کا دوسرا اور تیسرا رکوع) حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا پر لگائے گئے بہتان ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ نقل درنقل کا نام اجماع رکھ دینا بڑی ستم ظریفی ہے۔ وہ اجماع جو حجتِ شرعیہ ہوتا ہے کتب اصول میں اس کی تعریف و تحقیق لکھی ہے۔ موصوف اس کا مطالعہ فرمائیں اگر محض نقل درنقل درنقل ہی اجماع ہے تو کیا زین العابدین صاحب نصاریٰ کے عقائد تثلیث، ابنیت مسیح، صلب فدا، اور مشرکین ہند کی کہانیوں کو بھی اجماع کہیں گے۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

(۷) رضی الاسلام صاحب نے لکھا ہے "سورۂ کہف کے شانِ نزول میں بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین نے آنحضرت سے تین سوالات کئے آپ نے دوسرے دن جواب دینے کا وعدہ کیا، لیکن نزول وحی کئی دن مؤخر رہا جس کی وجہ سے آپ بہت پریشان رہے۔ اسی طرح پہلی وحی اقرأ کے بعد ایک مدت تک نزولِ وحی رُکا رہا جس کی وجہ سے آپ کو ذہنی پریشانی لاحق رہی۔ کیا محقق محترم ان روایات کو موضوع قرار دیں گے۔"

میں کہتا ہوں کہ اس سوال کا جواب اثبات میں ہے۔ بے شک یہ دونوں ہی روایتیں غلط ہیں۔ نہ یہ صحیح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سوالات کا دوسرے دن جواب دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ الخ نہ ہی یہ درست ہے کہ وحی اول کے بعد کے زمانہ میں آپ کو ذہنی پریشانی لاحق رہی، الخ۔ یہ دونوں ہی باتیں غلط ہیں۔

پہلی بات ابن اسحاق نے بیان کی ہے اس اسناد کے ساتھ حدثنی شیخ

من اھل مصر قدم علینا منذ بضع واربعین سنۃ عن عکرمۃ

عن عباس کہ کفار قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روح واصحاب کہف ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کل جواب دوں گا۔ آپ کو یقین تھا کہ کل تک حضرت جبریل اللہ تعالیٰ کے پاس سے ان سوالوں کے جوابات لے آئیں گے مگر چونکہ آپ نے انشاء اللہ نہیں کہا تھا اس لئے اللہ نے عتاباً وحی نہ بھیجی آپ انتظار کرتے اور مشرکین آپ کا مذاق اڑاتے رہے۔ آپ کو اس کا بے حد رنج تھا حتیٰ کہ پندرہ دن گذر گئے، تب تینوں سوالوں کے جوابات نازل ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر ۳ ص ۷۱)

ابن اسحاق خود ضعیف اور اس کا شیخ مجہول - اور ذرا سوچئے تو سہی جس رب رحیم نے شب معراج کے بعد والی صبح کو یہ گوارا نہیں کیا کہ بیت المقدس کے متعلق سوال کرنے والے کفار کو بروقت جواب نہ دیا جائے، اس لئے بیت المقدس کو پوری طرح آپ پر منکشف کردیا اور آپ نے خانۂ کعبہ کے پاس حجر میں کھڑے ہوکر بیت المقدس کو دیکھ دیکھ کر ان کے ہر سوال کا قطعاً صحیح جواب ارشاد فرما دیا تو اس رب رحیم کو یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وعدہ خلافی کا الزام آئے اور مشرکین کو تکذیب واستہزا کا معقول موقع ملے اور پندرہ دن تک آپ شدید رنج وغم میں گھلتے رہیں - پھر قرآن کریم کے اندازِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ روح اور ذوالقرنین کے متعلق تو آپ سے سوال کیا گیا تھا مگر اصحاب کہف کے متعلق آپ سے سوال نہیں ہوا تھا۔ رہی دوسری بات کہ پہلی وحی کے بعد جب کچھ مدت تک وحی نہیں آئی تو اس زمانہ میں آپ بے حد رنجیدہ و پریشان رہے حتیٰ کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر خود کو گرا دینے کا قصد فرماتے تھے لیکن جب بھی آپ اس طرح خودکشی کا ارادہ فرماتے حضرت جبریل نمایاں ہو کر آپ کو تسلی دیتے کہ یا محمد انک رسول اللہ حقا تو عزیزم یہ بات کسی بھی صحابی سے مروی نہیں ہے۔ خواہ مخواہ کی بے سروپا بات ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خودکشی جیسے کبیرہ گناہ کے قصد کی نسبت کر دی گئی ہے۔ اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں جس کی امام بخاری رحمۃ اللہ نے بدر الوحی وغیرہ میں تخریج کی ہے اس کی واضح تردید ہے۔ ذرا غور سے حدیثِ جابر کا مطالعہ کرلیں۔

(۸) رضی الاسلام صاحب نے اپنے مضمون کے آغاز میں اس طرح میرا ذکر کیا ہے کہ میں نے زہری کی ثقاہت پر حملہ کرتے ہوئے انہیں واضع حدیث قرار دیا ہے۔ نہ معلوم ان عزیز کو اس بہتان طرازی پر کس چیز نے آمادہ کیا۔ میں نے تو تفسیر سورۂ نور میں زہری کے ثقہ ہونے کی تصریح کی ہے۔ اور اپنے اس یقین کا اظہار کہ زہری نے یہ داستان نہیں گھڑی تھی۔

(۹) زین العابدین صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہ سے ان کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہا تھا ونزل عذرك من السماء اور یہی بات خود ام المومنین رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے کہ "ما انزل الله فينا شئ من القرآن الا ان الله انزل عذری، اور ان دونوں حدیثوں سے موصوف نے نتیجہ نکالا ہے کہ آیاتِ افک حضرت ام المومنین کی ہی براءت ثابت کرنے کے لئے نازل ہ
میں کہتا ہوں کہ بے شک یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ مگر لفظ عذر کو بمعنی براءۃ سمجھنا نہیں ہے۔ یہ استدلال ایسا ہی ہے کہ کسی شخص نے کسی بھوکے سے پوچھا تھا کہ دو دو کتنے ہوتے ہیں، بھوکے نے جواب دیا: "چار روٹیاں" حضرت ام المومنین کی ذا پاک ستودہ صفات پر افک ثابت کرنے کے اس حریص کو ان دو حدیثوں میں افک نظر آگیا، خواہ کتب لغت اور کلام عرب سے اس کی تائید نہ ہوتی ہو۔
موصوف کو غور و تدبر سے کام لینا چاہیئے۔ اور اگر زین العابدین صاحب نے دو انداز اور سنجیدگی کے ساتھ اپنا مقالا لکھا ہوتا تو میں انہیں ان دونوں حدیثوں میں شدہ لفظِ عذر کا مطلب بتاتا۔

● بقیہ: دینی مدارس اور عصری تقا

نصابِ تعلیم تو پورا ہو جاتا ہے مگر معیارِ تعلیم اونچا نہیں ہو پاتا۔
خدا بہتر جانتا ہے کہ یہ چند باتیں کسی درازنفسی کی خاطر نہیں کہی گئی ہیں بلکہ چند ذاتی تاثرات و تجربات کا اظہار مقصود ہے اس سلسلہ میں دوسرے اہل کی رائے آجانے کے بعد کوئی لائحۂ عمل تیار کیا جا سکتا ہے۔

تیسرا فقہی سیمنار

مجیب اللہ ندوی

مجمع الفقہ الاسلامی (دہلی) کی طرف سے تیسرا سیمنار کرناٹک کے شہر گلستان بنگلور میں مدرسہ سبیل الرشاد کے وسیع ہال میں ۸-۹-۱۰-۱۱ر جون کو منعقد ہوا، اس سے پہلے بھی اس سیمنار میں ہندوستان کے مختلف صوبوں اور مختلف الخیال علماء کی نمائندگی ہوتی رہی ہے مگر اس بار یہ نمائندگی اور زیادہ اچھی رہی، اس سے پہلے آسام اور کیرل کے علماء کی نمائندگی نہیں ہوتی تھی اس بار آسام سے مولانا طیب الرحمٰن صاحب اور کیرل سے مولانا نور صاحب شریک ہوئے اور موخر الذکر نے شاید سب سے طویل مقالہ عربی زبان میں پڑھا،

ہندوستان کے باہر کے علماء میں پاکستان سے مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب اور عراق سے شیخ ڈاکٹر محروس المدرس صاحب سیمنار میں شریک ہوئے، جدید تعلیم یافتہ حضرات کی بھی خاطر خواہ نمائندگی رہی اس سیمنار میں دو مسئلے زیر بحث تھے ایک غیر سودی بینک کاری اور اس تصور کے تحت رفاہی سوسائٹیوں کے طریقۂ کار پر غور دوسرے بیع حقوق کی شرعی حیثیت ،

دونوں مسئلوں پر مختلف علماء نے اپنے مقالات پیش کئے اور جدید تعلیم یافتہ حضرات سے زبانی اور تحریری طور پر اپنی رایوں کا اظہار کیا، خاص طور پر ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی اور اسرار احمد صاحب نے دونوں مسئلوں کے سلسلہ میں موجودہ دور کی پیچیدہ اور مختلف النوع صورتوں پر بڑی سیر حاصل بحث کی جس سے سیمنار کے شرکاء کی معلومات میں اضافہ ہوا اور کسی آخری فیصلہ پر وہ نہ پہنچ سکے اور اُسے مزید غور و

غوص کے لئے ایک کمیٹی کے حوالہ کر دیا گیا، انشاء اللہ چوتھے سیمینار میں ان دونوں مسئلوں پر کوئی متفقہ تجویز سامنے آ جائے گی،

اس سیمینار میں مجلس استقبالیہ کے صدر حضرت مولانا ابوالسعود احمد صاحب مدظلہ تھے اور کنوینر محترم مولانا مفتی اشرف علی صاحب تھے، مولانا ابوالسعود احمد صاحب مدظلہ نے اپنا تحریری خطبہ پڑھا اور مولانا اشرف علی صاحب نے بڑے موثر انداز میں مہانوں کا استقبال کیا۔ افتتاحی خطبہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے عربی زبان میں پڑھا۔

اس سیمینار میں جو مسائل زیر بحث آئے ان پر ڈاکٹر محمد ادریس الادریس صاحب نے بھی اپنے طویل عربی مقالے میں بڑی عالمانہ بحث کی اور تین دن تک ہونے والے ہر مباحثہ میں پوری دلچسپی سے شروع سے آخر تک حصہ لیا، ایک ممتاز علمی حیثیت کے مالک ہوتے ہوئے ہر خورد و کلاں سے بڑی تواضع، خاکساری اور بے تکلفی سے ملتے ملاتے رہے، جس سے ان کی اخلاقی بلندی کا اندازہ ہوا۔

فقہی سیمینار کا جو سلسلہ دو سال سے اس وقت فقہ اکیڈمی کی طرف سے چل رہا ہے اس سلسلہ میں اس حقیقت کا اظہار نہ کرنا بڑی ناسپاسی ہوگی کہ اس سیمینار کو علمی غذا محترم حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب کی ذات گرامی سے پہنچ رہی ہے اور مادی غذا محترم ڈاکٹر منظور عالم کی ذات سے مل رہی ہے۔ قاضی صاحب نے اپنی فقیہانہ ژرف نگاہی، حکیمانہ بصیرت اور حلم و تدبر اور تواضع سے جس طرح مختلف الخیال کے علماء کو جوڑ رکھا ہے وہ ان کی وسعت نظری کے ساتھ شریعت اسلامی کی روح سے ہم آہنگی کی دلیل ہے، ورنہ علماء کو ایک لڑی میں پرونا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے،

ڈاکٹر منظور عالم صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ نے جو ذرائع عنایت کئے ہیں وہ اسے دنیاوی شہرت کے کسی اور کام میں لا سکتے تھے مگر انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو دینی غذا پہنچانے میں لگانے کو اپنا سب سے بڑا اعزاز سمجھا، جس کا شکریہ نہ ادا کرنا بڑی ناسپاسی ہوگی۔

اس سے پہلے دو سیمینار ہمدرد کے تعلق آباد دلی میں بنائے ہوئے سیمینار ہال میں ہوئے تھے اور اس کے گیسٹ ہاؤس میں علماء کا قیام ہوتا تھا۔ لیکن یہ سیمینار بنگلور کے

مشہور مدرسہ سبیل الرشاد میں منعقد ہوا' اور مدرسہ نے نہ صرف پچھلے سیمناروں کے حسنِ انتظام کو باقی رکھا بلکہ بعض حیثیتوں سے انہوں نے اسے آگے بڑھا دیا' اسی سیمنار کے لئے مدرسہ نے ایک وسیع اور حسین ہال تیار کرایا جس میں ہر وہ سہولت فراہم کی گئی جو ممکن ہو سکتی ہے' ہندستان کا کوئی دوسرا مدرسہ اس معیار کو مشکل ہی سے باقی رکھ سکتا ہے، مدرسہ کے اساتذہ اور طلبہ نے چار دن تک مہمانوں کو آرام پہنچانے کے لئے رات کی نیند اور دن کا آرام اپنے لئے حرام کرلیا تھا، جس کو دیکھکر رشک بھی ہوا اور جذبۂ تشکر بھی پیدا ہوا جس کا اظہار راقم الحروف نے اپنی آخری دن کی تقریر میں کیا تھا۔

دو دن عمرآباد اور حیدرآباد میں

بنگلور سے روانگی سے پہلے ہی یہ ارادہ تھا کہ کچھ وقت مدرسہ دارالسلام عمرآباد میں بھی گزارا جائے، اس ارادہ کی تکمیل میں مہمیز مولانا محمد طاہر عمری مدنی صاحب کی وجہ سے بھی لگی کہ وہ بھی اپنی مادرعلمی تک پہنچنا چاہتے تھے چنانچہ ان کی معیت میں وہاں دن کے ۹ بجے کے قریب حاضری ہوئی اور شام کو ۵ بجے ہم لوگ وہاں سے بنگلور کے لئے روانہ ہوگئے،

میرے یہاں جانے کی ایک کشش یہ بھی تھی کہ حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ اسے دکن کا ندوہ فرمایا کرتے تھے، واقعی یہ دکن کا ندوہ ہے، ظاہری اعتبار سے بھی ہے اور معنوی اعتبار سے بھی یہ مدرسہ دامن کوہ میں ایک وسیع و عریض قطعۂ ارض میں پھیلا ہوا صفائی، ستھرائی کے ساتھ چمن بندی اور سبزہ زار سے پورا مدرسہ جیسے ڈھکا ہوا ہے، دارالاقامہ میں ہر لڑکے کے لئے ایک سائز کی لوہے کی چارپائیاں مدرسہ کی طرف سے مہیا ہیں جن پر صاف ستھری چادریں بچھی ہوئی نظر آئیں، درسگاہ بالکل جدید انداز سے بنائی گئی ہے اور دارالاقامہ بھی بڑے سلیقہ سے بنایا گیا ہے، ڈائننگ ہال بھی معیاری نظر آیا، کلیہ کے طلبہ کی نماز بھی ایک بڑے ہال میں ہوتی ہے اور ایک شاندار نئی مسجد زیر تعمیر ہے، مدرسہ کی پرانی عمارت میں ثانویہ کے طلبہ رہتے ہیں اور پرانی مسجد میں وہیں نماز پڑھتے ہیں، وہاں جاکر سلیقہ مندی کی بہت سی چیزیں سیکھنے کو ملیں، معیار تعلیم کو قریب سے دیکھنے کا موقع تو نہیں ملا مگر لائق اساتذہ کی موجودگی اور طلبہ کی سادگی اور یکسوئی سے اندازہ ہوا کہ معیار تعلیم ضرور بہتر ہوگا۔

حیدرآباد میں ایک دن

بہت دنوں سے حیدرآباد دیکھنے کا بھی شوق تھا، اس کی بہت سی تاریخی یادگاروں کے ساتھ دائرۃ المعارف

جسکا ذکر نوجوانی سے سنتا آرہا تھا سیمنار میں حیدرآباد کے ممتاز مدرسہ سبیل السلام کے صدر مدرس مولانا خالد سیف اللہ صاحب اور اس کے ناظم مولانا رضوان احمد صاحب سیمنار میں شریک تھے، ان سے میں نے حیدرآباد میں ایک دن رکنے کا خیال ظاہر کیا، ان حضرات نے بڑی خندہ پیشانی سے مہمان نوازی قبول فرمائی چنانچہ ۱۱ر جون ۹۰ء سیمنار کے ختم ہوتے ہی ہم لوگوں نے رخت سفر باندھ لیا، ڈاکٹر منظور عالم صاحب کے آفس انچارج امین عثمانی نے پہلے ہی سے حیدرآباد کے لئے فرسٹ کلاس میں رزیرویشن کرا رکھا تھا، چنانچہ وہاں سے ۵ بجے شام کو روانہ ہوکر ہم لوگ صبح حیدرآباد پہنچ گئے مولانا رضوان صاحب بذات خود اسٹیشن پر استقبال کے لئے موجود تھے، مدرسہ چونکہ شہر سے بارہ کلو میٹر دور ہے اسلئے انہوں نے سکون کے لئے ہم لوگوں کو قریب کے ایک اچھے ہوٹل میں ٹھہرا دیا اور فرمایا کہ آپ حضرات نہا دھولیں ابھی دوسری گاڑی بھیجتا ہوں اور ایک استاد ساتھ کردیتا ہوں وہ آپ کو یہاں کے تاریخی مقامات دکھادیں گے۔ چنانچہ ہم لوگ دس بجے تک اپنی ضروریات سے فارغ ہوگئے، اتنی دیر میں ایک استاذ ماروتی گاڑی لیکر آگئے، مولانا رضوان صاحب نے انھیں ہدایت کردی کہ دن بھر آپ ان حضرات کو تاریخی مقامات دکھائیں اور کھانے کا وقت جہاں ہوجائے کھانا کھلادیں اور ۵ ۱/۲ بجے تک مدرسہ میں پہنچادیں تاکہ طلباء اور اساتذہ کے سامنے کچھ کہنے کا موقع بھی مل جائے، چنانچہ ہم لوگ گول کنڈہ کا قلعہ، مکہ مسجد، چار مینار دیکھتے ہوئے دائرۃ المعارف پہنچے، یہ ادارہ یونیورسٹی ہی کے ایک گوشہ میں واقع ہے یونیورسٹی غالباً دس پندرہ کلو میٹر میں پھیلی ہوئی ہے یونیورسٹی میں ایک سے ایک شاندار عمارتیں موجود ہیں مگر دائرۃ المعارف کی عمارت اور اس کی ہر چیز سے ایک نکبت ٹپک رہی تھی، غالباً ریاست کے زمانہ میں اس کی یہ حالت نہ رہی ہوگی، البتہ وہاں جو علماء موجود تھے بحمد اللہ ان میں علمی ذوق نظر آیا اور اب وہ حضرات جو کتابیں شائع کررہے ہیں اپنی تحقیق کے ساتھ شائع کررہے ہیں، خاص طور پر مولانا ابوبکر صاحب پورے کتب خانہ کے حافظ نظر آئے، وہاں ہم لوگ تقریباً دو گھنٹے رہے اور فہرست دیکھکر کئی کتابوں کا آرڈر دینے کا ارادہ ظاہر کیا مگر مولانا ابوبکر صاحب

نے فرمایا کہ آپ فہرست لے جائیں وہاں سے اطمینان سے دیکھ کر آرڈر دیں، سب سے زیادہ خوشی کتاب الانساب سمعانی م ۵۶۲ھ الاکمال ابن ماکولا م ۴۷۵ھ نظم الادر فی تناسب الایات والسور ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی متوفی ۸۸۵ھ وغیرہ کو دیکھ کر ہوئی، بحمداللہ چار پانچ ہزار قیمت کی کتابوں کا آرڈر دے دیا گیا ہے،

ان تاریخی اور علمی مقامات کو دیکھنے کے بعد حسب وعدہ ہم لوگ ۵ ½ بجے مدرسہ سبیل السلام پہنچ گئے دس منٹ آرام کے بعد عصر کی نماز کا وقت ہو گیا، نماز بعد مسجد ہی میں طلبہ اور اساتذہ سے کچھ باتیں عرض کی گئیں پھر مدرسہ کی جدید وسیع عمارت جو بالکل دامن کوہ میں بن رہی ہے اس کو دیکھنے چلے گئے، عمارت کا ایک بڑا حصہ بن گیا ہے اور نقشہ کے مطابق جب پوری عمارت تیار ہو جائے گی تو ایک قابل دید عمارت ہو گی، ابھی مدرسہ اور مسجد کا کام زیادہ تر کچی دیواروں پر سمینٹ کی شیٹیں ڈال کر چلایا جا رہا ہے مگر بحمداللہ سب میں سلیقہ مندی نظر آئی، اساتذہ کی ایک لائق جماعت بھی مدرسہ کو حاصل ہے تخصص کے کچھ طلبہ نے اپنا تحقیقی کام دکھایا، جس سے طبیعت خوش ہوئی، شاید کسی بڑے مدرسہ میں بھی اس طرح کا کوئی تحقیقی کام طلبہ سے نہیں لیا جاتا، ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

میں آخر میں مولانا رضوان صاحب ناظم مدرسہ کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے ہمارے ساتھ نہ صرف اپنا وقت صرف کیا بلکہ کم از کم ۵-۶ سو روپے بھی ہماری مہمان نوازی اور آسائش کیلئے صرف کئے ہونگے۔ حیدرآباد میں مولانا عاقل حسامی صاحب کا مدرسہ نہیں دیکھ سکا البتہ فون پر ان سے مختصر سی بات چیت ہو سکی حیدرآباد میں الرشاد بڑی تعداد میں جاتا ہے افسوس ہے کہ ان میں سے کسی صاحب سے ملاقات نہ کر سکا، خاص طور پر وحیدالدین سلیم صاحب اور جناب عبدالحفیظ صاحب سے ملاقات کا شوق تھا، وحیدالدین صاحب کو مولانا رضوان صاحب نے اطلاع دے دی اس لئے ان سے ملاقات ہو گئی، آپ کی شرافت تھی کہ وہ صبح کو ہوائی اڈہ تک ساتھ رہے، البتہ جناب عبدالحفیظ صاحب برسوں سے غائبانہ تعارف

مولانا رضوان صاحب کے ساتھ

ہے مگر ملاقات کا وقت نہ نکل سکا جس کا افسوس ہوا۔

دکن کے بارے میں ایک عمومی تاثر

اُتری ہندوستان کے مسلمان عام طور پر دکن کے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے کو دینی و ملی احساس میں کچھ برتر اور علم و تحقیق اور عقل و دانش میں کچھ آگے تصور کرتے ہیں۔ مگر حقیقت حال اس کے برعکس ہے وہاں مسلمانوں نے جدید تعلیم کے نہ صرف بیشمار معیاری تعلیمی ادارے کھول رکھے ہیں بلکہ ایک درجن سے زیادہ ٹیکنیکل ادارے انجینیرنگ کالج اور کئی میڈیکل کالج چلا رہے ہیں، دینی مدارس گو اتر کے مقابلہ میں کم ہیں مگر جو ہیں وہ معیاری نہیں اور وہاں کے طلبہ اور اساتذہ میں ادھر سے زیادہ علمی شغف دینداری دینداری اور سادگی یک سوئی اور خاکساری نظر آئی، مسجدیں عام طور پر خوبصورت اور آباد نظر آئیں، عوام میں علماء کی قدر اور احترام دکھائی دیا۔ وہاں کے عوام کا اخلاق بھی ادھر کے عوام سے بدرجہا بہتر نظر آیا۔ وہاں کا موسم عموماً معتدل رہتا ہے، شاید موسم کے اعتدال کا بھی اثر ان کے اخلاق و کردار پر پڑا ہے، معاشی حالت بھی یہاں کے مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی اچھی نظر آئی، یہاں کے عام آدمیوں کے طرز عمل میں بھی ایک طرح غرور اور پندار نظر آتا ہے، اور جو صاحب حیثیت ہیں وہ تو اپنے کو ناخدائے وقت سمجھتے ہیں لیکن وہاں کے عوام میں بھی اخلاق و محبت دکھائی دی اور شرفاء اور صاحب حیثیت تو اس خادمانہ حیثیت میں نظر آئے کہ یہاں اس کا تصور کرنا مشکل ہے۔

الرشاد کی ڈاک

مکرمی و محترمی جناب مولانائے محترم !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ کرے کہ آپ دن بدن اسلامیات میں اضافہ کرتے رہیں۔ تنِ تنہا دو رسالوں کی ادارت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا ناقابل تصور ہے، موصوف نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا اس پر ہمیں شدید قلق ہے۔

مشیرالحق صاحب مرحوم کے گھر پر تعزیت کے لئے گیا تھا۔ یہ جھونپڑی کو دیکھ کر یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ ایک وائس چانسلر کی رہائش گاہ ہے۔ خدا مرحوم کو جنت الفردوس عطا کرے۔ دلی میں رات گئے تک محترم ضیاء الحسن ندوی صاحب، محترم محسن عثمانی ندوی صاحب اور اختر الواسع صاحب سے مرحوم وائس چانسلر کی داستان سنتے رہے، وائس چانسلر ہونے کے بعد بھی وہ جامعہ آکر سائیکل پہ چلتے، اختر الواسع صاحب نے ان کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ایک بار داڑھی پر مرحوم نے سخت مضمون لکھا لیکن اسی دوران ایک صاحب نے ان سے داڑھی کا مسئلہ پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ شریعت میں اس کی وجوب کی حیثیت ہے۔ اس پر اختر الواسع صاحب نے کہا کہ استاذ محترم آپ کے مضمون اور اس فتویٰ میں تضاد ہے تو مرحوم نے کہا کہ میں فتوے یہی دوں گا جس پر علمائے جمہور کا اتفاق ہے۔ ہاں جس دن میرے کسی نظریہ پر علمائے کرام کا اتفاق ہو جائے گا تو وہ چیز فتویٰ کے معیار پر آسکتی ہے،

ایک صاحب نے اُن کے علی گڑھ کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ تراویح میں قرآن ختم ہونے کے بعد یہ طے پایا کہ امام صاحب کو ایک شیروانی دی جائے تو اس پر مشیرالحق

صاحب نے برجستہ کہا کہ جب انھیں ختم قرآن کی اجرت میں شیروانی پیش کی جارہی ہے تو ہم مقتدیوں کو ایک ایک صدری بھی ملنی چاہیئے۔

مشیر الحق مرحوم صاحب سے میری پہلی ملاقات غالباً ۱۹۸۶ء میں کراچی کے تاج ہوٹل میں ایک سیمینار کے موقع پر ہوئی تھی جہاں انھوں نے مدارس کے نصاب تعلیم پر مقالہ پیش کیا تھا۔ جسمیں انھوں نے مدارس کا بڑا تفصیلی جائزہ لیا تھا۔ اس پر ہند و پاک کے دانشور نے ان پر بڑا جارحانہ حملہ کیا لیکن مشیر صاحب اس غیر علمی انداز کا جواب مسکراہٹوں کے ساتھ دیتے رہے، نشست کے اختتام کے بعد ڈاکٹر شرف الدین صاحب کے توسط سے تعارف ہوا ہوا تو بہت ٹوٹ کر ملے اور ایسا لگا کہ جیسے میں پیار و محبت کے بے پایاں سمندر میں ڈوبا چلا جارہا ہوں۔ دیر تک مجھ سے علمی گفتگو کرتے رہے نیز مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔ ان کا انکسار، پیاری سی صورت، اور مشفقانہ لہجہ سوچکر دل بیٹھنے لگتا ہے، آپ کا دارہ پڑھکر آنکھیں بھر آئیں۔ اسی تعلق کی بنیاد پر "تصویر نیکاں" کا ایک باب عربی میں منتقل کرکے بھیج رہا ہوں توقع ہے کہ اسے شائع کرکے شکریہ کا موقع عنایت کریں گے۔ اللہ ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ والسلام

ابو سفیان اصلاحی
جامعہ نگر۔ نئی دلی

گرامی منزلت مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب

محترمی و مکرمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ڈاکٹر مشیر الحق صاحب کے حادثہ جانکاہ پر کافی دنوں تک دل ایسا بے قابو رہا کہ سوچ ہی رہا کہ کیا لکھوں اور کس کی خدمت میں تعزیت پیش کروں، ڈاکٹر صاحب مرحوم سے ملاقات کا شرف تو حاصل نہ ہو سکا مگر تدوین تاریخ کے سلسلہ میں چند خطوط کا تبادلہ ہو تھا میں نے ان کو دردمند اور بیدار مغز انسان پایا۔ دن گذرتے گئے۔ پھر ذہن نے یہ راہ نکالی کہ آپ اُن کے انتقال پر ملال پر الرشاد میں ضرور لکھیں گے۔ اس لئے آپ کی تحریر کا انتظار کرتا رہا۔ آج الرشاد (اپریل مئی) میں "آہ! عزیزی

مشیر الحق مرحوم اور غم زدہ مجیب اللہ ندوی پڑھ کر میں بھی غم زدہ ہوگیا۔ میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر مشیر الحق کے قتل کی تحقیق کا مسئلہ اٹھانا چاہیئے تاکہ اس پر جو پردہ پڑ گیا ہے وہ اٹھ سکے۔ تکبیر کراچی نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر مشیر الحق اور ان کے سکریٹری عبد المغنی کو اغوا کنندگان نے ایرپورٹ کے قریب چھوڑ کر رہا کر دیا تھا وہ اپنے کپڑوں پر کشمیری لباس اوڑھے ہوئے تھے۔ ان سے بھاگ جانے کے لئے کہا گیا تھا اس مشتبہ حالت میں بھاگتے ہوئے دیکھ کر سیکورٹی فورسس کے جو نوجوان ایرپورٹ پر ڈیوٹی پر تھے انہوں نے ان کو گولی ماردی۔ کیونکہ دونوں کی نعش بالکل سیدھی حالت میں آگے پیچھے لیٹی ہوئی پائی گئیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گولی لگ کر کرب کی حالت میں ان کی روح پرواز کی۔

واللہ عالم بالصواب۔

متضاد خبروں سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر مشیر الحق گورنر جگموہن کے جابرانہ طرز عمل کے شکار بن گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کشمیر کے موضوع پر علماء کا موقف سامنے نہیں آرہا ہے، پھر یہ بھی ہے کہ ذکر مسائل. حل مسائل نہیں ہوتا، ذکر کے ساتھ ساتھ عملی اقدامات ضروری ہیں۔ لیکن علماء کی تو زبان بھی بند ہے اور عمل بھی مفقود ہے۔ والسلام

خاکسار ——— عبد الحفیظ خاں، حیدرآباد

محترم مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

تازہ "الرشاد" ملا۔ آپ کے رشحات قلم کو پڑھنے کے لئے طبیعت بے چین رہتی ہے۔ گذشتہ رسالہ میں ملک کے حالات پر آپ کے خیالات کے متعلق، میں ایک مبارکباد کا خط لکھنا چاہتا تھا۔ صبح صبح جب کچھ لکھنا شروع ہی کیا تھا کہ اخبارات آگئے اور سب میں پروفیسر مشیر الحق کے اغوا کی منحوس خبر چھپی دیکھی۔ پھر قلب وذہن پر جو نشاط تھا وہ ختم ہوگیا۔ اس کے بعد وہ دل فگار خبر بھی پڑھنے میں آئی جس میں انھیں اور ان کے سکریٹری کو ہلاک کر دیئے جانے کی روداد درج تھی۔ پروفیسر صاحب کے اغوا

کے بعد میرا پہلا تاثر یہی تھا کہ ——— اس وقت وزیر داخلہ مفتی سعید کو مستعفی سعید کو مستعفی ہو جانا چاہیئے۔ کشمیر میں اگر کوئی سیاسی پارٹی اقتدار پر رہتی تو یہ واقعہ ہرگز پیش نہ آسکتا تھا۔

مشیر الحق صاحب کے خیالات سے مجھے بھی اتفاق نہیں ہے۔ چند برس قبل دلی میں ان سے ملاقات کا ایک موقع نکل آیا تھا لیکن طبیعت پھر راغب نہ ہو سکی۔ اُن کی فکری خامیوں میں پروفیسر محمد مجیب اور پروفیسر اسمتھ سے ان کا تقرب ایک اہم سبب ہو سکتا ہے۔ میں "الرشاد" کی مجلس ادارت میں ان کا نام دیکھ کر حیرت زدہ تھا اور کئی مرتبہ سوچا بھی کہ اس طرف آپ کی توجہ کو مبذول کراؤں۔ اب آپ نے اُن کے ساتھ اپنی مراسلت کو شائع کر کے تمام شکوک وشبہات کو دور کر دیا ہے۔ مشیر صاحب کے خطوط اُن کی پاکیزہ سیرت کے آئینہ دار ہیں۔ اُن کی موت جن حالات میں ہوئی، تمام ظاہری علامتیں ان کی بخشش ومغفرت کے حق میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے پسماندگان کا محافظ ہو۔ مشیر صاحب کے ایک روحانی سرپرست کی حیثیت سے آپ میری دلی تعزیت قبول فرمائیں۔

مولانا! ہماری تہذیب میں ابھی جو رنگ ورس ہے، وہ آپ ایسے ہی بزرگوں کے وجود سے ہے۔ میری یہ بھی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے قلم کی روانی کو تا دیر برقرار رکھے۔ یہ فساد فی الارض کا وقت ہے، ایسے میں ایک عالم ربانی کے قلم کی سیاہی شہید کے خون سے زیادہ قیمتی ہے۔

والسلام مع الاکرام

مخلص

وحید الدین سلیم، حیدرآباد

محترم ومکرم ذوالمجد والکرم حضرت مولانا ندوی صاحب! زید عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

الحمدللہ کہ طالب خیر مع الخیر ہے امید ہے کہ مع متعلقین بعافیت ہوں گے۔!

یہاں کے حالات ابھی تک تشویشناک ہیں۔ امن وسکون کی فضا کے لئے دعا فرماتے رہیں کیونکہ ہر ہفتہ دونوں طرف ناخوشگوار واقعات وحادثات ہوتے رہتے ہیں، انتقام

در انتقام کی کاروائی ہوتی رہتی ہیں، شام ہوتے ہی سڑکیں ویران اور بازار سنسان ہوجاتے ہیں، کرفیو نہیں ہے لیکن ڈر فیو کی وجہ کی وجہ سے انسانی آبادی میں وحشت طاری ہو جاتی ہیں۔ ــــ دوسری طرف بازآبادکاری کے سلسلے میں بعض جماعت کی کارکردگی کے دعوے بہت ہیں لیکن جائزہ لیجئے تو ساری رپورٹ میں ۸۰ فیصد اندراجات غلط ہیں، اس سلسلے میں جمعیۃ علماء کی رپورٹ بہت ہی کھوکھلی اور غلط نظر آرہی ہے، ضرورت اس کی ہے کہ بیرونی حضرات کی ایک نمائندہ جماعت آپ حضرات پر مشتمل یہاں آئے اور تمام جماعتوں سے اس کی فہرست اور رپورٹ حاصل کرنے اور اس کی تصدیق کرنے کے لئے متاثرہ مقامات کا جائزہ لے اور ان حضرات کا بھرپور احتساب کرے۔ برسات کی آمد آمد ہے اور برسات سے قبل یہ جائزہ بہت ضروری ہے۔

توقع ہے کہ آپ اس سلسلے میں کوئی مناسب اقدام پر غور فرمائیں گے

آپ کی دعاؤں اور عنایتوں کا محتاج ! والسلام

(مولانا محمد انیس اللہ قاسمی صاحب

ناتھ نگر۔ بھاگلپور ، ۹ر جون

مکرمی تسلیم !

ہم شکر گذار ہیں کہ آپ نے رانچی میں مولانا آزاد تقریبات کے لئے سفر کی زحمت فرمائی اور اپنی شرکت سے نوازا۔

ہم مزید شکر گذار ہوں گے اگر آپ ہمیں اپنے آزاد اور سرکاری دونوں قسم کے مدارس کے نصاب اور فہرستیں عنایت فرمانے کی زحمت گوارا کریں تاکہ اس سلسلے میں جو بھی اقدامات کئے جانے والے ہیں اسمیں ہمیں مزید روشنی مل سکے۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ آپ کا

(جناب) ڈاکٹر عابد رضا بیدار ، پٹنہ

حضرت الاستاذ　　　　　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رانچی سیمینار کے موقع پر میں نے آپ کی خدمت میں" آپ کی گرانقدر تصنیف " اسلامی قانون محنت وبصیرت" کے ایک نسخہ کے لئے درخواست پیش کی تھی۔ یہ میرے تحقیقی مقالے کا موضوع ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ اگر اس کا ایک نسخہ عنایت ہوجائے تو کرم ہوگا۔ دعا کی درخواست ہے۔ والسلام　　　　طالب دعاء

ابو مظفر عالم ندوی

خدا بخش لائبریری، پٹنہ

محترمی گرامی قدر زید مجدکم　　　　　　السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج بعافیت ہو، چند دنوں قبل الرشاد کا تازہ شمارہ باصرہ نواز ہوا، جس میں رانچی والے سیمینار کا تذکرہ ہے، آخری حصہ میں جو اختصار ہے اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید آنمحترم اگلے شمارہ میں اس پر کچھ تحریر فرمائیں، اگر ایسا ہے تو میری عرض ادب کے ساتھ ہوگی، کہ نصاب تعلیم پر جو مختلف نقطہائے نظر وہاں پیش کئے گئے، خاص طور پر علماء کرام کا جو نقطہ نظر تھا، اس کا جامع تذکرہ ضرور کیا جائے۔ مجھے اس سے پورا اتفاق ہے کہ نصاب مدارس اسلامیہ" لوح محفوظ" کا کوئی جز نہیں ہے، اسی طرح اس کا بھی یقین ہے کہ نصاب تعلیم کو بازیچۂ اطفال بنانا مہلک ہے۔ میں نے اپنا مقالہ (بلکہ تحریری گذارش) میں جہاں تقریباً یہ جملے لکھے تھے کہ" زندگی متحرک ہے، معاشرہ تغیر پذیر ہے، نصاب فرد اور معاشرہ کی ضرورت کی تکمیل کے لئے ہوا کرتا ہے، اس لئے اس میں تبدیلی بھی فطری ہے"۔ وہیں اس طرح کے جملے بھی تھے: نصاب تعلیم میں بڑی تبدیلیوں کی نمائندگی عام طور پر وہ حضرات فرماتے ہیں جنہوں مدرسہ کے مقصد، طریق کار، استعداد، ہیئت ترتیبی پر غور کرنے کی زحمت کم کی ہے اور لطف یہ ہے کہ انہیں مدرسہ کی متعلمی کا موقعہ بھی نہیں ملا اور نہ علوم اسلامیہ پر ان کی گرفت ہے"۔

میرا خیال ہے، کہ ان جملوں میں جو حقیقت ہے اس سے آنمحترم کو اتفاق ہوگا،

سنا ہے کہ سورج کنڈ کے سیمینار میں آنمحترم نے بھی شرکت فرمائی، ابھی تک اس کی رپورٹ میری نظر سے نہیں گذری، اس کے پس منظر کی ہلکی سی خبر مجھے ملتی رہی ہے، ملی مسائل کا حل

تلاش کرنے اور نئے قائد کو ڈھونڈ نکالنے کی یہ کوشش چند بہنوں کی ملی جدوجہد کی پہلی منزل تھی مجھے حیرت ہے کہ اس سیمنار میں ملت کے صف اوّل کے حضرات مدعو نہیں تھے، جو لوگ ملت کی اجتماعی خدمت انجام دے رہے ہیں، ان میں سے بہت کم لوگوں کو بلایا گیا تھا۔ قیادت کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ حقائق کا اعتراف کرے، جب مدعوین کی فہرست میں ہی حقائق سے انحراف کیا گیا، اور جب سیمنار میں ایک جھٹکے میں ہی "تولید قیادت" کی جگہ "تذکیر اکابر" کو منزل قرار دیا گیا، تو کیا ایسی نئی قیادت سے ملت اسلامیہ کے مسائل حل کرنے کی اُمید کی جاسکتی ہے!

ہوسکتا ہے، بعض مخصوص پس منظر کی وجہ سے، جو آنحترم کے ساتھ رہے، کچھ اکابر سے آنحترم کو اتفاق نہ ہو، لیکن مجھے توقع ہے کہ اس عمومی پالیسی سے آپ کو اتفاق نہ ہوگا، جو مدعوین کے سلسلہ میں اختیار کی گئی۔

بحمد للہ بخیر ہوں، اور برابر عافیت کا خواہاں،

والسلام

(مولانا) محمد ولی رحمانی (صاحب)

۴ رٹیلر روڈ، پٹنہ

مکرمی تسلیم!

ہم شکر گذار ہیں کہ آپ نے رانچی میں مولانا آزاد تقریبات کے لئے سفر کی زحمت فرمائی اور اپنی شرکت سے نوازا۔

ہم مزید شکر گذار ہونگے اگر اس سیشن کے دوران اور اس کے بعد آپ کے ذہن میں مدرسہ سسٹم کے بارے میں جو خیالات آئے ہوں انہیں مجتمع کرکے ارسال فرمادیں تاکہ اس سلسلہ میں جو بھی اقدامات لئے جانے والے ہیں اس میں ہمیں مزید روشنی مل سکے۔

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

آپ کا

(جناب) عابد رضا بیدار (صاحب)

جَامعۃُ الرشَادْ

شاعر "الرشاد" واستاذ جامعۃ الرشاد حضرت ڈاکٹر آزاد بستوی

اے تعالیٰ اللہ ہے کیا شانِ جامعۃ الرشاد — دیدہ و دل دونوں ہیں قربانِ جامعۃ الرشاد
وہ سراپا بن گیا مصداق رشد و اہتدیٰ — جس کو حاصل ہو گیا عرفانِ جامعۃ الرشاد
سیکڑوں طلبائے دیں کرتے ہیں روز و شب قیام — اللہ اللہ وسعت و امانِ جامعۃ الرشاد
ان کے علم و فضل کی ملتی نہیں کوئی نظیر — اس قدر بے مثل ہیں خاصانِ جامعۃ الرشاد
سارے عالم میں ہے انکی تربیت بھی بے مثال — ہیں جہاں بھی آج فرزندانِ جامعۃ الرشاد
لرزہ بر اندام ہو جاتے ہیں اہل ارتداد — دیکھتے ہیں جب بھی وہ ایوانِ جامعۃ الرشاد
جملہ شعبہ جات کا اک عمدہ نظم و نسق ہے — دید کے قابل ہے ہر سامانِ جامعۃ الرشاد
اسکی شہرت اور ترقی کا سبب بس ایک ہے — مخلص و ہمدرد ہیں ارکانِ جامعۃ الرشاد
ہوتا ہے عین مطابق جن کا ہر اک مشورہ — ایسے اہل الرائے ہیں اعیانِ جامعۃ الرشاد
سرزمین ہند ہو وہ یا کہ ہو بیرون ہند — عام ہے ہر ایک پر احسانِ جامعۃ الرشاد
دیکھ کر اس کی علو شان و آن و بان کو — محو حیرت ہیں سخن چینانِ جامعۃ الرشاد
آخرت میں وہ یقیناً پائیں گے اجر عظیم — ہیں جو ہمدرد و بہی خواہانِ جامعۃ الرشاد

جذبۂ اخلاص سے آزاد کرتا ہے دُعا
تا ابد جاری رہے فیضانِ جامعۃ الرشاد

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے :
۱۵ ڈالر امریکی
15/$

جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کا ترجمان
ماہنامہ
جامعۃ
الرشاد

سالانہ چندہ
ہندوستان سے ۴۰/-
خصوصی معاون ۱۰۰/-
قیمت
فی پرچہ ۴/-

جلد ۱۸ | جولائی ۱۹۹۰ء مطابق : ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ | شمارہ ۲۵

فہرست مضامین



مجیب اللہ ندوی (مرتب)

• ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی مقیم ابوظبی • رضی الاسلام ندوی ایم۔ اے علیگ

منیجر توسیع اشاعت
مولوی عقیل احمد صاحب ٹانڈوی

کتابت :-
خورشید احمد

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے شائع کیا

۱

رشحات

بابری مسجد کے مسئلہ کی اہمیت کو نہ صرف صوبائی اور مرکزی حکومت نیشنل پریس اور غیر جانبدار صحافیوں نے محسوس کیا ہے بلکہ یہ ایک بین الاقوامی مسئلہ بن گیا ہے مگر اب بھی یہ مسئلہ بعض علماء اور خواص مسلمانوں کی حلق سے نیچے نہیں اتر رہا ہے بلکہ اس مسئلہ کے سلسلہ میں برابر ان مسلمانوں کی وہ مذمت کرتے رہتے ہیں جنہوں نے اسے اٹھایا ہے اور اب تک وہ اٹھائے ہوئے ہیں، اس مسئلہ کا ذکر آتے ہی ان پر لرزہ طاری ہونے لگتا ہے، کاش! یہ لوگ ان غیر مسلم صحافیوں سے کچھ سبق لیتے جنہوں نے کھل کر اس مسئلہ میں منصفانہ بات لکھی اور کہی ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ حضرات بھی وحید الدین خاں بنتے جا رہے ہیں جو اپنے ذاتی مفاد کے تحت ہندوستان کے مسلمانوں کو یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ ان کو اپنے سارے امتیازات سے دست بردار ہو جانا چاہیئے۔ اور اکبر کے دین الٰہی والی پالیسی پر عمل پیرا ہو جانا چاہیئے۔

اس سلسلہ میں یوپی کے موجودہ چیف منسٹر ملائم سنگھ یادو کے طرز عمل کی تحسین نہ کرنا بھی ناسپاسی ہوگی اس لئے کہ یہ یوپی کے پہلے چیف منسٹر ہیں جنہوں نے اس سلسلہ میں منافقانہ یا معاندانہ پالیسی اختیار نہیں کی بلکہ انصاف کے پورے تقاضے کو علی الاعلان پورا کیا کاش! یہ پالیسی اگر پچھلی حکومتیں بھی اختیار کرتیں تو یہ مسئلہ کب کا حل ہو گیا ہوتا۔

اس سے پہلے راقم الحروف کئی بار عرض کر چکا ہے کہ یہ صرف ایک مسجد کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ علامت ہے ہندستان میں شعائر اسلامی کی حفاظت کی جدوجہد کی اگر ہم اس محاذ پر پیچھے ہٹ گئے تو پھر نہ جانے کتنے محاذوں پر ہمیں پیچھے ہٹنا پڑے گا۔

لوگ ہر طرح قابلِ تحسین ہیں جنہوں نے مستقبل کے نتائج کے پیشِ نظر اس سلسلے میں اپنی جدوجہد جاری رکھی ہے۔ اور اس کے لئے اپنے بہت سے مفادات کو قربان کر رہے ہیں۔

جب سے جنتا دل کی حکومت صوبہ اور مرکز میں قائم ہوئی ہے اس کے بعد سے ملک کے اندر کوئی بھیانک فساد تو نہیں ہوا لیکن دو باتوں کی وجہ سے اس کی کارکردگی داغدار ہو رہی ہے۔

ایک یہ کہ موجودہ حکومت یہی نہیں کہ گرانی پر کوئی قابو نہیں پا سکی ہے بلکہ اس نے پورے ملک میں ایک مزاج کی کیفیت پیدا کر دی ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بی جے پی نہ صرف سیاسی محاذ پر اپنی گرفت مضبوط کر رہی ہے بلکہ وہ ملک کے پورے معاشی نظام کو بھی ساہوکاروں اور بنیوں کے ہاتھ میں دینے کے لئے موجودہ حکومت کو مجبور کر رہی ہے اس لئے کہ اس کا سیاسی مفاد اسی طبقہ سے وابستہ ہے اسی طرح وہ جنتا دل حکومت کی اندر اندر جڑ کھود رہی ہے اگر تمام سیاسی پارٹیوں نے مل کر اس کا مقابلہ نہ کیا تو آئندہ الیکشن تک وہ تمام پارٹیوں کو نگل جائے گی، جو نہ صرف مسلمانوں کے لئے خوش آئندبات ہوگی بلکہ ملک کے لئے بھی ایک بڑے سانحہ کا پیش خیمہ ہوگا۔

دوسرے یہ کہ بی۔ جے۔ پی کے دباؤ سے جنتا دل کی مرکزی حکومت نے کشمیر کے سلسلہ میں جو ظالمانہ پالیسی اختیار کر رکھی ہے یہی نہیں کہ اس کی تائید نہیں کی جا سکتی بلکہ وہ ہر طرح قابل مذمت ہے۔ چار مہینے تک کشمیر میں جگموہن نے وہاں جنگل کا قانون جاری کر رکھا تھا اور اب گریش چند سکسینہ صاحب قانون کے سہارے بی۔ جے۔ پی کی بنائی ہوئی ظالمانہ پالیسی کو بروئے کار لا رہے ہیں پنجاب میں ۸، ۹ برس سے خون بہہ رہا ہے تو اسے کبھی ڈسٹرب ایریا (DISTURBE AREA) یعنی انتشار زدہ علاقہ قرار نہیں دیا گیا مگر کشمیر میں ۶، ۷ مہینے سے ہونے والے ظالمانہ رویہ سے تسکین نہیں ہوئی تو اب وہاں چھوٹے چھوٹے افسروں کو بھی گولی چلانے کا قانونی حق دے دیا گیا ہے۔

ہماری حکومت نے اس پہلو سے ایک دن بھی غور نہیں کیا کہ اس نے ۴۰، ۴۲ سال کے اندر کشمیر میں کیا طرزِ عمل اختیار کر رکھا ہے ایک طرف آپ اس کو ہندوستان کا اٹوٹ

حصہ کہتے ہیں اور دوسری طرف وہاں کے باشندوں سے ایسا معاملہ کرتے ہیں جیسے کوئی حکومت کسی دشمن ملک سے کرتی ہے۔ چالیس برس کے اندر آپ نے نہ صرف یہ کہ کشمیریوں کا سیاسی استحصال کیا بلکہ معاشی حیثیت سے ان کو اوپر اٹھانے کی کوئی کوشش نہیں کی ایک طرف آپنے جموں میں مسلمانوں کو اقلیت میں کر ڈالا دوسری طرف فرقہ پرستوں کو مسلمانوں کے خلاف ہر طرح کے اقدام کا موقع دیا تیسری طرف وادی کشمیر میں بڑاہم جگہوں پر کشمیری مسلمانوں کو نظر انداز کر کے ہندوؤں کو لا دینے کی کوشش کی اور کشمیریوں سے وہ معاملہ کیا گیا جو جنوبی افریقہ کی حکومت کالے رنگ والوں کے ساتھ کر رہی ہے۔

وہی کشمیری جو شیخ عبداللہ کی بارہ برس کی نظر بندی پر خاموش رہا وہ بخشی غلام محمد سے لے کر فاروق عبداللہ کی حکومت تک سیاسی استحصال پر نہیں بپھرا آج کیا بات ہوگئی ہے کہ وہ بغاوت پر آمادہ ہے کیا ہماری مرکزی حکومت اس پہلو سے بھی کشمیر کے مسئلہ پر غور کر رہی ہے یا نہیں ؟ اس وقت کشمیریوں کی حالت " تنگ آمد بجنگ آمد " کی سی ہے، اس لئے حکومت کو سب سے پہلے کشمیر کی اس حیثیت کو واپس کر دینے کا یقین دلانا چاہیئے جو ۱۹۵۳ء یعنی شیخ عبداللہ کی گرفتاری سے پہلے تھی جب وہاں کا سربراہ چیف منسٹر نہیں بلکہ پرائم منسٹر کہلاتا تھا، پھر جموں کو اس حیثیت میں لانا چاہیئے جو اس کی ۱۹۴۷ء سے پہلے تھی تیسرے ان کی معاشی ترقی کا ایک وسیع منصوبہ بنانا چاہیئے اس وقت ملک میں آٹھویں منصوبے کے خط وخال درست کئے جا رہے ہیں کیا ان منصوبوں میں کشمیر کو وہ حیثیت دی گئی جو دوسرے صوبوں کو دی گئی ہے۔

اگر یہ اقدامات نہ کئے گئے تو آپ ظلم وجبر سے کشمیر کو ملک کا اٹوٹ حصہ بنانے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ روس کی حالیہ تبدیلیوں سے آپ کو سبق لینا چاہیئے۔

ناظرین الرشاد کی خدمت میں

کاغذ وغیرہ کی غیر معمولی گرانی کی وجہ سے ہم اس ماہ سے الرشاد کی سالانہ خریداری پینتیس کے بجائے چالیس کرنے پر مجبور ہیں امید ہے کہ یہ پانچ روپئے کا اضافہ ناظرین کرام ضرور منظور کر لیں گے۔

خادم مجیب اللہ ندوی

نظریۂ تقادم اور اسلامی شریعت

مولانا ساجد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

سپیدۂ سحر ظلمت کدہ شب کا پردہ چاک کر کے مشرق سے مغرب کی طرف سفر کرتا ہوا صاف نظر آ رہا ہے، اندھیارے چھٹ رہے ہیں، اجیالے پھیل رہے ہیں۔ اور اسلام ایک زندہ قوت، ایک محرک طاقت اور ایک نظام حیات کی صورت میں اپنوں اور بیگانوں سے اپنی افادیت تسلیم کرا رہا ہے۔

آج ارباب فکر و دانش اسلام کو حیات عملی میں کارفرما دیکھنے کے لئے بیتاب ہیں، کیونکہ تہذیب نو ہر فلاح سے خالی ہو چکی ہے۔ اب پوری انسانیت ایک ایسے نظام زندگی کی تلاش میں ہے۔ جو مادی زندگی کی آسائشات کے ساتھ ساتھ روح کے کھوکھلے پن کو بھی دور کر سکے اور سسکتی ہوئی انسانیت کے زخموں کا مداوا کر سکے، صرف اسلام ہی ایک ایسا نظریہ حیات ہے جو مادہ اور روح کی ہم آہنگی، قلب و نظر کی وحدت، نیز فلاح دنیا اور سعادت اخروی بیک وقت فراہم کرتا ہے۔

یہ اسی حقیقت کا ادراک ہے جو پوری دنیا کے صاحب شعور افراد کو اور بالخصوص تعلیم یافتہ مسلمانوں کو کشاں کشاں اسلام کی جانب لئے آ رہا ہے، اس شعور و ادراک کی صورتیں اور اسلام کی جانب اس رجوع کی شکلیں متنوع سہی، مگر حقیقت ایک ہی کارفرما ہے، یعنی بقول حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ

چھپنے کو ہے بجلی سے آغوش سحاب آخر

پاکستان میں ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفےٰ میں یہ شعور و ادراک متاع گذشتہ کی تلاش کا ایک شوق فراواں بن کر ابھرا، اور اس شوق کے مظاہر افق وطن پر طلوع بھی ہوئے۔ چنانچہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ کو اسلامی حدود کے نفاذ کا اعلان ہوا۔ اور بالآخر مقدمات حدود کی سماعت کے لئے وفاقی شرعی عدالت منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔

مقدمات کی سماعت کے دوران مؤقر عدالت میں یہ مسئلہ بھی زیرغور آیا کہ اگر ان مقدمات میں شہادت نامناسب تاخیر کے ساتھ عدالت کے سامنے لائی جائے تو کیا یہ ایسا شبہ نہیں بن جاتی جو حد کے اسقاط میں مفید ہو۔

فقہ اسلامی میں اس صورت حال کو "تقادم" "تاخیر شہادت" "اثبات حق میں تاخیر اور" جرم کے ثبوت کی فراہمی میں تاخیر" کے عنوانات کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ایک قانونی اصطلاح کے طور پر "تقادم" ہی کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اس لئے ہم بھی اس تحریر میں آگے تمام مقامات پر تقادم کا ہی لفظ استعمال کریں گے۔

انگریز جس کی غلامی کا داغ ہماری پیشانیوں پر ہنوز باقی ہے اس کی باقیات کی صورت میں ہمارے ملک میں ۱۹۰۸ء کا قانون معیاد Limitation act بھی موجود ہے اور آج تک نافذ العمل بھی ہے۔ مگر میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ یہ قانون فقہ اسلامی کے نظریہ تقادم کی بہ نسبت انتہائی محدود ہے۔ اور فقہ اسلامی کا نظریہ تقادم اس قانون سے زیادہ جامع، زیادہ مکمل اور زیادہ عملی افادیت کا حامل ہے۔ سب سے بڑا فرق اس تصور کا ہے جو ان دونوں میں کارفرما ہے۔" قانون معیاد" ایک حاکم قوم کا قانون ہے۔ جو اس نے اپنی حاکیت اور محکوم قوم کے حق و انصاف پر تحدیدات Limitation عائد کرنے کے لئے بنایا تھا تاکہ غلام قوم کے افراد حاکم قوم کے منصفین کے پاس اپنے غیر ضروری اور زائد المعیاد معاملات لے جاکر معزز منصفین کا وقت ضائع نہ کریں۔

جبکہ فقہ اسلامی کے نظریہ تقادم میں یہ جذبہ کہیں نظر نہیں آتا کہ مسلمان رعایا بلا وجہ اور غیر ضروری طور پر اسلامی عدالت کے فاضل قضاۃ کو تنگ نہ کرے

بلکہ اس میں یہ روح کارفرما نظر آتی ہے کہ جس حد تک ممکن ہو اسلامی ریاست کے شہریوں کو سزا سے بچایا جائے اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر عمل کیا جائے کہ:

" ادرءوا الحدود بالشبھات "

جہاں تک ممکن ہو شبہ کی صورت میں حد ساقط کردو۔

تقادم میں یہ جذبہ نظر آتا ہے کہ ہر ممکن طریقے سے اسلامی ریاست کی عدالتیں شہریوں کی جان و مال کا تحفظ کریں اور اُن کے فیصلے شہریوں کے انفرادی اور اجتماعی مفادات میں ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ نظریہ تقادم جب چوری کے جرم میں جاری ہوتا ہے تو چور قطع ید (ہاتھ کٹنے) کی سزا سے بچ جاتا ہے لیکن عدالت اس امر کی بھی پابند ہوتی ہے کہ اگر جرم سرقہ ثابت ہو جائے تو چور سے مسروقہ مال مسروق منہ (جس کا مال چوری ہوا ہے) کو دلوایا جائے۔ نظریۂ تقادم نے ایک جانب چور کو ہاتھ کٹنے سے بچایا، دوسری جانب جس کا مال چوری ہوا تھا اس کو اس کا مال واپس دلوادیا اور تیسری جانب مسروق منہ کی لازمی نفسیاتی تشفی اور سارق کو جرم سرقہ سے آئندہ احتراز کرنے کے لئے اس پر سزائے تعزیر عائد کی۔ اور بلاشبہ یہ تینوں پہلو اسلامی ریاست کے شہریوں کے مفاد میں ہیں۔

فقہ اسلامی میں تقادم کے معنی یہ ہیں :—

۱۔ ارتکاب جرم کے بعد آنے والی شہادت میں بلا ضرورت قابلِ لحاظ تاخیر ہو جائے اور عدالت کے سامنے یہ شہادت یا مبینۃ تاخیر سے پیش کیا جائے [۱]۔

۲۔ عدالت میں ایک جرم ثابت ہو جانے اور اس کا فیصلہ ہو جانے کے بعد نفاذ سزا میں قابل لحاظ تاخیر ہو جائے۔

قصاص و دیت کے مقدمات میں تقادم نہیں ہے کیونکہ قصاص حق العبد ہے اور حقوق العباد مدت کے گذر جانے سے ساقط نہیں ہوتے۔

---

[۱] ڈاکٹر عبدالعزیز: التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ؛ ص ۵۲۰ مصر
ابو زہرہ: الجریمۃ والعقوبۃ فی الفقہ الاسلامی : ص ۵۲۵ "
عبدالقادر عودہ: التشریع الجنائی الاسلامی جلد ا ص ۷۷۸ مصر

بہرحال جرائم حدود میں سے تین حدود حدِ زنا[۱]، حدِ سرقہ[۲] اور حدِ خمر[۳] میں تقادم کو تسلیم کیا گیا ہے[۱]۔

تقادم کے مسئلہ میں خاصا فقہی اختلاف ہے۔ یعنی حدودِ ثلاثہ (زنا، سرقہ، شراب) میں فقہائے احناف کے نزدیک تقادم حد ساقط کر دینے والا شبہ ہے۔ جبکہ فقہائے ثلاثہ کے نزدیک حدود میں تقادم شرط نہیں ہے۔ البتہ تعزیرات میں تمام فقہا کے نزدیک شرط ہے۔

اس فقہی اختلاف کی توضیح علامہ ابن الہمام نے چار اقوال کی صورت میں کی ہے اور فقیہ عصر ابو زہرہ نے بھی ان آراء کو بیان کیا ہے۔

پہلی رائے

تقادم کا اصول تمام حدود میں جاری ہوگا، یعنی اگر کسی جرم حد کے ارتکاب کے بعد اس کی شہادت کے عدالت کے سامنے پیش ہونے میں، مقررہ مدت گذر جائے اور اس مدت میں شاہد کے لئے شہادت دینا ممکن ہو تو یہ شہادت قابل رد ہوگی۔ جبکہ امام محمد بن الحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے یہ ہے کہ شہادت تو رد ہو جائے گی لیکن اقرار (اعتراف) ماسوائے حد شرب کے قبول ہوگا۔ یعنی حد شرب میں اعتراف کی صورت میں بھی تقادم ہے۔ اور مدتِ تقادم منہ سے بُو کا چلا جانا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ منہ سے شراب کی بُو ختم ہو جانے کے بعد اگر کوئی شخص عدالت کے سامنے یہ اعتراف کرے کہ اس نے فلاں وقت شراب پی تھی تو اس پر حد شرب جاری نہیں ہوگی۔ البتہ وہ مستحق تعزیر متصور ہو سکتا ہے۔

دوسری رائے

(مقدمات حدود میں) شہادت (بصورت تقادم) رد ہو جائے اور اقرار بہر صورت قابل قبول ہوگا، یہاں تک کہ حد شرب میں بھی قابل قبول ہوگا۔ یہ امام ابو حنیفہ

---

[۱] الکاسانی: بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، جلد ۷، ص ۴۶، مصر

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے۔ کیونکہ اقرار میں تاخیر سے شبہ پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ کوئی شخص اپنی ذات کا دشمن نہیں ہوتا۔ اس لئے اقرار میں تاخیر ہو جانے سے اس کی قوت اثباتِ جرم کم نہیں ہوتی کیونکہ اقرار میں تاخیر کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ پہلے مُقِر کو تردد ہو کہ میں اقرار کروں یا نہ کروں لیکن بعد میں وہ خدا ترسی کی بنا پر اقرار کا فیصلہ کر لے۔

تیسری رائے | شہادت میں تاخیر (تقادم، ہو یا اعتراف (اقرار) میں، کسی بھی صورت میں یہ تاخیر مانع حد نہیں ہے، اس لئے کہ یہ تاخیر شبہ پیدا نہیں کرتی کیونکہ قول حق میں تاخیر اس کے باطل ہونے کی دلیل نہیں بنتی۔ یعنی شہادت یا اقرار میں تاخیر اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ شہادت یا اقرار باطل ہے اور بایں صورت یہ تاخیر یا شبہ نہیں بنتا جس سے حد ساقط ہو جائے۔ یہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد کی رائے ہے۔

چوتھی رائے | شہادت یا اقرار کی تاخیر تمام ـــــ جرائم سرقہ، زنا اور شرب کے اثبات میں شبہ پیدا کرتے ہیں[1]

ہم ان چاروں اقوال وآراء کو تلخیص کے ساتھ حسب ذیل دو نظریات کی صورت میں بیان کر سکتے ہیں۔

پہلے نظریہ کی اساس امام مالکؒ۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کی رائے پر قائم ہے کہ سزائے حد کسی حال میں ساقط نہیں ہوتی خواہ شہادت کے عدالت کے سامنے پیش کئے جانے میں کتنی ہی تاخیر ہو جائے، اور سزا جاری نہ ہو، نیز یہ کہ عدالتی کاروائی کے آغاز میں خواہ کتنی ہی تاخیر ہو جائے، جرم ساقط نہیں ہوتا۔

البتہ اگر ملکی مصالح اور مصالح عامہ اس امر کے مقتضی ہوں کہ تقادم کو تعزیرات اور جرائم تعزیرات ساقط کر دینے والا شبہ قرار دیا جائے تو عدالتوں کو یہ اختیار

---

[1] امام ابن الہمام، فتح القدیر ج ۴ ص ۱۶۴ مصر، ابو زہرہ، الجریمۃ والعقوبۃ فی الفقہ الاسلامی ص ۲۲۵ مصر۔

ہے کہ وہ تعزیرات کی حد تک تقادم کو مانع سزا یا مانع (اثبات جرم) قرار دے سکتی ہیں۔

بہرحال اس امر کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے کہ تقادم شہادت جرم کے اثبات پر اثر انداز ہوتا ہے یا یہ کہ یہ تاخیر حد کو ساقط کر دینے والا شبہ بن جاتی ہے۔ کیونکہ قرآن وسنت میں ایسی کوئی نص موجود نہیں ہے (ماسوا اس اثر کے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے) اس لئے کہ حدود حق اللہ ہیں اور اولوالامر یا عدالت یا مجنی علیہ کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ اس سزا کو ساقط کر دے یا جرم کو ساقط کر دے۔ [۱]

دوسرے نظریہ کی بنیاد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے اصحاب کی اس رائے پر قائم ہے کہ تقادم یا تاخیر شہادت قصاص ودیت اور قذف کے جرائم کے اثبات پر اور ان جرائم کی سزاؤں کے اجراء پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

جب کہ حدود ثلاثہ زنا، سرقہ، شرب خمر کے اثبات میں اور تمام تعزیرات میں تقادم اثر انداز ہوتا ہے۔

حقوق العباد میں تقادم مانع نہیں ہے۔ اس لئے حد قذف میں تقادم اثر انداز نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں حق العبد (یعنی جس شخص کی ذات پر قذف سے عار آیا ہے اس عار کو دور کرنا) موجود ہے اور نیز اس لئے کہ قذف میں (مقدمہ کی سماعت اور اجرائے حد کے لئے مدعی کی جانب سے) دعوے شرط ہے۔ اس لئے تاخیر شہادت انعدام دعویٰ متصور ہوگی۔

فقہائے احناف میں سے امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ اس رائے کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ ائمہ ثلاثہ کے ہم نوا ہیں [۲]

---

[۱] عبدالقادر التشریع الجنائی الاسلامی ج ۱ : ص ۷۷۸، مصر۔

[۲] " " " " ج ۱ : ص ۷۷۸ " الباب المیدانی، جلد ۳ ص ۵۸ حاشیہ ابن عابدین جلد ۳ ص ۲۷۱، ۳۷۱، الکاسانی بدائع الصنائع جلد ۷ ص ۴۶، ۴۷

• عبدالعزیز عامر، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ

نظریۂ تقادم کے سلسلے میں ابوزہرہ' امام ابوحنیفہ کی رائے کی توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جرم حد (بینہ) کی ایک شرط عدم تقادم ہے۔ اور یہ عام تقادم حدود ثلاثہ ـــ حد زنا' حد سرقہ' اور حد شرب خمر ـــ میں شرط ہے کہ جبکہ حد قذف میں شرط نہیں ہے۔

حدود ثلاثہ اور قذف میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ شاہد (گواہ) جب مشاہدہ جرم کرتا ہے تو اس کے سامنے ازروئے شریعت دو راستے ہوتے ہیں کہ یا تو خالصتاً للہ فوری طور پر گواہی دے کیونکہ فرمان الٰہی ہے ـــ

"وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ"

یا اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرے کہ فرمان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ :

من ستر علی مسلم ستر اللہ تعالیٰ علیہ فی الدنیا والآخرۃ"	جس نے اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کی اللہ روز قیامت اس کے عیوب کی پردہ پوشی فرمائے گا" [1]

اگر اس نے جرم کے وقوع کو دیکھنے کے بعد ایک عرصہ تک گواہی نہیں دی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے ستر کے پہلو کو ترجیح دی ہے۔ لیکن جب ایک مدت گزرنے کے بعد پھر گواہی دیتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اپنے مشہود علیہ کے خلاف کوئی ضغینہ (عداوت یا دشمنی) پیدا ہوا ہے جس نے ایک عرصہ گزرنے کے بعد اسے اس کے خلاف گواہی دینے پر اکسایا ہے' لہٰذا اس کی یہ شہادت قبول نہ ہوگی اس لئے کہ فرمان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

لا تقبل شہادۃ خصم ولا ظنین	خصم اور متہم کی شہادت قابل قبول نہیں ہے۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ نے فرمایا کہ ـــ

---

[1] ابوزہرہ الجریمۃ' ص ۴۶

"أيما شهود شهدوا على حد لم يشهدوا حضرته فانما شهدوا على ضغن فلا شهادة لهم"

جو لوگ کسی ایسی حد کی شہادت دیں جس کی شہادت انہوں نے اس کے وقوع کے وقت نہیں دی تو ان کی شہادت قبول نہیں ہوگی [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان پر صحابہ میں سے کسی نے اعتراض نہیں کیا جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول اجماع کے درجے میں ہوگیا اور اس سے معلوم ہوگیا کہ کسی جرم کے سلسلے میں تاخیر سے آنے والی شہادت کینہ پر مبنی متصور ہوگی اور قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ تاخیر تہمت پیدا کرتی ہے۔ اور متہم کی شہادت حسب فرمان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم قابل قبول نہیں ہے۔

بخلاف حد قذف کے کہ اس میں تاخیر کینہ اور تہمت پر دلالت نہیں کرتی اس لئے قذف کے مقدمے کی سماعت کے لئے مدعی (مقذوف) کا دعویٰ شرط ہے اس لئے اس میں تاخیر شہادت تاخیر دعویٰ پر مبنی ہوگی۔ جب کہ حدود ثلاثہ میں دعویٰ شرط نہیں ہے، اس لئے تاخیر شہادت، تقادم ہے اور کینہ اور تہمت کی حامل ہے۔

جہاں تک حدود ثلاثہ کے مانع قبول شہادت ہونے کا تعلق ہے تو وہ اس صورت میں ہے کہ یہ تاخیر شہادت بغیر کسی ظاہری عذر کے ہو اگر کوئی عذر موجود نہ ہو مثلاً شاہد ایسے دور دراز مقام پر ہو کہ اس کے عدالت میں حاضر ہونے میں تاخیر ہو سکتی ہو تو بصورت عذر یہ تاخیر شہادت کے قبول سے مانع نہیں ہوگی [2]

شیخ محمد ابوزہرہ نے نظریۂ تقادم کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ——

" عدالت میں کسی جرم حد پر شہادت کا تاخیر سے پیش ہونا حد کو

---

[1] ابوزہرہ الجریمۃ ۴۶

[2] الکاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع جلد ۷ ص ۴۲، مصر

ساقط کرنے والا شبہ بنتا ہے جبکہ تاخیر اقرار شبہ نہیں ہے"۔

اس رائے کی دلیل دو اجزاء پر مشتمل ہے ایک جزیہ کی عدالت کے سامنے شہادت جرم پیش ہونے میں تاخیر ہو جاتا حد جرم کے سقوط کا حامل شبہ پیدا کرتا ہے اور دوسرا جز یہ ہے کہ اس مسئلے میں شہادت اور اقرار میں فرق ہے۔

پہلے جز کی دلیل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں کو ادائے شہادت کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے۔

" واقیموا الشہادۃ للہ " (الطلاق: ۲)	یہ گواہ اللہ کے لئے شہادت پر قائم ہیں - نیز فرمایا :
" واستشہدوا شہیدین من رجالکم " (البقرہ: ۲۸۲)	اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ کرلو۔ اور فرمایا :
" فاستشہدوا علیہن اربعۃ منکم " (النساء: ۱۵)	ان عورتوں پر اپنے میں سے چار گواہ لاؤ۔

مزید یہ ہے کہ کتمان شہادت سے منع فرمایا :

" ومن یکتمہا فانہ آثم قلبہ " (البقرہ: ۲۸۳)	جو اس شہادت کو چھپائے گا اس کا دل گناہ گار ہے۔

ادائے شہادت کے ان احکام کے ساتھ ساتھ ستر مسلم بھی شریعت اسلامیہ میں ہے کیونکہ اللہ سبحانہ نے اشاعت فاحشہ سے منع فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

" جس نے مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا"۔ [1]

ان دونوں نوعیتوں کے احکام کی روشنی میں شاہد کے سامنے دو پہلو آ گئے ایک یہ

---

[1] الازہر الجریمۃ ص: ۳۶

کہ وہ جرم سے پیدا ہونے والے فساد کو ختم کرنے کے لئے معاشرے کی پامال شدہ اخلاقی حالت کو بحال کرنے کے لئے اور اللہ کی حدود کے نفاذ میں مدد دینے کے لئے شہادت دے، اور دوسرا پہلو یہ کہ وہ ستر مسلم کو ترجیح دے' یعنی شاہد معاملۂ شہادت میں حق اللہ اور حق معاشرہ کا امین ہے' اور اس پر لازم ہے کہ اس حق کو پوری امانت کے ساتھ ادا کرے اس طرح کہ اگر وہ امانتاً یہ سمجھے کہ عدالت کے روبرو گواہی دینا معاشرے کو اخلاقی فساد سے بچانے کے لئے ضروری ہے تو وہ یہ قدم اٹھائے اور اگر وہ یہ سمجھے کہ جو کچھ اس نے دیکھا وہ ایک مسلمان کی لغزش ہے اور ایک مجرمانہ ذہنیت کا سوچا سمجھا اقدام نہیں ہے تو مسلمان کی لغزش پر پردہ ڈال دے۔

شاہد کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ ان میں سے ایک پہلو کو فوری طور پر اختیار کرے۔ کیونکہ شہادت میں بغیر عذر اور بلا کسی وجہ کے تاخیر کینہ، دشمنی اور عداوت کے کسی پیدا ہو جانے والے جذبہ پر مبنی متصور ہوگی۔ اور سمجھا یہ جائے گا کہ چونکہ وقت وقوع شاہد کو مشہود علیہ کے خلاف کوئی دشمنی یا عداوت یا کسی قسم کی کوئی کد موجود نہیں تھی۔ اس لئے اس نے گواہی نہیں دی اور خاموش رہا۔ اور جب بعد میں کسی وجہ سے کوئی عداوت یا کد (ضغینہ) پیدا ہو گئی، تو شاہد نے مشہود علیہ کے خلاف گواہی دے دی۔ اس طرح اس کی شہادت مائل تہمت ہو گئی اور فرمان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق شہادۃ الظنین (متہم کی شہادت) قابل قبول نہیں ہے۔ یعنی اس شاہد کی شہادت سے یہ تہمت پیدا ہو گئی ہے کہ وہ اتنا عرصہ ادائے شہادت سے کیوں گریزاں رہا اور اس وقت کیوں سکوت اختیار کئے رکھا اور وہ نکتہ یہی ہے جس کی حضرت عمرؓ نے وضاحت فرمائی اور جس کو امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کیا ہے:

> "اگر گواہوں نے کسی ایسے جرم حد کی گواہی دی' جس کی گواہی انہوں نے وقت وقوع جرم نہیں دی تھی تو یہ شہادت ضعینہ ہے اور قابل قبول نہیں ہے" [۱]

۱۔ [illegible] ابو زہرہ ۔۔۔ ۳۰۲

بہر حال اس امر میں شبہ نہیں ہے کہ شہادت سے سکوت اختیار کرنے میں یا تو تہمت ضغینہ ہے یا تہمت فسق ہے، اور شہادت سے سکوت ان ہر دو تہمتوں کا حامل ہے جہاں تک شہادت کی غیر ضروری تاخیر میں ضغینہ ہونے کا گمان (مظنہ) ضغینہ ہے تو وہ حسب بیان سابق ظاہر ہے اور جہاں فسق کا احتمال ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کتمان شہادت سے شاہد فاسق ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ فرمان الہی ہے :

" ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فانه اثم قلبه " — شہادت کو نہ چھپاؤ ، اور جو شخص شہادت کو چھپائے گا۔ تو اس کا قلب گنہگار ہوگا "

مندرجہ بالا بیان سے یہ امر واضح ہوگیا کہ سرقہ ، زنا اور شرب خمر کی حدود کی شہادت میں تاخیر سے یہ حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔ جبکہ اقرار میں تاخیر سے، خواہ یہ حدود کتنی ہی طویل مدت کی ہوں، حدود کا اثبات ہو جائے گا، اور تاخیر سے جرائم حدود کے اثبات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ اقرار میں گمان عداوت (مظنہ ضغینہ) نہیں ہے کہ انسان خود اپنا دشمن نہیں ہوتا اور بالخصوص اس صورت میں جبکہ اقرار ایک سخت سزا کی صورت میں ظاہر ہو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اقرار کرنے والا اپنے ضمیر کی خلش ایک عرصہ تک دباتا رہا لیکن ایک وقت آیا کہ اس کے ضمیر نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ اعتراف جرم کر کے دنیا کی سزا بھگت لے۔ اور سزائے آخرت سے بچ جائے۔

" ولعذاب الاخرة اشد وابقیٰ " (طٰہٰ : ۱۲۷)

حضرت امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جرم شرب خمر (مے نوشی) کے ثبوت میں تاخیر اقرار مؤثر ہے، اور تاخیر کی صورت میں اقرار قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ صحابہ کرام کا اس امر پر اجماع ہے کہ شرب خمر کی حد کا اجراء اس صورت میں ہوگا جب کہ اس کا ثبوت اس حالت میں فراہم ہوا ہو، کہ مے نوش کے منہ سے شراب کی بو آرہی ہو، کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

مروی ہے کہ انہوں نے شرب خمر کی حد کے کے لئے یہ شرط عائد کی کہ شارب خمر کو مے نوش کو اس حالت میں لایا جائے گا کہ اس کے منہ سے شراب کی بو آرہی ہو اور ظاہر ہے کہ مے کے اقرار میں تاخیر کی صورت میں وقت اقرار مے نوش کے جسم اور اس کی عقل سے تمام اثرا زائل ہو چکے ہوں گے۔

اس مقام پر ضروری ہے کہ قاضی ابن ابی لیلیٰ کی رائے بھی ذکر کر دی جائے وہ فرما ہیں کہ شہادت اور اقرار ہر دو کی تاخیر سے جرائم حدود ساقط ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان سخت سزاؤں سے اسلام کا مقصود یہ ہے کہ مجرم جرم سے باز آئے اور افراد معاشرہ کو تنبیہ ہو اور ردع اور انذار کا مقصود اس وقت حاصل ہوتا ہے جب جرم کا اثبات فو ہو اور اس کی سزا علی الفور جاری ہو اور تاخیر شہادت یا اقرار سے مقصود حاصل نہ ہوتا جب کہ اقرار میں تاخیر کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مجرم نے خلوص نیت کے سا کر لی ہو اور اس نے عدالت کے سامنے اقرار اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کر نے لئے کیا ہو۔

امام ابن ابی لیلیٰ کی یہ رائے تفقہ کی حامل ہے کیونکہ فقہاء کرام نے توبہ کو مانع سزا حد قرار دیا ہے [2]

یہاں تک ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ تقادم کی وہ صورت ہے جب کہ تاخیر شہ کی بناء پر یا تاخیر اقرار کی بنا پر جرم حد کے اثبات میں تاخیر ہو جائے۔ اب رہ گئی کی یہ صورت کہ جرم کا اثبات ہو چکا ہو۔ اور عدالت سزائے حد کا فیصلہ سنا چکی ہ اس کے بعد کسی بھی وجہ سے سزائے حد کے نفاذ میں تاخیر ہو جائے تو کیا یہ تقادم نفاذ سزا پر اثر انداز ہوگا۔ اس سلسلے میں ابوحنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور اما

---

[1] بدائع الصنائع، جلد ۷، ص ۴، ۵۱، ۱۶، مصر، فتح القدیر جلد ۴، ص ۱۱۲، ۱۶۳ مصر الزیلعی تبیین الحقائق جلد ۳، ص ۱۸۸۔ وما بعد ابو زہرہ العقوبۃ فی الفقہ الاسلامی، ص ۴۴ وما بعد مصر۔ الدکتور ابوالمعاطی حافظ ابوالفتوح النظام العقابی الاسلامی ص ۲۵۹ وما بعد

[illegible]

فرماتے ہیں کہ محکوم علیہ پر سزائے حد کے نفاذ میں تاخیر بھی اقامت حد سے مانع ہوگا۔

امام ابن الہمام فرماتے ہیں ـــــ

" جس طرح ابتداءً تقادم قبول شہادت سے مانع ہے اس طرح فیصلے کے بعد تقادم اجرائے سزا سے مانع ہے۔ حتیٰ اگر کسی پر حد جلد جاری ہورہی ہو اور وہ دوران ضرب بھاگ جائے پھر ایک مدت گزرنے کے بعد پکڑا جائے، تو اب وہ بقیہ حد پوری نہیں کی جائے گی یہی رائے ائمہ ثلاثہ کی ہے جبکہ امام زفرؒ کی رائے یہ ہے کہ تقادم اجرائے حدا مانع سزا نہیں ہے" [۱]

مندرجہ بالا حدود اور تعزیرات کے جرائم اور ان کی سزاؤں پر تقادم کے اثر انداز ہونے کے بارے میں تھا۔

اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ دیوانی معاملات پر تقادم کس حد تک اثر انداز ہوتا ہے اس سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ دیوانی معاملات میں حق العبد موجود ہوتا ہے۔ اور حق العبد تاخیر سے ساقط نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے یہاں پر بلا عذر وقت گذرجانے کی بناپر دعویٰ عدالت کے لئے قابل سماعت نہیں ہوگا لیکن یہ تقادم صاحب حق کے حق کو باطل نہیں کرے گا۔ بلکہ یہ تقادم محض عدالت کے لئے ایک مانع ہوگا کہ وہ دعویٰ نہ سنے جب کہ صاحب حق کا حق باقی رہے گا۔ یعنی اگر مدعا علیہ خود ہی اس حق کا اقرار کرلے تو اس پر اس حق کی ادائے گی لازم ہو جائے گی۔

اگر تقادم سے حق عبد بھی باطل ہو جاتا تو اس صورت میں مدعا علیہ کے اقرار سے بھی اس پر حق کی ادائیگی لازم نہ ہوتی [۲]

مجلہ الاحکام العدلیہ کی دفعہ ۱۶۶۰ قرض ودیعت جائیداد میراث اور دیگر معاملات دیوانی میں پندرہ سال مدت گزر جانے کو تقادم مانع سماعت دعوی قرار دیتی ہے [۳]

---

[۱] فتح القدیر، جلد ۴، ص ۱۶۴، مصر، ابوزہرہ، فلسفۃ العقوبۃ فی الفقہ الاسلامی ص ۴۹

[۲] سلیم رستم باز اللبانی شرح المجلۃ ص ۹۸۳ طبعہ ثالثہ بیروت [۳] ایضاً ص ۱۸۴

دفعہ ۱۶۶۱ متولی کے، درا صل وقف سے متعلق ملازمین کے ۳۶ کے بعد دعویٰ کونا سماع قرار دیتی ہے لے

" مرور زمان جو سماع دعویٰ سے مانع ہے وہ مرور زمان ہے جو بلا عذر ہو لیکن جو زمانہ عذر شرعی کے ساتھ گزرا ہو وہ سماعت دعویٰ میں مانع نہیں ہے ۔ مثلاً یہ کہ مدعی صغیر (کم سن) ہو، یا مجنوں ہو، یا وہ مدت سفر کے برابر دور کے شہر میں ہو، یا معتوہ (فاتر العقل) ہو خواہ اس کا کوئی وصی ہو یا نہ ہو یا اس کا مدمقابل (خصم) غالب و طاقتور ہو، تو اس مدت (عذر) کا اعتبار لازم ہوگا، بلکہ مرور زمانہ کی تاریخ اس عذر کے ازالہ کے بعد سے شروع ہوگی مثلاً اس زمانہ کا اعتبار نہیں ہوگا جو بچہ کا بلوغ سے پہلے گزرا ہے بلکہ بلوغ کے بعد کے زمانے کا اعتبار ہوگا ۔ اس طرح اگر کسی شخص کا دعویٰ کسی غالب طاقتور شخص سے متعلق ہو اور اس کے تغلب کی وجہ سے مرور زمانہ ہو جائے تو یہ مرور زمانہ سماع دعویٰ سے مانع نہیں ہوگا ۔ بلکہ مرور زمانہ کا شمار اس تغلب کے ختم ہو جانے کے بعد سے ہوگا "۔

یہ اعذار شرعی جو مذکورہ دفعہ میں بیان کئے گئے ہیں تین قسم کے ہیں ۔ ۔

پہلی قسم: قاصریت : یعنی اگر صاحب حق صغیر یا مجنوں وغیرہ ہو ۔

دوسری قسم: غَیَاب : مدعی یا مدعا علیہ کا غائب ہونا ۔

تیسری قسم: تَغَلُّب : مدعا علیہ کا صاحب قوت ہونا جو مدعی کو اس پر دعویٰ کرنے سے باز رکھے ۔

اعذار کی موجودگی میں اگر تقادم (مرور زمانہ) ہو جائے تو یہ دعویٰ کی سماعت سے مانع نہیں ہوگا ۔ بلکہ تقادم (مرور زمانہ) کی مدت اس عذر کے رفع ہونے

لے ایضاً ص ۶۸۹ ،

سے کے بعد شروع ہوگی [1]

مدت تقادم کے بارے میں بھی فقہاء کے مابین اختلاف موجود ہے چنانچہ جامع صغیر میں ہے کہ مدت چھ ماہ ہے، امام محمد رضی اللہ عنہ سے ایک ماہ کی مدت کی بھی روایت ملتی ہے جو امام ابوحنیفہؒ اور ابویوسفؒ رحمہم اللہ علیہ سے بھی مروی ہے کہ قاضی خان نے کہا کہ مدت تقادم ایک ماہ یا اس سے زائد ہے۔

راجح قول یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے تقادم کی کوئی مدت متعین نہیں کی۔ اور ہم نے ان سے تحدید مدت کے لئے کہا تو انہوں نے انکار فرما دیا [2]

بہر حال اس سلسلے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے یہی ہے کہ تقادم کی کوئی مدت متعین نہ کی جائے اور اس کو قاضی (عدالت) کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے [3]۔

البتہ حد خمر میں مدت تقادم اس کی خمر کی بو کا دور ہو جانا ہے۔ [4]

علی علی منصور نے جرم زنا کے سقوط کی حد وقوع جرم سے اقرار تک دس سال متعین کی ہے۔ اور سقوط سزائے رجم کی تیس سال اور سقوط سزائے جلد کی دس سال قرار دی ہے [5]

اسی طرح جرم قذف کے سقوط کی تین سال اور سقوط حد قذف کی پانچ سال قرار دی ہے [6]

اور جرم سرقہ کے سقوط کی حد تین سال قرار دی ہے [7]

---

[1] علی حیدر: دار الحکام شرح مجلۃ الاحکام کتاب ۱۱ ، ص ۲۶۸ ، طبع بیروت

[2] احمد فتحی بہنسی ، العقوبہ فی الفقہ السلامی، ص ۲۲۳ مصر، عبدالعزیز عامر، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۵۲۵ مصر

[3] التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۵۲۵ ، البدائع جلد ۷ ص ۴۷

[4] احمد فتحی : العقوبۃ فی الفقہ الاسلامی ص ۳۲۳ مصر

[5] علی علی منصور : نظام التجریم والعقاب ص ۲۴۵

[6] ایضاً ص ۲۹۰

[7] ایضاً ص ۱۲۳

مجلۃ الاحکام میں دیوانی معاملات میں تقادم کی مدت کی مختلف تحدیدات کی گئی ہیں جن کا ذکر موجب طوالت ہوگا۔ اس سلسلے میں میری رائے یہ ہے کہ ہر مقدمہ کی نوعیت کے لحاظ سے عدالت کو فیصلہ کرنا چاہیئے کہ ایک خاص مقدمہ میں تاخیر شہادت یا تاخیر اثبات کی مدت اتنی طویل ہے کہ یہ جرم یا اس کی سزا پر اثر انداز ہونے کے لئے کافی ہے۔
اس مقالے کے آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نظریۂ تقادم سے متعلق چند اہم نکات بطور تلخیص بیان کر دیئے جائیں ۔

۱۔ کتاب و سنت کی ایسی کوئی نص قطعی موجود نہیں ہے جس سے صراحتاً یہ معلوم ہو کہ شہادت میں تاخیر جرائم حدود و تعزیرات پر یا ان کی سزاؤں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ماسوا اس اثر کے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :

"ایما شهود شهدوا علی	جو گواہ کسی ایسی حد کی گواہی دیں جس
حد لم یشهدوا عند	کی گواہی انہوں نے وقت وقوع
حضوته فانما شهدوا علی	جرم نہیں دی تو یہ شاہد بربنائے ضغینۃ
ضغن فلا شهادة لهم"	(کینہ) شہادت دینے والے ہیں ۔

مگر یہ اثر حضرت حسن سے مرسلاً مروی ہے اور مراسیل حسن قوی نہیں ہیں [1]

۲۔ تقادم کے جرائم اور ان کی سزاؤں پر اثر انداز ہونے کے بارے میں فقہی اختلاف جرائم حدود اور ان کی سزاؤں میں ہے، تعزیرات میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور باتفاق فقہا اگر عدالت کسی بھی تعزیر کے اثبات میں تقادم کے مطابق مصلحت متصور کرے تو جرم کو یا سزا کو ساقط کر سکتی ہے ۔ اس طرح دیوانی معاملات میں بھی تقادم دعاوی پر اثر انداز ہوگا ۔

۳۔ اصولاً تاخیر شہادت شاہد کے بارے میں ضغینہ (عداوت) کا شبہ پیدا کرتی ہے۔ چونکہ حدود شبہات سے ساقط ہوتے ہیں۔ اس لئے اس شبہ سے

---

[1] ابو یعلی الاحکام السلطانیہ ص ۲۴۸

بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ اور اس بات کا تعین کہ تقادم نے مظنۂ ظن (گمان علاوت) پیدا کیا ہے یا نہیں، عدالت ہی کر سکتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر عدالت کسی معاملہ میں تقادم شہادت کو شبہ عداوت متصور نہ کرے تو اسے یہ استحقاق حاصل ہے۔ کیونکہ بنیادی طور پر ہر طرح کے شبہ کا تعین عدالت ہی کا کام ہے۔

۴۔ جو تقادم سقوط حد کا حامل بنتا ہے وہ تو وہ ہے جو بلا عذر ہو۔ اگر عذر موجود ہوگا تو تقادم نہیں ہوگا، اور اس سے جرائم حدود و تعزیرات پر یا دیوانی مقدمات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

۵۔ حق عبد پر تقادم اثر انداز نہیں ہوتا اس وجہ سے تقادم کا حد قذف پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ فقہا کے نزدیک اس میں حق العبد موجود ہے اور امام شافعی نے کہا ہے کہ یہ خالص حق العبد ہے یعنی قذف میں حق اللہ کی وجہ سے حق العبد کمزور نہیں پڑتا بلکہ تاخیر کے باوجود شہادت اور اقرار دونوں قابل سماع ہوں گے۔ کیونکہ قذف میں حق العبد یہ ہے کہ اس کی عزت پر جو حرف آیا ہے وہ مٹایا جائے جو اس صورت میں مٹے گا کہ قاذف کو شریعت کی مقررہ کردہ سزا دی جائے۔[1]

جب کہ جرم سرقہ میں حق العبد اس کا وہ مال ہے جو چوری ہوا ہے۔ اس لئے تقادم سے حد تو ساقط ہو جائے گی مگر مال مسروق کی ادائیگی بہرحال کرنا ہوگی اور چور پر حد یا تعزیر کے ساقط ہونے کے باوجود بھی مسروق منہ کا مال واپس کرنا لازم ہوگا۔

۶۔ قانون ساز ادارے مختلف مقدمات میں تقادم کی مدت متعین کر سکتے ہیں، مگر میرے خیال میں علی علی منصور نے اور المجلہ نے جو مدتیں متعین کی ہیں وہ بہت طویل مدتیں ہیں۔ اور ان سے شریعت اسلامیہ کے فوری اور مؤثر انصاف کی روح متاثر ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں میری رائے یہ ہے کہ حدود و تعزیرات میں اور دیوانی معاملات

---

[1] ابوزہرہ الجریمۃ والعقوبۃ فی الفقہ الاسلامی ص ۵۴

میں تقادم کی مدتیں متعین نہ کی جائیں۔ بلکہ اس مسئلہ کو عدالت کی صوابدید پر چھوڑا جائے کہ وہ ہر انفرادی مقدمے میں جدا جدا یہ فیصلہ کرے کہ اس میں تقادم ہوا ہے یا نہیں۔ اور بعد ازاں یہی عدالتی نظائر آئندہ مقدمات میں تقادم کی مدت فیصلے میں کام دیں۔ کیونکہ حالات و مسائل بدلتے رہتے ہیں اور ہر مقدمہ کی نوعیت جداگانہ ہوتی ہے اور اس مخصوص نوعیت کی روشنی میں عدالت بہتر طور پر مدت تقادم کا فیصلہ دے سکتی ہے۔

۷۔ تقادم کا مسئلہ اجتہادی نوعیت کا حامل ہے اور حالات و ضروریات کے پیش نظر اس میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تقادم کے تمام پہلوؤں کو بصورت صفحات از سر نو مدون کیا جائے۔ اور اس کو جدید قوانین کے مماثل بنا کر پیش کیا جائے تاکہ فقہ و قانون کی دنیا میں اس کی عملی افادیت نمایاں اور اسلامی قانون و شریعت کے نفاذ کی پیش رفت میں معاون ہو سکے۔

وما توفیقی الا باللہ

بقیہ: تیسرے فقہی سیمنار کی قراردادیں

یہ سیمنار اس بات کی بھی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ عصری درسگاہوں کے طلباء و فضلاء کے لئے ایسے محاضرات اور کیمپس کا نظم کیا جائے کہ اس کے ذریعہ ان کو اسلام کے مختلف شعبوں کی بنیادی تعلیمات، اسلام کے بنیادی اصول قانون، اسلامی قانون کی تاریخ اور اس کی ہر عہد میں انسانیت کی رہنمائی کی صلاحیت اور ضروری اصطلاحات سے واقف کرایا جائے، سیمنار کی خواہش ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی اس سلسلہ میں مناسب اقدام کرے۔

اسلام میں قاضی کی حیثیت و اہمیت

جناب ڈاکٹر منیر احمد مغل — لاہور

اسلامی نظام حکومت جس کی بنیاد لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر قائم ہوئی ہے اس کے چلانے والے تمام شعبے یا ادارے صدق و عدل پر کاربند ہو کر معاشرے کے ہر فرد سے انہی کی پابندی کرواتے ہیں چنانچہ قرآن پاک میں اس بات کے واضح اشارات موجود ہیں کہ عدل اسلامی زندگی کا بنیادی اصول ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهٖ ۔	اور آپ کے رب کا کلام صدق و عدل کے اعتبار سے کامل ہے اس کے کلام کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی شکل میں ایک ابدی اور سرمدی اور مکمل ضابطۂ حیات پیش فرمایا ہے اس لئے قرآن نے اور آپ نے سب سے زیادہ "عدل" پر زور دیا ہے ارشاد باری ہے :

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ۔ (۱۶ : ۹۰)	بلا شبہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کا حکم کرتا ہے۔
قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ (۷ : ۲۹)	کہہ دیجئے میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے۔

وَ إِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ [1]	تم لوگ جب لوگوں کے درمیان مقدمات کا فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، بیشک اللہ تمہیں بہت اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں مطلقاً عدل کا حکم فرمایا گیا ہے کسی کی تخصیص یا امتیاز کا ذکر نہیں ہے۔
اگر غیر مسلموں کے معاملات درپیش ہوں تو بھی ارشاد فرمایا گیا:

وَ إِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ [2]	اگر تم (یہودیوں کے معاملات کا) فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔
قُلْ اٰمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ وَ أُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ [3]	(نبی اکرمؐ) آپؐ یہود سے کہہ دیں کہ میں تو اللہ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے حکم دیا گیا ہے۔ میں تمہارے درمیان بھی عدل کو قائم رکھوں۔

یہاں بھی بات صاف کردی کہ عدل عادلانہ قانون کے مطابق ہی ہوسکتا ہے اور عادلانہ قانون وہی ہے جو خدائے عدل نے اتارا ہے۔
قضا کے بارے میں بطور خاص فرمایا۔

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ	"ان آیات و احکام کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے

---

[1] النساء : ۵۸ [2] المائدہ : ۴۲
[3] سورۃ الشوریٰ : ۱۵

عَمَّا جَآءَ كَ مِنَ الْحَقِّ۔	آتارا ہے اور جو حق تمہارے پاس
(المائدہ : ۴۸)	آیا ہے اس کو چھوڑ کر ان لوگوں کی
	خواہشوں کی پیروی نہ کرو"۔

جو لوگ خدا تعالیٰ کی اتاری ہوئی آیات کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے ایسے لوگوں کے بارے میں قرآنی فیصلہ یہ ہے :

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ	اور جو اللہ کے اتارے ہوئے (قرآن)
اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ	کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ فاسق
(۵ : ۴۷)	ہیں ۔
وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ	اور جو اللہ کے اتارے ہوئے (قرآن)
اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔	کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ
(۵ : ۴۵)	ظالم ہیں ۔
وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا	اور جو اللہ کے اتارے ہوئے (قرآن)
اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ	کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے
هُمُ الْكَافِرُوْنَ (۵ : ۴۴)	وہ کافر ہیں ۔

ان آیات کریمہ نے شیطان کی جملہ چالوں پر ضرب کاری لگائی ہے کہ کہیں وہ ان لوگوں کے دلوں میں جو اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، وسوسہ نہ ڈال سکے کہ چلو ہم فاسق ہی ہیں اور اس فسق کی وجہ سے دائرۂ ایمان سے خارج نہیں ہو گئے یا یہ ہم ظالم ہی سہی مگر یہ ظلم ہمیں اسلام سے باہر تو نہ نکال دے گا۔ یا یہ کہ چلئے ہم نے اپنی جان پر ہی ظلم کیا ہے ایمان تو قائم ہے۔ قرآن پاک نے ایسی تمام دلیلوں کو باطل قرار دے کر فیصلہ کن اور غیر مبہم الفاظ میں ان کی حیثیت واضح فرما دی کہ یہی لوگ ہیں جو کافر ہیں۔ "خدائی احکام کے ہوتے ہوئے ان نافرمانوں نے اُسے پس پشت ڈال کر غیر اللہ کے احکام کو ان سے برتر اور قابل نفاذ سمجھا اور صرف سمجھا ہی نہیں بلکہ اس پر مستزاد اس کے مطابق فیصلہ کرنا حق سمجھا جو صریحًا ظلم عظیم ہے اور ایک قسم کا شرک ہے پس ان

کی یہ نافرمانی اور ان کا یہ ظلم ان کے ایمان کو لے ڈوبا اور وہ کافرین کے زمرے میں خود اپنے قول و فعل سے آ داخل ہوئے۔

قرآن پاک خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے اور متقیوں کے لئے راہبر و راہنما ہے۔ "عدل" کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ تقویٰ کے قریب ترین ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایک انسان میں جتنی خدا خوفی زیادہ ہوگی اتنا ہی "عدل" کے وہ قریب ترین ہوگا۔

اس راستے کی سب سے بڑی مشکل ہوائے نفس کی اتباع ہے قرآن پاک میں جہاں عدل و انصاف کو خدا کے اتارے ہوئے احکام کی روشنی میں سرانجام دینے کا حکم ہے وہیں اتباع ہویٰ سے بھی منع فرما دیا گیا ہے۔

اس راستے کی دوسری مشکل یہ ہے کہ دوست و احباب و عزیز و اقرباء ایک طرف ہوں اور دشمن و مخالف دوسری طرف تو میلان طبع کا دوستی و محبت و قرابت کی طرف ہوجانا بدیہی امر ہے اسی طرح دشمن کو مزا چکھانے کی ہوس بھڑک سکتی ہے قرآن پاک نے اس خطرناک اقدام کی پیش بندی ان الفاظ میں فرما دی:

لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ	کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر
عَلٰۤى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا ۚ اِعْدِلُوْا	آمادہ نہ کر دے کہ تم ان کے مابین
هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى	عدل و انصاف نہ کرو بلکہ عدل و انصاف
(المائدہ: ۵: ۸)	ہی کرو کیونکہ یہ تقویٰ کے بہت قریب ہے

انصاف کی جتنی کڑیاں ہوسکتی ہیں ان میں سے ایک ایک کو لیا گیا اور ہر ہر مرحلہ پر تاکیداً حکم دیا گیا کہ انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔

مقدمات کے لئے بعض اوقات تحریر دستاویز کی ضرورت ہوتی ہے، ارشاد فرمایا گیا۔

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ	تمہارے درمیان لکھنے والا عدل و
بِالْعَدْلِ ۔ (البقرہ: ۲۸۲)	انصاف سے لکھے۔

گواہوں کو حکم ہوا۔

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۔ (الانعام : ۱۵۲)	جب تم کوئی بات کہو تو عدل سے کہو اگرچہ یہ بات تمہارے رشتہ دار کے متعلق ہو ۔

یعنی اگر یہ عدل تمہارے رشتہ دار کے خلاف پڑتا ہے تو رشتہ داری کی وجہ سے عدل کا دامن نہ چھوڑ بیٹھنا بلکہ اس کو پورا کر کے چھوڑو ۔ یہ خطاب ایک گواہ کو بھی ہو سکتا اور ایک قاضی کو بھی ۔ گواہی ہو یا فیصلہ عدل و انصاف ملحوظ خاطر رہے چاہے کسی اپنے کے خلاف ہی کیوں نہ جا پڑے ۔

ایک اور مقام پر اس کی مزید تفصیل بیان کی گئی ۔ ارشاد ہوا ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۔ (النساء : ۱۳۵)	اے ایمان والو ! انصاف پر قائم ہو جاؤ خدا کی خاطر گواہی دینے والے صحیح صحیح بات کرو چاہے تمہارے اپنے خلاف ہی پڑتی ہو یا تمہارے والدین یا رشتہ داروں کے خلاف ۔
اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۔ (النساء : ۱۲۵)	جس کے متعلق تمہیں حق بات کہنی ہے چاہے وہ غنی ہو یا فقیر تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ساتھ تم سے زیادہ قریب ہے ۔

یعنی وہ علیم و خبیر پوری طرح جانتا ہے کہ اس کے حق میں کیا بات مفید ہے ہے تم نے اگر وقتی طور پر امیر کا ساتھ دے دیا یا غریب پر ترس کھا کر جھوٹ بول دیا تو ہو سکتا ہے دنیا میں ان کو تمہارے جھوٹ کی وجہ سے کچھ فائدہ پہنچے مگر آخرت میں تو یہ جھوٹ تمہارے اور ان کے لئے (دونوں کے لئے) وبال ثابت ہوگا ۔ تم آگے کے حالات سے بے خبر ہو اس لئے خالق و مالک کی بات پر عمل کرو اور سچ سچ بات کہہ یا لکھ دیا کرو ۔

حصولِ انصاف میں سب سے بڑی رکاوٹ اور اس کا انسداد

عدل و انصاف کی راہ میں ۔

سب سے خطرناک اور رکاوٹ ڈالنے والی چیز رشوت خوری ہے۔ اس کی نسبت ار
ربانی ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم	اور اپنے درمیان اپنے مال کو ناروا
بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا	طور پر نہ کھاؤ اور اس کو حکام تک
إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا	رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بناؤ تاکہ
فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ	لوگوں کے مال کا ایک حصہ گناہ کے
بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ۔	ساتھ جان بوجھ کر خورد برد کر
(البقرہ ۲ : ۱۸۸)	جاؤ۔

اس آیت کریمہ نے رشوت کے تمام ظاہری اور باطنی پہلوؤں کی واضح نشاندہی
ہے۔ رشوت دینے والا ناجائز کام کروانے کی خاطر مال دے رہا ہوتا ہے۔
حرام ہے اور رشوت لینے والا ناجائز کام کرنے کی خاطر مال وصول کرتا ہے۔
ہے کسی حق دار کو حق نہ دینا یا کسی حق دار کا حق چھین کر کسی غیر حقدار کو دے دینا یا کسی
میں اس وقت تک تاخیر کرتے چلے جانا جب تک وہ تنگ آکر رشوت نہ دے
ساری باتیں ایک مسلمان کے لئے ممنوع اور حرام ہیں۔

ظاہر و باطن کا تزکیہ فرمانے والے رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا۔

اَلرَّاشِیْ وَالْمُرْتَشِیْ کِلَاهُمَا	رشوت دینے والا اور رشوت لینے
فِی النَّارِ۔	والا دونوں جہنم میں جائیں گے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے رشوت دینے
اور لینے والے پر لعنت فرمائی[1]۔ رشوت کی ایک اور معصوم شکل تحفے اور ڈالیوا
ہے جسے حکام کو دینے والے بڑے پُرفریب انداز میں پیش کرتے ہیں اور قبو
والے بڑی بڑی توجیہات کے ساتھ شیر مادر کی طرح ہضم کر جاتے ہیں۔ جبکہ رشو
ہے اور ہر رنگ میں حرام ہے شیطان نے ہر دور میں انسان کو یہ غلط راستے

[1] ابوداؤد سنن : جلد سوم : کتاب القضا۔ باب فی کراہیۃ الرشوۃ۔

ہیں اور گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

ابوحمید ساعدی کہتے ہیں کہ قبیلہ اسد کے ایک آدمی کو جس کا نام اِبْنُ اللُّتْبِیَہ تھا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا محصل بنا کر بھیجا جب وہ واپس آیا تو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یہ مال تو آپؐ کا ہے اور یہ مال مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔ آپؐ یہ سن کر ممبرؔ پر تشریف فرما ہوئے اور خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

مابال عامل ابعثه فیقول	میں تم میں سے کچھ لوگوں کو ان کاموں
هٰذا لکم وهذا اهدی لی	کے لئے حاکم بناتا ہوں جو اللہ کریم
افلا قعد فی بیت ابیه او فی	نے میرے سپرد کئے ہیں تو تم میں
بیت امه حتی ینظر ایهدی	سے کوئی آکر کہتا ہے کہ یہ آپؐ کا حصّہ
الیه ام لا ؎	ہے اور یہ ہدیہ ہے جو لوگوں نے مجھے دیا ہے
	میں کہتا ہوں کہ وہ اپنے ماں باپ کے پاس
	کیوں نہیں بیٹھا رہا۔ میں پھر دیکھتا کہ گھر

بیٹھے اسے وہ ہدیہ دیا جاتا یا نہیں۔

اس ضمن میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانِ عام بڑا فکر انگیز ہے، انہوں نے اپنے تمام حکام کو لکھ بھیجا " ہدیہ قبول نہ کیا کریں کہ یہ ممنوع ہے۔"

ابن جریر ازدیؒ نے اس کا پس منظر یہ بیان کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہر سال اونٹ کی ران کا ایک ٹکڑا بطور تحفہ پیش کرتا تھا ایک بار اس کا کوئی مقدمہ ان کے سامنے آیا تو اس نے کسی نہ کسی طرح بات نکال کر بالواسطہ اونٹ کی ران کا ذکر کیا تاکہ اس طرح انھیں سابقہ تحفے کی یاد تازہ ہو جائے۔ محرم اسرار وحی حضرت فاروق اعظمؓ بات کی تہہ تک پہنچ گئے اور آپؓ نے آئندہ کے لئے اپنے تمام حکام کے نام فرمان جاری کر دیا۔

؎ مسلم۔ کتاب الامارہ۔ لاہور۔ س ن۔ ن م۔ ص ۱۱۹۲۔

"ہدیہ قبول نہ کیا کریں کہ یہ ممنوع ہے۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور اکرمؐ کا دوسرا ارشاد یوں روایت کیا ہے:
فیصلہ کرنے میں رشوت لینا کفر (کے مترادف) ہے اور لوگوں کے درمیان رشوت حرام کمائی ہے[1]
مغربی اور اسلامی تصور انسان میں بعد المشرقین ہے۔ مغرب والوں کے نزدیک انسان ایک معاشرتی حیوان ہے جبکہ اسلامی قرآنی تصور یہ ہے کہ انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے۔ تصورات کے اس بُعد نے فرشی ہوتے ہوئے اسے عرشی کے قانون کو نافذ کرنے والا نائب بنا دیا۔ ذمہ داریاں منصب کی مناسبت سے ہوا کرتی ہیں۔ بلند مرتبہ کے لئے بلند حوصلگی بھی ضروری ہے اور اس راہ کی رکاوٹیں بھی بڑی شدید ہیں سب سے بڑا حملہ اتباعِ نفس یا اتباع ہوا کی شکل میں ہوتا ہے جس کی پیروی جانوروں کی سطح پہ لے آتی ہے اور جس کی مخالفت فرشتوں کی صف میں لا کھڑا کرتی ہے۔

قاضی کا نصب اور تقرر

سلطان خواہ عادل ہو یا جائر قاضی مقرر کرنے کا حق رکھتا ہے تاہم سلطان جائر کی طرف سے پیش کردہ عہدۂ قضا قبول کرنا کسی شخص کے لئے اسوقت جائز ہوگا جب وہ محسوس کرے کہ حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کا امکان موجود ہے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو اس شخص کو چاہیئے کہ وہ ہرگز عہدۂ قضا قبول نہ کرے۔

رہی یہ بات کہ منصب قضا میں بخوشی شمولیت جائز ہے یا ناجائز۔ تو امام خصاف کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ منصب قضا میں بخوشی شمولیت کر لینا رخصت کے درجہ پر ہے جب کہ اس سے باز رہنا عزیمت کے درجہ پر ہے یعنی قضا بخوشی قبول کرنا ناجائز نہیں ہے لیکن اس سے پہلوتہی کرنا زیادہ بہتر ہے۔

انبیائے کرام، رسل، خلفائے راشدین اس میں خوش دلی سے مشغول ہوئے۔ اور ان لوگوں سے بہتر اور کون منصب قضا پر فائز ہو سکتا تھا۔ اس لحاظ سے یہ خلفائے راشدین

---

[1] طبرانی

کی نیابت اور اللہ کی عدل کو قائم کرنا ہے۔

جو بزرگ منصب قضا قبول کرنے سے رُکے ہیں اُن کا موقف یہ ہے کہ قاضی قضا ر بالحق پر مامور ہے۔ اور حق کے مطابق فیصلہ کرنا دوسرے کی امداد کے بغیر ممکن نہیں اور ہو سکتا ہے کہ دوسرا اس کو اس کام میں امداد دے یا نہ دے۔

قاضی کے فرائض

امام ماوردی فرماتے ہیں کہ اگر قاضی کے اختیارات عام ہوں تو وہ دس احکام کو مشتمل ہوں گے۔

۱۔ تنازعات اور جھگڑوں کو فیصل کرنا۔

۲۔ جب کسی کا حق دوسرے کے اُوپر اقرار یا شہادت سے ثابت ہو اور وہ دینے میں تاخیر کرتا ہو تو صاحب حق کو اس کا حق دلانا۔

۳۔ جنون اور بچپن کی وجہ سے جن کے تصرفات روک دیے جائیں ان کے مالوں پر نگران مقرر کرنا۔ دیوالیہ اور بے وقوف کے معاملات پر حجر (رکاوٹ) قائم کرنا تاکہ مستحقین کا مال محفوظ رہے اور اس کی عقود سے احکام صحیح ہو سکیں۔

۴۔ اوقاف کی نگرانی یعنی اصل جائداد کی حفاظت۔ منافع کی ترقی۔ ان کی وصولی اور ان کے مصارف میں خرچ کرنا۔ اگر اوقاف کا کوئی جائز متولی موجود ہو تو اس کی نگرانی رکھنا ورنہ خود متولی بننا اس لئے کہ ولایت عام خاص نہیں ہو سکتی۔ مگر ولایت خاص عام ہو سکتی ہے۔

۵۔ وصیتوں کا نفاذ، ان کی شرائط کے مطابق، بشرطیکہ جائز امور کے متعلق ہوں، ممنوعات شرعیہ کے لئے نہ ہوں۔ اگر وصیت کنندہ نے وصی مقرر کر دیا ہے تو اس کی نگرانی کرے ورنہ خود ہی انجام دے۔

۶۔ بیوہ عورتوں کے ولی نہ ہوں اور ان کے رشتے آتے ہوں تو ہم کفو لوگوں میں ان کے نکاح کرانا۔ امام ابو حنیفہؒ یہ فرض قاضی سے متعلق نہیں فرماتے ان کے نزدیک بیوہ خود اپنا نکاح کر سکتی ہے۔

۷۔ جو لوگ حدود (سزاؤں) کے مستوجب ہیں اُن پر ان کا جاری کرنا اگر

حقوق اللہ سے متعلق ہیں تو اقرار یا شہادت سے ثابت ہونے کے بعد بلا کسی مطالبہ کرنے والے کے خود ہی قائم کرے اور اگر حقوق العباد سے متعلق ہیں تو مستحق کے طلب کرنے پر قائم کرے۔ اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کو کسی مدعی کے مطالبہ کرنے پر قائم کر سکتا ہے۔

۸۔ حلقۂ حکومت کی مصالح کا لحاظ رکھے کسی شخص کو راستوں میں کوئی عمارت وغیرہ نہ بنانے دے۔ بلا استحقاق بنائے ہوئے سائبان اور عمارت وغیرہ گرا دے۔ یہ انتظام بھی بلا مطالبہ مدعی خود ہی کر سکتا ہے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مستغیث کے دعویٰ کے بغیر نہیں کر سکتا۔ مگر چونکہ یہ انتظام حقوق اللہ میں داخل ہے اس لئے اس میں مستغیث اور غیر مستغیث برابر ہیں۔ لہٰذا خود ہی اس کا لحاظ رکھے۔

۹۔ اپنے امین اور شاہدوں کی جانچ پڑتال کرتا رہے نیک چلن اور خوش انتظام ماتحتوں کو ان کے عہدوں پر برقرار رکھے۔ بدچلن خائنوں کے بجائے بہتر لائق آدمیوں کا تقرر کرے یا قابل ہوشیار کو ساتھ لگا دے تاکہ مل کر اچھا انتظام کریں۔

۱۰۔ تصفیہ مقدمات میں زورآور، کمزور اور شریف وغیر شریف میں کوئی فرق نہ رکھے اور نہ اپنے نفس کا تابع ہو کر حقدار کی حق تلفی اور غیر حقدار کی جانبداری کرے[1]

منصب قضا حضرت عمر فاروقؓ کی نظر میں

خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو شرائط قضا اور اس کے آئین لکھتے ہوئے فرمایا:

"اما بعد قضاء ایک زبردست فرض اور قابل عمل سنت ہے مقدمات اور ان کی سفارشات سامنے ہوں تو انصاف سے کام لو۔ جس حق بات کا نفاذ نہ ہو اُس کا زبان سے نکلنا بے سود ہے۔ ملاقات، انصاف اور ہم نشینی میں مساوات کا خیال رکھو۔ با اثر آدمی یہ توقع نہ کرے کہ تم اس کے ساتھ رعایت کروگے اور

---

[1] الماوردی الاحکام السلطانیہ۔ باب ششم ص ۱۲۵۔ ۱۲۲

نہ کمزور آدمی تمہارے عدل سے مایوس ہو۔ مدعی کے ذمہ شہادت شرعی ہے اور مدعا علیہ پر قسم ہے۔ دو مسلمانوں میں صلح کرانا جائز ہے بشرطیکہ اس صلح سے حرام کو حلال نہ کر دیا جائے۔ اپنا سابقہ فیصلہ آئندہ بطور نظیر کے استعمال کرنا ضروری نہ سمجھو اگر غور و تدبر کے بعد حق کی طرف راہنمائی ہو تو اس کو اختیار کرو، حق کی طرف مراجعت کرنا باطل پر اڑے رہنے سے کہیں بہتر ہے۔ اگر کسی امر کے متعلق قرآن و حدیث سے فیصلہ معلوم نہ ہو اور قلب پریشان ہو تو عقل اور صرف عقل سے کام لے کر نظائر اور امثال پر قیاس کرو۔ اگر مدعی کہتا ہے مدعا علیہ یا شہادت حاضر نہیں ہے تو اس کے لئے مدت معین کر دے اگر شہادت پیش کر دے تو اس کا حق دلا دے ورنہ اس کے خلاف فیصلہ صادر کر دے شک و شبہ سے بچنے کے لئے یہی صورت ہو سکتی ہے مسلمان مسلمان کے خلاف شاہد ہو سکتا ہے باستثنا اس کے جس پر حد کے کوڑے لگے ہوں یا جھوٹی شہادت کا سزا یافتہ ہو یا اہل خانہ میں سے ہو یا ایسا شاہد ہو کہ اس کی شہادت اسی کے حق میں پلٹتی ہو۔ جیسے والدین کے حق میں اولاد کی شہادت یا اس کے برعکس) دنیا میں مذمت اور آخرت میں وبال گواہی اور قسم کے سبب ہٹا لئے گئے ہیں۔ مقدمات کے تصفیہ میں گھبراہٹ پریشانی یا ملال کو پاس نہ آنے دو۔ حق حقدار کو پہنچانے کا اللہ تعالیٰ اجر جزیل عطا فرمائے گا۔" [1]

---

[1] دار قطنی۔ ص: ۵۲۱

امام خصاف۔ ادب القاضی۔ جلد اول۔ مطبوعہ عراق۔ پیرا نمبر ۶۳-۹۰۔

ابن قتیبہ عیون۔ ۱: ۶۶۔

بیہقی۔ ۱۰: ۱۰۹۔

کنز العمال۔ ۳: ۱۲۴ ازالۃ الخفاء۔ ۲: ۱۱۹

حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط۔ ڈاکٹر خورشید احمد لاہور۔ مارچ ۱۹۶۹ء ص ۲۴۳: ۲۴۴

اسلام میں عہدہ قضا کی اہمیت

اختیارات کی تفویض اور استعمال کے بارے میں اسلام کے اپنے اصول ہیں اور قرآن مجید اور احادیث نبویؐ میں ان کا پورا پورا ذکر فرما دیا گیا ہے تاکہ منصب خلافت ہو یا عدالت اس کو قبول کرنے والا یہ جان لے کہ یہ ذمہ داری پھولوں کی سیج نہیں چنانچہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا :

١- مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ [۱]
جو شخص لوگوں کے درمیان قاضی بنایا گیا وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔

مَنْ وُلِّيَ الْقَضَاءَ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ [۲]
جو شخص قاضی مقرر ہوا وہ بے چھری ذبح کر دیا گیا۔

٣- الامارة امانة وهي يوم القيامة خزي وندامة الا من اخذها من حقها وادى الذي عليها وانى ذالك [۳]
امارت (حکومت) ایک امانت ہے اور وہ قیامت کے دن رسوائی ہے اور شرمندگی، مگر اس شخص کے لیے رسوائی و شرمندگی نہیں جس نے امارت حکومت کا حق ادا کر دیا اور جو ذمہ داری اس پر تھی اس سے سبکدوشی حاصل کی اور یہ ادائے حقوقِ حکومت اور پوری ذمہ داری سے سبکدوشی) ہوتی ہی کہاں ہے ؟

طبرانی اور بزار سند صحیح سے حضرت عوف بن مالکؓ سے بایں الفاظ روایت لائے

اولها ملامة وثانيها ندامة وثالثها عذاب يوم القيامة ... ...
کہ امارت و حکومت کا پہلا حصہ ملامت دوسرا حصہ شرمندگی ہے اور تیسرے قیامت کا عذاب ہے مگر وہ شخص جو عدل

---

[۱] ابوداؤد۔ سنن۔ کتاب القضاء۔ باب فی طلب القضا: کراچی۔ ج ۲ : ص ۸۶

[۲] احمد البیہقی۔ السنن الکبریٰ۔ طبع اول۔ حیدرآباد (دکن) ۱۳۵۵ھ جلد ۱۰۔ ص ۹۶ — ۹۵

[۳] ابو داؤد سنن۔ کتاب القضا۔ باب فی طلب القضاء کراچی۔ ج ۲۔ ص ۸۶

الامن عدل ہے انصاف سے کام لے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ فرمانِ خداوندی اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ سے یہی سنگین امانت حکومت مراد ہے اور اس میں بھی اسی امانت کی اہمیت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔ حقیقت میں اگر انسان کے دل و دماغ میں حکومت کی یہ اہمیت بیٹھ جائے تو انسان حکومت کی ذمہ داری سے ایسا ڈرے جیسا کہ ہر شخص موت سے ڈرتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں قضا ایک گرانبار بوجھ ہے اور اس کے لئے اقدام کرنا ہلاکت کا خطرہ ہے۔ الا ماشاء اللہ خدا ہی بچانا چاہے تو بچ سکتا ہے۔

رسولؐ اکرم نے فرمایا ہے۔

مَنْ طَلَبَ الْقَضَاءَ وَاسْتَعَانَ عَلَيْهِ وُكِلَ اِلَيْهِ وَمَنْ لَمْ يَطْلُبْهُ وَلَمْ يَسْتَعِنْ عَلَيْهِ اَنْزَلَ اللّٰهُ مَلَكًا يُسَدِّدُهٗ۔	جس شخص نے قاضی کا منصب خود چاہا اور اس کو حاصل کرنے کے لئے دوسروں کی مدد چاہی تو یہ منصب تنہا اسے سپرد کر دیا گیا اور جس شخص نے نہ اس کو چاہا نہ اس کے حاصل کرنے میں دوسرے کی مدد کا خواستگار ہوا اس کے لئے خدا ایک فرشتہ کو اتارے گا جو اس کو سیدھا راستہ دکھلائے گا۔[۲]

نیز آپؐ نے فرمایا۔

من ابتغى القضاء وسأل فيه شفعاء وكل الى نفسه ومن اكره عليه انزل الله عليه ملكا يسدده۔	جس نے قضا کی خواہش کی اور طالب ہوا تو اسے اس کے نفس کے سپرد کر دیا جائے گا اور جسے مجبور کیا گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے فرشتہ اتارتا ہے جو اسے سیدھی راہ چلاتا ہے۔[۳]

---

[۱] مسند امام اعظم۔ کتاب الاحکام۔ مطبوعہ کراچی۔ ص ۲۰۶

[۲] ابوداؤد۔ سنن۔ کتاب القضاء۔ باب فی طلب القضاء والتسرع الیہ۔ کراچی۔ ۳۲۰۔ ص ۸۸

[۳] ترمذی، جامع۔ ابواب الاحکام۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں اس میں راز یہ ہے کہ قضا کا طالب اکثر وہی ہوتا ہے جس کے اندر مال وجاہ کی طلب اور دشمنوں سے انتقام لینے اور اس قسم کے دیگر جذبات موجود ہوا کرتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں میں خلوص ونیک نیتی پیدا نہیں ہو سکتی جو اس کے حق میں نزول برکات الٰہی کا سبب اور موجب ہے [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

القضاة ثلثة واحد فی الجنة	قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں جن میں ایک جنت
واثنان فی النار۔ فاما الذی	میں جائے گا اور بقیہ دو جہنم میں وہ قاضی جنت
فی الجنة فرجل عرف الحق	میں جائے گا جس نے حق کو سمجھ کر فیصلہ کیا۔
فقضیٰ بہ ورجل عرف الحق	اور جس قاضی نے حق کو سمجھا لیکن ظالمانہ فیصلہ
فجار فی الحکم فھو فی النار	کیا وہ جہنم میں جائے گا اور جس نے بے سمجھے
ورجل قضیٰ للناس علیٰ جھل	بوجھے فیصلہ کیا وہ بھی جہنم میں جائے گا۔ [2]
فھو فی النار۔	

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں، اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قضاء کا مستحق وہ ہے جو عادل ہو اور ظلم وجور اور جانبداری کے جذبات سے پاک صاف ہو اور یہ باتیں اس کی طرف عام طور پر معروف ومشہور ہوں۔ نیز وہ عالم ہو کہ حق کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہو۔ خصوصاً مسائل قضاء کو وہ اچھی طرح جانتا ہو۔ اور اس کی حکمت بالکل واضح اور روشن ہو کہ ان امور کے بغیر اصل مقصود و مطلب پورا نہیں ہو سکتا اور اصل مصلحت وحکمت مقصودی نہیں ہو سکتی [3]

بات یہ ہے کہ حق وانصاف کا سرچشمہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے جس نے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ جلد دوم۔ صفحہ ۴۴

[2] ابوداؤد و سنن۔ کتاب القضاء۔ باب فی طلب القضاء

[3] حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔

اس سے ہٹ کر اور اس سے جاہل رہ کر فیصلہ دیا تو وہ خود بھی گمراہ ہوا اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا اور ایسے گمراہ کن کی سزا عذاب دوزخ ہی ہے اور جو جان بوجھ کر عالم بدعمل بن کر لوگوں کو گمراہ کرے اور غلط فیصلے دیے تو یہ پہلے سے بڑھ کر بڑا جرم ہے۔ اب رہا تیسرا تو کیا کہنے یہ اللہ کی کتاب کی رُو سے فیصلہ دیتا ہے اور لوگوں میں اللہ کا سچا فرمان جاری کرتا ہے اور یوں زمین میں اللہ کی سچی خلافت کے فرائض انجام دیتا ہے تو ایسا قاضی جنت کا حقدار کیوں نہ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۴- لَا نُوَلِّيْ هٰذَا مَنْ سَأَلَهٗ وَلَا مَنْ حَرَصَ عَلَيْهِ [۱]	ہم اس شخص کو حاکم نہیں بناتے جو اس عہدے کا سوال کرے یا اس پر حریص ہو۔
۵- لن نستعمل اولا نستعمل علیٰ عملنا من ارادہ [۲]	ہم کسی ایسے شخص کو کام پر مقرر نہیں کریں گے جو اس کی خود چاہت کرے۔

یہ سب احادیث شریفہ تحذیر عن طلب القضاء پر دال ہیں۔

قاضی کا اجتہاد

حضور اکرمؐ کا فرمان ہے۔

(۱) اذا حکم الحاکم فاجتھد فاصاب فلہٗ اجران و اذا حکم فاجتھد فاخطأ فلہٗ اجر واحد۔	حاکم جب فیصلہ کرتے وقت اجتہاد کرے اور اپنے اجتہاد میں صحیح نتیجے پر پہنچے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اگر اس نے اجتہاد کیا اور اس سے خطا ہوئی جب بھی اسے ایک اجر ملے گا۔

بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ یہاں "اجتہاد" کے معنی یہ ہیں کہ اس نے استدلال و حجت کی اتباع کرنے میں اپنی پوری طاقت خرچ کر دی اور "اجتہاد" کا حکم اسی لئے فرمایا کہ تکلیف بقدر وسعت و طاقت کے ہوا کرتی ہے اور انسان کی وسعت و طاقت صرف اسی

---

[۱] ابوداؤد

[۲] ابوداؤد۔ سنن۔ کتاب القضاء۔ باب فی طلب القضاء والتسرع۔ کراچی۔ ۳۲۔ ص ۲۸۸

قدرر ہے کہ وہ اجتہاد و سعی سے کام لے۔ حق تک پہنچنا اس کی قدرت سے باہر ہے۔[1]

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے عمرو بن العاص کے پاس مقدمہ کا فیصلہ کروا دیا مگر جس کے خلاف فیصلہ ہوا وہ ناراض ہوگیا اور عمرو بن العاص کے فیصلہ کو تسلیم نہ کیا۔ پھر حضور اکرمؐ کی خدمت اقدس میں آیا اور مقدمہ بیان کیا اور عمرو کا فیصلہ بھی بتلایا۔ آپؐ نے فرمایا اگر قاضی اپنی پوری کوشش سے فیصلہ کرتا ہے اور درست کرتا ہے تو اس کو دس نیکیاں ملتی ہیں اور اگر کوشش کے باوجود اس کا فیصلہ غلط ہوتا ہے تو اس کو ایک نیکی ملتی ہے۔[2]

معقل بن یسار روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے مجھے فیصلہ کرنے کو فرمایا میری معذرت پر آپؐ نے فرمایا فیصلہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ عمداً ظلم نہ کرے۔ اگر صحیح فیصلہ ہوا تو دس نیکیاں ملیں گی اور اگر غلط ہوا تو ایک نیکی ہے۔[3]

پس ثابت ہوا کہ اسلامی نظامِ عدل میں قضا، ایک عبادت ہے بشرطیکہ قاضی خلوص نیت کے ساتھ حق کو پانے کے لئے پوری پوری کوشش کرے۔ نیک نیتی سے کی گئی جدوجہد کے نتیجے میں اگر قاضی نے حق پالیا تو دوہرا اجر اور اگر نیک نیتی سے اجتہادی غلطی بھی ہوگئی تو ایک اجر اس کو مل کر رہے گا۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ مترجم: ج ۲ : ص ۶۶۷

[2] عبدالرحمٰن البنا۔ فتح الربانی۔ مطبوعہ قاہرہ۔ کتاب القضاء۔ جلد ۱۵۔ ص ۲۰۷

[3] احمد بن حنبل۔ مسند۔ بیروت۔ جلد ۵۔ ص ۲۶۔ تحت احادیث معقل بن یسار

تیسرے فقہی سیمنار کی قراردادیں

مرتب

محترم مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی راہنمائی میں جو فقہ اکیڈمی چند سال پہلے قائم ہوئی ہے اس نے جدید فقہی مسائل پر اب تک تین سیمنار منعقد کئے ہیں اس سے پہلے دو سیمنار ہمدرد نگر دلی میں منعقد ہوئے اور تیسرا سیمنار ۸-۹-۱۰-۱۱ رجون کو مدرسہ سبیل الرشاد بنگلور میں منعقد ہوا جس کی کچھ تفصیل جون کے پرچہ میں آچکی ہے وہ تجویزیں اور قراردادیں نقل کی جا رہی ہیں جو شرکائے سیمنار علماء نے پاس کی ہیں۔ (مرتب)

اسلامی بنکاری ضرورت اور راہنما خطوط

دور حاضر کے مالیاتی اور اقتصادی نظام میں بینک ایک کلیدی حیثیت کا حامل ہے، فاضل سرمایہ کو جمع کرکے، مختلف اقتصادی ضروریات کی تکمیل کے لئے اس کے ذریعہ سرمایہ بھی فراہم ہوتا ہے، اور قومی پیداوار میں اضافہ بھی ہوتا ہے مزید برآں بینکنگ ادارے متعدد ایسی خدمات بھی انجام دیتے ہیں۔ جو تجارت، صنعت اور زراعت کے لئے ناگزیر ہیں، ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کی معاشی جدوجہد اور سرمایہ کاری بھی اس امر کی محتاج ہے کہ وہ موجودہ بینکوں کی طرف رجوع کریں۔ مگر یہ پورا نظام بینکنگ سود کی بنیاد پر قائم ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ سودی نظام غیر عادلانہ اساس پر قائم ہے، سود مبنی

عقد، سرمایہ دار کا یہ حق تسلیم کرتا ہے کہ وہ ہر حال میں ایک متعین شرح پر منافع وصول کرے
جب کہ صاحب اعمل ENTERNEUR کا منافع اس کی اقتصادی جدوجہد کی
کامیابی یا ناکامی پر منحصر ہے، اسلام کے نزدیک یہ عقد فاسد ہے کیونکہ یہ ظلم پر مبنی
ہے، اس کے علاوہ سود موجودہ زمانہ میں تفریق دولت اور ترکیز سرمایہ ——
CONCENTRATION OF WELTH کا مؤثر ترین ذریعہ بھی ہے۔
جس کے نتیجہ میں موجودہ معاشرہ میں قرض پر دیئے جانے والے سرمایہ
(LOAN CAPITAL) کو جو تسلط اور قاہرانہ حیثیت حاصل ہوگئی ہے
اس کا شعور تقریباً سارے ہی اصحاب فکر کو کسی نہ کسی درجہ میں حاصل ہوگیا ہے،

سود کے مفاسد کا یہ ایک مجمل بیان ہے، اس کے مضر اور ظالمانہ اثرات کا
حصر یہاں ممکن نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ شریعت انسان کی معاشی جدوجہد کی اہمیت
کی نہ صرف یہ کہ منکر نہیں ہے بلکہ وہ اس جدوجہد کو ابتغاء فضل اللہ قرار دیتی ہے،
یہ شریعت انسانوں کے معاشرہ میں بالعموم اور معاشی جدوجہد کے میدان میں
بالخصوص عدل ورحمت، دیانت اور امانت کی نہ صرف مقتضی ہے بلکہ وہ بھی ایسے احکام،
اصول اور اقدار بھی فراہم کرتی ہے جن پر ایک صحتمند، عادلانہ، اور مشفقانہ نظام معیشت
قائم ہوتا ہے، سود کی حرمت فی الحقیقت اسی مقصد کے پیش نظر کی گئی ہے، اسلامی
نظام معیشت ظالمانہ مقابلہ اور تنافس کے بدلے باہمی اخوت، عدل اور مساوات اور
عام انسانوں کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کی وسیع بنیادوں پر قائم ہے،

ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ اپنی معاشی سرگرمیوں
کو بھی انہیں بنیادوں پر استوار کریں تاکہ ایک طرف وہ اس نظام عدل ومساوات
کے داعی بن سکیں، اور دوسری طرف اپنی معاشی اور معاشرتی زندگی کو بہتر اور
مضبوط بنیادوں پر قائم کرسکیں۔

غیر سودی بنیادوں پر بینکنگ کے نظام کے قیام کے لئے شریعت حقہ نے
جو اصول اور ضوابط عطا فرمائے ہیں وہ موجودہ دور کے مسائل کا بہتر حل پیش کرتے

ہیں بلکہ ہمارا یقین ہے کہ اپنی کارکردگی کے اعتبار سے وہ موجود طریق تنظیم سے افضل ہیں، ان کے اختیار کرنے سے مسلمانوں کی معاشی حالت بھی بہتر ہوگی اور ایسا عادلانہ معاشرہ قائم ہوگا جس کا ہمارا ملک بدرجہ اولیٰ محتاج ہے، یہ سیمنار سمجھتا ہے کہ مضاربت EQUITY PARTICIPATION ، شرکت PARTNERSIP اور مرابحہ MARK UP PRICING جیسے بنیادی اصولوں پر مبنی ایک قابل ستائش اور بہتر نظام بینکنگ قائم کیا جاسکتا ہے؟ ایسا نظام مالیات اور سرمایہ کاری جو ملک کے لئے ایک پیغام بھی ثابت ہو اور قابل عمل نمونہ بھی، البتہ اس سیمنار کو اس بات کا مکمل شعور ہے کہ موجودہ عصر کے متعدد مسائل اور سرمایہ کاری کے متعدد وسائل اور معاملات کے پیش نظر ان اصول کے انطباق کے لئے ہمیں انتھک جدوجہد کرنا ہوگی،

اسلامی نظام بینکنگ کا خاکہ مرتب کرتے وقت مندرجہ ذیل اصولی ہدایات کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔

(۱) اسلام سودی نظام تعاقد کی ہر شکل کو حرام قرار دیتا ہے۔

(۲) اسلام مالیاتی اور اقتصادی عقد میں جانبین کے لئے عدل کو ضروری شرط قرار دیتا ہے جس کا مقتضا یہ ہے کہ صاحب المال اور صاحب العمل دونوں کے ساتھ عدل ہو، صاحب المال منافع میں شریک ہو اور سرمایہ کے نقصان کا مکمل ذمہ دار قرار دیا جائے، جبکہ صاحب العمل (مستقرض) نفع میں شریک ہو اور بصورت نقصان وہ اپنی محنت کے اجر سے محروم نہ ہو۔

(۳) زر کو وسیلہ سمجھا جائے نہ کہ مطلوب بالذات جس طرح بضائع ضروریہ اور عیش وراحت کے سامان ہوتے ہیں۔

(۴) سرمایہ کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھا جائے اور اس کے ذریعہ انسانوں کی حقیقی ضروریات اور ان کی مالی اور اقتصادی استعداد میں اضافہ کا ذریعہ بنایا جائے، برعکس موجودہ طریق تصرف کے کہ جہاں سرمایہ کو صاحب المال اور بینک اپنی ازدیاد دولت کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔

۵۔ سرمایہ کی تقسیم اس طرح کی جائے کہ کمزور اور پسماندہ طبقات کی معاشی حالت میں بہتری ہو، اور نا منصفانہ تقسیم اور تفریق دولت میں کمی واقع ہو؛ اس اصول کے پیش نظر اسلامی بینکوں کو سرمایہ کی تقسیم اور فراہمی کرتے وقت ضروریات تحسینات اور کمالیات میں اول الذکر کو ترجیح دینا ہوگا، اور شرح منافع کے ساتھ اس امر کا بھی احاطہ کرنا ہوگا کہ ملت کے کمزور اور ضعیف صاحبان استعداد کی ہمت افزائی کی جائے۔

۶۔ ان تمام وسائل تمویل سے احتراز کرنا ہوگا، اگرچہ عصر حاضر میں مروج ہیں لیکن خیانت، دھوکہ اور کتمان حقیقت کے شاہکار ہیں۔

۷۔ ان اصولی ہدایات اور اسلام نظام معیشت و معاشرت کے عمومی مقاصد اس کی اخلاقی روح، دیانت وصداقت کی دینی اقدار کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا، تاکہ یہ کوشش محض ایک میکانکی مشق نہ بن جائے بلکہ حقیقی معنوں میں جاری نظام منافعت، لوٹ کھسوٹ، نفسانیت کی جگہ پر نظام رحمت اور باہمی خیر سگالی، اور تعاون کا آئینہ دار ہو۔

اسی مقصد کے پیش نظر سیمینار نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ماہرین اور علماء پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جائے جو شریعت کے مذکورہ اصول اور اس کی عمومی ہدایات ملحوظ رکھتے ہوئے ہندوستان کے حالات اور مسلمانوں کے مسائل کے پیش نظر ایسا نظام مالیات تجویز کرے جو مسلمانوں کی امنگوں اور ان کی پسندیدہ اقدار کا آئینہ دار بھی ہو اور ان کے حقیقی معاشی مسائل کا حل بھی ہو۔

قرارداد ۲ بابت مرابحہ

یہ سیمینار منعقدہ ۸ رتا ۱۱ رجون ۱۹۹۰ء ۱۳ رتا ۱۶ ر ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ مرابحہ سے متعلق غور وخوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے۔

۱۔ مرابحہ کا فقہاء کے نزدیک ایک متعین مفہوم ہے،

۲۔ اسلامی بینکوں میں مرابحہ جن شکلوں میں رائج ہے وہی شکلیں اس سیمنار میں زیر بحث ہیں۔

۳۔ مشہور فقہی قاعدہ ہے کہ عقود و معاملات میں مقاصد کا اعتبار ہوتا ہے محض الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا لہٰذا مرابحہ کے نام پر جو معاملات مروج ہیں ان کی حقیقت کا اعتبار ہے محض ان کے ناموں کا اعتبار نہیں ہے۔

۴۔ اسلامی بینکوں میں استعمال ہونے والی مرابحہ کی شکلیں مرابحہ کی معروف شرطوں کے ساتھ اسی صورت میں جائز ہوگی جب کہ:

(الف) بینک کی طرف سے جاری کردہ مخصوص فارم (QUOTATION) میں بینک کے ذریعہ فروخت کی جانے والی اشیاء کی نوعیت، ان کی کیفیت QUALITY اور دوسری ضروری صفات واضح طور پر ذکر کی گئی ہوں تاکہ جہالت اور ابہام کی وجہ سے معاملہ کے ہر دو فریق کے درمیان کسی نزاع کا امکان باقی نہیں ہے۔ نیز اس قیمت خرید یا لاگت پر بینک کو ملنے والے نفع (قیمت) اس کی ادائیگی کی مدت اور اقساط کی صراحت کر دی گئی ہو۔

(ب) یہ درست نہیں ہوگا کہ معاملہ کرتے وقت یہ کہا جائے گا کہ اگر نقد خریدا جائے تو یہ قیمت ہوگی اور ادھار خریدا جائے تو دوسری قیمت، یا ادھار کی مدت کے کم یا زیادہ ہونے پر قیمت کی کمی اور زیادتی کا ذکر معاملہ کرتے وقت کیا جائے،

بلکہ بینک خریدار کو مطلوبہ سامان کا نمونہ دکھا کر وضاحت کرے کہ اس کی قیمت اتنی مدت میں اتنی قسطوں میں ادا کرنی ہوگی اور بینک کو اس کی لاگت پر اتنا منافع دینا ہوگا۔ (اور یہی بینک سے خریدار کی قیمت ہوگی)۔

قرارداد ۳ غیر سودی امدادی سوسائٹیاں

تیسرے فقہی سیمنار میں غیر سودی امدادی اداروں اور ان سے متعلق مسائل پر غور کیا گیا، یہ سمینار غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا کہ:

(۱) ہندوستانی مسلمانوں کے اقتصادی اور معاشی حالات کے پیش نظر ایسے امدادی مالیاتی اداروں کا قیام ضروری اور مفید ہے جو عامۃ المسلمین سے بلا سود قرض حاصل۔

کریں اور ضرورت مند مسلمانوں کو سود کی ادنیٰ آمیزش کے بغیر قرض فراہم کرسکیں۔
ایسے ادارے دراصل رفاہی اور فلاحی ادارے ہوتے ہیں جن کی بنیاد صلہ رحمی، احسان اور تعاون پر ہوتی ہے۔

(۲) قرض خواہوں سے قرض میں دی گئی رقم سے زائد وصول کرنا ہے اس کا کوئی سا بھی طریقہ اختیار کرلیا جائے ہرگز جائز نہیں اور قرض سے زائد حاصل کی گئی رقم شرعاً سود ہے، لہٰذا ذاتی یا ادارے کے مفاد یا دیگر رفاہی اسکیموں پر خرچ کرنے کے لئے بھی قرض سے زائد کوئی رقم وصول کرنا جائز نہیں، نیز ان اداروں میں جمع شدہ رقوم کو فکسڈ ڈپازٹ میں رکھنا اور ان پر سود حاصل کرنا بھی حرام ہے۔

رہا یہ سوال کہ ایسے اداروں کو انتظامی مصارف کس طرح پورے کئے جائیں تو یہ "فقہی سمینار" اس کے لئے مندرجہ ذیل طریقوں کو درست قرار دیتا ہے،

(الف) ایسے امدادی مالیاتی اداروں کو کچھ اصحاب خیر ایک ملی ضرورت سمجھ کر محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اپنے خرچوں سے چلائیں یعنی انتظامی اخراجات کا بار یہ اصحاب خیر برداشت کریں، اگر یہ ادارے مسلمانوں میں اپنا یہ اعتماد حاصل کریں کہ یہ خالص شرعی حدود میں عام مسلمانوں کی مالی امداد کے لئے اور اُن کو سودی لین دین سے بچانے کے لئے کام کررہے ہیں اور علمائے کرام کی رہنمائی بھی ان کو حاصل رہے تو قوی امید ہے کہ اہل ثروت مسلمان ایسے اداروں کے انتظامی مصارف بلکہ ترقیاتی مصارف کے لئے بھی آگے بڑھیں گے۔

(ب) سمینار کی رائے میں ایسے تمام امدادی مالی اداروں کو ہر طور پر یہ کوشش کرنی چاہئے کہ سرمایہ کا کچھ حصہ پیداواری ذرائع میں لگا کر جائز آمدنی حاصل کیا جائے اور کم از کم اتنی آمدنی ضرور حاصل کرلی جائے جس سے سوسائٹی کے انتظامی اخراجات پورے کئے جاسکیں۔

(ج) سمینار کے شرکار میں سے متعدد علماء کی رائے یہ ہے کہ اجرۃ الخدمۃ (SERVICE CHARGE) یا انتظامی اخراجات (OPERATIONAL EXPENSES;).

اگرچہ وہ ضروری اور واقعی اخراجات تک محدود ہوں، قرض خواہوں سے نہیں لئے جا سکتے، بعض علماء کی رائے میں اگرچہ یہ اصلاً جائز ہو لیکن سود کا دروازہ کھل جانے کا خطرہ ہے، اس لئے اسے قطعی طور پر ممنوع قرار دیا جانا چاہیئے۔

دیگر علماء شرکاء سیمینار کی رائے میں اس طرح کے اداروں کا قیام مفید اور ضروری ہے، اور اگر اصحاب خیر کی طرف سے تعاون، یا پیداواری ذرائع میں سرمایہ لگاکر بقدر ضرورت جائز آمدنی حاصل کرکے بھی ادارہ چلانا ممکن نہیں ہو تو ادارے کے ضروری اور حقیقی انتظامی اخراجات قرض خواہوں سے وصول کئے جاسکتے ہیں، کہ اس ادائیگی کا کوئی نفع نہ سرمایہ جمع کرنے والوں کو پہونچتا ہے اور نہ ادارہ کے لئے ذریعہ آمدنی ہے۔

ان علماء کی رائے میں ان واقعی اور ضروری اخراجات کے تعین میں اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اصلاً قرض کی جو روح شریعت کے پیش نظر ہے، اس کے ساتھ قرض خواہوں سے ان اخراجات کا وصول کرنا میل نہیں کھاتا، لیکن ان اخراجات کے وصول کرنے کی اجازت ناگزیر حالات کی وجہ سے دی جارہی ہے، لہذا ان اخراجات کے تعین میں حد درجہ احتیاط برتی جائے۔

ضروری اور واقعی اخراجات محتاط انداز کے ساتھ متعین کئے جاسکتے ہیں، لیکن اگر حسابی مدت کے پورا ہونے کے بعد یہ معلوم ہو کہ انتظامی اخراجات کی مد میں وصول کی گئی تخمینی رقم حقیقی اخراجات سے زائد ہے تو یہ زائد رقم قرض خواہوں کو ان سے وصول کئے گئے خرچ کے تناسب سے واپس کردینا شرعاً واجب ہوگا۔

قرارداد ۴: بیع حقوق

یہ سیمینار منعقدہ ۸، ۹، ۱۰، ۱۱ر جون ۱۹۹۰ء حقوق کی خرید و فروخت کے مسئلہ پر کافی غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا کہ:

(۱) بیع میں مال کی شرط ضروری ہے۔

(۲) مال کی حقیقت نصوص شرعیہ نے متعین نہیں کی ہے پس اس کا اصل مدار

ہر عہد کے اس عرف و رواج پر ہے جو شریعت سے متصادم نہ ہو۔

(۳) وہ تمام حقوق جن کی مشروعیت اصالۃً نہیں بلکہ صاحب حق سے کسی ضرر کو دور کرنے کے لئے ہوئی ہے ایسے حقوق پر عوض لینا جائز نہیں ہے جیسے حق شفعہ۔

(۴) جو حقوق نصوص شرعیہ سے ثابت ہوں البتہ ان سے مالی منفعت متعلق ہوگئی ہو اور عرف میں ان کا عوض لینا مروج اور معروف ہوچکا ہو، نیز ان کی حیثیت محض دفع ضرر کی نہ ہو اور وہ شریعت کے عمومی مقاصد و مصالح سے متصادم نہ ہوں ایسے حقوق پر عوض حاصل کرنا جائز اور درست ہے۔

(۵) کون سے حقوق کس نوع میں داخل ہیں اور اس تفصیل کے مطابق عصر حاضر میں مروج کون سے حقوق قابل عوض ہیں اور کون قابل عوض نہیں ہیں اس کی تعیین و تطبیق کے لئے مستند دار الافتاء اور اصحاب فتاویٰ کی طرف رجوع کیا جائے۔

قرارداد ۵

یہ سیمنار عربی مدارس کے ذمہ داروں سے درخواست کرتا ہے کہ:

(۱) طلبہ کو جدید حالات پر احکام شرعیہ کے انطباق کا اہل بنانے کے لئے فقہی سیمنار میں آنے والے مسائل اور دوسرے جدید مسائل پر طلبہ کا بین المدارس مذاکرہ منعقد کرائیں اور اگر مدارس خواہش کریں تو اسلامک فقہ اکیڈمی ایسے مذاکروں میں تعاون کے لئے ممتاز علماء میں سے کسی صاحب سے ایسے مواقع پر شرکت کے لئے درخواست کرسکتی ہے۔

(۲) دینی مدارس کے طلبہ کے لئے سیمنار یہ بھی مناسب سمجھتا ہے کہ معاشیات اور مختلف عصری علوم کے ماہرین کے محاضرات کا نظم کیا جائے تاکہ طلبہ ان علوم کی مبادیات اور اس کی بنیادی فکر کو سمجھ سکیں اور احکام شرعیہ کو ان سے مربوط کرسکیں اور "اسلامک فقہ اکیڈمی" اس سلسلہ میں مکمل تعاون کے لئے تیار ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۲ پر)

الرشاد کی ڈاک

قابل صد احترام حضرت اقدس مولانا مجیب اللہ صاحب دامت برکاتہم

سلام مسنون!

کئی سال سے الرشاد نظر نواز ہوتا ہے۔ لکھنے والوں اور بولنے والوں کی ملک میں کمی نہیں ہے۔ بے شمار ہی نہیں بلکہ بے حساب اور انگنت ہو گئے۔ لیکن دل سے آپ کے لئے دعا نکلتی ہے کہ اب بھی محمد علی جوہر جیسا طرز نگارش، مولانا آزاد جیسی ادبیت اور نحو دللہی کو جس انداز سے آپ پیش کرتے ہیں وہ خداداد ہے۔ جس میں حالات کا صحیح صحیح تجزیہ، حکمت و جرات اور قوم کو بالکل بروقت مناسب مشورہ دیکر جہاں آپ صحافت میں دیانت کا ثبوت دیتے ہیں وقت کے تقاضوں کی تکمیل بھی فرماتے ہیں، دل کی آواز ہے جو اللہ جل شانہٗ آپ کے قلم سے لکھوا دیتا ہے۔ دینی حمیت ملی غیرت کے تقاضوں کی تکمیل اس میں ہوتی ہے اور نہی عن المنکر کا اس سے بہتر انداز نہیں ہو سکتا۔ آپ جو بھی لکھتے ہیں، جیسے بھی لکھتے ہیں بالکل الہامی جیسے مضامین ہوتے ہیں جو ملت کی دلوں کے ترجمان ہوتے ہیں۔ فجزاکم اللہ خیر الجزاء و احسن الخیر۔ آپ کا اداریہ بابت ماہ جون ۱۹۹۰ء دیکھا اس کو دیکھ کر خیال پیدا ہوا کہ چند سطریں خدمت میں پیش کروں بالکل آپ کسی سے متاثر نہ ہوں آپ جیسے مرد مجاہد کو مجھ جیسے ناتواں کے لکھنے سے کیا طاقت ملے گی لیکن میری بھی غیرت کا تقاضہ ہے جس کی تکمیل کی ہے۔ دل سے آپ کے لئے دعا ہی دعا ہے اللہ جل جلالہٗ آپ کی حفاظت فرمائے اور آپ کے بروقت باشعور مشوروں پر عمل کی توفیق بخشے آمین۔ دعاؤں کا طلبگار رہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

خادم حدیث نبوی

(مولانا) محمد واصف عثمانی (مدظلہٗ) ۱۱ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ

مفتی دارالعلوم دیوبند

محترمی! سلام مسنون

کویت، تیونیشیا، اردن، شام، عراق اور الجیریا کے مختلف الکشنوں میں اسلام پسند پارٹیوں کا فتحیاب و کامیاب ہو جانا مغربی دنیا کے نصرانی و یہودی حلقوں کے لئے بہت الجھنوں اور پریشانیوں کا باعث بن گیا ہے، خود ہمارے ملک ہندستان میں قومی پریس میں ایسے مضامین، اداریوں اور تبصروں کا ریلا آیا ہے جو مغربی ذہن رکھنے والوں کی تشویش کا آئینہ دار ہے۔

ساری دنیا کے ممالک میں اگر مغربی طرز کی جمہوریت اقتدار پذیر ہے تو مغربی دنیا کے خود ساختہ لیڈر، ہٹ دھرم اور بدتو حکمراں پھولے نہ سمائیں گے انھیں تنگ نظری کی بات ہر جگہ نظر آنے لگتی ہے جب ان کے بولے ہوئے اِملے اور رٹائے ہوئے اسباق سے انحراف کر کے صحیح سمت میں اور صدق و صفا کی منزل کی طرف چل پڑا جائے اسلام کے ماننے والے اگر اسلام کی حکمرانی چاہتے ہیں تو اِس میں برائی کی کیا بات ہے؟

ذہین و زیرک نفوس واقف ہیں کہ یورپ کے بہت سے ممالک میں کرسچین ڈیموکریٹس اور اِسی قبیل کی پارٹیاں ہیں جو مغربی دنیا میں مذہبی سیاست میں یقین رکھنے کے ساتھ یہودیوں کے ساتھ ناروا سلوک کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔

خالص اسلام کے نام میں شروع کی ہوئی کوئی بھی تحریک، کوئی انقلاب اور جزئی یا کلّی تبدیلی کبھی بھی کسی دوسری قوم یا گروہ کے خلاف آواز بلند کر کے تاریخ کے کسی دور میں برسراقتدار ہونے کے لئے برپا نہیں ہوئی، اسلام کی مخالفت کرنے والے اِس امر سے خوب واقف ہیں۔ والسلام

ابو عادل محسن الجرار (انگریزی)
جنتا انٹر کالج، نان پارہ
(بہرائچ)

مخدوم گرامی جناب مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی ہر طرح سے بعافیت ہو۔ گذشتہ نومبر میں آپ کے ہنگامی
دورے کے موقع پر قصبہ سرائے میر میں اتفاقیہ ملاقات سے دیرینہ خواہش کی تکمیل ہوئی
تھی۔ جامعۃ الرشاد میں عرصے سے حاضری نہ ہو سکی تھی۔ اس ملاقات سے اس کی
کسی قدر تلافی ہوگئی۔ اسی موقع پر جناب والا نے میرے رسالہ "مشترک خاندانی
نظام اور اسلام" کو دوبارہ بغرض تبصرہ ارسال کرانے کا حکم دیا تھا۔ یہ رسالہ خدمت میں ارسال
کر دیا گیا ہے۔ امید کہ "الرشاد" کے کسی قریبی شمارے میں اس پر آں جناب کے گراں
قدر تبصرے سے مجھے مستفید ہونے کا موقع ملے گا۔ 'الرشاد' کا تازہ شمارہ جنوری ۱۹۸۵ء
پیش نظر ہے۔ اسی میں برادر مکرم مولوی محمد رضی الاسلام ندوی صاحب کا "مناسک حج کی
تاریخ" پر سنجیدہ جائزہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔ افسوس ہوا کہ حیات نو بلریا گنج میں ان کا
جائزہ شائع نہ ہو سکا۔ ہر بڑے آدمی کی طرح حضرت فراہیؒ کے بھی کچھ تفردات ہیں ان
تفردات پر جان نہ دے کر ان کی فکر کے مثبت پہلوؤں سے استفادہ اصل قابل توجہ چیز ہے۔ مولانا
فراہیؒ کے مسودات کے امناد وارثین نصف صدی سے زائد کا عرصہ گزر جانے کے باوجود ان کی
غیر مطبوعہ چیزوں ہی کو منظر عام پر نہ لا سکے تو ان کے افکار کے تجزیہ و تحلیل، ان پر نقد و نظر اور ان
کے کام کو آگے بڑھانا تو بہت آگے کی بات ہے۔ مولانا فراہی کے قرآنی افکار کے سلسلے میں
ان کے جانشینوں کی طرف سے اب تک جو کچھ ہو سکا ہے وہ علامہ کے عربی خیالات
کا اردو ترجمہ یا ترجمانی ہے۔ جو بڑی حد تک ناقص بھی ہے۔ اس فکر کی تشریح و تفصیل ہی کا کام
ابھی بہت کچھ تشنہ ہے، اس کے تجزیہ و تحلیل اور اس پر نقد و نظر کے ذریعہ اس سے آگے
بڑھانے کے کام کو اصلاحی ذہن نے ابھی ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔ بلکہ ابھی شاید یہ اس کے لئے
قابل غور بھی نہیں بن سکا ہے۔ اسی پس منظر میں جناب مولوی رضی الاسلام ندوی کی کاوش
قابل لائق ستائش ہے کہ انھوں نے اس جمود کو توڑنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی اس کوشش
کی مثبت جواب (response) دینے کی ضرورت ہے۔ مولانا فراہیؒ کی بعض

رائیں مرجوح بھی ہوسکتی ہیں ورنہ کم از کم دوسروں کے لئے اس حق کے استعمال کرنے میں تنگی نہ ہونی چاہئے۔

الرشاد کے اسی شمارے میں مولانا محمد جعفر علی رحمانی کے فقہی مضمون 'کیا مالی جرمانہ جائز ہے؟' شوق سے پڑھا۔ البتہ ص ۲۹ پر (۲) اضعف صلی اللہ علیہ وسلم الغرم للضالتہ (اصل میں غالباً سہو کتابت سے الضانۃ 'ل' کے بغیر چھپ گیا ہے) کے ترجمہ: گمراہ کن تحریر لکھنے والوں پر حضور نے دوچند جرمانہ عائد فرمایا" کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔

عہد نبوی میں اگر تحریر کا عام رواج تھا بھی تو یہ گمراہ کن تحریریں لکھنے والے کون لوگ تھے۔ تاریخ کے اس نئے نکتے پر ترجمہ سے پہلے مضمون نگار کو ضرور غور کرنا تھا۔ اس غلطی کا منشا مضمون نگار کی سہل انگاری اور ناقص مواد پر اکتفاء ہے۔ اسی مضمون میں ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی کتاب، فقہ الزکوٰۃ کے حوالہ سے علامہ ابن قیمؒ 'الطرق الحکمیۃ' کا حوالہ ہے۔ 'الطرق الحکمیۃ' کوئی مخطوطہ نہیں مطبوعہ موجود ہے۔ اسی سے آسانی کے ساتھ مراجعت کی جاسکتی تھی۔ اس طرح اس بحث میں علامہ ابن قیم کی اس کے طرح کے مباحث کی انسائیکلوپیڈیا 'اعلام الموقعین' سے مراجعت ضروری تھی۔ ان دونوں کتابوں کا مواد مصنف کے پیش نظر ہوتا تو عقل عام کے خلاف مذکورہ ترجمہ کی فاحش غلطی وہ نہ کرتے۔ عہد نبوی کے مالی جرمانہ کے پندرہ واقعات جن کے ابن قیمؒ کی 'الطرق الحکمیۃ' کے حوالہ کے لئے مضمون نگار نے جناب یوسف القرضاوی کی فقہ الزکوٰۃ کا حوالہ دیا ہے۔

'الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ' مطبوعہ مطبعۃ الآداب، مصر ۱۳۱۷ھ میں ان واقعات 'قضایا' کی تفصیل کتاب کے ص ۲۴۵، ۲۴۶ پر ہے۔ ص ۲۴۶ پر زیر نظر نظیر اور اس کے مماثل دوسری نظیر کے الفاظ ہیں:

ومثل اضعاف الغرم على السارق ما لا قطع فيه من الثمر والكثر ومثل اضعافه الغرم على كاتم الضالة الخ۔ اسی طرح 'اعلام الموقعین جلد ۲ ص ۱۱۷ المکتبۃ الکلیات الازہریہ، مصر ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء پر اسی بحث میں متعلقہ حصے کی عبارت ہے:

• ومنها اضعاف الغرم على سارق الثمار المعلقة، ومن اضعافه على كاتم الضالة •

الملتقطة ۔ الخ ان نظائر میں جن دو صورتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوہرا جرمانہ عائد کیا ہے اس میں ایک پھلوں اور سبزیوں کی چوری ہے جن کے لئے شریعت میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے۔ زیر نظر مضمون میں فتاویٰ ابن تیمیہ کے حوالہ سے، ص ۷۲ پر اس کا حوالہ بھی ہے۔ دوہرا مالی جرمانے کی دوسری صورت لقطہ میں پائے ہوئے بھٹکے ہوئے جانور کے چھپانے کی ہے جسمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں اور سبزیوں کی چوری کی طرح اس سزا کا مستوجب قرار دیا۔ پتہ نہیں کس مناسبت سے مضمون نگار نے "الضالۃ" کھوئے ہوئے جانور گمراہ کن تحریریں لکھنے والے بنا دیا۔ پھلوں کی چوری کے ساتھ جانور چھپانے کا یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا۔ مضمون نگار کو دوسرے مراجع سے اس کی تفصیل کرنی چاہیئے تھی۔ مضمون میں اصول تصنیف کی رعایت بھی کم ہیں۔ طویل عربی عبارتوں کو توڑ کر قارئین کے لئے اسے خوش گوار بنانا چاہیئے۔ دوسرے ثانوی مراجع سے ضمناً اور تبعاً فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ مرجع اصلاً امہات کتب کو بنانا چاہئے۔ آخر کی پوری بحث میں مضمون نگار نے تمام ثانوی ماخذ پر انحصار کر لیا ہے جس کے نتیجے ایک میں ترجمہ کی وہ غلطی ہوئی ہے جس کی تلافی کسی مصنف اور مضمون نگار کے لئے بڑی مشکل ہوتی ہے۔

آج کی علوم کی پھیلی ہوئی دنیا میں مولوی کی تمام تر قدر و قیمت کا انحصار اس کی عربی دانی اور دینی مراجع پر نظر اور ان سے براہ راست استفادہ کی صلاحیت ہے۔ عربی عبارت کے ترجمہ کی غلطی اس پوری بساط کو لپیٹ دیتی ہے۔ اس تحریر کا منشا جذبہ خیر خواہی ہے امید ہے اسے اسی حیثیت سے دیکھا جائے گا۔

اختصار کی کوشش کے باوجود مکتوب طویل ہو گیا۔ امید کہ "الرشاد" کے ڈاک کے کالم میں شائع ہو کر اس کا افادہ عام ہو سکے گا۔ اپنی گوناگوں اور متنوع مصروفیات میں "الرشاد" کا آپ کا جاری رکھنا ایک کارنامہ ہے خدا تعالیٰ اس کوشش کو شرف قبول سے نوازے، اور کامیابی سے ہم کنار کریں۔

والسلام

نیازمند خادم

(جناب) سلطان احمد اصلاحی (صاحب)

علی گڈھ

وفیات

(دو ممتاز علماء مولانا ضمیر احمد صاحب جلال پوری اور مولانا احمد صاحب جونپوری کی وفات)

ان دونوں ممتاز علماء کا انتقال کئی ماہ پہلے ہوگیا تھا مگر افسوس ہے کہ اس کی اطلاع مجھے بہت بعد میں ملی پھر میں تقریباً ایک ماہ مدرسے سے باہر رہا جس کی وجہ سے ان دونوں بزرگوں کے بارے میں اپنے تاثرات نہ لکھ سکا ہم ان کے متعلقین اور متوسلین سے معذرت خواہ ہیں۔

مولانا ضمیر احمد صاحب ایک ممتاز عالم بہترین خطیب اور جمعیۃ العلماء کے مخلصین میں تھے مولانا رہنے والے تو اعظم گڈھ کے تھے مگر جلال پور میں اپنی پوری زندگی گذار دی اس لئے لوگ ان کو جلال پوری سمجھتے رہے۔ جلال پور کے ماحول میں ایک مدرسہ کا قائم کرنا اور پھر اُسے کامیابی سے چلانا آسان کام نہیں تھا۔ مگر نہ جانے کتنے نشیب و فراز کے باوجود انہوں نے اس میں کامیابی حاصل کی اور علماء کی ایک کھیپ پیدا کردی، مولانا سے میرے تعلقات کی ابتدا ۱۹۴۵ء میں یوسف پور محمد آباد کے ایک جلسہ سے ہوئی میرے بڑے سالے مولانا عزیز صاحب —— ان کے ہم سبق رہ چکے تھے اس تعلق سے —— مولانا کو وہ یوسف پور محمد آباد کے سالانہ جلسہ میں ضرور بلایا کرتے تھے پھر اس کے بعد کئی بار مختلف مواقع پر ان سے ملاقات ہوتی رہی مولانا کی تقریر اتنی دلچسپ اور پُر اثر ہوتی تھی کہ عوام ہی نہیں بلکہ خواص بھی اس سے محظوظ ہوئے بغیر نہ رہتے تھے اتفاق سے ۱۹۶۸ء میں ملیشیا کے سفر میں ان کی تقریریں بار بار سننے کا اتفاق ہوا مولانا سے بعض معاملات میں فکری اختلاف رہا لیکن بحمد اللہ غائبانہ دونوں طرف سے حسن ظن قائم رہا۔ وہ الرشاد بڑے شوق سے پڑھتے تھے اگر کبھی پرچہ نہیں پہونچا تو تقاضہ کرکے منگا لیتے تھے مدرسہ پر ان کا کئی بار آنا ہوا اور ہمیشہ ہمت افزائی کی اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کے بدلے انہیں جنت الفردوس میں جگہ عنایت کرے آمین۔!

مولانا احمد صاحب مرحوم

شاہ گنج مدرسہ بدر الاسلام کا شمار ہندوستان کے متوسط درجہ کے مدارس میں ہوتا ہے۔ اس کے بانی تو

اصلاً مولانا ابوالعرفان ندوی مرحوم کے والد مولانا دین محمد صاحب مرحوم تھے جنہیں انہوں نے اپنے بھتیجے مولانا جمیل احمد صاحب مرحوم کو ذمہ دار بنایا جو اسی کے ہو رہے انہوں نے اپنے زمانہ میں ہی اسے کافی ترقی دے دی تھی ان کے انتقال کے بعد اسی انداز سے انکے چھوٹے بھائی مولانا احمد صاحب نے بھی مدرسہ کو چلایا۔ ذاتی طور پر بھی علم و تقویٰ کے حامل اور مرنجان مرنج تھے۔

مدرسہ بدر الاسلام کی دو خصوصیتیں ایسی ہیں جو شاید ہندوستان کے کم ہی مدرسے جس میں اس کے شریک ہوں ایک تو یہ کہ ۶۰، ۷۰ برس کے اندر ہندستان کی شاید ہی کوئی بڑی سے بڑی شخصیت ایسی ہوگی جس کی مہمان نوازی کا شرف اس مدرسہ کو حاصل نہ ہوا ہو کچھ حضرات تو قصد و ارادہ سے یا مدرسہ کی دعوت پر یہاں مہمان ہوئے اور بڑی تعداد نے ٹرین کے انتظار میں وقت گزارنے کے لئے مہمان نوازی کا موقع دیا۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ عام مدرسوں کی طرح نہ تو یہاں روداد شائع ہوتی ہے اور نہ سالانہ حساب و کتاب پیش کیا جاتا ہے۔ اور نہ یہاں پیشہ ور سفیر مقرر ہیں بلکہ استغنا و توکل ہمیشہ اس مدرسہ کا امتیاز رہا ہے۔ اور اسی اخلاقی و روحانی اسلحہ سے مادی وسائل کے بڑے بڑے قلعوں کو یہاں کے ذمہ دار سر کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مدرسہ کو دوام عطا فرمائے اور مولانا کو جنت النعیم میں جگہ عنایت کرے۔ آمین

بقیہ :- نئی کتابیں

میں اور زیادہ مدلل طور پر لکھ دیا ہے۔

المنتخبات

مکتوبات امام ربانی کا عربی ترجمہ ناشر وقف الاخلاص استنبول، ترکی۔ یہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے روح افزا فارسی مکتوبات کا عربی ترجمہ ہے جسے شیخ محمد مراد المنذاوی نے عربی میں منتقل کیا ہے۔ اس ادارہ نے اس کے علاوہ بھی اور کئی مفید کتابیں شائع کی ہیں۔ مکتوبات کی اہمیت اور افادیت اہل علم پورے طور پر واقف ہیں۔

نئی کتابیں

مشترکہ خاندانی نظام از:- مولانا سلطان احمد اصلاحی

صفحات ۵۶، کتابت و طباعت عمدہ، ناشر: ادارہ تحقیق و تالیف اسلامی علی گڑھ قیمت ۶ روپے

عام طور پر ہندستانی مسلمانوں میں مشترکہ خاندانی نظام کا رواج ہے اور اسے بڑی حد تک اسلامی خاندانی نظام سمجھ لیا گیا ہے مگر حقیقت میں یہ ہندستانی تہذیب کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے اسلام نے پردہ اور حیا و شرم کا جو معیار قائم کیا ہے اگر اسی کو سامنے رکھا جائے تو موجودہ مشترکہ خاندانی نظام کی گنجائش نہیں نکلتی مشترکہ خاندانی نظام میں جو فائدے نظر آتے ہیں وہ بذات خود بہت سی خرابیوں کا پیش خیمہ بن جاتے ہیں جیسا کہ مصنف نے لکھا ہے کہ اس میں بہت سے اسلامی حدود کا قائم رکھنا مشکل ہے۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی جو بحمد اللہ اچھے اہل قلم اور اسلامی مسائل پر محققانہ انداز پر لکھنے کے عادی ہیں انہوں نے اس رسالہ میں اس موضوع کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی ہے اور کتاب و سنت کی روشنی میں موجودہ مشترکہ خاندانی نظام کی مضرتوں کو بیان کر کے اسلام کے دیئے ہوئے مشترکہ خاندانی نظام پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے یہ رسالہ اس قابل ہے کہ اسے ہر مسلمان گھر تک پہونچایا جائے گو موجودہ مشترکہ نظام کو بدلنا آسان کام نہیں ہے مگر بتدریج اس میں تبدیلی کی نہ صرف معاشرتی نقطہ نظر سے ضرورت ہے بلکہ یہ ایک اہم دینی ضرورت بھی ہے۔

اس سے پہلے مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف اپنی کتابوں میں متعدد جگہ توجہ دلائی ہے جیسے مولانا سلطان احمد صاحب نے علمی انداز میں۔

(بقیہ، صفحہ ۵۳ پر)

سالانہ چندہ
ہندوستان سے ۴۰/-
خصوصی معاون ۱۰۰/-
قیمت
فی پرچہ ۴/-

جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کا ترجمان
ماہنامہ
جامعۃ
الرشاد

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے :
۱۵ ڈالر امریکی
15/$

جلد ۱۸ | اگست ۱۹۹۰ء بمطابق : محرم الحرام ۱۴۱۱ھ | شمارہ ۲۶

فہرست مضامین



مجیب اللہ ندوی (مرتب)

• ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی مقیم ابوظبی • رضی الاسلام ندوی ایم۔اے علیگ

منیجر توسیع اشاعت	کتابت :-
مولوی عقیل احمد صاحب ٹانڈوی	خورشید احمد

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے شائع کیا

رشحات

۱۹۸۴ء میں پنجاب میں سکھوں کے گولڈن ٹیمپل سے دہشت گردوں کے نکالنے کے لئے آپریشن بلو اسٹار کے نام سے اندرا گاندھی نے جو فوجی دھاوا بولا تھا اور جس میں سیکڑوں سکھ قتل ہوئے اور اس کی عمارت کے ایک بڑے حصے کو تہس نہس کر ڈالا گیا تھا اس سے سکھوں کے جذبات سرد ہونے کے بجائے اور مشتعل ہو گئے۔ اور انہوں نے شاید بڑی حد تک اپنے بھائیوں کے خون کا بدلہ چکالیا اگرچہ اس میں بہت سے مظلوموں اور بے قصوروں کا خون ہوا اس کے باوجود موجودہ گورنر پنجاب ویریندر ورما نے سکھوں سے اس غلطی کی معافی مانگی ہے انہوں نے اس کو ہمالیائی غلطی قرار دیا ہے۔

(عزائم ۲۱ جولائی ۱۹۹۰ء)

ایک طرف تو ہماری موجودہ مرکزی حکومت کا گورنر سابق حکومت کی غلطی کی معافی مانگ رہا ہے۔ تو دوسری طرف کشمیریوں کے ساتھ چالیس سال سے ہونیوالی حق تلفیوں اور شیخ عبداللہ کی گرفتاری سے لے کر اب تک کے ہونے والے مظالم کے ساتھ جگموہن کے "آپریشن بلو اسٹار" کے بارے میں یہی نہیں کہ اب تک کسی شرمندگی کا اظہار نہیں کیا گیا بلکہ آج بھی دہشت پسندی کے نام سے ہزاروں بے گناہ نوجوانوں کی جان لی جا رہی ہے۔ لیکن حکومت کو یاد رکھنا چاہئے کہ اعتراف جرم کا وقت گذر جانے کے بعد پھر معذرت اور معافی سے اس کی تلافی نہیں ہوتی۔ ع

ہر چہ دانا کند کند ناداں
لیک بعد از خرابیٔ بسیار

غور کرنے کی بات ہے شیخ عبداللہ مرحوم نے ہندوستان سے کشمیر کے الحاق کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا جسے ایک زمانہ تک کشمیری اپنا سیاسی مسیحا سمجھتے رہے وہ بارہ برس تک جیل میں رہا مگر کشمیری ہندوستان کی حکومت کی طرف سے مطمئن نہیں ہوئے۔ اور اس کے بعد بارہ برس تک ان کے ساتھ جو سیاسی کھلی زیادتی ہوئی اس پر بندہ نہیں بجز اس کے آج وہی کشمیری ہندوستانی حکومت کا جوا اکھاڑ کر پھینکنے کی اور اگر فوج کا پہرہ نہ ہو تو شیخ عبداللہ کی قبر کو اکھاڑ کر پھینک دینے کے لئے تیار ہو گیا ہے کیا ہماری گورنمنٹ نے کبھی اس پہلو سے بھی مسئلہ کشمیر پر کبھی غور کیا ہے ۔ ؟

اس کا سبب یہ ہے کہ ہندوستان کی حکومت نے پہلے دن سے کشمیریوں کو شک کی نگاہ سے دیکھا اور اسی نگاہ سے ان کے ساتھ وہ معاملہ کرتی رہی کشمیر کو فوج کی چھاونی بنا کر ۲۵ سے ۵۰ لاکھ روپے روز حکومت فوج پر خرچ کرتی رہی مگر کشمیریوں کو تعلیمی معاشی حیثیت سے اوپر اٹھانے کی کوئی کوشش نہیں کی بلکہ ان کو کمزور کرنے اور اقلیت میں تبدیل کرنے کا منصوبہ بناتی رہی، شیخ عبداللہ جنہوں نے کشمیر کا الحاق ہندوستان سے ایسے حال میں کرایا کہ نہ راجہ کرن سنگھ راضی تھے اور نہ جواہر لال مگر وہی شیخ عبداللہ ۱۹۵۳ء میں ہندوستان کی حکومت سے اتنا بدظن ہو جاتے ہیں کہ ان کو ۱۲ برس تک جیل میں رہنا پڑتا ہے۔

پنجاب کے آپریشن بلو اسٹار کے لئے تو گورنر معافی مانگتے ہیں اور کشمیر میں جن کے ساتھ ۴۰ برس سے مکر و فریب کی پالیسی اپنائی جاری ہے ان کے لئے ہندوستان کی سابقہ اور موجودہ دونوں حکومتوں کو معافی مانگنا چاہیئے۔

ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ کشمیر ہندوستان کا حصہ رہے مگر اس کے لئے ہندوستان کی حکومت کو جن سنگھ اور بی جے پی کی پالیسی کو ترک کرنا ہو گا۔ یہی وجہ ہے ہم اقلیتوں کے حقوق سے متعلق ایک مضمون کا کچھ حصہ نقل کیا جا رہا ہے کاش حکومت کے ذمہ دار دنیا کی اور روس کی موجودہ سیاسی تبدیلیوں سے سبق لیتے۔ اس موقع پر ہم سٹیزن فار ڈیموکریسی (سی ایف ڈی) کا بیان نقل کر دینا ضروری سمجھتے ہیں جس سے اندازہ ہو گا کہ ہندوستان کا انصاف پسند طبقہ کس انداز سے سوچتا ہے۔ غالباً یہی ان کشمیر کے شہر سرینگر میں جو کچھ ہوا ہے اس پر بیان دیتے ہوئے اس فورم نے کہا ہے۔

کشمیر کے شہر سوپور میں اقبال مارکٹ میں آتش زنی خود وہاں کے تعینات فوجیوں نے کی ہے ، دہشت پسندی کے نام سے بے قصوروں کو قتل کیا جارہا ہے ، گورنر کی تبدیلی کے باوجود موجودہ گورنر پچھلی ظالمانہ پالیسی کو جاری رکھے ہوئے ہیں ۔ ہندوستان کی حکومت کو روس اور مشرقی یورپ کی حالیہ تبدیلیوں کو نگاہ میں رکھنا چاہئے ۔ (قومی آواز ۳۰ ر جولائی ۱۹۹۰ء)

مرکزی حکومت کی جانب دارانہ پالیسی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جگ موہن جنہیں بین الاقوامی دباؤ کے نتیجہ میں کشمیر سے ہٹایا گیا بجائے اس کے کہ ان کی ظالمانہ پالیسی کی تحقیق کے لئے کوئی کمیشن مقرر ہوتا اور ان کو مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کیا جاتا فوراً ان کی ظالمانہ پالیسی کو اس طرح خراج عقیدت پیش کیا گیا کہ دلی پہنچتے ہی ہندوستان کے سب سے اونچے قانون ساز ادارہ کا انھیں رکن بنالیا گیا ہے

کسی کو کیا خبر بسمل کے دل پر کیا گزرتی ہے　　　یہاں سب ہیں خم ابروئے قاتل دیکھنے والے

بابری مسجد کے سلسلہ میں تین چار برس سے برابر مرکزی حکومت ہندوؤں اور مسلمانوں کے راہنماؤں کو وقفہ وقفہ سے بات چیت کے لئے بلاتی رہی ہے ہندو راہنماؤں کو بار بار بلانا اور سمجھانا بجھانا تو سمجھ میں آتا ہے کہ وہ نہ تو قانون کی پابندی کے لئے تیار ہیں اور نہ عدلیہ اور حکومت کے فیصلہ کو ماننے کے لئے تیار ہیں ، مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمان راہنماؤں کو بلانے کا مقصد کیا ہے ؟ مسلمان روز روز کوئی نئی یا غیر قانونی بات تو کرتے نہیں وہ تو پہلے دن سے کہتے آئے ہیں کہ جو مسجد ساڑھے چار سو برس سے مسجد کی حیثیت میں اب تک باقی ہے اسے ۱۹۴۹ء سے بت خانہ میں تبدیل کرنے کی جو کوشش کی جارہی وہ غیر اخلاقی اور غیر قانونی ہے حکومت کا فرض ہے کہ اس کی اصل حیثیت کو باقی رکھے اور انصاف کے تقاضے کو پورا کرے ، اس سلسلہ میں ان کا کوئی نیا مطالبہ تو نہیں ہے ! پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مسجد کی متنازعہ زمین سے ہٹ کر اگر ہندو شاندار سے شاندار مندر بنانا چاہتے ہیں تو بنائیں اس میں ان کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جارہی ہے ، اگر حکومت

مسلمان راہنماؤں کو بار بار بلا کر ان کو اپنے جائز اور صحیح مطالبے سے ہٹانا چاہتی ہے تو اس کی یہ خام خیالی ہے، اس سلسلہ میں شاہی امام عبد اللہ بخاری اور بابری ایکشن کمیٹی کے ذمہ داروں نے ان گفتگوؤں میں عدم شرکت کا جو فیصلہ کیا وہ بالکل صحیح اور حق بجانب تھا، ان سے کون سی نئی بات کرنی تھی جس کے لئے انھیں بلایا گیا تھا ؟ رابطہ کمیٹی کے جن راہنماؤں نے اس گفتگو میں شرکت کی انہوں نے بابری مسجد کے کیس کو کمزور کیا، اسی طرح بعض حضرات اپنی انفرادی حیثیت میں اس مسئلہ پر گفتگو کے لئے وزیر اعظم یا حکومت کے کسی ذمہ دار کی دعوت پر گفتگو کے لئے جاتے ہیں اسے بھی ہم غلط سمجھتے ہیں دستور، پینل لا کی فوجداری دفعہ ۱۲۵ کے سلسلہ میں ہم سے یہی غلطی ہو چکی ہے'

سنہ ۱۹۸۶ء سے کانگریسی حکومت اور اس کا وزیر داخلہ بوٹا سنگھ اسی طرح بار بار گفتگو کر کے مسلمانوں کو دھوکہ میں رکھتا چلا آیا اور آخر میں عین الکشن کے وقت وزیر اعظم راجیو گاندھی، یوپی کے سابق چیف منسٹر نرائن دت تیواری نے سازش کر کے مسجد کی متنازعہ زمین پر شیلانواس کرادیا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہی پالیسی موجودہ مرکزی گورنمنٹ بھی اپنا رہی ہے، اس سلسلہ میں یوپی کے موجودہ چیف منسٹر ملائم سنگھ یادو قابل تعریف ہیں کہ انہوں نے انصاف کے تقاضے کے مطابق پالیسی اختیار کر رکھی ہے اور اس پر وہ اب تک قائم ہیں اس لئے شاید اس وقت کوئی سازش کامیاب نہ ہو سکے اسی لئے بی۔جے۔پی اور بعض دوسرے عناصر ان کو ہٹانے کی سازش میں لگے ہوئے ہیں'

سنہ ۱۹۶۴ء میں جبل پور کے بھیانک فساد کے بعد مختلف الخیال مسلمانوں کے دینی و سیاسی راہنماؤں نے متحد ہو کر "مسلم مجلس مشاورت" کی تشکیل کی اور اس کے وفد نے پورے ہندوستان کا جو دورہ کیا اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے اندر نئی سیاسی بیداری، خود اعتمادی اور ملی حمیت پیدا ہوئی اور سنہ ۱۹۶۷ء کے بعد عام طور پر مسلمانوں میں جو مایوسی تھی وہ دور ہوئی مگر افسوس ہے کہ اس کا تانا بانا افراد کے بجائے جماعتوں کی نمائندگی پر بنایا گیا تھا اس لئے اس میں جماعتی اور سیاسی کشمکش شروع ہو گئی جس کے نتیجہ میں چند سال بعد وہ غیر موثر ہو کر رہ گئی، اب

بعض اس کے کئی بنیادی ارکان موجود ہیں مگر شاید وہ اس کی افادیت کی طرف سے مایوس ہو گئے ہیں اس لئے اس کے جلسوں میں بھی وہ کم ہی شریک ہو پاتے ہیں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ اس کی میٹنگ بلائی جاتی ہے تو اس کا کورم پورا نہیں ہوتا مگر اسی میٹنگ میں دو ایک نئے لوگوں کو منتخب کر کے میٹنگ کی کاروائی پوری کر لی جاتی ہے اور اس نے بڑی ستم ظریفی یہ کہ شہاب الدین صاحب جیسے اہم رکن اور کارگذار صدر کا استعفا یہ سب بغیر کورم میٹنگ منظور کر لیتی ہے،

یہ ہے ملت اسلامیہ ہندیہ اس بڑے کل جماعتی ادارہ کا حال جس نے چند سال پہلے ملت کو ایک نئی زندگی دی تھی اب اپنی اس داخلی صورت حال کے ساتھ ہندوستان کے موجودہ سیاسی حالات پر ایک نگاہ ڈالیں،

۱۹۸۵ء سے فرقہ پرست جماعتوں نے ہندو فرقہ پرستی کو بڑھاوا دینے کے لئے ایک نیا شوشہ چھوڑا وہ یہ کہ سیتا مڑھی سے انہوں نے رتھ یاتراؤں کے نکالنے کا سلسلہ شروع کیا جس کی ہر جگہ کانگریس حکومت نے پوری پشت پناہی کی اگر یہ رتھ یاترائیں کسی مذہبی جذبہ سے نکلتیں تو اس میں کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا مگر ان رتھ یاتراؤں کے ذریعہ پولیس کی موجودگی میں مسلمانوں کو نئی نئی گالیاں دی جانے لگیں اور دل آزار نعرے لگائے جانے لگے اسی کے نتیجہ میں یکم فروری ۱۹۸۶ء کو غلط طریقہ سے قانون کا سہارا لے کر ۳۸ برس سے بابری مسجد کے بند تالے کو کھول دیا گیا اور ہندوؤں کو اس میں پوجا کرنے کی اجازت دے دی گئی، ظاہر ہے کہ اس غلط کاروائی سے مسلمانوں پر بھی اس کا ردعمل ہونا ضروری تھا، مسلمانوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا، مظاہرے کئے مگر کانگریس کی مرکزی اور صوبائی حکومت نے اس کا نہ صرف یہ کہ کوئی اثر نہیں لیا بلکہ اسے سیاسی استحصال کا ذریعہ بنایا اور مسلمانوں کو دھوکہ دیا اور کہ کر عین الیکشن کے وقت ۹ نومبر ۱۹۸۹ء کو مسجد کی زمین پر اس ایجنڈے سے شیلانیاس کرا دیا کہ ہندو ووٹ اس کی جھولی میں چلا جائے گا مگر الیکشن کا نتیجہ ان کے حق میں نہیں گیا بلکہ شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کے یک طرفہ ووٹ کی وجہ سے جنتا دل کو کامیابی ملی اور ہندو ووٹوں کے ووٹوں کی وجہ سے بی جے پی کو پارلیمنٹ میں اور پھر کئی صوبوں میں سیٹیں ملیں

کامیابی ملی جس کا اس سے پہلے وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی یعنی جو بیج کانگریس نے بویا تھا اُسے بی۔جے۔پی نے کاٹا،

اب صورتحال یہ ہے کہ مرکزی حکومت دو بیساکھیوں کے سہارے قائم ہے ایک بی جے پی دوسرے کمیونسٹ پارٹی، کمیونسٹ پارٹی بی۔جے۔پی کی فرقہ وارانہ سیاست سے ضرور دور ہے مگر حکومت میں اس کی آواز اتنی موثر نہیں ہے جتنی کہ بی۔جے۔پی کی ہے اس لئے کہ خارجی طور پر بھی کمیونسٹ پارٹی کے مقابلہ میں وہ طاقت ور ہے اور حکومت کے اندر بھی کانگریس حکومت کے زمانہ سے جو آر۔ایس۔ایس اور وشو ہندو پریشد کا ذہن رکھنے والے گھسے ہوئے ہیں اور موجودہ جنتا دل کے کئی لیڈران نہرو وغیرہ بھی ان کی پشت پناہی کر رہے ہیں اس لئے جنتا دل کی مرکزی حکومت پر ان کا پنجہ مضبوطی سے گڑا ہوا ہے، دیوی لال کی علاحدگی بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے گویا بھارتیہ جنتا پارٹی اس وقت جنتا دل کے کندھے پر رکھکر اپنی بندوق چلا رہی ہے۔

ان حالات میں ہمارے لئے کوئی قابل غور بات ہے یا نہیں ؟ اگر ہے تو ہم اس کے لئے کیا کر رہے ہیں ؟ ہم کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ ہندستان میں اس وقت سیاست جس رُخ پر جا رہی ہے اس کا سارا نزلہ مسلمانوں پر گرے گا کشمیر میں حکومت نے جو طرز عمل اختیار کر رکھا ہے وہ اس کا زندہ ثبوت ہے۔

اس وقت ضرورت تھی کہ مسلمانوں کے تمام راہنما اپنی انفرادی شخصیت اور جماعتی حیثیت سے اوپر اُٹھ کر ایک جگہ جمع ہوتے اور اس غیر یقینی سیاسی صورت حال کا سنجیدگی سے جائزہ لیتے اور ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے کوئی متحدہ لائحہ عمل پیش کرتے، وقت تیزی سے گذر رہا ہے وہ ہمارا انتظار نہیں کرے گا، اس لئے جتنی جلد ہم اس صورت حال میں اپنے لئے کوئی مقام پیدا کرلیں گے اتنا ہی مستقبل میں ملت کے لئے یہ چیز نیک فال ثابت ہوگی حالات سنگین سے سنگین ہوتے جا رہے ہیں مگر ہم کو ان حالات میں مایوس ہونے کی بالکل ضرورت نہیں ہے بلکہ پورے اعتماد کے ساتھ اپنی آواز کو موثر بنانے کے لئے ہم کو قدم بڑھانا چاہیئے۔ انشاء اللہ خدائے قدوس کی نصرت ہمارا ساتھ دے گی ــــ

ہر خزاں کے غبار میں ہم نے　　　کاروانِ بہار دیکھا ہے

عراق کے موجودہ ڈکٹیٹر صدام حسین نے کویت پر حملہ کرکے بین الاقوامی قذاقی کا جو ثبوت دیا ہے اس کی مذمت ساری دنیا کر رہی ہے، روس و امریکہ دونوں نے اس کو فوری طور پر اپنی فوج بلانے کے لئے کہا ہے یہ وہی کویت ہے جس نے ایران عراق جنگ میں عربی عصبیت کے تحت سب سے زیادہ اس کی مالی مدد کی تھی مگر عراق نے اس احسان کا یہ بدلہ چکایا کہ جو معاملہ بات چیت سے طے ہو سکتا تھا اسے اپنی قذاقی بلکہ بین الاقوامی غنڈہ گردی کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کی،

ہم اس سلسلہ میں عراق کے اس اقدام کی مذمت کرتے ہوئے یہ بھی عرض کریں گے کہ جہاں جہاں عرب ملکوں میں شاہی حکومت ہے وہاں انہوں نے نہ تو اسلامی جذبہ پیدا کرنے کی کوئی کوشش کی، اور نہ ہی ان کے اندر کوئی سیاسی شعور بیدار کرنے کی کوشش کی بلکہ پورے ملک کو "با برعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کا مصداق بنا رکھا ہے، راقم الحروف اس سے پہلے کئی بار یہ عرض کر چکا ہے کہ عوام کی یہ سیاسی بے شعوری کسی ملک کے لئے نیک فال نہیں کہی جا سکتی اس لئے کہ کسی ملک کی طاقت صرف اس کی فوج نہیں ہوتی بلکہ عوام کا سیاسی شعور ہوتا ہے، اس کی زندہ مثال ایران ہے ایران کی شاہی حکومت فوجی اعتبار سے دنیا کی مضبوط ترین حکومت تھی لیکن جب، خمینی نے ایک ہزار کیلومیٹر دور پیرس میں بیٹھ کر نعرہ دیا کہ عوام شاہ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں تو نہتے عوام نے اپنے عزم کے ساتھ شاہ کے ٹینکوں مشین گنوں اور میزائلوں کا رُخ شاہی محل کی طرف موڑ دیا،

آج عرب ممالک کے عوام میں نہ تو اسلامی جذبۂ جہاد ہے اور نہ دنیاوی سیاسی شعور ہے اور اس کے پیدا کرنے کی ان شاہوں نے نہ ہی کبھی کوشش نہیں کی بلکہ اس کو مردہ کرنے کی کوشش کی ہے اس لئے اس بے شعوری کا نتیجہ انھیں آج نہیں تو کل بھگتنا ہی پڑے گا۔

اسلامی ریاست میں عدل و انصاف کے نفاذ کے ذرائع

جناب سید عبدالرحمٰن بخاری، ایل ایل۔ ایم، اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

عدل و انصاف کو اسلام میں نہ صرف زندگی کی ایک ابدی اساسی قدر ٹھہرایا گیا ہے جو فکر و شعور کے ہر زاویے سے لے کر نظم زندگی کے ہر گوشے میں جاری و ساری ہے بلکہ قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ تکوینی اور تشریعی دونوں نظاموں میں جملہ قوانین فطرت اور بنیادی حیات کی اساس و بنیاد عدل ہی ہے جو غیر متبدل سنت اللہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یوں عدل و انصاف و بنیادی انسانی قدر اور عالمگیر صداقت ہے جس پر انسانی معاشرہ بلکہ آسمان سے زمین تک پھیلا ہوا دنیا کا یہ سارا کارخانہ قائم ہے۔ اگر یہ ختم ہو جائے تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ ارشاد خداوندی ہے :

شھد اللہ انہ لا الہ الا
ھو والملٰئکۃ واؤلوا العلم
قائما بالقسط[1]"
(الایۃ۔ آل عمران : ۱۸)

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ نظام عالم محض اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کے بل بوتے پر قائم ہے۔

---

[1] اللہ کی گواہی ہے کہ کوئی معبود نہیں ہے بجز اس کے اور فرشتوں اور اہل علم کی (بھی گواہی یہی ہے) اور وہ عدل سے انتظام رکھنے والا معبود ہے۔ (آل عمران : ۱۸)

یہی وجہ ہے کہ عدل و انصاف کا قیام تمام آسمانی شریعتوں کا نصب العین رہا ہے، چنانچہ اسلامی شریعت کا بنیادی مقصد بھی اعلیٰ معاشرتی زندگی کی تنظیم کے علاوہ نفوس کی پاکیزگی کی خاطر صفات عدل و انصاف کی حفاظت ہے۔ ارشاد خداوندی:— اعدلوا هو اقرب للتقوىٰ[1] نے وضاحت کردی کہ تقویٰ جو تمام اسلامی زندگی کی روح اور اہل ایمان کے ہر قول و فعل کے لئے کسوٹی ہے، عدل کے بغیر پیدا ہو ہی نہیں سکتا کہ عدل اور تقویٰ میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور عدل ہی تقویٰ کی ضمانت ہے۔ جس کی تکمیل ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے۔ قل امر ربی بالقسط[2]

موضوع زیر نظر کے اصل نقطہ پر ارتکاز سے پیشتر اسلامی تصور عدل کے نمایاں خدوخال کی مختصر وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

اسلامی تصوّر عدل کے نمایاں خدوخال

عدل ایک وسیع المعنی اصطلاح ہے اس کا مفہوم ہے توازن، تناسب، مساوات، ہم آہنگی، انصاف، افراط و تفریط سے اجتناب اور لوگوں کے تعلقات ان بنیادوں پر قائم کرنا جن سے ہر فرد کو اس کا جائز حق مل جائے۔ نیز یہ کہ جو کچھ ہم سوچیں، کہیں یا کریں اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے۔ قرآن کریم میں عدل وانصاف کے اظہار کے لئے متعدد الفاظ استعمال ہوئے مثلاً قسط، وسط، میزان، اعتدال، قسطاس مستقیم، تقدیر اور ان کے مشتقات وارد ہوئے ہیں اور یہ سبھی الفاظ اپنے معنی کے لحاظ سے اسلامی نظریہ عدل کی تکوینی اور تشریعی کو واضح کرتے ہیں۔

اسلامی تصور عدل دنیا کے تمام افکار و نظامہائے زندگی اور جملہ وساتیر و قوانین کے

---

[1] انصاف کرتے رہو کہ وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے۔ (المائدہ : ۸)

[2] آپ کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے تو عدل کا حکم دیا ہے۔ (الاعراف : ۲۹)

کے مقابلے میں ہر اعتبار سے جامع، ہمہ گیر اور ارفع و اعلیٰ ہے جس کے نمایاں خدوخال حسب ذیل ہیں۔

۱۔ سلسلۂ رشد و ہدایت اور بعثت انبیاء کی غایت الغایات عدل و انصاف کا قیام واستحکام ہے۔ لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت وانزلنا معھم الکتٰب والمیزان لیقوم الناس بالقسط [۱] (الحدید: ۲۵)

۲۔ انسانی زندگی میں بدی کی جملہ قوتوں کو شکست دے کر نیکی اور خیر کا رجحان ابھارنے اور فطرت انسانی کے حقیقی مضمرات و امکانات کو بالفعل فطرت میں ڈھال کر سیرت و کردار کی تعمیر کرنے میں عدل کا کردار بنیادی ہے کہ عدل ہی تمام نیکیوں اور محاسن اعمال کی اساس ہے۔ عدل و توازن کا جذبہ انسان کو ایسے سانچے میں ڈھال دیتا ہے کہ اس کے لئے ہر برائی اور بے حیائی سے اجتناب اور کنارہ کشی ممکن ہو جاتی ہے اسی لئے اخلاقی اور معاشرتی احکام و اوامر کے سلسلہ میں سب سے پہلے عدل کا ذکر فرمایا ہے: ان اللہ یامر بالعدل والاحسان الآیۃ

۳۔ اسلام میں عدل و انصاف کا دائرہ صرف اجتماعی امور اور باہمی معاملات تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ ہر شعبۂ زندگی میں اور انسانی کردار کی ہر سطح پر عدل کا نفاذ چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں عدل کی مجمل تعلیم پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ انفرادی سے لے کر اجتماعی زندگی تک اور گفتار سے لے کر کردار، اخلاقی، روحانی، عائلی، معاشرتی معاشی، سیاسی اور قانونی زندگی کے ہر پہلو میں عدل قائم کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس سلسلہ میں ملاحظہ ہوں آیات ذیل:

نساء ۳؛ انعام ۱۵۲، بقرہ ۲۸۲، نساء ۱۳۵، حجرات ۹، وغیرہ۔

۴۔ شرعی احکام اور فقہی قوانین کی اساس و بنیاد عدل ہی ہے اور اسی عدل کی

---

[۱] ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی چیزیں دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور میزان کو نازل کیا تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں۔

نسبت سے شریعت اسلامی میں اخلاق سے لے کر سیاست، معیشت اور معاشرت تک تمام شعبہ ہائے زندگی مل کر ایک وحدت وکل بناتے ہیں۔ علامہ ابن القیم کہتے ہیں:

إنَّ الله ارسل رسله وانزل كتبه ليقوم الناس بالقسط وهو العدل الذى قامت به الارض والسموٰت فاذا ظهرت امارة العدل واسفر وجهه بأى طريق كان فثم شرع الله ودينه۔

یعنی نظام عالم کی بنیاد عدل پر ہے اور وہی بعثت انبیاء کا مقصود بھی ہے اور جس بھی ذریعے اور طریقے سے عدل کا تحقق ہو وہی شریعت اور دین قرار پائے گا اس سلسلہ میں ڈاکٹر مصطفیٰ زرقا کا یہ بیان قابل غور ہے کہ "اسلام کی تین بنیادیں ہیں۔

۱۔ عقلِ انسانی کی خرافات ولغویات سے آزادی۔

۲۔ فرد کی روحانی، نفسیاتی اور اخلاقی اصلاح۔

۳۔ معاشرہ میں قیام عدل وانصاف اور استقرار امن وامان۔"

ڈاکٹر علی الخفیف رقمطراز ہیں کہ شریعت اسلامی کے اصول وقواعد اور تمام اغراض ومقاصد تین اساسی امور میں سمٹ آتے ہیں جو شریعت کی بنیادیں قرار پاتی ہیں۔ یہ بنیادیں لوگوں کی مصلحتوں کی پاسداری، اُن کے لئے آسانی وسہولت پیدا کرنا اور ان کے درمیان عدل وانصاف کا قیام ہے۔

۵۔ اسلام میں عدل وانصاف کی حدود اس قدر وسیع ہیں کہ دینی امتیاز اور مذہبی تفریق سے بھی بالاتر رہتے ہوئے زندگی کے ایک عالمگیر اور آفاقی اصول کی حیثیت سے اس کی تکمیل کا حکم دیا گیا ہے: ولا يجرمنكم شنآن قوم على الا تعدلوا[1] عدل کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اور سب سے بڑا فتنہ کسی قوم کی دشمنی اور عداوت ہے اور اس راہ میں سب سے زیادہ کٹھن منزل وہ ہے جب عدل کی زد اپنی ذات

---

[1] اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر نہ آمادہ کر دے کہ تم (اس کے ساتھ) انصاف ہی نہ کرو۔

پر پڑتی ہو لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عدل و انصاف کی ترازو ایسی صحیح اور برابر ہونی چاہئے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے دونوں پلڑوں میں سے کسی پلڑے کو جھکا نہ سکے۔" کونوا قوّامین بالقسط شهدآء لله ولو علیٰ انفسکم ..... الآیۃ[1]۔ یوں اسلام نے انصاف اور مساوات قائم کرکے ایک طرف اخوّت دینی کی بنیاد رکھی اور دوسری طرف اخوّت انسانی کی۔

قیامِ عدل ..... حکومت کی بنیادی ذمّہ داری

یونانی حکماء سے لے کر حال کے سیاسی مفکرین تک سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ مدنی الطبع انسان کے لئے ایک ہیئت اجتماعیہ کی ضرورت بدیہی ہے اور اجتماعی زندگی کے نظم کا قیام بہرحال ایک قوت قاہرہ، جسے ریاست کہتے ہیں، کا محتاج ہے کیونکہ فطرت انسانی جلب منفعت اور دفع مضرت کی خاطر ظلم و تشدد اور بغاوت و سرکشی کے کثیف جذبات سے آلودہ بھی ہے اور اپنے حقوق کی حفاظت اور سلامتی کی خواہاں ہونے کے باعث عدل و انصاف کی متقاضی بھی۔ پس عملی زندگی کا تجربہ اور انسانی فطرت کا علم یہی بتاتا ہے کہ انسانی معاشرہ کی بقاء و ترقی کے لئے حکومت کا وجود ناگزیر ہے جس کا اوّلین فریضہ عدل و انصاف کی اساس پر تمدن کی تنظیم" ہے کہ عدل ہی پر جماعت اور حکومت کا نظام قائم ہے اگر یہ نہ ہو تو جماعت اور حکومت کا شیرازہ بکھر جائے اور کسی کی جان و مال اور آبرو سلامت نہ رہے۔

ابن سینا کہتے ہیں۔

" اجتماعی زندگی گذارنا انسان کی فطرت مجبوری ہے اور زندگی کی گاڑی چلانے کے لئے مشارکت و تعاون لازمی ہے جس کا نتیجہ باہمی لین دین اور معاملات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، معاملات کا تقاضا ہے کہ ان کے لئے

---

[1] انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے ہو جاؤ چاہے وہ تمہارے خلاف ہی ہو۔

عدل و انصاف کے قوانین متعین ہوں، یوں قانون اور حکومت کی بنیاد درحقیقت عدل ہی پر ہے۔

ارسطو نے سچ کہا ہے کہ "العدل قوام الملک" یعنی عدل حکومت و سلطنت کی عمارت کا ستون ہے،

اور حضرت علیؓ کا یہ ارشاد تو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ "الملک یبقی مع الکفر ولا یبقی مع الظلم ......" یعنی کفر پر مبنی حکومت تو قائم و باقی رہ سکتی ہے مگر ظلم و ناانصافی کے ساتھ حکومت ہرگز باقی نہیں رہ سکتی۔

دین فطرت اسلام نے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی ترتیب و تہذیب اور نشو و ارتقا کے لئے جو ادارے قائم کئے ہیں ان میں ریاست کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، اسلامی زندگی کے لئے اسلامی حکومت کے ناگزیر ہونے پر امت کا اجماع ہے، ارشاد نبوی ہے،

الاسلام والسلطان اخوان	یعنی اسلام اور سلطان (خلیفہ، حکمران)
توامان لا یصلح احد هما	بھائی ہیں جو اپنی بقا کے لئے ایک دوسرے
الا بصاحبہما فالاسلام أس	کے محتاج ہیں، اسلام (معاشرہ کی) بنیاد
والسلطان حارس وما لا أس	مہیا کرتا ہے اور سلطان اس کی حفاظت کرتا
له یهدم وما لا حارس	ہے۔ پس جس شے کی بنیاد نہ ہو وہ منہدم ہو جاتی
له ضائع	ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ ضائع و رائیگاں۔

اسلام میں دنیا دین سے الگ نہیں اور وہ دونوں کے امتزاج سے عمرانی اساس پر ریاست کا ایک مربوط نظام پیش کرتا ہے جس کی روحانی بنیاد اگر خدا کی عبادت اور منع شرک متعین ہوتی ہے۔ غایت نظام تمدن کی استواری کے عدل و انصاف کا قیام قرار پاتی ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ریاستی اقتدار کے مفہوم کو ظاہر کرنے کے لئے جتنے بھی الفاظ وارد ہوئے ہیں مثلاً استخلاف فی الارض، تمکن فی الارض، وراثت الہی، امر، حکم، امانت

وغیرہ ان سب میں اختیار و اقتدار سے زیادہ عدل گستری اور حق پژوہی کا مفہوم اور روح پائی جاتی ہے اور لفظ حکم اور حکومت کے اصل لغوی معانی " القضا بالعدل " ہی کو حکومت و ریاست کی غایت قرار دیتے ہیں - چنانچہ امام ابو یوسف نے حکومت کے تنظیمی اصولوں کی تہ میں بندگان خدا میں نفاذ عدل کا تصور دیا اور اسے دین کا ایک حصہ ٹھہرایا اور ابن تیمیہ نے " السیاسۃ الشرعیۃ " میں امیر کا سب سے بڑا فرض یہ بتایا ہے کہ وہ امانت کو اہل لوگوں کے سپرد کرے اور خدا اور رسول کے احکام کے مطابق عدل قائم کرے -

ارشاد خداوندی ہے -

ان الله یأمرکم ان تؤدوا	بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان
الامانات الی اھلھا واذا حکمتم	کے اہل کو ادا کرو اور جب لوگوں کے درمیان
بین الناس ان تحکموا بالعدل [1]	فیصلہ کرو - تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو -

سے عیاں ہے کہ اسلامی ریاست کا نصب العین احکام خداوندی کے تحت دین و دنیا کے معاملات میں معاشرے کے امور کا انتظام حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تنفیذ اور مختلف طبقات انسانی کے درمیان عدل و انصاف کے اصول پر مساوات اور خوشحال زندگی کے نظم کا قیام ہے -

عدل قرآن کریم کی رو سے اللہ تعالیٰ کا اہم ترین وصف ہے جسے قرآن میں کئی بار مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے " والله یقول الحق " میں عدل قولی کی طرف اور " والله یقضی بالحق " میں عدل عملی کی طرف اشارہ ہے اور " وتمت کلمة ربك صدقا و عدلا " میں دونوں یکجا ہیں پس " عدل " اللہ تعالیٰ نمایاں صفت ہے اور انسان اس کائنات ارضی میں خدا کا خلیفہ ہونے کے ناطے اس امر کا پابند ہے کہ نظم حیات میں خدا کی اس صفت کی بھرپور عکاسی کا اہتمام کرے کہ خلافت کا منشا یہی ہے ارشاد خداوندی -

یا داؤد انا جعلناك خلیفة	اے داؤد ہم نے بنایا تمہیں خلیفہ زمین میں
فی الارض فاحکم بین الناس	لہٰذا فیصلہ کیجئے لوگوں کے درمیان انصاف

بالحق ۔ کے ساتھ ۔
ہیں استخلاف فی الارض کی غرض وغایت حکومت بالحق یعنی بالعدل بیان کی گئی ہے ۔
پھر اسلامی تصور ریاست کی رُو سے حکومت وامامت کی حقیقت صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت وخلافت ہے جیسا الماوردی، ابویعلی، ابن خلدون وغیرہ سبھی مفکرین اسلام نے اس کی تصریح کی ہے اور قرآن کریم سے یہ اظہر من الشمس ہے کہ بعثت ورسالت کا مقصود قیام عدل وانصاف ہے۔ پس نبوت کی وراثت وجانشینی میں حکومت اسلامیہ کا اولین فریضہ بھی اسی مقصود بعثت کی تکمیل ٹھہرتا ہے۔ یوں جملہ سیاسی نظریات اور اسلامی تصور خلافت کی روشنی میں، ہیئت عمرانیہ انسانیہ کی تکوینی سنن الٰہیہ سے مطابقت پذیری اور ابدی الوہی اقدار زندگی کے مطابق صورت گری کے لئے اساس وبنیاد اور غایت ومنتہیٰ "عدل" ہی ہے جو ریاست کا اساسی وظیفہ ٹھہرتا ہے۔

اسلامی حکومت میں نفاذ عدل کے ادارے

خلافت نام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا، تاکہ دین کی حفاظت ہو اور دین کا انتظام برقرار رہے اور ظاہر ہے کہ دین کی حفاظت اور عمرانی نظام کی برقراری کا اہتمام کسی فرد واحد کے بس کا روگ نہیں اس کے لئے افراد کے باہمی تعاون ومشارکت اور منظم اجتماعی اداروں کی ضرورت ہے جو خلیفہ کے کام میں اس کا ہاتھ بٹا سکیں۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں ۔

مما کان الملك لا یستطیع اقامة هذه المصالح كلها بنفسه وجب ان یكون له باذاء كل حاجة اعوان"

یعنی جب کہ بادشاہ تنہا تمدن کی تمام مصلحتوں کو سرانجام نہیں دے سکتا تو اس کے لئے ہر کام کے لئے معاونین کا ہونا ضروری ہے۔ یوں اسلام ریاست کے عملی اور تنظیماتی پھیلاؤ کے حق میں ہے تاکہ مملکت کی اجتماعی زندگی کو برقرار رکھنے اور

فردکی شخصیت کو فروغ دینے کی خاطر ہر ضروری عمل کے لئے ایک ضروری ایجنسی یا ادارہ باقاعدہ سنوار دیا جائے جس کے ذریعہ وہ عمل بے کم و کاست جاری رہے۔ ابن خلدونؒ رقم طراز ہیں۔

ولہ علیٰ کل حال مراتب خادمة ووظائف تابعة تتعین خططا وتعوزع علیٰ رجال الدولة وظائف فیتم بذلك أمر الملك ویحسن قیامہ بسلطانہ فاعلموا ان الخطط الدینیة الشرعیة من الصلوٰة والفتیا والقضاء والجهاد والحسبة کلها مندرجة تحت الإمامة الکبریٰ التی هی الخلافة

یعنی حکومت یا خلافت کا کام انجام دینے کے لئے ذیلی مناسب اور صیغے ہوتے ہیں اور مختلف کام اراکین حکومت پر بٹے ہوئے ہوتے ہیں جس سے خلیفہ اپنے فرائض سے بحسن وخوبی عہدہ برآ ہوپاتا ہے۔ پس جملہ دینی مناسب جیسے نماز، فتوےٰ، قضاء، جہاد اور حسبہ وغیرہ امامت کبریٰ یعنی خلافت میں مندرج اور شامل ہیں۔

عدل وانصاف کا قیام چونکہ خلافت وحکومت کا اولین فریضہ اور بنیادی مقصد ہے اس لئے انفرادی اور اجتماعی سطح پر اس کا نفاذ مختلف اداروں کا محتاج ہے، اجتماعی سطح پر عدل نافذ کرنے والے ادارے حسب ذیل ہیں:

(۱) قضاء (۲) افتاء (۳) شرطہ (۴) حسبہ (۵) دیوان المظالم

زیر نظر مضمون میں ہمارے پیش نظر اسلامی معاشرے میں نفاذ عدل کے سلسلہ میں ان اداروں کے کردار کا اجمالی جائزہ لینا ہے۔

قضاء

قانون ایک ایسی ناگزیر ضرورت ہے کہ اس کے بغیر متمدن معاشرہ کا تصور ہی ممکن نہیں، اجتماعی شیرازہ بندی، حقوق کا تحفظ، مظالم کی روک تھام اور عدل وتوازن کا استقرار قانون کا بنیادی مقصد ہے اس لئے قانون کی حکمرانی کا تصور بھی اسی قدر قدیم ہے جس قدر سوسائٹی میں عدل وتوازن قائم کرنے کا شعور واحساس۔ اور ظاہر

ہے کہ قانون کی حاکمیت ایک عدالتی نظام کے قیام پر منحصر ہے کیونکہ قانون اور عدل کی محافظت اور تنفیذ کا سب سے بڑا ذریعہ عدالتی نظام ہی ہے۔

اسلام میں جس قدر اہمیت عدل وانصاف کے نفاذ اور قانون کی حاکمیت کو حاصل ہے اسی قدر نفاذ قانون اور قیام عدل کے اس سب سے بڑے ادارے یعنی قضا کو حاصل ہے کہ قضا کے بغیر ایسے معاشرے کا تصور بھی ناممکن ہے جس میں لوگوں کے حقوق میں معقول توازن وتناسب پایا جاتا ہو اور ہر فرد کو بغیر کسی رکاوٹ کے اس کا حق مل جاتا ہو، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نظام قضا کا قیام اور ایک بالاتر عدلیہ کی تشکیل اُمت مسلمہ کا فرض قرار دیا ہے۔

اسلام کے نظام قضاء کے تمام پہلوؤں پر یہاں بحث کرنا دشوار بھی ہے اور لاحاصل بھی، البتہ موضوع سے متعلق بعض امور کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

قضا کی تنظیم اور خصوصیات صدر اسلام میں

عہد جاہلیت کے قبائلی نظام میں کسی منظم عدالتی ادارے کی تشکیل تو درکنار تصور بھی ممکن نہ تھا اس لئے انصاف ایک انفرادی شے تھی، ہر شخص خود ہی اپنے حقوق کے تحفظ اور ظلم کا بدلہ لینے کی کوشش کرتا مخاصمات ونزاعات کے فیصلے کے لئے حکم، سردار قبیلہ، اور کاہن و عراف سے رجوع کرنے کی مثالیں تو ملتی ہیں لیکن قضاء کی یہ تمام صورتیں کسی قاعدے اور ضابطے کی پابند نہ تھیں اور نہ ہی کوئی بااختیار انتظامیہ ان کی تنفیذ کی ذمہ دار تھی۔ اسلام نے قضا کی عرف وعادت پر مبنی ان تمام شکلوں کی بساط لپیٹ کر ایک پاکیزہ اور عادلانہ نظام قضا جاری کیا اور انصاف کو ایک مرکزی اور حکومت شے بنا دیا چنانچہ دنیا کے پہلے تحریری دستور "میثاق مدینہ" میں یہ تصریح ملتی ہے کہ اس معاہدہ میں شامل ہونے والے تمام افراد اپنے تنازعات اور مقدمات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کریں گے۔

عہد رسالت میں تشریع، تنفیذ اور قضا تینوں مناصب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے البتہ عارضی طور پر کسی مقدمہ کے فیصلے اور اس کے نفاذ کے لئے اپنے

نائب اور نمائندے کے طور پر کسی صحابی کو مامور فرمادیا کرتے تھے یوں اس صحابی کا فیصلہ بھی گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فیصلہ ہوتا تھا۔ جب اسلامی ریاست کا دائرہ وسیع ہوگیا تو آپ نے مختلف علاقوں میں اپنی جانب سے والی اور حکام مقرر فرما کر قضا کی ذمہ داریاں بھی ان کے سپرد کر دیں، یوں عہد رسالت میں قضا انتظامیہ ہی میں شامل تھی، وجہ یہ تھی حکومت کے کام نہایت مختصر تھے، فطری سادگی، تدین اور انصاف پسندی کا غلبہ تھا جس کی وجہ سے مقدمات و تنازعات بہت کم پیش آتے تھے لہذا مستقل قاضیوں کے تقرر کی حاجت نہ تھی۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے دور میں قضا کا نظام تقریبًا انہی خطوط پر چلتا رہا جن پر عہد رسالت میں تھا۔ جزیرۂ عرب کو صدیق اکبرؓ نے متعدد صوبوں میں تقسیم کرکے ہر صوبے میں ایک والی مقرر کر رکھا تھا جس کے ذمہ اقامت صلوٰۃ، تعلیم دین اور نظم و نسق کے امور کے ساتھ ساتھ لوگوں کے تنازعات کا فیصلہ اور حدود و قصاص کا نفاذ بھی تھا۔

عہدِ فاروقیؓ میں خلافت کی سرحدیں بہت زیادہ وسیع ہوگئیں، مختلف اقوام کے ساتھ ربط و ضبط میں ترقی ہوئی اور خلیفہ پر سلطنت کے مشاغل کی غیر معمولی کثرت ہوگئی تو ایک مستقل اور آزاد نظام عدالت کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ زہری کی روایت کے مطابق، حضرت عمرؓ نے عدلیہ کا تمام کام حضرت علیؓ کے سپرد کر دیا اور ہر صوبے میں مستقل اور آزاد قاضیوں کے تقرر کا سلسلہ شروع کیا قاضی کا انتخاب براہِ راست خلیفہ کا کام تھا اور اس انتخاب میں غیر معمولی علمیت و بصیرت، تقویٰ، عدالت اور منصفانہ فطرت کا بہت خیال رکھا جاتا تھا۔ قاضیوں کے لئے حضرت عمرؓ نے ایک لائحہ عمل تجویز فرمایا تھا جو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام آپ کے مکتوب گرامی کی صورت میں دستیاب ہے۔ معاشرے کے اندر نفاذِ عدل میں منصب قضا کی غیر معمولی اہمیت اور اسلام عدالتی دستور کی اصولی بنیادوں کا اندازہ لگانے کے لئے اس مکتوب کا ایک اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

"عدالت میں مدعی اور مدعیٰ علیہ کو ایک نظر سے دیکھو، اُن کی نشست گاہ تک میں کسی قسم کا امتیاز نہ کرو۔ عدل وانصاف میں کسی کی رعایت نہ کرو، کسی بڑے آدمی کو کوئی ناجائز توقع اور کمزور کو انصاف سے مایوسی پیدا نہ ہو۔

بارِ ثبوت مدعی کے ذمہ اور مدعیٰ علیہ پر قسم ہے فریقین کو شرعی حدود میں رہتے ہوئے باہمی مصالحت کی اجازت ہے۔ جن جدید مسائل میں تردد پیدا ہو ان میں عقل و درایت سے کام لو اور سابقہ امثال و نظائر کی روشنی میں غور کرو۔ مدعی کو باآسانی گواہ اور ثبوت پیش کرنے کی مہلت دو مسلمان ایک دوسرے کے لئے بطور عادل گواہ پیش ہو سکتے ہیں بجز تہمت زدہ اور مشتبہ افراد کے۔ دیکھو! قلق و اضطراب اور اذیت رسانی کی روش سے ہمیشہ بچنا۔"

قضا کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے بھی وہی راستہ اختیار کیا جس پر شیخین گامزن تھے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعد میں آنے والا ہر خلیفہ اپنے پیشتر خلفاء کے فیصلوں کو لازماً نظائر کے طور پر اپنے فیصلوں کا ماخذ بناتا البتہ نئے پیش آمدہ مسائل میں قاضی کو قرآن و سنت کی بنیاد پر اپنے اجتہاد کے ذریعہ فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل تھا جیسا کہ حدیث معاذؓ سے عیاں ہے۔ قضاۃ کی ان اجتہادی کاوشوں نے آگے چل کر نہ صرف عدالتی امور میں بطور نظائر اہم کردار ادا کیا بلکہ فقہی احکام کی تدوین میں بھی ان سے بہت کام لیا گیا۔

خلافت راشدہ کے عہد میں محکمۂ قضا نہایت سادہ اور مختصر تھا۔ قاضی کے لئے کوئی پیشکار یا کاتب نہ تھا اور نہ ہی عدالتی فیصلوں کے اندراج کے لئے کوئی فائل اور رجسٹریشن کا کوئی انتظام تھا۔ وجہ یہ تھی کہ فیصلے کے بعد فوراً اُن کا نفاذ قاضی بذاتِ خود کر دیتا تھا اور بسا اوقات خود محکوم علیہ اپنے آپ کو نفاذ کے لئے پیش کر دیتا تھا پھر لوگوں میں اخلاقی قدروں اور قانون کے احترام کا بھرپور جذبہ بھی موجود تھا اور قاضی کی شخصیت تقویٰ و پاکیزگی اور رعب و شوکت کے امتزاج کے باعث اپنے فیصلوں پر اعتماد اور احترام کی ضمانت بھی رکھتی تھی جس کے باعث لوگوں کو اپیل یا انحراف کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ بعد کے ادوار میں جب سیرت زوال کا شکار ہوگئی اور احترام قانون اور قاضی پر اعتماد میں اضمحلال آگیا تو رفتہ رفتہ عدالتی تنظیم میں ارتقاء اور پیچیدگی آتی۔

گئی۔ چنانچہ خلیفہ مہدی عباسی کے عہد میں قاضی القضاۃ کا منصب وجود میں آیا جو عہد جدید کے وزیر عدل وانصاف کے ہم پلہ تھا۔ قاضی القضاۃ کے فرائض واختیارات از حد وسیع تھے۔ تمام عالم اسلام میں قاضیوں کے تقرر سے لے کر فیصلوں تک جملہ عدالتی امور کی نگرانی چیف جج کے حیطۂ اختیار میں تھی۔ منصور کے زمانے میں ایسے مستقل گواہوں کی ایک باقاعدہ فہرست تیار ہونے لگی جو شہادت کے اسلامی معیار پر پورے اترتے تھے۔ دوسری صدی ہجری کے اواخر سے قاضی کے ساتھ ایک معاون "صاحب المسائل یا مزکی" مقرر کیا جانے لگا جس کا کام گواہوں کی عدالت کے سلسلے میں تفتیش کرنا تھا۔ نورالدین محمود کے زمانے میں ایک "دارالعدل" تشکیل دیا گیا۔ جس سے قضا نے ایک پورے محکمہ کی شکل اختیار کرلی۔

قضا کی اہلیت کے شرائط

قضا کا منصب اپنی نزاکت واہمیت کے لحاظ سے حکومت کے دوسرے تمام مناصب پر فوقیت رکھتا ہے۔ ملک کی ترقی اور خوشحالی اس منصب کی پاکیزگی اور حریت پر موقوف ہے اگر اس منصب میں فساد واختلال رونما ہو جائے تو کوئی چیز ملک کو تباہی اور ہلاکت سے نہیں بچا سکتی۔ نظام الملک طوسی رقمطراز ہے:

" ملک اور حکمرانوں کو جو چیز قائم رکھتی ہے، وہ اللہ کی رضا اور خوشنودی ہے جو نیک عمل میں مضمر ہے اور اس کے حصول کا واحد ذریعہ عدل گستری اور انصاف پرستی ہے۔"

اور اس میں شک نہیں کہ ایک آزاد اور تمام اثرات سے بالاتر عدلیہ کی موجودگی ہی قانون کی حکمرانی اور عدل کے نفاذ کی ضمانت ہے۔ قضا کی اہمیت اور نزاکت کے پیش نظر ہی فقہائے کرام نے اس منصب پر تقرر کے لئے اہم شرائط بیان کی ہیں۔ امام ابوالحسن الماوردی نے قاضی کی سات شرطیں ذکر کی ہیں۔

۱۔ مسلمان ہونا، ارشاد خداوندی ہے۔

ولن یجعل اللہ للکفرین ... اور اللہ کافروں کا ہرگز مومنوں پر غلبہ ...

علی المومنین سبیلا   نہ ہونے دے گا۔

سے ثابت ہے کہ کافر کا فیصلہ مسلمانوں پر نافذ نہیں ہے۔ امام اعظمؒ کے نزدیک غیر مسلم اپنے ہم مذہبوں کا قاضی ہو سکتا ہے۔

۲۔ بالغ مرد ہونا۔ نابالغ خود "اہلیت وجوب" سے محروم ہے تو دوسروں پر اپنے حکم کا نفاذ کیونکر کر سکتا ہے؟ عورتوں پر مردوں کو فوقیت حاصل ہے" الرجال قوامون علی النساء الخ" پس عورتیں مردوں پر حاکم نہیں بن سکتیں۔ امام اعظمؒ کے نزدیک جن معاملات میں عورتوں کی شہادت جائز ہے، ان میں قضا بھی درست ہے۔

۳۔ صاحبِ عقل و ہوش ہونا۔ قاضی کے لئے ہوشیار، ذکی الطبع اور سہو و غفلت سے محفوظ ہونا لابدی ہے۔ تاکہ مشکل اور سخت معاملات کی گتھی سلجھا سکے۔

۴۔ آزاد ہونا۔ غلام بے اختیار اور گواہی دینے کے لئے بھی نااہل ہے۔

۵۔ عادل ہونا۔ عدالت سے مراد یہ ہے کہ صادق القول، امین، پاکدامن، پرہیزگار، شبہات سے محفوظ، خوشنودی و ناراضگی میں یکساں قابل اعتماد و اطمینان ہو۔ ان صفات میں سے کسی ایک صفت کا بھی فقدان منصب قضا کے لئے نااہل بنا دیتا ہے۔

۶۔ قوت سامعہ اور قوت باصرہ کی سلامتی بھی ضروری ہے تاکہ اثبات حقوق کی صحت مدعی اور مدعی علیہ میں فرق اور اقرار و انکار کرنے والوں میں امتیاز ممکن ہو۔ البتہ دیگر جسمانی عوارض سے سلامتی قضا کے لئے ضروری نہیں۔

۷۔ مجتہد ہونا۔ علوم شرعیہ کے اصول سے واقفیت تامہ اور فروع میں اعلیٰ مہارت رکھنا قاضی کے لئے ضروری ہے۔ علامہ ماوردی فرماتے ہیں:

فاذا أحاط علمه بهٰذه الاصول الأربعة فى احكام الشريعة صاربها من اهل الاجتهاد فى الدين وجاز له ان يفتى ويقضى ..... وان اخل	یعنی اگر اصول اربعہ (کتاب، سنت اجماع اور قیاس) اس کے حیطہ علم میں داخل ہوں تو ارباب اجتہاد میں شامل ہوگا اس کو مفتی و قاضی بننا و بنانا دونوں جائز ہوگا اور اگر اصول اربعہ سے قطعاً نابلد ہے یا

بها او بشئ منها خرج من ان يكون من اهل الاجتهاد فلم يجز ان يفتى ولا ان يقضى فان قلد القضاء فحكم بالصواب او الخطاء كان تقليده باطلا وحكمه وان وافق الحق والصواب مردودا

بعض کو نہیں جانتا تو مرتبۂ اجتہاد سے ساقط ہے نہ اس کا افتاء جائز ہے نہ تصفیۂ مقدمات اگر قاضی مقرر کر دیا گیا تو خواہ صحیح فیصلے کرے یا غلط بہر صورت اس کا تقرر باطل ہوگا اور تمام احکام درست یا غیر درست مردود ہوں گے۔

... ...

امام اعظمؒ کے نزدیک غیر مجتہد کی قضا جائز ہے کہ وہ معاملات و مقدمات کو فتویٰ حاصل کر کے فیصل کر سکتا ہے اس سلسلہ میں بعد کے اکثر علماء نے اضطراری اور ہنگامی حالات میں امام اعظمؒ کے مذہب کے مطابق غیر مجتہد کی قضا کے جواز کا فتویٰ دیا۔

قاضی کی اہلیت کے سلسلہ میں اس حقیقت کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اسلام میں "فہم و ذکاء" قضا کا بنیادی رکن ہے۔ وجہ یہ ہے کہ قضا کا تعلق احکام کے ظاہری مقررہ صورتوں کے نفاذ اور مقدمات کی ظاہری ہیئت اور شہادت و ضوابط کی تکمیل کے بعد فیصلہ تک رسائی سے ہے جبکہ واقع اور حقیقت میں صدق و حق، قاضی کے فیصلے کے برعکس بھی ہو سکتا ہے اس لئے حقیقی عدل و انصاف کے قیام کے لئے معاملات کی تہ تک رسائی اور مقدمہ کی ظاہری ہیئت سے ہٹ کر حق و سچائی کا کھوج قاضی کا فرض ہے تاکہ غلط فیصلہ سے معاشرہ میں اضطراب و اختلال جنم نہ لے سکے اور ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں قاضی کے لئے سب سے زیادہ اہم چیز فہم و ذکار، بصیرت و دوربینی، معاملہ فہمی اور فطانت و ذہانت ہے۔

قاضی کے فرائض و اختیارات

بنیادی طور پر قاضی کا منصب فصل خصومات اور قطع منازعات ہے لیکن اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں خلفاء نے قاضی کو بہت سے فرائض اور اختیارات بھی سونپے

رہے ہیں۔ ابن خلدون لکھتا ہے "خلفاء اور سلاطین نے خلافت کے کاموں میں مصروف رہنے کے باعث قاضیوں کو بتدریج دیگر عہدے بھی دیئے اور آخر میں تو قاضیوں کو مقدمات کے فیصلوں کے اختیارات کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے بعض عام حقوق کے اختیارات بھی حاصل تھے۔"

ذیل میں ہم امام ماوردی وغیرہ کے بیان کردہ قاضی کے اختیارات مختصر بیان کرتے ہیں

۱۔ تنازعات اور جھگڑوں کو فیصل کرنا۔

۲۔ اقرار یا شہادت کے ذریعہ ثابت شدہ حقوق لوگوں کو دلوانا۔

۳۔ ممنوع التصرف لوگوں (بچے، فاتر العقل، سفیہ اور مفلس وغیرہ) کے اموال و جائداد کی حفاظت اور ان کے تصرفات پر قدغن لگانا۔

۴۔ اموال یتامیٰ کی حفاظت۔

۵۔ اوقاف کی نگرانی۔

۶۔ وصیتوں کا نفاذ اُن کی شرائط کے مطابق۔

۷۔ بیوہ عورتوں کے ولی نہ ہوں تو ان کے نکاح کے بارے میں کفو کی نگرانی کرنا۔ امام اعظمؒ کے نزدیک یہ امر قاضی کے فرائض میں داخل نہیں۔

۸۔ شرعی حدود کا جاری کرنا۔

۹۔ راستوں اور مکانوں کی تعمیرات اور اصلاحات کی دیکھ بھال۔

۱۰۔ گواہوں، امینوں اور نائبوں کے حالات کی سراغرسانی۔

۱۱۔ دارالضرب (ٹکسال) کی نگرانی۔

۱۲۔ رویت ہلال کا انتظام

۱۳۔ بعض قاضی جیلوں کی اصلاحات اور نگرانی بھی کرتے تھے۔

حدود اختیارات

۱۔ اسلام میں کوئی بھی شخص انصاف اور قانون سے بالاتر نہیں اس لئے قاضی کے اختیارات

کا دائرہ رعایا کے تمام طبقات اور حکومت کے جملہ افسران حتیٰ کہ سربراہ مملکت تک محیط ہے۔
چنانچہ قاضی کا فرض ہے کہ حکمرانوں کی سرگرمیوں کو شریعت کے معیار پر جانچے اور ان کی کڑی نگرانی کرتے ہوئے انہیں انحراف سے روکے رکھے۔

۲۔ فرائض عدل و انصاف کی حد تک قاضی کے لئے بجز اسلامی قوانین کی پیروی کے اور کوئی پابندی نہیں ہے اور اپنے تمام فیصلوں میں قاضی احکام الٰہی کا پابند ہے کہ خدا کے نازل کردہ قوانین کو چھوڑ کر اپنے خود ساختہ یا حکمرانوں کے تراشے ہوئے قوانین پر عمل کرنا، ان کے مطابق فیصلے کرنا اور انہیں نافذ کرنا قرآن کریم کی رُو سے اُن انتہائی معاصی میں ہے جو عملاً کفر ہیں۔

ومن لم یحکم بما انزل	اور جو کوئی اللہ کے نازل کئے ہوئے
اللہ فاولئک هم الکافرون۔	کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہی لوگ تو کافر ہیں۔

۳۔ غیر قانونی سرگرمیوں کو، اقدامات کو قانونی قرار دینا (تحلیل ما حرم اللہ) اسلام کی رو سے قطعاً ناجائز ہے اس لئے عدلیہ کے کسی اعلیٰ ترین ادارے کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ حکومت کے کسی غیر قانونی اقدام کو اپنے فیصلہ کے ذریعہ قانونی قرار دے سکے۔

۴۔ قانون شریعت کوئی جامد قانون نہیں ہے کہ محض قانون کی خاطر معاشرہ یا کسی فرد کو پریشان اور تنگ کیا جائے بلکہ عدل و مساوات کے تقاضوں کو پورا کرتے وقت مجبوریوں، ضرورتوں اور حالات کو پیش نظر رکھنا بھی قاضی کے فرائض میں شامل ہے۔ چنانچہ اگر عدل و انصاف کا تقاضا ہو تو مجتہد قاضی شرعی حدود میں رہتے ہوئے مناسب حد تک احکام میں تبدیلی کرنے کا مجاز ہے۔

قضا کے بنیادی اصول و ضوابط

اسلام کے نظام قضا کی نمایاں خصوصیات اس کے حسب ذیل بنیادی اصول و ضوابط سے عیاں ہیں۔

۱- عدلیہ کی آزادی اور مختاری

بعض جدید مفکرین کا خیال ہے کہ کسی ریاست کے متمدن اور غیر متمدن ہونے کا اندازہ محض اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی عدلیہ کس حد تک با اختیار اور آزاد ہے۔ ایک مکمل طور پر با اختیار اور ہر قسم کے دباؤ سے آزاد عدلیہ ہی کی بے باکی اور جرأت مندی کے ساتھ قانون کے مطابق فیصلے کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ عدلیہ کی آزادی سے مراد یہ ہے کہ قاضی تشریعیہ اور انتظامیہ کے ہر قسم کے اثر ورسوخ سے بالکل بالاتر ہو کر اپنے ضمیر کے مطابق فیصلے کر سکتا ہو۔ جب بھی عدلیہ کے وقار، آزادی اور خود مختاری کا ذکر ہوتا ہے تو لوگ فرانس کے قانون دان" مانٹیسکو" کا نام لیتے ہیں کہ اس نے عدلیہ کی آزادی اور انتظامیہ سے علٰحدگی کا تصور دیا لیکن یہ حقائق سے چشم پوشی ہے۔ عدلیہ کو باوقار اور با اختیار بنانے کا تصور سب سے پہلے ایک باقاعدہ اصول کی صورت میں اسلام نے چودہ سو سال پیشتر عملاً پیش کیا۔ عدلیہ کا انتظامیہ سے الگ ہونا اسلامی ریاست کے بنیادی اصولوں میں سے ہے بلکہ قرآن و سنّت کے احکام و قوانین کی دائمی حیثیت کا مطلب یہ ہے کہ عدلیہ کو انتظامیہ اور مقننہ دونوں پر بالادستی حاصل ہے۔ وہ انتظامیہ کے تمام اقدامات کو چیلنج کر سکتی ہے اور مقننہ کے بنائے ہوئے جملہ قوانین کو پرکھ کر خلاف شرع قوانین کو کالعدم قرار دے سکتی ہے۔

۲- قانون کی حاکمیت و بالاتری

قانون کی حکمرانی (Rule of Law) گو ایک مغربی اصطلاح ہے جسے سب سے پہلے پروفیسر البرٹ ڈائسی نے اپنی کتاب Law of the Constitution میں استعمال کیا اور اس حاکمیت قانون کے تین پہلو پیش کیے۔

(۱) کسی بھی فرد کو قانون کی خلاف ورزی کرنے پر عدالت مجاز کے سوا اور کوئی سزا دینے کا حق نہیں۔

(۲) کوئی فرد خواہ کسی بھی اعلیٰ سے اعلیٰ حیثیت کا حامل ہو۔ قانون سے بالا نہیں ہو سکتا۔
(۳) فرد کے حقوق کا تحفظ دستاویز قانون سے نہیں بلکہ عدالت کے ذریعہ سے ہوتا ہے لہٰذا عدالت کا فرض ہے کہ وہ ہر قسم کے خوف و اثر سے بے نیاز ہو کر قانون کے نفاذ اور عدل کے استقرار کا کام انجام دے۔
قانون کی حکمرانی کے یہ تینوں اجزاء ہمیں ابتدا ہی سے اسلامی تعلیمات اور اسلام کے قائم کردہ معاشرہ اور عدالتی نظام میں مغرب سے کہیں زیادہ واضح، روشن اور رچے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہاں اس تفصیل کی گنجائش نہیں۔

۳۔ قانون کے سامنے سب کی برابری

اسلام میں قانون اور عدلیہ کے سامنے بلا امتیاز مذہب، نسل اور طبقہ و اقتدار کے سب افراد کے درمیان مساوات کا اصول سختی سے اپنایا گیا ہے۔ حتیٰ کہ سربراہ ریاست کو بھی کوئی تحفظ اور امتیاز حاصل نہیں۔ ایک جلیل القدر سلطان اور ایک معمولی شخص عدالت میں مساوی حق رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تاریخی ارشاد آج بھی جگمگا رہا ہے کہ "میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اگر چوری کرے گی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے گا۔"

۴۔ انصاف کی مفت اور جلد فراہمی

اسلام میں انصاف ہر شہری کا بنیادی حق ہے اس لئے انصاف رسانی کے سلسلہ میں کسی قسم کا کوئی معاوضہ لینا اسلامی تصور عدل کے منافی ہے۔ چنانچہ اسلامی طریقۂ عدل و انصاف میں کورٹ فیس کا کوئی وجود نہیں اور نہ مدعی پر اس قسم کی کوئی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسلام انصاف میں تعجیل یعنی جلدی کا قائل ہے اور ایک ایسا طریقۂ کار رکھتا ہے جس سے انصاف میں تاخیر نہ ہونے پائے کیونکہ انصاف کا جلد حاصل ہو جانا بھی انصاف میں شامل بلکہ انصاف کی روح ہے اور انصاف میں تاخیر خود انصاف ہی کی نفی ہے......

انصاف کی سفت اور جلد فراہمی کے سلسلہ میں اصل الاصول ہے حکومت اور عوام کا باہمی تعلق اور رابطہ جس کے لئے اسلام نے "اقامتِ صلوٰۃ" کو ایک بہترین ذریعۂ ارتباط و اتصال کے طور پر اپنایا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مظلوم اور منصف کا درمیانی فاصلہ جتنا قریب، کم اور آسان ہوگا اسی قدر انصاف جلد اور سستا مہیا ہوگا۔

۵۔ انصاف کے تقاضوں کی تکمیل

ایک طرف تو اسلام یہ چاہتا ہے کہ انصاف نہ صرف ہو بلکہ ہوتا ہوا نظر بھی آئے اور دوسری طرف وہ انصاف کے تمام تقاضوں کی تکمیل قاضی کا فرض ٹھہراتا ہے۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل ضوابط و آداب کی تکمیل ضروری ہے۔

(۱) عدالت میں قاضی نہ کسی کو سلام کرے اور نہ کوئی اسے سلام کرے۔

(۲) مقدمات کے فیصلے تنہائی میں نہ کرے (کھلی عدالت کا اہتمام)

(۳) مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم نہ کرے۔

(۴) مقدمہ کے فریقین کے ساتھ ہر معاملہ میں یکساں برتاؤ کرے۔

(۵) ہدایا و تحائف سے بالکل احتراز کرے۔

(۶) غصہ، بھوک اور جذباتی ماحول میں فیصلہ نہ دے۔

(۷) مدعی اور مدعی علیہ دونوں کے بیانات سن کر فیصلہ دے۔ وغیرہ۔ وغیرہ

مولانا محمد سعید بزرگ صاحب کا سانحۂ ارتحال

پرچہ پریس میں جا رہا تھا کہ مولانا محمد سعید بزرگ صاحب کے صاحبزادے مولانا احمد بن محمد سعید بزرگ صاحب نے موصوف کے سانحۂ ارتحال کی افسوس ناک اطلاع اپنے خط کے ذریعہ دی۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُون۔ مولانا موصوف جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین کے تقریباً ۳۰ سال تک ناظم رہے۔ اس مدت میں انہوں نے مدرسہ کو غیر معمولی ترقی دی۔ ذاتی طور پر انتہائی دیندار، خاکسار اور ملنسار تھے۔ دوبارہ ندوہ کے جلسۂ انتظامیہ میں آپ سے ملاقات کا موقع ملا اور مل کر خوشی ہوئی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کو اپنے جوارِ رحمتِ خاص میں جگہ عنایت کرے اور ان کے صاحبزادگان اور متعلقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

خواجہ میر دردؒ رحمۃ اللہ علیہ

ان کا کلام اور علمی مقام

(مجیب اللہ ندوی)

ہماری تاریخ میں بے شمار ایسی شخصیتیں گزری ہیں جن کی بلند علمی و دینی حیثیت کے نقوش شاعری یا بعض دوسرے مشاغل کے گرد و غبار میں دب کر رہ گئے ہیں نہ ہم ان کی بلند شخصیت سے واقف ہوئے اور نہ ہم ان کے علم و فضل سے اتنا فائدہ اُٹھا سکے جتنا اٹھانا چاہئے تھا انہی میں ایک خواجہ میر دردؔ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی بھی ہے۔

عام طور پر خواجہ میر درد کو اردو شاعری کے تیسرے طبقے کا ایک شاعر سمجھا جاتا ہے اور اُن کا نام میر و سودا کے ساتھ نہیں بلکہ ان کے بعد لیا جاتا ہے مگر خواجہ میر درد کی یہ حیثیت ثانوی ہے' خواجہ صاحب ایک دینی و علمی خانوادہ کے گوہر شب چراغ تھے۔ تصوف کے سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ میں وہ نہ صرف بلند مقام رکھتے تھے بلکہ وہ تصوف میں ایک نئے طریقۂ محمدی کے حامل بھی تھے۔ وہ اپنے غیر معمولی علم و فضل کی وجہ سے اپنے تمام معاصرین میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے اور عوام و خواص سب کی نظر میں محترم تھی۔ اس عہد میں شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خانوادہ کو چھوڑ کر ان کی جیسی شخصیت کے لوگ بہت کم پیدا ہوئے بلکہ زبان کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ اپنے صاحبزادوں کو یہ ہدایت کرتے تھے کہ زبان سیکھنی ہو تو خواجہ میر درد کے پاس جایا کرو۔ ان کی "علم الکتاب" کا کوئی اگر سرسری بھی مطالعہ کرے گا تو اسے محسوس ہوگا کہ اس میں نہ صرف احسان و تصوف کے مسائل کی علمی و وجدانی تشریح کی گئی ہے' بلکہ حکمت دین

کا بھی وہ بہترین خزانہ ہے۔ یہ کتاب اصلاً فارسی میں لکھی گئی ہے مگر جابجا انہوں نے عربی زبان میں اپنے خیالات ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے، جہاں انہوں نے عربی زبان میں اسرار وحکم کی باتیں بیان کی ہیں ان کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ عربی زبان پر اُن کو نہ صرف پوری قدرت تھی بلکہ کہیں کہیں تو شاہ صاحب کی "حجۃ اللہ البالغہ" کا رنگ جھلکنے لگتا ہے۔ آئندہ صفحات میں اُن کی علمی شخصیت کا پورا تعارف کرانے کی کوشش کی جائے گی، پھر اردو شاعری میں اُن کا جو بلند مقام ہے اس کو واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی، مگر اس سے پہلے ہم معاصر اور بعد کے چند تذکرہ نگاروں کی کچھ رائیں نقل کر دینا ضروری سمجھتے ہیں جن کی روشنی میں اردو زبان وشاعری میں خواجہ صاحب کے مقام و مرتبہ کا اندازہ لگانے میں مدد ملے گی اور ساتھ ہی یہ پہلو بھی سامنے آئے گا کہ میر وسودا وغیرہ جو خواجہ صاحب کے فیض یافتہ، خوشہ چین اور زلّہ ربا تھے، اُن کے مقابلہ میں ان کو کیوں زیادہ اہمیت حاصل ہوگئی۔

افسوس ہے کہ ابتک خواجہ صاحب کی نہ تو علمی و دینی شخصیت پر خاطر خواہ کوئی تحقیقی کام ہو سکا ہے اور نہ ان کی شاعری پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، اسی احساس کے تحت راقم الحروف نے آج سے بیس سال پہلے خواجہ صاحب پر کچھ لکھنا شروع کیا تھا مگر یہ مفید کام بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر رک گیا تھا اب دوبارہ اس سلسلہ کو شروع کو کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ خدا تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔

اردو ادب و شاعری میں خواجہ صاحب کا مقام

عام طور پر تذکرہ نگار اردو شاعری کو تین دور پر تقسیم کرتے ہیں۔ ان میں متوسطین یا دوسرے دور کے شعرا کا زمانہ اردو شاعری کا عہد زریں شمار کیا جاتا ہے۔ اسی عہد میں اردو زبان منجھی اور صاف ہوئی اور اسی میں فارسی زبان کی شیرینی و دل آویزی اور دلکشی پیدا ہوئی۔ ایہام گوئی اور رعایت لفظی کا دور کم ہوا اور اس کی جگہ سادگی و برجستگی نے لی۔ اصناف شاعری میں قصیدہ نگاری، غزل گوئی اور مثنوی نویسی نے اتنی ترقی کی کہ بعد میں اس میں بہت کم اضافہ ہو سکا، معنوی حیثیت سے اردو شاعری کا دامن اتنا مالا مال ہوا کہ فارسی شاعری کے ہم رتبہ نہ بھی تو اس سے آنکھیں ملانے کے قابل ضرور ہوگئی، اس میں سوز وگداز، درد وخستگی

کے ساتھ فنی گہرائی اور علمی بلندی پیدا ہوئی سطحی و سوقیانہ جذبات و واردات سے اس کا دامن پاک تو نہیں ہوا مگر لطیف و پاکیزہ جذبات و واردات نے بھی اپنی جگہ بنالی، اب وہ صرف عوام ہی کی نہیں بلکہ خواص کی بھی مرغوب ترین نعمت بن گئی تھی، جو لوگ ریختہ میں شاعری کرتے ہوئے شرماتے تھے اس دور میں وہ بھی اردو معلیٰ سے اپنے منھ کا ذائقہ بدلنے لگے۔ اردو زبان کی اس لفظی و معنوی تراش وخراش میں یوں تو اس دور کے سبھی شعراء وادبا نے حصہ لیا لیکن جن لوگوں کی کوششیں زیادہ بارآور ہوئیں ان میں مرزا مظہر جان جاناں، خواجہ میر درد اور میر و سودا کا نام سرفہرست ہے انشا دریائے لطافت میں ان بزرگوں کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

غرضیکہ پاک کنندۂ چمنستان ریختہ از	ریختہ یعنی اردو زبان کو جن لوگوں نے
خاروخس عیوب ایں صاحبان اند	خاروخس سے صاف کیا وہ یہی لوگ تھے۔

مولانا محمد حسین آزاد آب حیات میں لکھتے ہیں۔

اپنے استادوں اور بزرگوں سے یہی سنا کہ مرزا مظہر جان جاناں۔ سودا، میر خواجہ، میر درد، یہ چار شخص تھے جنہوں نے اردو کو خراط پر اتارا (ص ۱۱۱ ،

پھر لکھتے ہیں۔

" زبان اردو ابتدا میں کچا سونا تھی۔ ان بزرگوں نے اکثر کدورتوں سے پاک و صاف کیا ـــ تم دیکھنا وہ بلندی کے مضامین نہ لائیں گے آسمان سے تارے اتاریں گے قدر دانوں سے فقط داد نہ لیں گے پرستش لیں گے لیکن نہ وہ پرستش کہ سامری کی طرح عارضی ہو اُن کے کمال کا دامن قیامت کے دامن سے بندھا پاؤگے"۔ (ص ۱۱۸)

چمنستان ریختہ کو خس وخاشاک سے پاک کرنے اس کو خراط پر اُتارنے اور اس کچے سونے کو تپاکر اس سے آرائشوں کے سامان اور تاج وافسر بنانے میں خواجہ میر درد کی زندگی شاعری اور تصنیفات کا کتنا حصہ ہے اس کا اجمالی خاکہ یہاں پیش کیا جاتا ہے اور اس کی تفصیل آئندہ ابواب میں ملے گی۔

میر نے نکات الشعراء میں خواجہ میر درد کا تذکرہ بڑے جوش عقیدت اور اُن کی

شاعری اور اس کے اثرات کا ذکر بڑے شاندار لفظوں میں کیا ہے، چند جملے یہ ہیں :-

جوش بہار گلستان سخن، عندلیب خوش خوان
چمن این فن ... ... درچمن شعرش لفظ
رنگیں چمن چمن گل چیں خیال او راگل معنیٰ دامن
دامن شاعر زور آور ریختہ
(ص ۵۳)

گلستان سخن کی بہار فن شاعری کے بلبل خوش نوا ان
کا چمنستان شاعری الفاظ کی رنگینیوں سے بھرپور
ہے ان کے خیال کی بلندی کی اگر کوئی گل چینی
کرے گا تو اس کا دامن معنوی خوبیوں کے پھول سے
بھر جائے گا، یہ اردو کے زبردست شاعر ہیں۔

میر حسن نے تذکرۂ شعرائے اردو میں میر سے بھی زیادہ جوش و ولولہ سے ان کے فضل و کمال
اور شاعری کا ذکر کیا ہے۔

طنطنۂ فضل وکمال و دبدبۂ جاہ جلال او
بفلک رسیدہ و طناب خیمۂ فکر عالیش چوں
شعاع مہر از مشرق تا مغرب کشیدہ شاعر
فارسی و ہندی نے نے غلط ایں چہ لائق اوست
بل شعر گفتن دون مرتبۂ اوست ... ...

اُن کے کمال کا سر آسمان کی بلندی چھو رہا ہے اور
ان کی بلند فکر سورج کی شعاع کی طرح مغرب سے مشرق
تک پھیلی ہوئی ہے۔ فارسی اور ہندی کے شاعر
ہیں نہیں نہیں میں نے غلط کہا یہ ان کے رتبہ کے
لائق نہیں ہے بلکہ شاعری اُن کے مرتبے سے کم تر چیز ہے۔

اُن کے کلام کے بارے میں انہوں نے صرف دو جملے لکھے ہیں مگر تبصرہ کا حق ادا کر دیا ہے۔

دیوانش اگرچہ مختصر است لیکن چوں کلام
حافظ سراپا انتخاب (ص ۹۳)

ان کا دیوان مختصر ہے مگر حافظ کے کلام کی طرح سراپا
انتخاب ہے۔

شیفتہ ان کی بہت سی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے اُن کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں۔

خواجہ را دریں فن (شاعری) نیز مانند
کمالات اخروی مکانتے ارجمند و دست گاہے
بلند است فکرش صحیح و نظمش فصیح گفتارش
از رکاکت اغلاط پاک در جنب گلہائے خیالاتش
گلہائے چمن ہم از خس و خاشاک پاک دیوانش
از نظر گزشت از اشعار پر کن خالی است"

خواجہ صاحب فن شاعری میں بھی کمالات اخروی کی
طرح بلند مرتبہ اور پوری قدرت رکھتے تھے اُن کی فکر
صحیح اور کلام فصیح ہوتا تھا ان کی گفتگو غلطیوں سے بالکل
پاک ہوتی تھی اُن کے خیالات سے ایسے پھول کھلتے تھے
جو خس و خاشاک سے بالکل پاک تھے اُن کا دیوان
نظر سے گذرا ہے بھرتی کے اشعار سے وہ بالکل

(گلشن بے خار ص ۱۰۲ مطبوعہ ۱۲۵۹ھ)   خالی ہے۔

نواب امداد اثر غالباً پہلے شخص ہیں جنہوں نے سودا کے بجائے خواجہ میر درد کو میر کے مقابلہ میں لانے بلکہ بعض پہلوؤں سے ترجیح دینے کی جرات کی ہے۔ اُن کے چند ملاحظہ ہوں

" خواجہ صاحب کی غزل سرائی نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی ہے سوز و گداز میں ان کے جواب میر تھے یا آپ اپنے جواب تھے۔ واردات قلبیہ کے مضامین ایسے باندھتے تھے کہ سودا ان تک نہ پہنچتے تھے ... ..."

خواجہ صاحب کی غزل سرائی تمام تر اسی صنف شاعری کے مطابق پائی جاتی ہے علاوہ سوز و گداز درد و خستگی، غلوئے معانی اور سمو مضامین کے نظم کی شستگی راقم کی دانست میں میر صاحب کے کلام سے زیادہ بڑی بھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔"

پھر ان کی ایک اور خصوصیت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کرتے ہیں۔

" خواجہ صاحب کے کلام میں ایک امر اور بھی قابل لحاظ ہے کہ چونکہ خلقت کی رو سے صاف دل تھے اور ریاضت نے اُن کی قلبی کیفیت کو ترقی بخشی تھی ان کے کلام میں عجیب بے نفسی کی جلوہ گری پیدا ہے۔" (ص ۹۶)

" پھر انہوں نے لکھا ہے کہ ان کے اشعار میں ایسا محسوس ہوتا ہے لپیی ہوئی بجلیاں بھری ہیں"

ان رایوں کی روشنی میں اردو ادب و شاعری میں خواجہ میر درد کے مقام اور اُن کے کارناموں کا جو خاکہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے۔

۱۔ دوسرے دور میں جن چار شعراء نے اُردو زبان کی زلف پریشاں کو سنوارا اور اس شاہد رعنا کے نوک پلک درست کئے ان میں ایک خواجہ میر درد بھی ہیں۔

۲۔ حافظ کی طرح اُن کا کلام بھی سراپا انتخاب ہے۔ ان کا دیوان بھرتی کے اشعار سے تقریباً خالی ہے

۳۔ غزل گوئی میں اُن کا درجہ میر کے برابر ہے بلکہ درد و سوز اور نفاست و پاکیزگی میں اُن سے بڑھا ہوا ہے۔

۴۔ ان کے کلام میں رکاکت، غلطی اور تعلی کے بجائے سادگی صفائی اور بے نفسی نمایاں ہے۔

عام طور پر سودا کو میر کا مدمقابل اور ہم رتبہ سمجھا جاتا ہے خود سودا بھی ایسا ہی سمجھتے تھے۔

لیکن یہ بات جتنی عام ہے اسی قدر غلط ہے، درؔد کسی کے مدمقابل تو نہ تھے لیکن گوئی میں واقعی اُن کا کوئی ہمسر و ہم رتبہ ہے تو میر ہیں۔ سودا کو میؔر کے مقابلے میں لانا ایسا ہی ہے جیسے ذوقؔ کو غالب کے اور انشاؔ کو مصحفی کے مقابلہ میں لانا۔

گو میر تقی میرؔ و خواجہ میر درؔد دونوں ہی صنف غزل کے شاعر ہیں، لیکن اس اشتراکیت کے باوجود راقم کے نزدیک دونوں کی شاعری میں وہی فرق ہے جو دونوں کی زندگی میں تھا۔

صاحب گلؔ نے دونوں کی شاعری میں جو خط امتیاز کھینچا ہے وہ یہ ہے،

عاشقانہ شاعری کی دو قسمیں ہیں اول وہ جس میں عاشقانہ جذبات کی صحیح کیفیت حق شناس آنکھوں میں خدانمائی کا جلوہ دکھاتی ہے۔ اس کی حد ایک طرف تصوف، معرفت یا عشق حقیقی سے ملتی ہے۔ دوسری طرف پاک محبت اور عشق مجازی سے ڈانڈا مل جاتا ہے۔

پہلی صنف میں خواجہ میر درؔد اور دوسری میں میر تقی میؔر نے نمایاں حصہ لیا (ص ۵۳)

غرض یہ کہ اگر اس عہد کی غزلوں کا غائر مطالعہ کیا جائے تو غزل کے دو ہی تاجدار نظر آئیں گے ایک میر دوسرے خواجہ میر درؔد البتہ دونوں تاجداروں میں یہ فرق ضرور ہے کہ ایک نے اس تاجداری کے لئے در در کی ٹھوکریں کھائی، دُکھ سہے کتنے صاحبان تاج و تخت کا اسے احسان مندومنت کش ہونا پڑا اسے مدح بھی کرنی پڑی اور ہجو بھی اس نے اس کو اپنی زندگی کا واحد مشغلہ اور پیشہ بنایا مگر زمانہ نے اس کی اتنی پذیرائی نہیں کی جس کا وہ مستحق یا خواہشمند تھا۔ یہاں تک کہ وطن کو خیرباد کہکر لکھنؤ چلا آیا اور اسی غربت کدہ میں اُسے موت آئی، اُس کے برعکس دوسرے تاجدار نے اپنے گوشۂ عافیت سے قدم باہر نہیں نکالا۔ وہ خود تاجداروں کا منت کش نہیں ہوا بلکہ ان کو خود اپنا منت کش بنایا دل پر قیامت نہیں.... بلکہ قیامتیں گذریں۔ لیکن وہ اپنے بوریا سے جدا نہیں ہوا۔ شاعری کو اس نے نہ تو اپنا مشغلہ اور پیشہ بنایا اور نہ زمانہ کی پذیرائی اور داد کا خواہشمند ہوا اور نہ کبھی اس نے کسی کی مدح یا قدح سے اپنی زبان آلودہ کی۔ اس کی شاعری آورد اور زور آزمائی نہیں بلکہ واردات دل ہے۔ ان اشعار میں اس کی تصویر دیکھی جا سکتی ہے ؎

شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں　　　نہ تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا

نہیں مذکور شاہان درد ہرگز اپنی مجلس میں　　　　کبھو کچھ ذکر آیا بھی تو ابراہیم ادہم کا

ہر آن ہے وارداتِ دل پر　　　　آتا ہے یہ قافلہ کہاں سے؛

اس کی بوریا نشینی کی طرف اگر کسی نے حقارت کی نگاہ بھی اُٹھائی تو اس نے اس کو یہ پیغام دیا۔

زنہار ادھر کھولیو مت چشم حقارت　　　　یہ فقر کی دولت ہے کچھ افلاس نہیں ہے

فن شاعری کے بارے میں اُن کے خیالات کی تفصیل آگے آئے گی۔ چند جملے یہاں بطور تمہید نقل کئے جاتے ہیں، نالہ درد میں فرماتے ہیں۔

"شاعری ایسا کمال نہیں جس کو مرد آدمی اپنا پیشہ بنالے اور اس پر ناز کرے البتہ انسانی ہنروں میں ایک ہنر ہے، بشرطیکہ صلہ حاصل کرنے اور در بدر پھرنے کا آلہ نہ بنے اور مدح و ہجو دنیا کمانے کے لئے نہ کہے ورنہ گداگری کی ایک صورت ہے اور طماعی اور بدنفسی کی دلیل۔"

(نالۂ درد۔ ص ۴۸)

اپنی شاعری کے بارے میں فرماتے ہیں۔

حقیر کے اشعار باوجود رتبۂ شعری کی رعایت کے بیشتر شاعری اور اندیشۂ ظاہری کے نتائج نہیں بندہ نے کبھی شعر بدوں آمد کے اہتمام آورد سے موزوں نہیں کیا اور بہ تکلیف کبھی شعر و سخن میں مستغرق نہیں ہوا کبھی کسی کی مدح یا ہجو نہیں کیا۔"

(علم الکتاب ص ۹۱)

صاحب گل رعنا نے میر اور خواجہ میر درد کی عاشقانہ شاعری میں جو حدِ فاصل قائم کی ہے راقم کو اس سے بالکلیہ اتفاق نہیں ہے میر درد کی شاعری کا رشتہ اگر ایک طرف عشق حقیقی اور والہانہ اور عاشقانہ جذبات سے ملتا ہے تو دوسری طرف اس کا سرا پاکیزہ مجازی محبت اور عاشقانہ جذبات سے جڑا ہوا لیکن وہ مجازی محبت جو واقعی المجاز قنطرة الحقیقة (مجازی محبت حقیقی محبت کا پل ہے)

کی مصداق ہے۔ نہ وہ مجازی محبت جو بوالہوسی، دریوزہ گری اور شاہد بازی کا محرک یا نتیجہ ہو جیسا کہ میر، سودا، اور غالب کی زندگی اور عاشقانہ شاعری ہے۔ اگر یہ درد و سوز پیدا کرنے کے لئے مسائل تصوف "چھیڑتے ہیں تو اس میں آمد نہیں آورد ہوتی ہے، پاکیزہ مجازی محبت سے ان کی شاعری کا کیا واسطہ۔ خود خواجہ میر درد کی زبان سے سنیئے ان کی شہادت کے بعد کسی دوسری شہادت کی ضرورت نہیں ہے، وہ علم الکتاب میں لکھتے ہیں :۔

میں کبھی رسمی عشق بازی میں گرفتار نہیں ہوا لیکن عاشقانہ صادقانہ پایا ہے۔
محبوبوں سے تو کبھی سابقہ نہیں رہا البتہ دوستوں کی محبت بے تکلفانہ
میں کچھ وقت ضرور گذارا ہے۔

دردسرا فزود از عشق بتاں   درد من می خواستم درد دلے

اس سوال کا جواب کہ کیا دوستوں کی محبت اور دل عاشقانہ صادقانہ سے وہ جذبات پیدا ہوسکتے ہیں جو عشق مجازی کا خاصہ ہیں ؟

خواجہ صاحب کے کلام کا ایک حصہ ایسا ہے جس میں مجاز کا وہ رنگ جھلکتا ہے جو عام طور پہ ان کے دور اور بعد کے دور کے اردو شعر کا رنگ رہا ہے اس کی وجہ عام دستور کی پابندی ہو یا کچھ اور مگر خواجہ صاحب کے مذکورہ بالا قول کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تنہا ان کی شہادت ہی کیا کم تھی مگر آگے میر وسودا اور بعد کے تذکرہ نگاروں کی رایوں سے بھی اس کی تائید ہوگی، اس لئے آئندہ ابواب میں ہم کو غور کرنا ہوگا کہ جس نے اردو شاعری میں گلزار معرفت کا بیج بویا ہو،

پھولیں گے اس زبان میں گلزار معرفت   میں یاں زمین شعر میں یہ تخم بو گیا

اس نے جو رنگ مجازی کے شعر کہے ہیں وہ واقعی عاشقانہ صادقانہ احساسات کا نتیجہ ہیں یا پھر ان کی وہی حیثیت ہے جو میر، سودا اور غالب وغیرہ بہ تکلف کہے ہوئے صوفیانہ کلام اور درد و سوز والے اشعار کی ہے۔

بابو رام سکسینہ نے لکھا ہے کہ " میر اردو غزل کے سعدی ہیں" میر کو سعدی سے بالکلیہ تو نہیں مگر کسی حد تک مماثلت ضرور ہے۔ گو میر حسن ان کی شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ " طرزش امالبطرز شفائی" اگر بابو رام سکسینہ کی رائے کو تسلیم کر لیا جائے تو راقم کے نزدیک اس میں اتنے اضافے کی

ضرورت ہے کہ میر اردو غزل کے سعدی ہیں اور خواجہ میر درد اردو غزل کے حافظ ہیں، اور سعدی اور حافظ میں جو فرق ہے اُس کو علامہ شبلیؒ نے دو جملوں میں ظاہر کیا ہے۔

" شیخ سعدی کی پیغمبری کا صحیفہ غزل ہے
خواجہ حافظ نے غزل کو معجزہ بنا دیا۔"

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی مرحوم میر حسن کے اس جملہ " دیوانش اگرچہ مختصر است لیکن چوں کلام حافظ سراپا انتخاب" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

میر دردؔ کا ایک شعر سُن لو ؂

ساقیاں یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ ٭ جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

" حافظ کے بہت سے اشعار یاد آ جائیں گے۔" آئندہ صفحات میں اس کی مزید وضاحت آئے گی، مگر اتنی بات یہاں ذہن میں رہنی چاہیئے کہ حافظ سے اُن کو ایک مناسبت یہ بھی ہے کہ اصناف شاعری میں صرف غزل ہی کو دونوں نے اپنے اظہار جذبات کا ذریعہ بنایا ہے دوسرے اصناف میں ان کا کلام برائے نام ہے، خاص طور پر ہجو اور قصیدہ کے تو قریب بھی نہیں گئے۔

خواجہ صاحب کلام اس حیثیت سے بھی اُن کے معاصرین میں ممتاز ہے کہ ان کے تمام معاصرین اور خاص طور پر میرؔ و سوداؔ کے کلام میں ایک طرف بلندی اور گہرائی نظر آئے گی تو دوسری طرف اسی اعتبار سے پستی رکاکت اور سطحیت بھی ملے گی، اس کے خلاف دردؔ کے کلام میں بلندش بغایت بلند کے نمونے تو ہر غزل میں مل جائیں مگر پستش بغایت پست کی مصداق شاید ان کی ایک غزل بھی نہ نکل سکے۔

پھر خواجہ میر دردؔ کی شاعری میں جو تہذیب رکھ رکھاؤ اور متانت پائی جاتی ہے وہ ان کے کسی معاصر شاعر کو نصیب نہیں ہے۔ آگے ہم مثالوں سے واضح کریں گے، یہاں میر تقی میرؔ کے ایک شعر کو ہم مثال میں پیش کرتے ہیں، میر کا بہت مشہور شعر ہے ؂

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

بہترین شعر ہوتے ہوئے بھی اس سے ایک طرح کی بے صبری، گھبراہٹ، غیر فطری اور

عامیانہ روش کا اظہار ہوتا ہے اور لفظ شاید نے اس میں ایک بے یقینی کی کیفیت بھی پیدا کر دی ہے
اس کے مقابلہ میں خواجہ صاحب کا شعر سنیئے ؎

جوشِ جنوں کے ہاتھ سے فصلِ بہار میں
گل سے بھی ہو سکی نہ گریباں کی احتیاط

خواجہ صاحب نے بھی اسی مفہوم کو ادا کیا ہے مگر اُن کے شعر کے ایک ایک لفظ میں کتنی
متانت، تہذیب اور کتنا رکھ رکھاؤ معلوم ہوتا ہے۔ جوشِ جنونِ عشق کی ایسی فطری اور واقعی
ترجمانی اور عکاسی کی گئی ہے کہ اس کی داد نہیں دی جا سکتی۔ میرؔ کا شعر اس کے مقابلہ میں بے وزن
سا معلوم ہوتا ہے۔

خواجہ صاحب کا یہ امتیاز بھی اردو شاعری کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گا کہ میرؔ و سوداؔ کے پورے
کلیات کا تو ذکر ہی کیا ہے اُن کا منتخب کلام بھی ہر طبقے اور ہر عمر کے لوگوں کو نہیں دیا جا سکتا مگر خواجہ صاحب
کا منتخب کلام ہی نہیں اگر آپ اُن کا پورا دیوان جوان۔ بوڑھے، مرد و عورت جس کو چاہیں دیدیں
چار روایتی شعروں کو چھوڑ کر اس میں کوئی ایسی رکاکت نہیں ملے گی کہ آپ کو اُن کے سامنے شرمندگی
محسوس ہو۔

خواجہ صاحب کی زندگی اور اُن کی شاعری اس حیثیت سے بھی بہت زیادہ توجہ کی مستحق
ہے کہ اردو زبان و شاعری پر جتنا اثر اُن کے فکر، اسلوب اور طرزِ ادا کا پڑا ہے اُن کے معاصرین
بعد کے شعراء میں کم ہی کسی کا پڑا ہے۔

بابو رام سکسینہ نے لکھا ہے۔

"ہماری رائے میں میر انیسؔ کے کلام میں جو سادگی اور اثر پایا جاتا ہے وہ
بواسطۂ میر حسن خواجہ صاحب کے کلام کا ایک اثر ہے"۔ (ص ۱۲۳)

مولانا حالیؔ اور مولانا شیروانی بھی اس رائے کے ہمنوا ہیں، ڈاکٹر عبدالحق نے اُردو
کی زبان پر خواجہ صاحب کے اثر کا ایک دوسرا ذریعہ یعنی ان کے بھائی خواجہ میر اثرؔ اور ان کی
خواب و خیال کو بھی بتایا ہے، اس لحاظ سے بھی اُن کے اثر کا اندازہ کیجئے کہ اُن کے خاندان
اُن کے مرشد نے تقریباً ایک صدی تک اردو کی خدمت کی ہے، مولانا شیروانی نے اُن

اُن کے والد کے تخلص عندلیب اور ان کی کتاب نالۂ عندلیب اور درد کی مناسبت کا ذکر بڑے بڑے پُرلطف انداز سے کیا ہے۔ انشاء نے بھی دریائے لطافت میں غفر غینی کی زبان سے اس طرف اشارہ کیا ہے ان حقائق کی روشنی میں "مرزا مظہر جان جاناں اور اُن کا اردو کلام" کے مرتب عبدالرزاق قریشی کی یہ رائے صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ اردو زبان کی اصلاح میں سب سے زیادہ حصہ میرو سوداؔ نے لیا، ممکن ہے کہ لفظی یا جدید اصطلاح کے مطابق خارجیت کے اعتبار سے اردو زبان کو میرو سوداؔ کی شاعری سے فائدہ پہنچا ہو مگر معنوی یا داخلی اعتبار سے وہ اس کو کوئی بلندی اور شائستگی عطا نہ کر سکے یہ کام مرزا مظہرؔ جان جاناں اور خواجہ میر درد نے انجام دیا۔ خود کہہ گئے ہیں۔

پھولیں گے اس زبان میں گلزار معرفت ✻ یاں میں زمینِ شعر میں یہ تخم بو گیا

از بس کہ ہم نے صرف دوئی کا مٹا دیا ✻ اے درد اپنے وقت میں ابہام رہ گیا

اُن کے کلام کی یہ خصوصیت بھی بہت اہم ہے کہ انہوں نے نہ کبھی تعلی کی اور نہ بڑائی و مرتبہ کا اظہار کیا، اُن کی عظمت و بڑائی چونکہ حقیقی تھی اس لئے کبھی کبھی اُن کی زبان سے بھی حقیقت ظاہر ہو جاتی تھی لیکن اس میں بھی خاکساری اور بے نفسی کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتا تھا۔

ممنون میرے فیض کے سب اہلِ نظر ہیں ✻ جوں "نور" ہر ایک چشم کا دیدار نما ہوں
ہو قافلہ سالار طریق قدما درد ✻ "جو نقش قدم" خلق کو میں راہنما ہوں

ہمیشہ نظروں میں اپنی سبک میں رہتا ہوں ✻ دیا ہے اوروں کی نظروں نے گو وقار مجھے

"جوں نور" اور "جو نقش قدم" کی بندش کی جتنی بھی داد دی جائے وہ کم ہے،

اقلیتی حقوق پر نظرثانی کی ضرورت

اقبال ۔ اے۔ انصاری

کسی بھی ملک میں ایک نسل یا ایک زبان یا ایک مذہب کے ماننے والے لوگوں کا گروہ نہیں پایا جاتا اسی حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے مجلس اقوام (OF NATIONS
LEAGUE) اقلیتوں کے مسائل کی طرف توجہ دی اپنے مقاصد کی تکمیل میں مجلس ناکام ہوگئی لیکن اس کے بعد اسی طرح واقعات کی وجہ سے اقوام متحدہ وجود میں آئی اور اس نے ان ہی مسائل کو کلنیت دی جو ان مسائل کے حل کرنے کے لئے کوشاں وفکرمند تھے۔ دنیا میں امن وسلامتی کے لئے اقوام متحدہ نے انسانی حقوق اور اقلیتی حقوق کی نازک اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پر اولین توجہ دی جو ۱۹۴۸ء میں عالمی اعلان نامہ برائے انسانی حقوق (UNIVER DECLARATION ON.OF HUMAN- RIGHTS
کی صورت میں سامنے آیا گذشتہ تین دہائیوں کے دوران پیش آئے ہوئے معاملات، معاہدات اجتماعات اور سیاسی دستاویزات میں فرد، شہریوں، بچوں اور اقلیتی گروہوں کے تئیں اس ادارے کے ارکان کی ذمہ داریوں اور جواب دہی کی بھی ضمانت دی گئی اقوام متحدہ کے حقوق انسانی کمیشن اور اس کے سب کمیشن کو انسانی حقوق کے تحفظ اور کمزور گروہوں جیسا اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کے ساتھ ہونے والے امتیازی سلوک کے ان

کرسکے تاہم یہ ادارے حقوق انسانی کے سلسلے میں چند اصولوں کی وسیع پیمانے پر قبولیت عام حاصل کرانے میں کامیاب ہوئے۔

اقلیتوں کے حقوق کے فروغ میں خاطر خواہ پیش رفت نہ ہونے کی ایک وجہ گذشتہ چار دہائیوں سے یہ دیکھا جا رہا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظریات کی بنیاد پر ہو رہی شیرازہ بندی سے بری طرح متاثر رہے ہیں تیسری دنیا کے ممالک وابستگی اور ناوابستگی کے سایہ میں داخل ہونے کی کوشش کرتے رہے ہیں ان ملکوں کا خواہ ان کا تعلق اشتراکیت یا سرمایہ دارانہ نظام یا ناوابستگی سے یا مرکزیت پر مبنی رہا ہو وہاں کمزور طبقات کے مفاد کو یکسر نظر انداز کیا جا رہا ہے ایسے ممالک جہاں آمریت رہی ہے خواہ وہ آمر بائیں بازو یا دائیں بازو کے نظریہ کا حامل رہا ہے وہاں اقلیتوں کی صورتحال اور بھی دیگر گوں رہی ہے لیکن آج حالات میں نمایاں تبدیلی ہو رہی ہے عوام کے رجحانات میں نمایاں تبدیلی آ رہی ہے۔ اور وہ حد درجہ کی مرکزیت والے اور نظام استبداد سے اکتا گئے ہیں، آزادی اور ذہنی وابستگی انسانی جبلت کے دائمی لوازم میں سے ہیں انہیں زیادہ عرصہ تک دبایا نہیں جا سکتا اور اب یہی ہو رہا ہے ان ممالک میں جہاں محرکات کو دبانے کی کوشش کی گئی تھی وہاں صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے عوام اپنی فطری جذبات کے احترام کی خاطر جان کی بازی لگا رہے ہیں اس کی واضح نظیر مشرقی یورپ کی حالیہ تاریخ ساز تبدیلیاں ہیں جہاں کہ لسانی اور نسلی اقلیتیں اپنی تہذیب و ثقافت سے وابستگی کا اظہار کھل کر کر رہی ہیں۔

مشرقی یورپ میں کئی ایسے ممالک تھے جہاں والدین اپنے بچوں کا نام اپنی خواہش کے مطابق نہیں رکھ سکتے تھے یہاں تک کہ اُن کی زبان اور تحریک پر پابندی تھی۔ امریکا مغربی یورپ، افریقہ مغربی اور جنوبی ایشیا کے بعض ممالک میں بھی اقلیتوں پر اس قسم کا جبر کیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں ردعمل کا ہونا ناگزیر ہے۔

اس کی روشنی میں ہماری حکومت کو پنجاب آسام اور کشمیر کے عوام کے جذبات کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

(قومی آواز ۲۰ر جولائی ۱۹۹۰ء)

مجلہ آیات سہ ماہی

مرکز الدراسات العلمیہ علی گڑھ اسلام اور سائنس کے تعلق کے موضوع پر انگریزی زبان کا لٹریچر فراہم کر رہا ہے اب اس نے اردو میں بھی آیات کے نام سے ایک سہ ماہی تحقیقی پرچہ نکالا ہے۔ جو اہل علم اسلام اور سائنس کے موضوع پر کام کر رہے ہیں وہ عام طور پر سائنس کے رواج پذیر مسائل کو سامنے رکھ کر قرآن پاک کی آیات انفس و آفاق سے اس کی موافقت یا مطابقت دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر موجودہ سائنس کے ناخداؤں نے اسکی بنیاد جن عقلی تصورات پر رکھی ہے وہ اسلام کے ڈالے ہوئے عقلی تصورات سے بنیادی طور پر مختلف ہیں اس لئے ہمیں اسلام کے دیئے ہوئے تصورات کے تحت سائنس پر گفتگو کرنی چاہئے پہلی صورت اختیار کرنے میں ہم مغلوبیت اور مرعوبیت ہی کا شکار نہیں ہوں گے بلکہ کائنات کی چھپی ہوئی طاقتوں کے دریافت کے تجرباتی نتائج میں ہم ٹھوکریں بھی کھائیں گے اس لئے کہ جب سائنسی معلومات میں ہم فوقیت دیں گے تو پھر قرآنی آیات کی حیثیت ثانوی ہو جائے گی اور دوسری صورت میں خالق کائنات کی پوشیدہ دریافت کے نتائج کے ذریعہ ہمیں وہ منزل مل جائے گا جس سے ہم ایک طرف معرفت الٰہی تک پہونچ سکیں گے اور دوسری طرف تکوینی اور تشریعی زندگی میں اس سے ہم آہنگی پیدا ہو سکے گی۔

اس رسالہ کے مرتبین قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے سائنس کے سلسلہ میں مسلمان اہل علم اور انکی فکر کی صحیح رہنمائی کی ہے اب تک جن اہل علم نے اس موضوع پر کام کیا ہے انمیں سائنسی مسائل سے مرعوبیت نمایاں ہے۔ یہ شاید اردو میں پہلی مثبت کوشش ہے جسمیں اسلامی نظریہ اور اقدار کی فوقیت کو حقیقت پسندانہ اور سائنس کی زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ہم اس رسالہ کے اداریہ اور بعض مضامین کے کچھ حصے انشاء اللہ آئندہ نقل کریں گے جن سے اس کے اس فکری کام کی قیمت اور نوعیت کا اندازہ ہو جائے گا۔

الرشاد کی ڈاک

محترمی و مکرمی جناب مولانا مدظلہٗ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ بصحت و عافیت ہوں۔

کافی دنوں کے بعد آج آپ کو خط لکھنے کا موقع مل رہا ہے۔ مرحوم پروفیسر مشیر الحق پر آپ کا اداریہ پڑھکر آپ کو خط لکھنے اور تعزیت کرنے کی شدت کے ساتھ خواہش پیدا ہوئی تھی۔ لیکن مصروفیت کے سبب ایسا نہ ہو سکا۔ جس پر مجھے ازحد شرمندگی اور ندامت ہے۔ آپ کے اور مرحوم کے درمیان اتنے قریبی تعلقات تھے اس کا مجھے علم نہ تھا۔ آپ کے اس اداریہ سے تشنگی کا احساس رہا۔ امید تھی جیسا کہ آپ نے اس اداریہ میں اشارہ بھی دیا تھا کہ بعد میں تفصیل سے لکھیں گے۔

الرشاد کے اداریئے دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح میرے لئے بھی باعث کشش رہتے ہیں اُن سے ملت و ملک کے حالات پر آپ کی گہری بصیرت کا اظہار ہوتا ہے۔ کشمیر کی سیاست پر بہت سے غیر مسلم صحافی اور اہل قلم تو خوب کھل کر لکھ رہے ہیں۔ لیکن مسلم صحافت تقریباً خاموش ہے۔ اس صورتحال میں امید کی جاتی ہے کہ آپ ضرور اس موضوع پر تفصیل سے اور بے باکی کے ساتھ اظہار خیال کریں گے۔ اور پوری امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کریں گے۔

الرشاد کی مجلس ادارت میں اپنا نام دیکھ کر حیرت ہوئی۔ کہاں پروفیسر مشیر الحق مرحوم اور کہاں مجھ جیسا شخص جو ابھی قلم پکڑنا سیکھ رہا ہے۔ مجھے تشویش ہے کہ کہیں میرے

نام کی وجہ سے لوگ الرشاد کے معیار پر حرف گیری نہ شروع کر دیں۔ پھر یہ سوچ کر کچھ اطمینان ہوا ہے کہ جس طرح علامہ شبلی نے سید سلیمان ندوی اور ابوالکلام آزاد کو الندوہ کی مجلس ادارت میں شامل کر کے انھیں علمی دنیا میں اعتبار بخشا تھا۔ اسی طرح آپ نے بھی میری ہمت افزائی کے لئے اور علمی دنیا میں اعتبار بخشنے کے لیے مجلس ادارت میں میرا نام شامل کر لیا ہے۔ (میرے نام کے آگے ایم اے علیگ۔ لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ میں نے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ سے بی۔یو۔ایم۔ایس کیا ہے) بہرحال میں آپ کے حسن ظن پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا اور اپنے قلمی تعاون کے ساتھ دوسروں کو بھی اس کے قلمی اور دیگر تعاون کی جانب متوجہ کروں گا۔

میں ابھی چند روز ہوئے ایم۔ڈی کے ٹیسٹ سے فارغ ہوا ہوں۔ اسی وجہ سے حسب وعدہ اب تک کوئی مضمون نہیں بھیج سکا۔ انشاء اللہ جلد ہی ارسال کرنے کی کوشش کروں گا۔

الرشاد کے جون سنہ ۹ء کے شمارے میں مولانا شبیر ازہری صاحب کی معروضات نظر سے گذریں۔ ان کے سلسلہ میں چند باتیں بھی عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مناسب سمجھیں تو آئندہ شمارے میں شائع کر دیں۔

(۱) مولانا شبیر صاحب نے "راوی معلوم و مروی مجہول" کو اسباب ضعف میں شمار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "روایت کا جواز دوسری چیز ہے اور اس کا ضعیف ہونا دوسری چیز" حالانکہ نووی اور ابن حجر نے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کیا ہے اور اس عمل کو جائز قرار دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ "اس میں کوئی ممانعت اور کراہت نہیں ہے"۔

(۲) موصوف کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ احادیث کے اسباب ضعف ہر شخص متعین کر سکتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو کیا نقد حدیث کے اصول ہر شخص کے اپنے ایجاد کردہ ہوں گے؟

(۳) ازہر صاحب نے میری جانب اس قول کا انتساب کیا ہے کہ "آزاد ہونے کے بعد بریرہ ام المومنین کے یہاں کیوں رہتیں؟" پھر لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی ہے کہ غلام آزاد

ہونے کے بعد اپنے معتق ہی کی خدمت میں رہتے تھے؛ حالانکہ میرا کہنا صرف یہ ہے کہ مختلف روایات کی روشنی میں حضرت بریرہ کا ام المومنین کی خدمت میں زمانۂ غلامی میں آنا ثابت ہے۔ موصوف نے صدقہ والی روایت کو ان کے زمانۂ آزادی کی قرار دے کر صحیح بخاری کتاب الزکاۃ باب الصدقۃ علی موالی ازواج النبی کو حوالہ میں پیش کیا ہے۔ اسی باب میں بخاری نے وہ حدیث بھی نقل کی ہے جس میں بریرہ کی مکاتبت کا تذکرہ ہے اور جس میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہؐ سے سوال کیا کہ حق ولاء کس کو حاصل ہوگا؟

آپؐ نے فرمایا حق ولاء آزاد کرنے والے کو حاصل ہوگا۔ اس حدیث سے زمانۂ غلامی میں بریرہ کا حضرت عائشہ کے پاس آتے رہنا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اسے موصوف گول کر گئے ہیں۔

(۴) ازہر صاحب نے لکھا ہے کہ "مسروق والی روایت افک کے علاوہ اور کوئی روایت میرے علم میں ایسی نہیں جس سے ثابت ہو کہ ام رومان کی وفات حضورؐ کے بعد ہوئی ہے"۔ حالانکہ میں نے ابونعیم کی کتاب معرفۃ الصحابہ کا حوالہ دیا ہے۔ ثانیاً یہ کہ جس روایت سے ام رومان کا عہد نبوی میں وفات پانا معلوم ہوتا ہے اسے میں نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اس پر انہوں نے کوئی اظہار خیال نہیں کیا۔

(۵) ابتدائے رسالت میں نزول وحی کے مؤخر ہونے سے ذہنی پریشانی والی روایت کو موصوف نے موضوع قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ صحیح بخاری باب بدء الوحی میں حدیث جابر سے اس کی واضح تردید اور اس میں یہ صراحت ہے کہ اسی فرشتے کو دیکھ کر جس نے آیات اقرأ پڑھائی تھیں آپؐ پر گھبراہٹ طاری ہوگئی تھی اور آپ نے گھر واپس آکر زملونی زملونی فرمایا تھا۔

(۶) موصوف نے لکھا ہے کہ "رضی الاسلام صاحب" نے مضمون کے آغاز میں اس طرح میرا ذکر کیا ہے کہ میں نے زہری کی ثقاہت پر حملہ کرتے ہوئے انہیں واضع حدیث قرار دیا ہے۔ نہ معلوم ان عزیز کو اس بہتان طرازی پر کس چیز نے آمادہ کیا"

میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے کوئی بہتان طرازی نہیں کی۔ موصوف میرے جملے

کو از سر نو پڑھ لیں۔ میں نے لکھا ہے :

"کچھ محققین نے بخاری مسلم اور دوسرے محدثین کی کتب کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے اور زہری کی ثقاہت پر حملہ کرتے ہوئے انھیں واضع حدیث قرار دیا ہے ..... مولانا شبیر ازہر صاحب نے اپنی تفسیر مفتاح القرآن میں سورۂ نور کی تفسیر کرتے ہوئے حدیث الافک پر تفصیل سے بحث کی ہے اور سند و متن پر مختلف اعتراضات کرتے ہوئے اُسے موضوع قرار دیا ہے"۔

زہری کو وضع حدیث قرار دینے والوں سے میری مراد حکیم نیاز صاحب اور خالد مسعود صاحب ہیں۔ مولانا ازہر میرٹھی صاحب بصراحت زہری کو ثقہ قرار دیتے ہیں دوسری طرف ان کی روایات کو موضوع کہہ رہے ہیں۔ آخر یہ کیسا ثقہ محدث ہے جو سراسر لغو اور موضوع روایات نقل کرتا ہے۔ اور اسے ان کے بطلان کا کچھ بھی احساس نہیں ہو پاتا۔

(۷) آخر میں مولانا میرٹھی صاحب سے کچھ سوالات کرنے کا جی چاہتا ہے۔

انھوں نے روایت افک کے موضوع ہونے کی ایک لمبی داستان گڑھی ہے۔ اور جن لوگوں نے اسے وضع کیا ہے ان کی طرف اشارات کئے ہیں۔ ان کا انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اگر آیات سورۂ نور کی شان نزول وہ نہیں جو روایت زہری سے معلوم ہوتی ہے تو ان کے نزدیک کیا ہے ؟

اگر زہری کی روایت افک صحیح نہیں تو کس روایت کی بنا پر انھوں نے الذی تولی کبرہ کا مصداق منافق اعظم عبد اللہ بن ابی سلول کو قرار دیا ہے ؟

اگر یہ روایات موضوع ہے تو حضرت حسان پر حد قذف جاری ہونے کا اثبات انھوں نے کس روایت کی بنا پر کیا ہے ؟ آخر وہ کیسے مطعون کر بیٹھے تھے ؟

جو دوسری روایات اس روایت کی تائید کرتی ہیں مثلاً نزل عذری من السماء وغیرہ ان کا مفہوم ان کے نزدیک کیا ہے ؟

مجھے امید ہے کہ موصوف علمی انداز میں ان کے جوابات سے نوازیں گے۔ والسلام

مخلص (جناب) محمد ضیٰ الاسلام ندوی؍ علی گڑھ

از الہ آباد بروز پنجشنبہ ۳ محرام الحرام ۱۴۲۱ھ

مکرمی و محترمی جناب مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی دام عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ داعی الخیر مع الخیر

گذارش بخدمت گرامی اینکہ اب کی سفر میں جامعۃ الرشاد میں قیام اور آپ کی ملاقات و نوازشات سے بیحد ممنون و مسرور ہوا۔

ماشاء اللہ مدرسہ کی عمارت بڑے سلیقہ سے بنائی جارہی ہے، مسجد کا جائے وقوع اور اس کی حسین عمارت بھی بہت ہی پسند آئی، سب سے زیادہ باعثِ مسرت و شادمانی طلبہ کا سویرے اٹھنا اور قبل نماز فجر صف بستہ تلاوت کے لئے بیٹھ جانا اور بعد نماز فجر بھی خاصی مقدار میں تلاوت کرنا اور نماز کا اہتمام ہے، آج کل مدارس میں بالعموم اہتمام نماز و تلاوت غائب ہے، ماشاء اللہ آپ کی توجہ اس کی طرف پوری ہے۔

درحقیقت یہ سب بزرگوں سے تعلق اور ان کی توجہات کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید اہتمام و توجہ اور اخلاص عطا فرمائے۔ اعظم گڈھ شہر میں دینی ادارہ کا قیام ایک بہت بڑے خلا کا پُر کرنا ہے۔ ماشاء اللہ آپ نے اس کی طرف توجہ فرمائی انشاء اللہ رفتہ رفتہ یہ ادارہ کسی وقت ایک مرکزی ادارہ کی شکل اختیار کرے گا۔ ہاں البتہ ایک بڑی کمی ضرور محسوس ہوئی، وہ یہ کہ مدرسہ میں پانی کی تنگی کی شدید ضرورت ہے، تاکہ پانی کی فراوانی سے بیت الخلاء وغیرہ کی صفائی رہے اور مہمانوں کو بھی سہولت حاصل ہو سکے۔ نیز اپنا خیال تو یہی ہے کہ آپ کی حساس طبیعت ضرور اس کی فکر میں ہوگی، کاش کہ جلد ہی اس کا نظم ہو جاتا، تاکہ طہارت و نظافت جس کی طرف اسلام نے کافی توجہ دلائی ہے، طلبہ اس کا پورے طور سے اہتمام کریں۔

چونکہ مجھے اس سفر میں آپ کی ملاقات سے قلبی مسرت حاصل ہوئی تھی اس لئے یہ چند سطریں حوالۂ قلم و قرطاس کردیا۔ آپ کے لئے دعا کر رہا ہوں اور اپنے لئے دعاؤں کا طالب ہوں۔

فقط والسلام

(مولانا) محمد نعمان عفی عنہٗ

خادم: مدرسہ وصیۃ العلوم، الہ آباد

جنتا انٹر کالج　　　　　　　　محترمی و مکرمی　　　　　　　　۹۰/۹/۲۹
نان پارہ ، بہرائچ
سلام مسنون

کویت ، تیونیشیا ، اردن ، شام ، عراق اور الجیریا کے مختلف الکشنوں میں اسلام پسند پارٹیوں کا فتحیاب و کامیاب ہو جانا مغربی دنیا کے نصرانی و یہودی حلقوں کے لئے بہت الجھنوں اور پریشانیوں کا باعث بن گیا ہے ۔ خود ہمارے ملک ہندوستان میں قومی پریس میں ایسے مضامین اداریوں اور تبصروں کا ریلا آیا ہے جو مغربی ذہن رکھنے والوں کی تشویش کا آئینہ دار ہے ۔

ساری دنیا کے ممالک میں اگر مغربی طرز کی جمہوریت اقتدار پذیر ہے تو مغربی دنیا کے خود ساختہ لیڈر ، ہٹ دھرم اور بد خو حکمراں پھولے نہ سمائیں گے ۔ انھیں تنگ نظری کی بات ہر جگہ نظر آنے لگتی ہے جب اُن کے بولے ہوئے لیے اور رٹائے ہوئے اسباق سے انحراف کر کے صحیح سمت میں اور صدق و صفا کی منزل کی طرف چل پڑا جائے اسلام کے ماننے والے اگر اسلام کی حکمرانی چاہتے ہیں تو اسمیں برائی کیا ہے ؟

ذہین و زیرک نفوس واقف ہیں کہ یورپ کے بہت سے ممالک میں کرسچین ڈیموکریٹس اور اسی قبیل کی پارٹیاں ہیں جو مغربی دنیا میں مذہبی سیاست میں یقین رکھنے کے ساتھ یہودیوں کے ساتھ ناروا سلوک کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں ۔

خالص اسلام کے نام پر شروع کی ہوئی کوئی بھی تحریک ، کوئی انقلاب اور جزئی یا کلی تبدیلی کبھی بھی کسی دوسری قوم یا گروہ کے خلاف آواز بلند کر کے تاریخ کے کسی دور میں برسر اقتدار ہونے کے لئے برپا نہیں ہوئی ۔ اسلام کی مخالفت کرنے والے اس امر سے خوب واقف ہیں ۔

والسلام
(جناب) ابو عاصم محسن (صاحب)
لکچرار (انگریزی)

محترم مرتب الرشاد مدظلہٗ کی وہ کتابیں جو دار التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ

سے شائع ہوئی ہیں

۱۔ اہل دل کی باتیں یہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی مدظلہ کے ان ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی، آخرت کی یاد اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، قیمت ۱۵/ر

۲۔ اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم اس میں اسلامی مسائل کو بڑے سلیس اور دلچسپ انداز میں بچوں کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے، سیکڑوں مکاتب کے نصاب میں داخل ہے پورے سٹ کی قیمت ۱۶/ر

۳۔ قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت اس میں قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ساری مثالیں قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی سے دی گئی ہیں۔ قیمت صرف ۵/ر

۴۔ خطبۂ نکاح جو خطبہ نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے وہ ایک زبردست معاشرتی ہدایت ہے، مصنف نے اس کی بڑی موثر تشریح کی ہے یہ ہر نکاح کے وقت تقسیم کرنے کے قابل ہے، قیمت صرف ۳/ر ہے،

۵۔ مسئلہ کفاءت شادی بیاہ میں برابری کا خیال کرنا صحیح ہے مگر یہ برابری دین و تقوی میں ہونی چاہیئے، مسلمانوں میں جو پیشہ کے اعتبار سے مستقل طور پر برادریاں قائم ہوگئی ہیں اُن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ ہندو تہذیب کے اثر سے ہے، اس مسئلہ پر مصنف نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ قیمت ۵/ ہے۔

۶۔ جہیز کی شرعی حیثیت اس وقت شادی بیاہ میں جہیز کے مطالبہ نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کرلی ہے جس سے لڑکیوں کی شادی عام آدمیوں کے لئے ایک مصیبت بن گئی ہے، اس پر ایک عالم نے بہت تحقیقی بحث کی ہے جس پر مولانا ندوی کے قلم سے ایک دیباچہ بھی ہے، قیمت صرف ۵/ ہے۔ یہ تینوں کتابیں اصلاح معاشرہ کے لئے بہترین تحفہ ہیں۔

۷۔ دینی مدارس اور ان کی ذمہ داریاں

اس میں دینی مدارس کی ذمہ داریوں کو بڑے پُر اثر اور پر سوز انداز میں بیان کیا گیا ہے اس کے بعض مضامین کو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کئی سو کے مجمع میں پڑھ کر سنوایا اور فرمایا کہ اس کو ہر استاذ اور طالب علم کو پڑھنا چاہیئے۔ قیمت صرف ۵؍ ہے۔

۸۔ عبادت و خدمت

اس میں خدمت خلق پر اس نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے کہ خدمت خلق بھی عبادت ہے اس کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی ہو چکا۔ قیمت آٹھ روپے

۹۔ سرمد اور اُن کی رباعیاں

اس میں سرمد کے حالات زندگی اور ان کی رباعی گوئی اور ان کے قتل کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں اُن کی رباعیاں ترجمہ کے ساتھ شامل کر دی گئی ہیں اس سے پہلے کسی نے اتنی تفصیل سے اس موضوع پر کوئی چیز نہیں لکھی ہے یہ کتاب اردو اکیڈمی یوپی کی مدد سے شائع ہوگئی ہے۔

۱۰۔ خواجہ میر درد اور اُن کی شاعری

عام طور پر خواجہ میر درد کو ایک شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن شاعری میں بلند مقام رکھتے ہوئے اُن کی ثانوی حیثیت ہے وہ ایک زبردست عالم اور صاحب سلسلہ شیخ اور صاحب دل بزرگ تھے، مصنف نے اُن کی کتابوں کی روشنی میں اُن کی زندگی اور شاعری کی والہانہ انداز میں تفصیل کی ہے، کتاب زیر ترتیب ہے، اس کا کچھ حصہ الرشاد میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۱۔ فقہ اسلامی کا دائرہ کار اور اسمیں اجتہاد کی حیثیت

یہ ایک طویل مقالہ ہے جو خدا بخش خاں لائبریری پٹنہ میں پڑھا گیا تھا اب اس میں مزید اضافہ کے بعد اُسے کتابی شکل دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ ابھی مصنف مدظلہ کے درجنوں مضامین ہیں جن کو کتابی شکل دینے کی کوشش کیجارہی ہے مثلاً خدمت حدیث میں عورتوں کا حصہ، قرآن پاک میں آیت رجم، نماز اور خشوع، تواضع، مسلمانوں بادشاہوں کی تصانیف، ذرائع آمدنی اور تقسیم ملکیت کا مسئلہ، وقت ایک دولت ہے۔ یہ آخری کتابچہ شائع ہوگیا ہے ——— قیمت ۲؍

شکیل احمد مہتمم مکتبہ دار التالیف و الترجمہ جامعۃ الرشاد شاد نگر اعظم گڈھ

محترم مرتب ارشاد کی وہ کتابیں جو دوسرے مکتبوں سے

شائع ہوئی ہیں

۱۔ اسلامی فقہ حصہ اول و دوم

دو برس سے اصلی اسلامی فقہ بازار سے غائب تھی
بحمداللہ اب اسلامی فقہ کا شاندار حصہ اول کا چھٹا
اور حصہ دوم کا پانچواں اڈیشن تاج کمپنی نئی دلی سے شائع ہو کر بازار میں آگیا ہے۔
مصنف موصوف نے اس میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے جس سے اب یہ بالکل نئی کتاب بن
گئی ہے، شروع میں اسلامی عقائد کے باب کا اضافہ کر دیا گیا ہے اسی طرح معاشرتی و معاملاتی
والے حصہ میں سیکڑوں جدید مسائل۔ مثلاً خون چڑھانا، پوسٹ مارٹم، نسبندی اور زندہ انسانی
اعضا کی پیوندکاری وغیرہ کے احکام کا اضافہ کر دیا گیا ہے گویا شریعت اسلامی کا کوئی گوشہ ایسا
نہیں ہے جس پر اس کتاب میں روشنی نہ پڑگئی ہو۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اسلامی فقہ کے موضوع
پر اردو زبان میں اس سے زیادہ مفصل کوئی کتاب موجود نہیں ہے، تمام اہم مسائل میں ائمہ
اربعہ کے مسلک کا متن یا حاشیہ میں ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ شریعت اسلامی کی وسعت کا پورا اندازہ
ہو سکے اب اس کی ضخامت ایک ہزار صفحات سے زیادہ ہو گئی ہے۔ اس لئے دو حصوں میں کر دی
گئی ہے، یہ کتاب نہ صرف عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مفید ہے بلکہ عربی مدارس کے طلبہ و اساتذہ
کے لئے بھی ایک نادر تحفہ ہے، یہ کتاب ہر گھر اور ہر لائبریری کے رکھے جانے کے قابل ہے۔
قیمت حصہ اول ۔۔۔ دوم ۔۔۔

۲۔ اسلامی قانون اجرت

اس کتاب میں مزدوروں کے مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر
سے بحث کی گئی ہے اس کا ملیالم میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے اس
کا پہلا ایڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے۔ اب یہ دونوں کتابیں تاج کمپنی دلی سے شائع ہوئی ہیں۔

اب یہ دونوں کتابیں تاج کمپنی دلی سے شائع ہوئی ہیں۔

پتہ : تاج کمپنی ۳۱۵۱ ترکمان گیٹ نئی دلی ۶ ۔۔۔ ۱۱

۳۔ تبع تابعین

اس کتاب میں انیس اکابر تبع تابعین کے علم فضل کا مفصل ذکر ہے،
جس میں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ بھی شامل

ہیں۔ قیمت ۔/۱۰

۴۔ اہل کتاب صحابہ وتابعین

اس کتاب میں ان ترانوے صحابہ صحابیات اور تابعین کا ذکر ہے جو اسلام سے پہلے یہودی یا نصرانی تھے اور پھر مسلمان ہوئے دنیا کی کسی زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب موجود نہیں ہے، قیمت ۔/۵۰ یہ دونوں کتابیں دارالمصنفین، اعظم گڈھ سے شائع ہوئی ہیں۔

۵۔ اجتہاد اور تبدیلی احکام

اس کتاب میں ان نئے مجتہدین کا مدلل اور مفصل جواب دیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن و سنت کے صریح احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعہ بدلا جا سکتا ہے۔ قیمت چالیس روپئے

۶۔ فتاوی عالمگیری اور اس کے مولفین

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے فتاوی عالمگیری کو علماء کی ایک پوری جماعت نے مرتب کیا تھا مگر اب تک ان کے مصنفین کے نام سے لوگ ناواقف تھے مصنف نے بڑی تلاش و جستجو سے اُن کے حالات جمع کر دیئے ہیں اور اس میں فقہ کی جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے اس کی تفصیل بھی کر دی ہے۔ قیمت ۔/۳۵

۷۔ اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات

اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کے سلسلہ میں جو اصول دیئے ہیں ان پر اس میں مفصل گفتگو کی گئی ہے یہ مقالہ تھا جو ۱۹۵۹ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پڑھا گیا تھا اب اضافہ کر کے کتابی شکل دے دی گئی ہے یہ تینوں کتابیں دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری۔ بسنت روڈ۔ لاہور سے شائع ہوئی ہیں ہندستان میں بھی اس کے چھاپنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ۔/۵۵

۸۔ فقہ اسلامی اور دور جدید کے مسائل

اس میں ان بنیادی اصولوں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے جن کی بنیاد پر نئے پیش آمدہ مسائل میں ایک مفتی غور کر کے اُن کے جوابات دے سکتا ہے یہ کتاب مکتبہ جامعہ نئی دلی سے شائع ہوئی ہے قیمت ۔/۲۰

شکیل احمد مہتمم مکتبہ دارالتالیف والترجمہ، جامعۃ الرشاد، شانگر، اعظم گڈھ

سالانہ چندہ
ہندوستان سے ۴۰/-
خصوصی معاون ۱۰۰/-
قیمت
فی پرچہ ۴/-

جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کا ترجمان
ماہنامہ
جامعۃ
الرشاد

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے
۱۵ ڈالر امریکی
15/$

جلد ۱۸ | ستمبر ۱۹۹۰ء بمطابق: صفر ۱۴۱۱ھ | شمارہ ۲۷

فہرست مضامین



مجیب اللہ ندوی (مرتب)

• ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی مقیم ابوظبی • رضی الاسلام ندوی ایم۔ اے علیگ

منیجر توسیع اشاعت
مولوی عقیل احمد صاحب ٹانڈوی

کتابت:۔ خورشید احمد خاں

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے شائع کیا

رشحات

انگریزوں کے عہد حکومت میں اس کی مرکزی ایگزیکیٹو باڈی پانچ افراد پر مشتمل ہوتی تھی اس میں ایک ہندوستانی بھی ہوتا تھا غالباً ۱۹۳۰-۳۵ء کے درمیان اس کے ایک ممبر پنجاب کے سر فضل حسین بھی تھے کسی نے ان سے یہاں کی بڑی بڑی قوموں خاص طور ہندوؤں مسلمانوں عیسائیوں اور سکھوں کے مزاج کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے قدرے مزاح کے انداز میں کہا کہ " ہندو اور عیسائی " جو کام کرنا چاہتے ہیں ان کی پلاننگ وہ دس بیس برس پہلے سے کرتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ اسے عملی جامہ پہناتے ہیں اور مسلمان فوراً سوچتا ہے اور فوراً کر ڈالتا ہے اور سکھ کرنے کے بعد سوچتا ہے۔

جو بات انہوں نے مزاحیہ انداز میں آج ۶۰ — ۶۵ برس پہلے کہی تھی وہ اب بھی ان قوموں پر صادق آتی ہے، مثال کے طور پر تقسیم ہند یعنی ۱۹۴۷ء سے کچھ پہلے اور اس کے بعد جو واقعات پیش آئے وہ سب اس کا زندہ ثبوت ہیں۔

مسلمانوں کی فوراً سوچنے اور فوراً کرنے کی یہی مزاجی کیفیت تھی جس کی وجہ سے لارڈ ماونٹ بیٹن جو برطانیہ حکومت کی طرف سے تقسیم ہند کے ذمہ دار بنا کر بھیجے گئے تھے مسلم لیگ نے اپنا ہم نوا بنانے کے بجائے اپنا فریق بنالیا، جس سے پاکستان کو بے انتہا نقصان ہوا اور سب سے بڑا نقصان ریڈ کلف ایوارڈ سے ہوا، پوربی حصہ میں اس نے اس طرح سرحدوں کی تقسیم کی ہے کہ کارخانہ ہندوستان کو ملا ہے تو اس کا میدان پاکستان کو (جو اب بنگلہ دیش ہے) اپنے صوبہ بنگال اور صوبہ پنجاب کی تقسیم ضلع وار ہوئی تھی یعنی جس ضلع میں مسلمان اکثریت میں تھے

وہ پاکستان کو ملے اور جو اضلاع ہندو اکثریت میں تھے وہ ہندوستان کو ملے مگر پنجاب کے ضلع گرداسپور جو مسلمان اکثریت کا ضلع تھا کی تقسیم ریڈ کلف نے لارڈ ماونٹ بیٹن کے اشارے (یا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ اور کچھ اندرونی باتیں بھی تھیں) سے تحصیل وار کی جس سے پٹھان کوٹ کی تحصیل جس میں ۵۰۔۵۰ فی صد مسلمان اور پنجابی تھے اسے ہندوستان کو دے دیا گیا جس کی وجہ سے کشمیر کا مسئلہ پیدا ہوا جو آج تک دونوں ملکوں کے لئے دردسر بنا ہوا ہے۔ چونکہ مسٹر جناح پہلے اس ایوارڈ کو قبول کرنے کا اقرار کر چکے تھے اور سادہ کاغذ پر دستخط بنا چکے تھے اس لئے اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کے علاوہ ان کے پاس کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا تھا، ہندو قوم کے سامنے ہندوستان کا جو نقشہ تھا اس کے مطابق انھوں نے لارڈ ماونٹ بیٹن کو اپنا ہم نوا بنایا اور انگریز کا دماغ تھا کہ اس نے ہمیشہ کے لئے ایک جھگڑا لگا دیا اس کا سبب ہماری یہی مزاجی کیفیت تھی جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

مسلم لیگ جو اپنے کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کہتی تھی اس کے لیڈر دس برس سے پاکستان کی لڑائی لڑ رہے تھے مگر انھوں نے نہ تو اپنے مطلوبہ پاکستان کا کوئی نقشہ مرتب کیا تھا اور نہ ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کے تحفظات سے متعلق کوئی پروگرام طے کر سکے تھے جسکے نتیجہ میں ۱۵ برس کے اندر اندر پاکستان دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور آج تک اسے سیاسی استحکام نصیب نہیں ہوا۔ اور مسلمان اقلیت کا جو حال ہے اس سے ہم پورے طور پر واقف ہیں۔

یہی حال سکھوں کا ہوا ان کے اس وقت کے لیڈر ماسٹر تارا سنگھ نے اپنی لڑائی کا رُخ مسلمانوں کی طرف پھیر دیا جس کے نتیجہ میں انہوں نے مسلمانوں کو جتنا جانی و مالی نقصان پہنچایا اس سے زیادہ انہوں نے سکھوں کو پہنچایا، اس صورت حال سے فائدہ اُٹھا کر ہندو لیڈروں نے ان کو پورے ہندوستان میں پھیلا دیا اور ہمیشہ کے لئے ان کی سیاسی طاقت کو توڑ دیا اور پنجاب کو دو حصوں کے بجائے تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک نیا صوبہ ہریانہ بنا دیا، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ہماچل پردیش بنا کر چوتھا صوبہ بھی بنا دیا۔

جب سکھ قوم کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس کے بعد میں آنے والی نسل نے اپنے نقصان کا اندازہ کیا تو وہی ماسٹر تارا سنگھ جو تقسیم ہند کے وقت سکھ قوم کے ہیرو تھے ان کو وہ اپنا بدترین دشمن سمجھنے لگی اور وہ قوم جو کبھی کرنے کے بعد سوچتی تھی اب اس کے اندر سوچ کر کچھ کرنے کا احساس پیدا ہوگیا ہے'

اسی ہندوستان میں تقریباً ڈیڑھ کروڑ عیسائی بھی بستے ہیں' انہوں نے آزادی سے پہلے بھی اپنا اجتماعی نظام مضبوط رکھا اور آزادی کے بعد بھی انہوں نے اسے بڑی حد تک باقی رکھا ہے، ان کے تبلیغی نظام اور تعلیمی نظام سب میں اجتماعیت کی جھلک آپ کو دکھائی دے گی دو واقعے آپ ان کی اجتماعیت کا اندازہ کر سکتے ہیں'

جامعۃ الرشاد کے بغل میں عیسائیوں کا ایک قبرستان ہے جسے اب وہ استعمال نہیں کرتے شہر میں ایک دوسرا قبرستان ہے جسے وہ استعمال کرتے ہیں' راقم الحروف نے برٹش ہائی کمیشن کو ایک بار خط لکھا کہ آپ کے یہاں دو قبرستان ہے جن میں ایک بے کار پڑا ہوا ہے اس کو لوگوں نے پاخانہ بنا رکھا ہے اس لئے اسے ہم لوگوں کی نگرانی میں دے دیں انہوں نے اس خط کا مفصل جواب دیا، اس خط میں انہوں نے سب سے پہلے یہ لکھا کہ اعظم گڈھ میں ہمارے دو نہیں بلکہ تین قبرستان ہیں اور پھر نمبر اور مقبہ اور پرگنہ کے ساتھ اس کی تفصیل لکھی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے پورے ہندوستان میں اپنے قبرستانوں کا رکارڈ رکھ چھوڑا ہے یہی حال ان کے دوسرے

دوسرا واقعہ اس سے بھی زیادہ اہم ہے کئی سال پہلے اعظم گڈھ شبلی انٹر کالج میں مشرقی اضلاع کے اقلیتی اداروں کی ایک میٹنگ ہوئی اس میں مسلمانوں کے تحت چلنے والے دو درجن سے زیادہ کالجوں اور اسکولوں کے پرنسپلوں اور منیجروں نے اپنے اپنے ادارہ کے اقلیتی باقی لائے رجسٹریشن اور ان کے اقلیتی ادارہ قرار دئے جانے یا دئیے جانے کی تفصیل بیان کی' اس میٹنگ میں وسلی اسکول شہر اعظم کے دو نمائندے شریک تھے جب ان سے اپنے اور دوسرے عیسائی اداروں کے مسائل پر کچھ بولنے کے لئے کہا گیا تو اس نے چند جملے میں اپنی بات ختم کر دی اس کا آخری جملہ یہ تھا کہ ہمارے سامنے یہ مسائل اس لئے نہیں آئیں کہ ہمارے اداروں کو چلانے والی صرف ایک

اداروں کا بھی ہے۔

باڈی ہے جو اقلیتی ایسوسی ایشن کی حیثیت سے رجسٹرڈ ہے اور اس کے تحت ہمارے سارے
ادارے چلتے ہیں اس لئے ہمارا انفرادی حیثیت سے کوئی مسئلہ نہیں ہے غالباً اس کا انگریزی
جملہ یہ تھا۔ (We live in an Umbrella) : ہم لوگ سب ایک چھتری
کے نیچے ہیں اس کی تقریر سن کر سارے مجمع میں احساس زیاں کا عجیب منظر دکھائی دینے لگا،
ابھی گجھولہ کے عیسائی ادارہ میں دو عورتوں کے ساتھ جو ناروا سلوک ہوا تھا اس کے نتیجہ
میں سارے صوبہ کے عیسائی ادارے ایک دن بند رہے، کیا ہم بھی کوئی ایسی مثال پیش
کرسکتے ہیں؟

ہندو قوم کے لیڈر مہاتما گاندھی تھے جنہوں نے خلافت تحریک میں مسلمانوں کے جذبۂ اتحاد
اور ترک موالات سے فائدہ اٹھا کر اپنی صف کو مضبوط ہی نہیں کیا بلکہ ایسی صورتیں اختیار کیں کہ
مسلمان تحریک آزادی سے دور ہوتے گئے، رہی سہی کسر نہرو رپورٹ ۱۹۲۹ء اور چوری چورا
(دیوریا) کے تھانہ پھونک دینے واقعہ کے بعد ستیہ گرہ کی تحریک کو ختم کرنے پوری کردی ان
دونوں واقعہ کے نتیجہ میں مولانا محمد علی اور بہت سے مسلمان کانگریس سے بیزار ہو کر علٰحدہ ہوتے
گئے گاندھی جی نے محسوس کیا تھا کہ اگر اس وقت آزادی ملی تو اس میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہے
گا چنانچہ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے اچھوتوں کے لئے ہریجن اخبار نکال کران کو
اپنے سے قریب کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف جگہ جگہ آشرم کھول کر ہندوؤں کی ذہنی سیاسی
تربیت کرانی شروع کی اور ۱۸ — ۲۰ برس کے بعد جب ۱۹۴۷ء میں ہندوستان آزاد ہوا تو
ہندو قوم ہندوستان کے لوگوں کو اور ساری دنیا کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگئی کہ آزادی کی تحریک
تنہا ہندو قوم کے ایثار و قربانی کے نتیجہ میں کامیاب ہوئی ہے، مستقبل کے ہندوستان کے بارے
میں ہندو قوم نے جو سوجھ بوجھ کا ثبوت ۱۸ — ۲۰ برس پہلے سے دیا تھا اسی کے مطابق انہوں
نے ۱۹۴۷ء میں بھی کام لیا جس کی وجہ سے ہندو راشٹر کی سیاسی آواز ایک موثر آواز کی حیثیت
سے سنائی دینے لگی ہے اور سیکولر حکومت کے نام پر عملاً اس نے حکومت کے رُخ کو اسی پر
ڈال رکھا ہے، ہم اس کی ذمہ داری صرف فرقہ پرست جماعتوں کے سر ڈالنا صحیح نہیں سمجھتے بلکہ .

اس میں ان سے زیادہ خراب رول سیکولر کہنے والی سیاسی جماعتوں کا رہا ہے۔

اوپر ہم نے مسلمانوں کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کے سلسلہ میں جو چند باتیں عرض کی ہیں اس کا مقصد مسلمانوں کی مذمت کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ آئندہ ہم کو اپنے کام اور پروگرام میں دور رس نتائج کو سامنے رکھکر کوئی قدم اٹھانا چاہیئے اور پھر مسلسل اس میں لگے رہنا چاہیئے فوراً سوچنے اور فوراً کرنے اور کر کے علٰحدہ ہوجانے کی عادت کو ترک کر دینا چاہیئے، اجتماعی زندگی کے ساتھ جب اپنے معاشرہ کی انفرادی زندگی پر ہم نظر ڈالتے ہیں تو اس کا حال اس سے بھی زیادہ برا نظر آتا ہے۔

آزادی کے بعد مسلمانوں کے عوام کے اندر پہلے کے مقابلہ میں قدرے خوشحالی زیادہ آئی ہے، تعلیم کا رواج بھی بڑھا ہے، مسجدوں اور مدرسوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا ہے، دعوت و تبلیغ کا کام بھی وسیع پیمانہ پر ہو رہا ہے مگر اخلاق و کردار اور باہمی محبت و مروت میں ہم پہلے سے زیادہ کوتاہ ہوگئے ہیں بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا ہم بہت نیچے گر گئے ہیں، ہمارے معاشرہ میں بے حیائی و بے شرمی خاص طور پر عورتوں کے اندر بڑھ گئی ہے بڑے چھوٹے کا پاس مفقود ہوتا جارہا ہے، کسی کے دل میں اپنے کسی دوسرے بھائی کے لئے کوئی حقیقی ہمدردی باقی نہیں رہ گئی ہے اگر کہیں کوئی ہمدردی و بہی خواہی دکھائی بھی دیتی ہے اس کے اندر کوئی نہ کوئی دنیاوی غرض گھسی نظر آتی ہے، حدیث نبوی "یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ اور ینصح لہ اذا غاب اور تم اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور اپنے مسلمان بھائی کی خیر خواہی اس کے سامنے اور پیٹھ پیچھے دونوں حالت میں کرو" کا منظر کہیں دیکھنے میں نہیں آتا، بلکہ ہر جگہ بدظنی، بدگمانی اور جوڑ توڑ کا دور دورہ نظر آتا ہے۔ الا ماشاءاللہ، جماعتی اور مسلکی اور برادری کی عصبیت میں پہلے سے زیادہ اضافہ ہوگیا ہے، مسلمانوں کی کوئی بستی اور کوئی آبادی ایسی نہیں ہے جس میں پارٹی بازی یا خاندانی کشمکش بلکہ جنگ و جدال نہ جاری ہو، جس کے نتیجہ میں اپنی حلال کمائی کا لاکھوں روپیہ ہم پولیس کو اور دوسرے اہل کاروں کو رشوت میں دے ڈالتے ہیں، آج عدالتوں میں مسلمانوں کے مقدمات ان کی آبادی کے تناسب سے زیادہ نظر آتے ہیں۔

ہے بلکہ ان معائب میں ہمارے بہت سے بڑے چھوٹے دینی ادارے بھی پیچھے نہیں رہ گئے ہیں۔ اِلّا ماشاءاللہ گویا حقوق اللہ کے مظاہر میں ہمارے اندر کچھ اضافہ ضرور ہوا ہے مگر حقوق العباد کے سلسلہ میں ہم دن بدن گرتے بلکہ ظالم بنتے چلے جا رہے ہیں، اس لئے دنیاوی عزت و وقار سے بھی محروم ہوتے جا رہے ہیں، شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ دنیاوی عزت و حشمت اور وقار و اقتدار اللہ تعالیٰ کفر و ایمان کی بنیاد پر نہیں بلکہ عدل و ظلم کی بنیاد پر دیتا اور چھین لیتا ہے جس قوم میں عدل و انصاف ہوگا اسے اللہ تعالیٰ عزت و وقار سے نوازے گا اور جس کے اندر ظلم و جبر آجائے گا اسے وقار و اقتدار سے محروم کر دے گا، یہ ایک محض تجرباتی ہی بات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے عدل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب ہم اپنے گھر اور اپنے ماحول میں عدل قائم نہیں کر سکتے بلکہ وہاں ظالم بنے ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ جو اپنی زمین میں ظلم کو مٹانا اور عدل کو باقی رکھنا چاہتا ہے وہ اسے ہم ظالموں کے حوالے کیسے کر سکتا ہے؟

عراق کے موجودہ ملحد ڈکٹیٹر صدام حسین نے ۱۹۸۰ء میں ہوس اقتدار میں ایران پر حملہ کر دیا جس کے نتیجہ میں ۹ برس تک لاکھوں مسلمانوں کا خون بہا اور کھربوں روپے برباد ہوئے مگر اس کی یہ جنگی کارروائی " کھودا پہاڑ نکلا چوہا " اور " ہاتھ کالے کا کالا " کی مصداق ہو کر رہ گئی، اس جنگ کا نقصان اگر عراق و ایران تک محدود رہتا تو بھی غنیمت تھا لیکن اس کی وجہ سے مسلمانوں کے نہ جانے کتنے عالمی مسائل کو نقصان پہنچا، عرب حکومتوں نے عربی عصبیت کے تحت عراق کی بے تحاشا مدد کی اور اس کی وجہ سے کتنے اہم دینی و ملی کام متاثر ہوئے اور پھر اس کی وجہ سے سب سے زیادہ افغانستان اور اسرائیل کا مسئلہ متاثر ہوا اور یہ سب مسائل دس دس برس پیچھے چلے گئے اور اب صدام حسین نے دوسری بڑی بین الاقوامی اور بین الملی قزاقی کویت پر حملہ کر کے کی ہے، اس کے اس اقدام سے پوری دنیا میں ہونے والے نہ صرف ہزاروں دعوتی اور تعلیمی کام متاثر ہوں گے بلکہ قبلہ اولیٰ کی واگزاری اور اسرائیل کے مسئلہ کو اس نے مزید دس سال اور پیچھے کر دیا اتنا ہی نہیں بلکہ اسرائیل کی جارحیت کے لئے اس نے ایک زندہ ثبوت بھی فراہم کر دیا اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ ایران کے قیدیوں کو رہا کر کے اور شط العرب کے حق سے دست بردار

ہو کر اپنی جارحیت کا خود بہت بڑا ثبوت بھی فراہم کر دیا،

اس وقت خلیج میں حالات کا جو رخ دکھائی دے رہا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صدام حسین نے عراق کی خراب معاشی حالت کو سہارا دینے کی لالچ میں جو عالجانہ قدم اٹھایا اس میں اسے یہی نہیں کہ کوئی کامیابی نہیں ہوئی بلکہ بہت جلد اسے کویت سے "بیک بینی و دو گوش" واپس جانا پڑے گا اور تعجب نہیں کہ خود عراق کے اندر اس کے نتیجہ میں کوئی بڑا انقلاب رونما ہو جائے۔

صدام حسین نے اگر ایران اور کویت کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنانے کے بجائے اسرائیل کو اپنے فوجی حملہ کا نشانہ بنایا ہوتا تو اس کے لیے جواز تھا اس لئے کہ اسرائیل نے بغیر کسی قوی سبب کے اس کے ایٹمی ری ایکٹر کو تباہ کر دیا تھا اور اس اقدام میں سارے اسلامی ممالک اور تیسری دنیا اس کا ساتھ دیتی مگر اس نے کویت پر حملہ کر کے ساری دنیا کی حمایت سے عراق کو محروم کر دیا ہے، جو اس کی سیاسی بصیرت کی کمی کا ثبوت ہے۔

صدام حسین کے اس اقدام کی تمام تر مذمت کے ساتھ ہم امریکی فوج کے سعودی عربیہ میں داخل ہونے کی تائید بھی نہیں کر سکتے اور ساتھ ہی ساتھ اس تاریخی حقیقت کا اظہار بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ جزیرۃ العرب جہاں سے ایک زمانہ میں ساری دنیا کی مظلوم اور پسی ہوئی آبادی کو آزادی دلانے کے لئے اسلامی لشکر روانہ ہوا کرتے تھے اور وہ کسی آبادی میں اس طرح داخل ہوتے تھے کہ وہ ان کے لئے بوجھ نہیں بنتے تھے بلکہ ان کے لئے وہ سراپا راحت و سکون بن کر وہاں جاتے تھے، جزیرۃ العرب کی تاریخ میں پہلی بار اتنی بڑی تعداد میں غیر مسلم فوج اس سرزمین مقدس کو اپنے موٹے موٹے بوٹوں سے روند رہی ہے اور مغربی تہذیب کی ساری برائیوں اور نہ جانے کتنے امراض کو وہاں کی پاکیزہ فضا میں بکھیر رہی ہے اور اپنی شاہ خرچی کا سارا بوجھ شاہی حکومت پر ڈال رکھا ہے، اس سے نہ صرف اسلامی تاریخ کا شاندار کردار پامال ہوا ہے بلکہ اس سے ملک کی دینی اور اخلاقی قدریں اور اقتصادی خوشحالی بھی داؤ پر لگی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو عقل سلیم عطا کرے اور مقامات مقدسہ کی حرمت کو داغدار ہونے سے بچا سکے، آمین۔

اس سلسلہ میں ہم ایران کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ دس سال کی مسلسل جنگ میں پامال اور

لہولہان ہوگیا مگر وہ نہ کسی بڑی طاقت کے آگے جھکا اور نہ کسی ایک غیر ملکی سپاہی کو اپنی سرزمین پر پیر رکھنے دیا۔

اعتراف حقیقت

الرشاد کے ناظرین جانتے ہیں کہ اس کے مرتب نے مسلمانوں کے مسائل کے سلسلہ میں کبھی حکومت کے پالیسی اور کے سامنے مجاملت یا منافقت سے کام نہیں لیا اور نہ کبھی خوشامدانہ انداز اختیار کیا جس کی وجہ سے مرتب الرشاد کو بہت سے نقصانات بھی اٹھانے پڑے۔ مگر آج واضح الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف نہ کرنا بڑی احسان ناشناسی ہوگی کہ شری ملائم سنگھ یادو یوپی کے شاید بارہویں مگر اس لحاظ سے پہلے چیف منسٹر ہیں جنھوں نے کمزور طبقہ اور خصوصیت سے مسلمانوں کے مسائل کے سلسلہ میں انتہائی صاف واضح اور منصفانہ طرز عمل اختیار کر رکھا ہے اس کی وجہ سے فرقہ پرست طاقتیں اور شکست خوردہ کانگریسی ان کی چیف منسٹری کے ختم کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ ملائم سنگھ یادو گووند ولبھ پنتھ سے لے کر نرائن دت تیواری تک سب کو اپنی انصاف پسندی میں پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ اسی طرح وزیر محنت اور اوقاف محمد اعظم خاں بھی پہلے مسلمان وزیر ہیں جنہوں نے برملا بارہا اس بات کا اعلان کیا کہ مسلمانوں کے مسائل کے سلسلہ میں اگر ان کو حکومت اور اسکے درمیان انتخاب کی نوبت آئیگی تو وہ مسلمانوں کے مسائل کیلئے کرسی وزارت کو خیرباد کہہ سکتے ہیں کسی مسلمان وزیر کی بات تو جانے دیجئے یہ بے قیمت مسلمان ایم۔ایل۔اے بھی یہ آواز کبھی نہیں نکال سکے ان لوگوں کی اہمیت اس لحاظ سے بھی زیادہ ہے کہ فرقہ پرست طاقتیں اس وقت سیاسی طور پر پہلے کے مقابلہ میں زیادہ مضبوط ہوگئی ہیں اسلئے عوامی سطح پر ہم کو ان کا ہاتھ مضبوط کرنا چاہیئے کتنی افسوسناک بات ہے کہ ایوان کا اسپیکر بھی اس فرقہ پرستی کی لپیٹ میں آگیا ہے اس سلسلہ میں مسلمانوں کا فرض ہوتا ہے کہ پچھڑی ذات کے ہندؤں اور ہریجنوں وغیرہ کو لیکر ان کے خلاف ہونیوالی فرقہ پرستانہ سازش کا پردہ فاش کریں اور ان کو سیاسی میدان میں ایسی شکست دیں کہ ان کے حوصلے پست ہوجائیں اگر مسلمانوں نے اس وقت اپنی ذمہ داری نہ ادا کی اور فرقہ پرستانہ طاقتیں اسی طرح انصاف پسند افراد کے خلاف اپنی صفوں کو مضبوط کرتی رہیں تو پھر ہم کو شاید ان کو شکست دینے کا اس سے بہتر موقع نہ مل سکے فرقہ پرستوں کے شور شرابہ سے ہم کو بالکل گھبرانا نہیں چاہیئے عالم کے اندر اپنے مقابل سے پنجہ آزمائی کی جرأت نہیں ہوتی اس کا ہاتھ ہمیشہ کمزوروں پر اٹھتا ہے۔

جیسا کہ علم ہوا ہے کہ وی۔پی سنگھ بھی انصاف پسندانہ پالیسی اختیار کرنا چاہتے ہیں مگر ان کی کچھ ایسی سیاسی کمزوریاں اور مجبوریاں ہیں کہ وہ قدرے گومگو کی پالیسی اختیار کرتے پر مجبور ہیں پھر بھی انھوں نے مسلمانوں کے ریزرویشن کی جو بات کہی ہے اس سے قدرے ان کی صاف دلی اور انصاف پسندی ظاہر ہوتی ہے اب تک جواہر لال نہرو جیسے سیکولر وزیراعظم بھی یہ بات زبان پر لانے کی جرأت نہ کرسکے تھے۔

ذِکر و دُعا

(اسلامی فقہ حصہ اوّل کا ایک باب)

مولانا مجیب اللہ ندوی

اسلام نے دو طرح کی عبادات ضروری قرار دی ہیں۔ایک وہ عبادات جو ایک خاص وقت، خاص مقام، خاص ہیئت اور خاص شرائط کے ساتھ فرض کی گئی ہیں، جیسے نماز، روزہ، حج زکوٰۃ، جہاد وغیرہ۔ نماز کے بارے میں قرآن مجید میں کہا گیا ہے۔

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا (نساء)
بے شک نماز وقت مقررہ پر فرض کی گئی ہے۔

روزے کے بارے میں ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (بقرہ)
جو رمضان کے مہینہ میں موجود ہو۔ وہ اس میں روزے رکھے۔

حج کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ (بقرہ)
حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں۔

اسی طرح زکوٰۃ اور جہاد کے لئے بھی مخصوص شرائط اور اوقات ہیں۔

دوسری وہ عبادات ہیں جن کی ادائیگی کے لئے نہ تو وقت کی قید ہے نہ مقام کی، نہ ان کے لئے خاص شرطیں ہیں نہ مخصوص ہیئت، آدمی گھر میں ہو یا گھر سے باہر، سفر میں ہو یا حضر میں، بیٹھا ہوا ہو یا لیٹا ہوا، کاروبار کی تگ و دو میں ہو، یا میدان جہاد کی جاں بازی میں، وہ ہر وقت، ہر آن اور ہر موقع و محل میں اس کو ادا کر سکتا ہے۔ خواہ زبان سے ادا کرے یا دل سے، انہی عبادتوں کو کتاب و سنت میں ذکر و دعا، تسبیح و تہلیل، تحمید و تکبیر، استعاذہ و استغفار کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○ (احزاب)	اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو۔
اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آلِ عمران)	اہل عقل وہ لوگ ہیں جو اللہ کو کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں۔

ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شریعت کے بے شمار احکام ہیں مجھ کو ایک ایسی بات بتا دیجئے کہ جسے زیادہ مضبوطی سے تھام لوں۔ آپؐ نے فرمایا۔

لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ [1]	خدا کے ذکر سے ہر وقت تمہاری زبان تر رہے۔

خود آپؐ کے بارے میں حدیث میں آیا ہے:۔

يَذْكُرُ كُلَّ اَحْيَانِهٖ [2]	ہر آن آپؐ خدا کی یاد میں مشغول رہتے تھے۔

پہلی قسم کی عبادات فرض قرار دی گئی ہیں اور دوسری قسم کی عبادات فرض تو نہیں قرار دی گئی ہیں مگر اپنے روحانی اثر و نتیجہ کے اعتبار سے ان کی حیثیت اور اہمیت فرض سے کم نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت میں زندگی کے ہر پہلو ہر موڑ اور ہر موقع پر ذکر

---

[1] ترمذی، ابن ماجہ [2] شمائل ترمذی

دُعا، استعاذہ اور استغفار اور تحمید و تکبیر کی ترغیب ہی نہیں بلکہ تاکید بھی کی گئی ہے۔ پہلی قسم کی عبادات میں نماز کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔ روزہ، حج اور زکوٰۃ کا بیان آگے آتا ہے۔ اس بیچ میں دوسری قسم کی عبادات کا ذکر نماز کے بعد ہی اس لئے کیا جارہا ہے کہ ان کو سب سے زیادہ مناسبت نماز ہی سے ہے۔

دُعا انسان کی فطرت کی پکار ہے

عبادت کی طرح دُعا مانگنا بھی انسان کی فطرت کا تقاضا ہے جب ہم مبتلائے آلام ہوتے ہیں اور مصیبتیں ہر طرف سے گھیر لیتی ہیں تو ہمارے ہاتھ دُعا کے لئے بے اختیار اُٹھ جاتے ہیں۔ اس حال میں دل مضطرب جو الفاظ بے ساختہ نکلتے ہیں اور بیچارگی کے عالم میں جو آواز دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہے اُسی کا نام دُعا ہے۔ قرآن انسان کی اِسی فطرت کی پکار کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتا ہے۔

اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا۔ (یونس)	جب انسان کو کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے تو وہ اپنے رب کو لیٹے بیٹھے کھڑے ہر حالت میں بلاتا ہے۔

لیکن انسان کی اس جبلت میں اعتدال قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ دُعا صرف اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے۔ کیونکہ اللہ کا تصور ایک کامل، بلند اور عظیم تر ہستی کا تصور ہے۔ اور صرف اِسی ذات کو پکارنے سے انسان کا شرفِ انسانیت محفوظ رہ سکتا ہے۔ اور اپنے جیسوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے وہ محفوظ رہ سکتا ہے۔ کفار و مشرکین نے یوں بہت سے خدا بنا رکھے تھے مگر مصیبت اور تکلیف کے وقت صرف خدائے واحد کو یاد کرتے اور اُسی سے دُعا کرتے تھے اور صرف اس سے دُعا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ توحید انسان کی فطرت کے اندر داخل ہے اور شرک سے اس کی فطرت ابا کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ مصیبت کے وقت جب انسان اپنی فطرت کے قریب ہوتا ہے تو سارے خدا اس کے غائب ہو جاتے ہیں اور صرف ایک خدا کی یاد باقی رہ جاتی ہے۔

ذکر و دعا کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے دل و دماغ میں خدا کی یاد اس طرح بس جائے کہ دوسری تمام یادیں اس میں ضم ہو جائیں۔ اس کی محبت اور عظمت کا ایسا قوی اور متحرک احساس پیدا ہو جائے کہ دوسری تمام محبتیں اور عظمتیں ماند پڑ جائیں۔ قلب و دماغ اور برتاؤ میں عاجزی اور درماندگی، بے چارگی اور شکستگی اور ذل و افتقار کی وہ کیفیت پیدا ہو جائے جو ایمان و اسلام کی روح اور اطاعت و عبادت کا حاصل ہے۔ آدمی جو کہے اسی سے کہے، جو چاہے اور مانگے اور اسی سے چاہے اور مانگے۔ تکلیف ہو یا آرام، بدحالی یا خوشحالی ہر صورت اور ہر حالت میں وہ صابر اور شاکر رہے۔ اس کی نظر سبب پر نہیں مسبب الاسباب پر ہو۔ جو عبادت مخصوص ہیئت اور مخصوص وقت و مقام کے ساتھ فرض کی گئی ہیں ان کا مقصود بھی یہی کیفیات پیدا کرنا ہے نماز ہی کو لیجیے۔ اس کے ایک ایک رکن اور اس کی ایک ایک ہیئت اور اس میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس کے ایک ایک جزو سے ان کیفیات کا اظہار ہوتا ہے خاص طور پر سجدہ کی ہیئت اور سورۂ فاتحہ کی قرأت سے یہ کیفیتیں سب سے زیادہ نمایاں ہوتی ہیں۔ غالباً اسی لئے سورۂ فاتحہ کی قرأت کو ہر رکعت میں ضروری قرار دیا گیا ہے اور ایک رکعت میں دو سجدے فرض کئے گئے ہیں جب کہ دوسرے ارکان رکوع اور قومہ وغیرہ ایک ہی بار فرض کئے گئے ہیں اور ہر نماز کی ہر رکعت میں کسی ایک ہی سورت یا آیت کا دہرانا پسند نہیں کیا گیا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس ارشاد قدسی سے ہوتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سعادت نواز کے ذریعہ سامعہ نواز ہوئی ہے۔

قَسَمْتُ الصَّلٰوةَ بَيْنِيْ وَ	اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے نماز کو
بَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِيْ	اپنے اور بندے کے درمیان نصف
مَا سَأَلَ فَاِذَا قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ	نصف تقسیم کر دیا ہے۔ اور میرے بندہ
رَبِّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ اللّٰهُ	نے جو مانگا وہ اسے ملے گا۔ جب نمازی
حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ وَاِذَا قَالَ	الحمد للہ رب العلمین کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قَالَ اَثْنٰى	فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے میری حمد بیان
عَلَيَّ عَبْدِيْ فَاِذَا قَالَ	کی جب وہ اپنی زبان سے الرحمٰن

اَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ فَاِذَا قَالَ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ قَالَ مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ وَكَرَّةً فَوَّضَ اِلَيَّ عَبْدِيْ فَاِذَا قَالَ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ قَالَ هٰذَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَاَلَ فَاِذَا قَالَ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا لِعَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَاَلَ۔

(مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

الرحیم کی صدا لگاتا ہے تو خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے میری تعریف کی جب اس کی زبان سے مالک یوم الدین کا کلمۂ اقرار نکلتا ہے تو فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے میری بڑائی بیان کی اور ایک بار آپ نے فرمایا کہ میرے بندہ نے اپنے آپ کو میرے حوالے کردیا۔ جب ایاک نعبد وایاک نستعین پر طاعت کا کلمہ زبان سے کہتا ہے تو (بندہ کی اس ادا سے خوش ہوکر) فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندہ دونوں کے لئے ہے اور میرے بندہ نے جو مانگا اسے وہ ملا پھر جب وہ کہتا ہے، اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

تو خدا نے فرمایا ہے کہ یہ سارا میرے بندہ کا حصہ ہے اور اس نے جو مانگا اسے وہ مل گیا۔

بندے کی عاجزی و خاکساری کا اظہار سب سے زیادہ سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے یہ حالت قرب خداوندی کا سب سے موثر ذریعہ بنتی ہے۔ اس کے بارے میں ارشاد نبوی ہے۔

اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ فَاَكْثِرُوا الدُّعَآءَ۔

بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے تو اس حالت میں کثرت سے دعا کیا کرو۔

(المنتقی بحوالہ مسلم، ابوداؤد)

اسی طرح دوسری عبادتوں روزہ، حج، زکوٰۃ میں یہ کیفیات جتنی زیادہ پیدا ہوتی ہیں ان

کا اجرامی اعتبار سے زیادہ ہوتا ہے۔

غرض یہ کہ اگر ایمان واطاعت اور عبادت وریاضت کا مقصود یہ ہے کہ بندہ کو اپنے رب سے گہرا تعلق ہو اور اس میں رغبت ورہبت، ذل وافتقار آخرت کی باز پرس کا قوی جذبہ پیدا ہو حاجت مندیوں اور نیازمندیوں کا تعلق مخلوق سے ٹوٹ کر خالق سے جڑ جائے۔ اس کے ضمیر میں عبدیت کا یہ احساس پیدا ہو کہ وہ اس دنیا میں آزاد نہیں ہے۔ بلکہ خدا کا خلیفہ اور اس کی تمام نعمتوں کا امین ہے۔ وہ نہ تو اپنی بڑائی جتلانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور نہ دوسروں کی بڑائی اور عظمت کے آگے سرنگوں ہونے کے لئے، تو یہ تمام باتیں ذکر و دُعا سے بدرجہ اتم پیدا ہوتی ہیں۔ اور اگر ذکر ودعا پورے شعور اور جذبہ محبت سے کی جائے تو اس سے ایمان میں جلا اور حلاوت واطاعت وعبادت میں استقامت اور لذت پیدا ہوتی ہے۔ قرآن میں ذکر و دُعا کے جو الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ اور حدیث کی کتابوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پُر سعادت سے ذکر و دعا کے جو الفاظ منقول ہیں۔ ان کو جب آپ حضور قلب کے ساتھ اپنی زبان سے ادا کریں گے تو ان کے ایک ایک لفظ میں آپ کو اپنے دل کی ترجمانی، اپنے حالات کی نمائندگی اور پریشانی اور بے چینی کی حالت میں اطمینانِ قلب کا سامان ملے گا۔ ان میں آپ کو بہت سی ایسی داخلی و خارجی ضرورتوں کا ذکر ملے گا جن کی طرف بہ آسانی ہر انسان کا ذہن منتقل نہیں ہوتا۔ ان معصوم الفاظ کے ذریعہ خدا کے حضور میں جب آپ اپنی کوئی التجا پیش کریں گے تو آپ کو ایسا محسوس ہوگا کہ آپ کے اور خدا کے درمیان جتنے پردے تھے وہ ہٹ گئے ہیں واسطوں کی تمام زنجیروں کو توڑ کر آپ براہِ راست بارگاہِ قدس میں پہنچ کر اپنی عرضداشت پیش کر رہے ہیں اور خود آپ کی شخصیت آپ کے آئینہ ضمیر میں بے نقاب ہو کر سامنے آجائے گی۔ بندہ کی غلطی ہے کہ وہ خدا کو اپنے سے دُور سمجھتا ہے۔ وہ تو خود اس کی شخصیت سے بھی زیادہ قریب ہے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق)	میں بندے سے اس کے رگ گلو سے بھی زیادہ قریب ہوں۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ۔ (بقرہ)	جب کوئی بندہ تم سے میرے بارے میں پوچھتا ہے تو بتا دو میں قریب ہی ہوں دعا کرنے والا جب بھی پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔

ان ہی وجوہ کی بنا پر قرآن و حدیث میں ذکر دعا کی بار بار تاکید آئی ہے۔گذشتہ تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں اس کو خصوصیت سے اہمیت دی گئی ہے۔قرآن میں جہاں جہاں ان کی دعوت و تبلیغ کا ذکر ہے وہاں ان کی مخصوص دعاؤں کا بھی ذکر ہے۔ یہ عبدیت کا سب سے بڑا مظہر اور مرقع ہے اسی لئے ترکِ دعا پر خالقِ کائنات نے وعید فرمائی ہے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ۔ (مومن)	تمہارے رب نے کہا اے لوگو! مجھ سے دُعائیں مانگتے رہو۔ میں تمہاری دُعائیں قبول کروں گا۔ جو لوگ میری اس عبادت سے سرتابی کرتے ہیں عنقریب وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :-

مَنْ لَمْ يَسْئَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ۔ (ترمذی)	جو اللہ سے مانگتا نہیں اللہ تعالیٰ اس سے غضبناک ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک بار آپؐ نے فرمایا۔

اَلدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ۔ [1]	دُعا ہی عبادت کی رُوح ہے۔

یہ فرمانے کے بعد بطور استدلال پھر قرآن کی مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی ۔ (ترمذی — ابوداؤد)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ :-

---

[1] احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ — دعا عبادت کا مغز ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ :-

لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الدُّعَاءِ [1] — بارگاہِ خداوندی میں دعا سے زیادہ قابلِ عزو شرف کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔

ذکر و دعا کی یہ حیثیت بھی بہت ہی اہم اور قابلِ اتباع ہے کہ آپؐ سے جو اذکار اور ادعیہ ثابت ہیں وہ آپؐ کے پیغام کا عملی مرقع اور آپؐ کی سیرت و اسوہ کی بہترین مثال و ترجمان ہیں آپ کے پیغام ہمہ گیری کا صحیح سُراغ اگر آپؐ کی سیرپاک اور اسوۂ حسنہ سے لگانا چاہتے ہیں۔ تو جلوت کے واقعات کے ساتھ آپؐ کی خلوت کی ان التجاؤں اور دعاؤں کے ایک ایک لفظ کا مطالعہ کیجئے اور ان کیفیتوں کو محسوس کرنے کی کوشش کیجئے جو آپؐ کے دلِ مضطرب میں پیدا ہوتی تھیں آپ کو ان دعاؤں میں توحید کا اعلیٰ تصور، اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کا جذبۂ بے پایاں اور آخرت کی باز پرس کا پر شور احساس ملے گا۔ حاجت روائیوں اور نیازمندیوں کے سارے رشتے مخلوق کے بجائے خالق کے دامنِ رحمت سے بندھے ہوئے نظر آئیں گے۔ ان میں آپ عبادت کا ذوق و شوق اور اس کی لذّت و حلاوت کی طلب پائیں گے۔ حسنِ خلق، حسنِ عمل اور حسنِ سلوک کی توفیق کی عاجزانہ درخواست اور منکرات و منہیات سے بچنے کی سچی اور بے تابانہ خواہش ملے گی۔ ان سے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انسان دوستی بھائی چارگی اور سارے انسانوں کی ان ضروریات تک پورا کرنے کا درد مندانہ جذبہ ملے گا۔ جن تک عام انسانوں کی نظریں مشکل سے پہنچتی ہیں۔ منبر و محراب اور جلوت کی اچھی اور عمدہ باتوں کے بارے میں دو رائیں ہو سکتی ہیں اس لئے کہ اس میں مصلحت اندیشی اور حالات کے دباؤ کا امکان ہوتا ہے (یہ بات بفرضِ محال کہی گئی ہے ورنہ نبی کی ذات اور خاص طور پر ختم المرسلین کی ذات اس سے بہت بلند ہے) لیکن خلوت کی باتوں میں آدمی بے حجاب ہوتا ہے، یہاں واقعی وہ جو کچھ ہوتا ہے وہی نظر آتا ہے، اس کے احساسات اور جذبات کا اظہار یہاں بغیر کسی تصنع اور بناوٹ کے ہوتا ہے۔

---

[1] ترمذی، ابن ماجہ

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ مفروضات نہیں ہیں، بلکہ حقائق ہیں ہم یہاں قرآن کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چند جامع دعائیں نقل کرتے ہیں۔ ان سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک مومن کی زندگی میں دعا کا کیا مقام ہے۔ اور کیا ہونا چاہیئے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (بقرہ)	اے ہمارے پروردگار تو ہمیں اس دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی کامیاب کر، اور دوزخ کے عذاب سے بچا۔
رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ۝ (بقرہ)	اے ہمارے پروردگار تو ہماری گرفت نہ کرنا اگر بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہم پر کوئی ایسا بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے اگلوں پر ڈالا تھا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم پر کوئی ایسا بوجھ نہ ڈالنا جسے ہم سہار نہ سکیں ہم کو معاف کر، ہم کو بخش دے، ہم پر رحم کر تو ہمارا کارساز ہے، ہم کو کافروں پر غالب کر۔
رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ (اعراف)	اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا ہے، اگر تو ہم کو معاف نہ کرے گا تو ہم بڑے گھاٹے میں رہیں۔

ان دونوں دعاؤں کو پڑھتے ہوئے اپنے نفس کا احتساب کیجئے اور چشم نم کے ساتھ اپنی دانستہ غلطیوں اور نادانستہ بھول چوک کو یاد کرنے کی کوشش کیجئے پھر دیکھئے کہ آپ کے قلب کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔

(آل عمران)

اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو کج نہ کرنا، بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی ہے، اور ہم کو اپنی رحمت خاص عنایت کر، بلاشبہ تو بڑا عطا کرنے والا ہے۔

اس دعا کو پڑھتے ہوئے اپنے ذہن میں اس بات کو اچھی طرح تازہ رکھئے کہ ہدایت کے بعد بھی قلب مومن کو کجی اور زیغ کا ہر وقت خطرہ لاحق رہتا ہے۔ اس خطرہ سے تحفظ کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ رحمتِ الٰہی اور توفیقِ ایزدی شاملِ حال رہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ:

لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ وَإِنِّيْ لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ۔

(مسلم)

میرے دل پر بھی کبھی گرد و غبار آجایا کرتا تھا اور (اس کے علاج کے لئے) میں دن میں سو سو بار استغفار کرتا رہتا ہوں۔

اسی مفہوم کی ایک دعا اور بھی ہے:-

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيْ أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔

(آل عمران)

اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو اور اپنے کاموں میں ہم سے جو زیادتی ہوگئی ہو اسے تو معاف کر دیجئے، ہم کو ثابت قدم رکھئے اور کافروں کے مقابلے ہماری مدد کیجئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی چند جامع دعائیں ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک بار حضور سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! کوئی جامع دعا مجھے سکھا دیں جسے میں ہر روز صبح و شام پڑھتا رہوں۔ آپ نے ان کو یہ دعا تلقین فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَ

اے اللہ! جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، جو غائب و حاضر کو جانتا ہے جو

الشَّهَادَةِ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَّ	ہر چیز کا رب اور مالک ہے۔ میں گواہی
مَلِيْكَهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ	دیتا ہوں کہ آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں،
اَنْتَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ	میں اپنے نفس اور شیطان کے شر اور اس
نَفْسِيْ وَشَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهٖ[1]	کے شرک سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِيْ دِيْنِيَ الَّذِيْ	اے اللہ! میرے لئے میرے دین کو درست
هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِيْ وَاَصْلِحْ	رکھ کہ وہ میری زندگی کے ہر کام کا سہارا
لِيْ دُنْيَايَ الَّتِيْ فِيْهَا مَعَاشِيْ	اور بچاؤ ہے اور میرے لئے میری دنیا کو
وَاَصْلِحْ لِيْ اٰخِرَتِيَ الَّتِيْ فِيْهَا	درست کر دے کہ اس میں مجھے زندگی گذارنی
مَعَادِيْ وَاجْعَلِ الْحَيٰوةَ زِيَادَةً	ہے اور میرے لئے میری آخرت کو سنوار
فِيْ كُلِّ خَيْرٍ وَّاجْعَلِ	دے کہ وہیں مجھے پلٹ کر جانا ہے اور
الْمَوْتَ رَاحَةً لِّيْ مِنْ كُلِّ	اس ستعار زندگی کو نیکی اور بھلائی میں
شَرٍّ۔	زیادتی کا سبب بنا اور موت کو تمام تکلیفوں
(مسلم)	اور فتنوں سے نجات و راحت کا ذریعہ بنا۔

عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں آپ یہ بھی دعا فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْهُدٰى	اے اللہ میں تجھ سے ہدایت، پرہیزگاری
وَالتُّقٰى وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى	پاکدامنی اور فارغ البالی مانگتا ہوں۔

(مسلم، ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہؓ کو یہ دعا بہ تاکید تلقین فرمائی ہے۔

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ	اے حی و قیوم (ہمیشہ زندہ) اور کائنات

---

[1] حدیث میں شرک کا لفظ ش کے کسرہ یا ش اور ر دونوں کے ساتھ آیا ہے، زبر جب ہوگا تو اس کے معنی جال اور پھندے کے ہوں گے۔ شرک ہی زیادہ پسند ہے۔

اَسْتَغِيْثُ اَصْلِحْ لِی شَانِیْ کُلَّہٗ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ
(مستدرک، حاکم، نسائی)

تھامنے والے، میں تیری رحمت کے واسطے سے فریاد کرتا ہوں کہ میری ہر حالت اور ہر کام کو درست کر دے اور مجھے ایک لمحہ کیلئے بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کر۔

ان دعاؤں کو پڑھتے وقت یہ بات ذہن میں رکھیئے کہ نفس کی شرارت سے زیادہ کوئی اور چیز پناہ مانگنے کی نہیں، دین و دنیا کی ساری تباہی اور فساد کا سبب یہی شریر "نفس" ہے۔

آپ نے ایک بار فرمایا کہ دو کلمے ہیں جو رحمٰن کو پیارے ہیں اور زبان پر ہلکے ہیں اور میزانِ قیامت میں بھاری ہوں گے۔ وہ یہ ہیں۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ (بخاری، مسلم)

خدا کی پاکی بیان کرتا ہوں اور اس کی ثنا و تعریف کرتا ہوں۔ اللہ جو بڑا ہے۔

ایک اور دعا ملاحظہ ہو۔ اس میں انسان کی بعض ایسی ضرورتوں کا اظہار ہے جس کی طرف عام انسانوں کا ذہن مشکل سے منتقل ہوگا۔

اَللّٰھُمَّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ مُنْکَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَھْوَآءِ وَالْاَدْوَآءِ نَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْہُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمِنْ جَارِ السُّوْٓءِ فِیْ دَارِ الْمُقَامَۃِ فَاِنَّ جَارَ الْبَادِیَۃِ یَتَحَوَّلُ وَغَلَبَۃِ الْعَدُوِّ وَشَمَاتَۃِ الْاَعْدَآءِ وَمِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّہٗ بِئْسَ الضَّجِیْعُ وَمِنَ الْخِیَانَۃِ

اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں، ناپسندیدہ اخلاق، اعمال اور نفسانی خواہشوں اور بیماریوں سے اور ہم تیری پناہ میں آتے ہیں، ہر اس چیز سے جس سے تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے اور مستقل قیامگاہ میں بُرے پڑوسی سے (اس لئے کہ سفر کا ساتھی تو چل ہی دیتا ہے) اور دشمن کے غلبہ سے اور دشمن کے طعنے سے[1] اور بھوک سے کہ وہ بری ہم خواب ہے اور خیانت سے کہ وہ بری ہمراز ہے اور اس سے کہ اُلٹے

[1] یہ جملہ امت کے ان افراد کی طرف سے ہے جو دعا کریں۔

فَيُبِيتُ الْبِطَانَةُ وَاَنْ نَرْجِعَ عَلٰی	پیروں لوٹ جائیں یا فتنہ میں پڑکر دین سے
اَعْقَابِنَا اَوْ نُفْتَنَ عَنْ دِيْنِنَا	الگ ہوجائیں اور اُن سارے فتنوں سے
وَ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۔	جو ظاہری ہوں یا باطنی اور بُرے دن سے
وَمِنْ يَوْمِ السُّوْءِ وَمِنْ لَيْلَةِ السُّوْءِ	اور بُری رات سے اور بُری گھڑی اور بُرے
وَمِنْ سَاعَةِ السُّوْءِ وَمِنْ صَاحِبِ	ساتھی سے ۔
السُّوْءِ (ترمذی عن ابی امامہ)	

کسی نعمت کا ملنا اور کسی خوشی کا حاصل ہونا ایک عطیہ خداوندی ہے لیکن جو نعمت و مسرت بے سان وگمان اور اچانک ملے اس کی مسرت ہی کچھ اور ہے، اسی طرح مصیبت اگر ایک بار پناہ مانگنے کی چیز ہے تو وہ مصیبت جو اچانک اور ناگہانی پیش آئے اس سو بار پناہ مانگنے کی ضرورت ہے جن لوگوں کو اس سے سابقہ پڑا ہے وہ اس کی چوٹ کو جانتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک دعا میں اول الذکر کی دعا مانگی ہے اور ثانی الذکر سے پناہ مانگی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ	اے اللہ! میں تجھ سے چاہتا ہوں
فَجَاءَةِ الْخَيْرِ وَ اَعُوْذُبِكَ	بھلائی غیر متوقع اور اے اللہ! ناگہانی
مِنْ فَجَاءَةِ الشَّرِّ۔	برائی اور مصیبت سے تیری پناہ
(کتاب الاذکار نووی)	مانگتا ہوں ۔

تمام شرور معاصی کا سرچشمہ اور ان کا سب سے بڑا اور قوی سبب دنیا کی محبت اور اس کا مقصود اعظم بنالینا ہے۔ "حُبُّ الدُّنْيَا رَاسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ"۔

مزاج اور مذاق نبوی یہ ہے اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشَ الْاٰخِرَةِ۔ آپ کے قلب مبارک میں دنیا کی محبت کی کوئی قدر قیمت نہیں تھی، لیکن پھر بھی آپ دعا فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ	اے اللہ! نہ دنیا کو ہمارا مقصود اعظم
هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا	بنا اور نہ ہمارے علم کی انتہا اور نہ
غَايَةَ رَغْبَتِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا	ہماری رغبت کی منزل مقصود اور نہ ہم

مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا۔ پر ایسے لوگوں کو حاکم بنا جو ہم پر رحم نہ کریں۔
(ترمذی ونسائی)

دنیا کے استعمال کو جو چیز مباح، مرغوب اور محبوب بناتی ہے معصیتوں سے نفرت دلاتی ہے۔ دنیا کی محبت کو رگ و ریشہ سے نکالتی ہے اور اس کی بڑی سے بڑی عظمت کو دل و نگاہ سے گراتی ہے، بڑے بڑے امتحانوں میں قدم کو جماتی اور دل کو تھامتی ہے وہ حقیقی محبتِ الٰہی ہے جس کا دل اس محبت کا آشنا ہوگیا اس کے دل کو نہ کوئی جلال مرعوب کرسکا ہے نہ کوئی جمال مسحور کرسکا۔ ؎

دو عالم سے بیگانہ کرتی ہے دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

خدائے تعالیٰ سے ضابطہ کا تعلق اور اس کی قانونی اطاعت اس حقیقی محبت کے قائم مقام نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ ضابطہ اور قانون چور دروازہ بھی پیدا کرلیتا ہے۔ تاویلیں اور قانونی موشگافیاں بھی جاننا ہے اور تھک بھی جاتا ہے لیکن محبت تاویل سے ناآشنا اور تکان وڈگمگاہٹ سے بیگانہ ہے کہ وہ زخم بھی ہے اور مرہم بھی۔ راہ بھی ہے اور منزل بھی۔

سرورِ کائنات ﷺ بڑے اہتمام سے اس محبت الٰہی کی دعا کرتے تھے۔ ایک دعا کے الفاظ یہ ہیں:۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ وَ اَهْلِيْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ (ترمذی)

اے اللہ! اپنی محبت مجھے پیاری کردے میری جان سے اور میرے گھر والوں سے اور ٹھنڈے پانی سے بھی۔

ایک دوسری دعا کے یہ الفاظ ہیں:۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ الْاَشْيَاءِ اِلَيَّ وَاجْعَلْ خَشْيَتَكَ اَخْوَفَ الْاَشْيَاءِ عِنْدِيْ وَ اَقْطَعْ عَنِّيْ حَاجَاتِ الدُّنْيَا بِالشَّوْقِ اِلٰى لِقَائِكَ وَ اِذَا

اے اللہ! اپنی محبت کو تمام چیزوں سے محبوب تر اور اپنے ڈر کو میرے لئے تمام چیزوں سے خوفناک تر بنادے اور مجھے اپنی ملاقات کا شوق دے کر دنیا کی حاجتیں مجھ سے قطع کردے، اور جہاں تونے

اَقْرَرْتَ اَعْيُنَ اَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ دُنْيَاهُمْ فَاَقْرِرْ عَيْنِيْ مِنْ عِبَادَتِكَ۔ (کنز الاعمال)

دنیا والوں کی آنکھیں ان کی دنیا کی چیزوں سے ٹھنڈی کردی ہیں میری آنکھیں اپنی عبادت سے ٹھنڈی کردے۔

لیکن یہ محبت، یہ اطاعت، یہ توفیق عبادت، ذکر و شکر کی دولت سب اس کی اعانت پر منحصر ہے۔ اس لئے محبوب خدا نے اپنے ایک محبوب صحابی کو بہ محبت الفاظ میں یہ تاکید فرمائی۔

يَا مُعَاذُ لَاُحِبُّكَ اُوْصِيْكَ يَا مُعَاذُ لَا تَدَعَنَّ فِيْ كُلِّ صَلٰوةٍ اَنْ تَقُوْلَ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔ (مشکوٰۃ)

اے معاذ! واللہ! مجھے تم سے محبت ہے۔ میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ یہ دعا کسی نماز میں بھی ترک نہ ہو۔ اے اللہ! میری اپنے ذکر، اپنے شکر اور اپنی اچھی عبادت پر مدد فرما۔

غزل

از:- ڈاکٹر طفیل احمد مدنی

خرد مندوں میں بھی پائیں نہ وہ گہرائیاں ہم نے
ترے عشاق میں دیکھی ہیں جو دانائیاں ہم نے

فریبِ مستقل ہیں یہ خلوص و درد کی باتیں
بہت دیکھی ہیں یاروں کی کرم فرمائیاں ہم نے

یہ اکثر ہوتا آیا ہے کہ ان غزلوں کی کاوش میں
اکٹھی کی ہیں چن چن کر تری پرچھائیاں ہم نے

کسی صورت نہ پہنچا ہاتھ اس کا تیرے دامن تک
بہت کیں گو جنوں کی حوصلہ افزائیاں ہم نے

طفیل اس دردِ دل کے واسطے دنیائے فانی میں
نہ جانے کتنی لی ہیں اپنے سر رسوائیاں ہم نے

ساجد الرحمن صدیقی۔ کاندھلوی

احتکار

اور

فقہی تصریحات

احتکار یعنی اشیائے ضروریہ کی ذخیرہ اندوزی اسلامی شریعت میں نہ صرف مذموم فعل ہے بلکہ قانون فوجداری کے تحت ایسے شخص کو حکومت سزا بھی دے سکتی ہے زیرنظر مضمون میں اس کی کچھ تفصیلات دی گئی ہے گو کہ اس موضوع پر مزید تفصیل سے لکھنے کی ضرورت ہے اسی احتکار کے نتیجہ میں تسعیر کی اجازت شریعت نے دی ہے آئندہ انشاء اللہ اس کی وضاحت بھی کی جائے گی۔

(مرتب)

"احتکار" کی ممانعت اور اس کی برائی اور اس پر وعید کے بیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد احادیث مروی ہیں۔ ان احادیث کے جو متن اس تہی دامن کے علم آسکے ہیں وہ یہاں نقل کئے جا رہے ہیں۔

(۱) عن عمر بن الخطاب قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الجالب مرزوق والمحتكر ملعون[۱]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا باہر سے مال لانے والے کو رزق دیا جاتا ہے اور مال کو مہنگا بیچنے کی غرض سے روک لینے والا ملعون ہے۔

(۲) عن معمر بن عبد الله

معمر بن عبداللہ بن نضلہ

اَقْرَرْتَ اَعْيُنَ اَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ دُنْيَاهُمْ فَاَقْرِرْ عَيْنِيْ مِنْ عِبَادَتِكَ۔ (کنز الاعمال)

دنیا والوں کی آنکھیں ان کی دنیا کی چیزوں سے ٹھنڈی کردی ہیں، میری آنکھیں اپنی عبادت سے ٹھنڈی کردے۔

لیکن یہ محبت، یہ اطاعت، یہ توفیق عبادت، ذکر و شکر کی دولت سب اس کی اعانت پر منحصر ہے۔ اس لئے محبوب خدا نے اپنے ایک محبوب صحابی کو پرمحبت الفاظ میں یہ تاکید فرمائی۔

یَا مُعَاذُ لَاُحِبُّكَ اُوْصِيْكَ يَا مُعَاذُ لَا تَدَعَنَّ فِيْ كُلِّ صَلٰوةٍ اَنْ تَقُوْلَ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔ (مشکوٰۃ)

اے معاذ! واللہ! مجھے تم سے محبت ہے۔ میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ یہ دعا کسی نماز میں بھی ترک نہ ہو۔ اے اللہ! میری اپنے ذکر، اپنے شکر اور اپنی اچھی عبادت پر مدد فرما۔

غزل

از: ڈاکٹر طفیل احمد مدنی

خردمندوں میں بھی پائیں نہ وہ گہرائیاں ہم نے
ترے عشاق میں دیکھی ہیں جو دانائیاں ہم نے

فریبِ مستقل ہیں یہ خلوص و درد کی باتیں
بہت دیکھی ہیں یاروں کی کرم فرمائیاں ہم نے

یہ اکثر ہوتا آیا ہے کہ ان غزلوں کی کاوش میں
اکٹھی کی ہیں چن چن کر تری پرچھائیاں ہم نے

کسی صورت نہ پہنچا ہاتھ اس کا تیرے دامن تک
بہت کیں گو جنوں کی حوصلہ افزائیاں ہم نے

طفیل اس دردِ دل کے واسطے دنیائے فانی میں
نہ جانے کتنی لی ہیں اپنے سر رسوائیاں ہم نے

ساجد الرحمن صدیقی۔کاندھلوی

احتکار

اور

فقہی تصریحات

احتکار یعنی اشیائے ضروریہ کی ذخیرہ اندوزی اسلامی شریعت میں نہ صرف مذموم فعل ہے بلکہ قانون فوجداری کے تحت ایسے شخص کو حکومت سزا بھی دے سکتی ہے زیر نظر مضمون میں اس کی کچھ تفصیلات دی گئی ہے گو کہ اس موضوع پر مزید تفصیل سے لکھنے کی ضرورت ہے اسی احتکار کے نتیجہ میں تسعیر کی اجازت شریعت نے دی ہے آئندہ انشاء اللہ اس کی وضاحت بھی کی جائے گی۔

(مرتب)

"احتکار" کی ممانعت اور اس کی برائی اور اس پر وعید کے بیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد احادیث مروی ہیں۔ ان احادیث کے جو متن اس تہی دامن کے علم آسکے ہیں وہ یہاں نقل کئے جا رہے ہیں۔

(۱) عن عمر بن الخطاب قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجالب مرزوق والمحتکر ملعون [۱]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا باہر سے مال لانے والے کو رزق دیا جاتا ہے اور مال کو مہنگا بیچنے کی غرض سے روک لینے والا ملعون ہے۔

(۲) عن معمر بن عبد اللہ

معمر بن عبد اللہ بن نضلہ

بن نضلة قال قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم
لا يحتكر الا خاطئ۔ [2]

فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خطاکار
کے سوا کوئی احتکار نہیں کرتا۔

(۳) عن عمر بن الخطاب قال
سمعت رسول الله صلى الله
عليه وسلم يقول من احتكر
على المسلمين طعاماً ضربه
الله بالجذام والافلاس [3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے
ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا جو مسلمانوں کے مال روکے
گا اللہ اسے جذام اور افلاس میں
مبتلا فرمائے گا۔

(۴) عن ابن عمرؓ عن النبي
صلى الله عليه وسلم قال
من احتكر طعاما اربعين
ليلة فقد برئ من الله
و برئ الله منه۔ [4]

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے
کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ جس نے چالیس رات کھانا ذخیرہ
کیا وہ اللہ سے اور اللہ اس سے
بری ہو گیا۔

(۵) عن ابی امامة قال نهى
رسول صلى الله ان يحتكر
الطعام [5]

حضرت ابو امامہؓ سے مروی
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے احتکار طعام سے منع فرمایا۔

عن علی قال نهى رسول الله
صلى الله عليه وسلم عن
الحكرة بالبلد [6]

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ
رسول اللہؐ نے شہر میں احتکار سے
منع فرمایا۔

عن ابی هريرة قال قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم
من احتكر طعاما يريد
ان يتغالى بها على المسلمين

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ جس نے خوردنی اشیاء
اس ارادے سے ذخیرہ کیں کہ انہیں

فهو خاطئ وقد برئ منه ذمة الله ؎	مسلمانوں پر مہنگا فروخت کرے تو وہ خطا کار ہے اور اس سے اللہ کا ذمہ بری ہے۔
(۸) عن معاذ بن جبل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال بئس العبد المحتکر ان ارخص اللہ الاسعار حزن وان اغلاھا فرح ؎	حضرت معاذ بن جبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ احتکار کرنے والا برا بندہ ہے کہ اگر بھاؤ کم کردیتا ہے۔ رنجیدہ ہوتا ہے اور اگر تیز کردیتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔
(۹) عن ابی امامة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال اهل المدائن هم الجلساء فی سبیل اللہ فلا تحتکروا علیهم الاقوات ولا تغلوا علیهم الاسعار فان من احتکر علیهم طعاما اربعین یومه ثم تصدق به لم یکن له کفارة ؎	حضرت ابو امامہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل مدائن اللہ کے راستے میں بیٹھے ہیں اس لئے ان کی خوردنی اشیاء میں احتکار نہ کرو اور نہ ان کے ساتھ گراں فروشی کرو اگر کوئی ان پر خوردنی اشیاء کا چالیس دن تک احتکار کرے تو اگر وہ صدقہ بھی کردے تو اس کا کفارہ نہیں ہوگا۔
(۱۰) عن ابی هریرة و معقل بن یسار ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یحشر الحاکرون وقتلة الانفس فی درجة و من دخل فی شئ	حضرت ابو ہریرہ اور معقل بن یسار سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ احتکار کرنے والے اور قاتل حشر میں ایک درجہ میں ہوں گے اور جس نے

من سعر المسلمين يغليه
عليهم لان حقا على الله ان
يقعد به فى معظم النار يوم
القيمة ؎

مسلمانوں کے نرخ میں اضافہ کے
لئے دخل دیا تو اللہ پر یہ حق ہے
کہ وہ روز قیامت جہنم کے بڑے
طبقے میں عذاب دے۔

١٠ ـ عن مالك انه بلغه ان
عمر كان يقول لا حكرة فى سوقنا
لا يعمد رجال بايديهم
فضول من اذهاب الى
رزق من ارزاق الله نزل
بساحتنا فيحتكرونه علينا
ولكن ايما جالب جلب على
عمود كبده فى الشتاء والصيف
فذلك ضيف عمر فليبع كيف
شاء الله وليمسك كيف
شاء الله ؎

امام مالکؒ کو پہنچا کہ حضرت عمر
رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمارے بازار
میں کوئی احتکار نہ کرے جن لوگوں
کے ہاتھ میں حاجت سے زیادہ
روپیہ ہے وہ کسی غلہ کو جو ہمارے
ملک میں آئے خرید کر احتکار نہ
کریں اور جو شخص تکلیف اٹھا کر
ہمارے ملک میں غلہ لائے گرمی یا جاڑے
میں تو وہ مہمان ہے عمر کا جس طرح
اللہ کو منظور ہو بیچے اور جس طرح اللہ
کو منظور ہو رکھ چھوڑے۔

١٢ ـ عن عمر انه خرج الى
المسجد فرأى طعاما منثورا
فقال ما هذا الطعام؟ قالوا
طعام جلب الينا فقال:
بارك الله فيه وفيمن
جلب، قيل يا امير المؤمنين
فانه قد احتكر، قال: ومن
احتكره؟ فقالوا فروخ مولى

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد
میں تشریف لائے تو غلہ کے دانے
بکھرے ہوئے دیکھ کر دریافت کیا
کہ یہ غلہ کیسا ہے لوگوں نے کہا کہ یہ
غلہ لایا گیا ہے آپ نے فرمایا اللہ
برکت دے کون لایا ہے کسی نے کہا
کہ اے امیر المومنین یہ تو ذخیرہ کر
لیا گیا آپ نے دریافت کیا کہ کس نے

عمرؓ فارسل اليهما فدعا
هما فقال : ما حملكما على
احتكار طعام المسلمين؟
فقالا : يا امير المؤمنين نشتري
باموالنا و نبيع ، فقال عمرؓ
سمعت رسول الله صلى الله
عليه وسلم يقول : من
احتكر على المسلمين طعامهم
ضربه الله بالافلاس
او بالجذام فقال فروخ عند
ذلك ، يا امير المؤمنين
اعاهد الله و اعاهدك
ان لا اعود في طعام ابداً
اما مولى عمر فقال : نشتري
باموالنا و نبيع ، قال ابو يحيیٰ
راوی الحديث فلقد رايت
مولى عمر مجذوما [١٢]

ذخیرہ کیا ہے لوگوں نے بتایا کہ فروخ
مولی عثمان اور عمر کے فلاں مولی نے
آپ نے ان دونوں کو بلوایا اور ان
سے دریافت کیا کہ تم نے مسلمانوں کے
غلہ کا احتکار کیوں کیا ہے؟ انھوں
نے کہا کہ اے امیر المؤمنین ہم نے
اپنے مال سے خریدا ہے اور اب
ہم اسے فروخت کریں گے۔ اس پر
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ
فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو مسلمانوں
کا طعام (غلہ) احتکار کرے اللہ
تعالی اُسے افلاس یا جذام میں
مبتلا کرے اس موقع پر فروخ نے کہا
اے امیر المومنین میں اللہ سے اور
آپ سے عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کسی غلہ کا
احتکار نہیں کروں گا۔ مگر مولی عمر نے
کہا کہ ہم اپنے مال خریدتے اور فروخت
کرتے ہیں۔ اس حدیث کے راوی ابو یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے مولی عمر کو جذام
کی حالت میں دیکھا ہے۔

١٣ـ عن مالك انه بلغه عن
عثمان بن عثمان رضى الله عنهُ
كان ينهى عن الحكرة [١٣]

امام مالکؒ سے مروی ہے کہ انھیں
روایت پہنچی کہ حضرت عثمان بن
عفانؓ احتکار سے منع کیا کرتے تھے۔

احتکار کے معنی

زہری کہتے ہیں کہ حکر کے معنی ظلم کرنے، کج روی کرنے اور بری معاشرت اختیار کرنے کے ہیں اسی سے حکر کے معنی ہوئے ادخار الطعام للتربص۔ (موقعہ کے انتظار میں خوردنی اشیاء کا ذخیرہ کر لینا) ابن سیدہ کہتے ہیں کہ احتکار کے معنی ہیں جمع الطعام ونحوہ مما یوکل واحتباسہ وقت الغلاء به (احتکار کے معنی ہیں خوردنی اشیاء جمع کر کے انہیں گرانی ہونے کے انتظار میں روک لینا ہے)

حنفی فقہائے نے احتکار کی فقہی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

الاشتراء بالطعام والامتناع من بیعہ وذلک یضر بالناس[۱۵]	خوردنی اشیاء خرید کر ان کو فروخت نہ کرنا جس سے لوگوں کو مضرت پہنچے۔

الفتاوی الہندیہ میں ہے۔

الاحتکار مکروہ وذلک ان یشتری طعاما فی مصر ویمتنع من بیعہ وذلک یضر بالناس[۱۶]	احتکار مکروہ ہے اس صورت میں یہ ہے کہ کوئی شخص شہر میں غلہ خریدے اور اس کی فروخت سے باز رہے جس سے لوگوں کو نقصان ہو۔
... ...	

الفتاوی الہندیہ میں امام ابو یوسف کا مسلک اس طرح بیان ہوا ہے

ویعد احتکارا ان یشتری طعاما او ایة سلعة اخری یضر احتکارها بالعامة فی قول ابی یوسف. فی مصر او من مکان قریب من المصر، ویتربص به مدة طویلة، تقدر بما لا یقل عن الشهر للغلاء او للقحط وهو اشد وبالا دیبیه	اگر کوئی شخص شہر سے یا شہر کے قریب کسی جگہ سے غلہ یا کوئی ایسی شئے خرید کر (جس کی کم یابی سے) لوگوں کو مضرت پہنچتی ہو کم از کم ایک ماہ تک گراں ہو جانے یا قحط ہو جانے کے انتظار میں روک رکھے اور پھر اپنی مرضی سے فروخت کرے۔
... ...	

للناس على ما يريد [1]

رصد الاسواق انتظار الارتفاع الاثمان	بازار کی اشیاء قیمتوں کے بڑھنے کے انتظار میں روک لینا۔

شافعی فقہاء نے یہ تعریف کی ہے۔

استراء القوت وقت الغلاء وامساكه وبيعه باكثر من ثمنه للتضيق [2]	گرانی کے وقت خوردنی اشیاء خرید کر انہیں روک لینا اور انہیں زائد قیمت پر فروخت کرنا تاکہ تنگی پیدا ہو۔

المہذب میں ہے۔

ويحرم الاحتكار فى الاقوات وهوان يبتاع فى وقت الغلاء ويمسكه يزداد فى ثمنه [19]	اقوات میں احتکار حرام ہے اور وہ یہ کہ گرانی کے وقت خریدے اور مزید قیمتیں بڑھنے کا انتظار کرے۔

احتکار کا حکم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ احتکار اسلامی شریعت میں ممنوع ہے اور اس امر پر تمام فقہاء کا اجماع بھی ہے البتہ اس امر میں فقہاء کے درمیان ظاہری اختلاف پایا جاتا ہے کہ احتکار کی ممانعت حرام کے درجے کی ہے یا مکروہ ہے مگر فی الحقیقت یہ اختلاف بھی اس طرح رفع ہو جاتا ہے کہ حنفی فقہا جب 'کراہت' کا لفظ مطلق استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد کراہت تحریمی ہوتی ہے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک احتکار حرام ہے کیونکہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

ومن يرد فيه بالحاد بظلم
نذقه من عذاب اليم

(الحج : ۲۲)

اور ابو داؤد نے یعلی بن امیہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

احتکار الطعام فی الحرم الحاد فیہ — حرم میں احتکار کرنا اس میں الحاد کرنا ہے۔

جو دراصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے [۱۹]

الکاسانی نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں احتکار کرنے والے پر لعنت بیان کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ایسا شخص اللہ سے بری اور اللہ اس سے بری ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ شریعت میں اس قدر سخت وعید ارتکاب حرام ہی پر بیان ہوئی ہے نیز احتکار کو اس لئے بھی حرام قرار دیا جانا چاہیئے کہ یہ ظلم کی ایک صورت ہے کیوں کہ اس عمل سے لوگوں کی ضروریات کی تکمیل رُک جاتی ہے اور کسی مستحق کا حق روکنا از روئے شریعت ظلم بھی ہے اور حرام بھی خواہ کم مدت کے لئے ہو یا زیادہ مدت کے لئے [۲۱]

ابن حجر ہیثمی نے احتکار کو کبیرہ گناہوں میں سے ایک قرار دیا ہے ان کا کہنا ہے کہ احادیث میں جس طرح اس فعل کی مختلف پیرایہ بیان میں وعیدیں بیان ہوئی ہیں وہ اس کے گناہ کبیرہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

حنبلی مسلک کے فقہا بھی احتکار کی حرمت کے قائل ہیں [۲۲]

شافعی فقہار کی بھی یہی رائے ہے چنانچہ امام نووی یہ حدیث نقل کرکے کہ احتکار کرنے والا خطا کار ہے فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حرمت احتکار کے باب میں صریح ہے [۲۳]

تحریم احتکار کی حکمت

امام نووی فرماتے ہیں۔ کہ

شریعت میں احتکار کو اس لئے ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ اس عمل سے لوگوں کی ضرورتیں رُک جاتی ہیں جس سے وہ دشواری میں پڑ جاتے ہیں اور عام لوگوں کی مضرت کو دور کرنا شریعت اسلامی کا ایک عام اصول ہے [۲۴]۔ قرآن کریم اور سنت نبوی کی متعدد تصریحات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اسلامی شریعت نے "رفع حرج" اور "دفع مضرت" کو اسلامی نظام کے بنیادی اصول قرار دیا ہے چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

ما جعل علیکم فی الدین من حرج (الحج : ۷۸)

اللہ نے دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام

اسلام میں نہ تو کسی کو تکلیف دینا ہے اور تکلیف اٹھانا ہے۔

احتکار کی حرمت کی جہاں ایک وجہ یہ ہے کہ اس سے لوگوں کو ضرر پہنچتا ہے اور دشواری اور تنگی میں مبتلا ہوتے ہیں اور اسلام کا مقصود رفع حرج اور دفع مضرت اور قلت تکلیف کے ساتھ آسانی اور سہولت پیدا کرنا ہے وہاں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام جس اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اس میں ایثار و تعاون اور مواسات اور انفاق فی سبیل اللہ کی خوبیاں سرفہرست ہیں جبکہ احتکار کا عمل نفع اندوزی نفس پروری اور انانیت کے حامل خصائل کی نشاندہی کرتا ہے۔ غرض احتکار کرنے والا جس سرشت اور خصلت کا حامل ہوتا ہے وہ اسلام کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے بلکہ یہ خصلت اس اخلاق و کردار سے متصادم ہے جو اسلام ایک مسلم میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔

جس طرح سرمایہ دار کی زیادہ نفع حاصل کرنے کی خواہش ممنوع ہے اسی طرح اسلامی اقتصادیات کی نظر میں لوگوں کے درمیان غیر ضروری طور پر خریداری کا اشتیاق ہونا بھی مستحسن نہیں ہے کہ ہے کہ قوت خرید کے حامل افراد محض آرائش و زیبائش اور تمول کے اظہار کے طور پر خریداری کرتے چلے جائیں۔ اس طرح گرانی میں اضافہ ہوتا ہے اور کم قوت خرید کے حامل افراد محض اپنی جائز ضروریات پوری کرنے سے بھی عاجز ہو جاتے ہیں۔ تشہیر کے زور پر اشیاء کی خریداری کا حد سے بڑھا ہوا اشتیاق پیدا کر دینا اقتصادیات کے پلڑے کو سرمایہ داروں کے حق میں جھکا دینے کے مترادف ہے اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گوشت کی خریداری کرنے والے ایک صحابی پر گرفت کرتے ہوئے کہا۔

" اکلما اشتھیتم اشتریتم" کیا تمہیں جب خواہش ہوگی تم خریداری کر لوگے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا مفہوم یہ تھا کہ اقتصادیات کی بنیاد خواہش کی بنار خریداری نہ ہو بلکہ ضروریات کی بنا پر خریداری ہونی چاہیئے کیونکہ اگر خریداری خواہش کی بنا پر ہوئی تو زیادہ قوت خرید کے حامل افراد زیادہ اشیاء خریدیں گے جس سے گرانی پیدا ہوگی اور کم قوت خرید والے لوگ ضرورت کے تحت بھی خریداری سے محروم رہ جائیں گے۔

احتکار کن اشیاء میں ہوتا ہے

امام ابوصیفہؒ، امام محمدؒ اور امام شافعیؒ اور حنبلی فقہاء کی رائے یہ ہے کہ احتکار صرف قوت (قابل ذخیرہ خوردنی اشیاء) میں ہوتا ہے۔

امام ابو یوسفؒ اور مالکی فقہاء کی رائے یہ ہے کہ احتکار ان تمام اشیاء میں ہوتا ہے جن کی لوگوں کو ضرورت ہو اور جن کے رک جانے سے انہیں مضرت پہنچے۔

امام محمد بن الحسن کی رائے یہ ہے کہ احتکار صرف لباس اور قابل ذخیرہ خوردنی اشیاء میں ہے[۲۲]

احتکار کی اقسام

احتکار کی دو قسمیں ہیں احتکار صنف اور احتکار عمل۔

احتکار صنف امام ابن القیمؒ نے فرمایا ہے کہ اگر تاجروں کی ایک جماعت یہ طے کرے کہ غذائی اشیاء میں سے کوئی شئے صرف وہی خریدیں گے اور پھر وہی فروخت کریں گے اور کوئی شخص اس شئے کی تجارت نہیں کرے گا تو یہ سخت ظلم اور فساد فی الارض ہے۔ حکومت کی جانب سے ان لوگوں پر تسعیر (Price control) عائد کی جائے گی اور انہیں پابند کیا جائے گا کہ وہ حکومت کی مقرر کردہ قیمت پر خرید و فروخت کریں[۲۳]

احتکار عمل مزدور، ہنرمند اور ایک پیشے کے افراد اگر یہ اتفاق کرلیں کہ وہ اس قدر اجرت سے کم پر کام نہیں کریں گے تو یہ بھی احتکار ہی کی

ایک صورت ہے۔ کیونکہ اس میں ان پیشوں سے متعلق اجرتوں کے بڑھ جانے کا اندیشہ موجود ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ اجرت لے کر جائداد تقسیم کرنے والے (قسامین) اگر اشتراک کرلیں گے تو لوگوں کی ضرورت کے تحت اجرتوں میں اضافہ کرتے جائیں گے۔ اسی طرح والی حسبہ (محتسب) مردوں کو نہلانے والوں اور مزدوروں کو اشتراک سے روک سکتا ہے اس میں اجرت میں اضافہ کا امکان موجود ہے۔[۴۶]

احتکار کی شرائط اور اس کی سزا

احتکار کی متفقہ شرائط یہ ہیں کہ کسی شے کا ذخیرہ کیا گیا ہو، ذخیرہ کا مقصود زیادہ قیمت پر فروخت کرنا ہو اور اس کا نتیجہ لوگوں کے حق میں نقصان اور تنگی کی صورت میں ظاہر ہو۔

تمام مسالک کے فقہا کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حکومت محتکر (ذخیرہ اندوز) کو مجبور کرسکتی ہے کہ جو اشیاء اس نے ذخیرہ کی ہیں وہ انہیں کھلے بازار میں لاکر فروخت کرے۔ اگر وہ ایسا کرنے سے باز رہے اور اس میں عام لوگوں کا نقصان ہو تو حکومت اس سے یہ اشیاء لے کر خود فروخت کردے گی اور اسے قیمت ادا کردے گی اور اگر اس کے ان اشیاء کے بازار میں لانے سے عام لوگوں کو نقصان نہ ہو اور وہ ان اشیاء کے بازار میں لانے کے حکم کی تعمیل سے باز رہے تو اسے تعزیری سزا دی جاسکتی ہے۔[۴۷]

المراجع

۱۔ سنن ابن ماجہ ۱/۶۱۱، اردو ترجمہ، دینی کتب خانہ، لاہور۔
سنن الدارمی ۲/۱۶۴، نشر السنۃ، ملتان۔
مصنف عبدالرزاق ۸/۲۰۴۔

الحاکم المستدرک ۲/۱۱۰، طبع بیروت۔
محمد بن سلیمان الفاسی، جمع الفوائد ۱/۴۳۵، طبع لاہور۔
کنز العمال، ۴/۹۰، بیروت۔

۲۔ سنن ابن ماجہ، ۱/۶۱۱، اردو ترجمہ، دینی کتب خانہ، لاہور۔
صحیح الامام مسلم، ۲/۱۲۲۶، تحقیق فوائد عبدالباقی، بیروت۔
سنن ابی داؤد، ۲/۹۸، بیروت۔
سنن الدارمی ۲/۱۹۳، نشر السنۃ، ملتان۔
مسند احمد بن حنبل، ۳/۴۵۳، ۴۵۴، بیروت۔
مصنف عبدالرزاق ۸/۲۰۳
مصنف ابن ابی شیبہ ۶/۱۰۲، طبع پاکستان۔
المستدرک، ۲/۱۱، طبع بیروت۔
محمد بن سلیمان الفاسی، جمع الفوائد، ۱/۴۳۵
جامع الاصول، ۲/۲۳
کنز العمال ۴/۹۸
التاج، الجامع الاصول ۲/۲۰۵
البغوی، شرح السنۃ ۸/۱۷۸، طبع المکتب الاسلامی

۳۔ سنن ابن ماجہ، اردو ترجمہ، دینی کتب خانہ، لاہور۔
مسند احمد بن حنبل، ۱/۲۱
محمد بن سلیمان الفاسی، جمع الفوائد، ۱/۴۳۵
کنز العمال ۴/۹۷۔

۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ۶/۱۰۴
المستدرک ۲/۱۲۔
الہیثمی، مجمع الزوائد و منبع الفوائد ۴/۱۰۰، کنز العمال ۴/۹۹۔

۵- مصنف ابن ابی شیبہ ۹/ ۱۰۲ ، المستدرک ۲/ ۱۱-

۶- مصنف ابن ابی شیبہ ۹/ ۱۰۳ ، کنز العمال ۳/ ۲۳۰-

۷- المستدرک ۲/ ۱۲ - مجمع الزوائد ۳/ ۱۰۰

۸- جمع الفوائد و مجمع الزوائد ۱/ ۴۳۵ - کنز العمال ۴/ ۹۰-

۹- جمع الفوائد و مجمع الزوائد ۱/ ۴۳۵- کنز العمال -

۱۰- جمع الفوائد و مجمع الزوائد ۱/ ۴۳۵ -

۱۱- الموطا لامام مالک ص ۴۴۵ ، طبع بیروت - السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۳۰ -

۱۲- مسند الامام احمد ۱/ ۲۱ - والمغنی ۴/ ۲۲۱-

۱۳- الموطا لامام مالک ، ص ۴۴۵ ، بیروت -

۱۴- لسان العرب در ذیل مادہ - ابن الاثیر النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر -

۱۵- الکاسانی بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۵/ ۱۲۹ -

۱۶- الفتاویٰ الہندیہ ۳ ص ۳/ ۲۱۲- ۱۷- نہایۃ المحتاج ۳/ ۴۵۶

۱۷- نہایۃ المحتاج ۳/ ۴۵۶ ، الموسوعۃ الفقہیہ ، فی کلمۃ احتکار -

۱۸- المہذب للشیرازی / ۲۹۲- ۱۹- القرطبی الجامع لاحکام القرآن ۱۲/ ۲۵-

۲۰- بدائع الصنائع ۵/ ۱۲۹- ۲۱- ابن قدامہ المغنی ۴/ ۲۴۳-

۲۲- النووی شرح صحیح مسلم ۱۱/ ۴۳ ، ۲۳- بدائع الصنائع ۵/ ۱۲۹ -
امام مالک المدونۃ الکبریٰ ۱۰/ ۱۹۱ ، بیروت - المغنی ۴/ ۲۴۳ ، الموسوعۃ الفقہیہ

۲۴- شرح صحیح مسلم ۱۲/ ۴۳ -

۲۵- الموسوعۃ الفقہیہ ، کلمہ ادخار .

۲۶- الطرق الحکمیہ ، ۲۲۵ -

۲۷- الطرق الحکمیہ ، ۲۲۵ -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



محترم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز



تلخیص وترجمہ: بدرجمال اعظمی

محترم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کا جو خط اور مختصر مضمون مرتب الرشاد کے نام آیا ہے۔

اس کا اردو خلاصہ یہاں دیا جارہا ہے اور اس کا پورا عربی متن الرشاد عربی میں جلد ہی آرہا ہے۔

(مرتب)

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز مفتی اعظم سعودی عرب، صدر تاسیسی کمیٹی رابطہ عالم اسلامی وجنرل ڈائرکٹر ادارہ بحوث علمیہ افتاء ودعوت وارشاد کا پیغام تمام مسلمانان عالم کے نام۔

سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے اور خود اپنے لئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے مومن بندوں کا راستہ دکھائے اور گمراہ ومغضوب لوگوں کے طریقے سے بچائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔

ہم نے انسان اور جنات کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ

اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو

الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔	جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تمہارے اندر تقویٰ کی کیفیت پیدا ہو جائے۔

... ...

اور ارشاد ہے۔

یٰاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْہَا زَوْجَہَا وَبَثَّ مِنْہُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا	اے لوگو! اپنے اس پروردگار سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی ایک جان سے اس کا جوڑا بنایا اور پھر ان دونوں سے بہت سارے مرد عورت (دنیا میں) پھیلا دیئے اس اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کا تم ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو اور صلۂ رحمی کے سلسلے میں بھی ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے باخبر ہے۔
(پ۴ سورۂ نساء ر۱)	

قرآن مجید میں اس طرح کی بہت ساری آیات تقویٰ اور خدا رسول کی اطاعت اور اہل تقویٰ کے نیک انجام کے بیان میں وارد ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں صاف صاف بتا دیا ہے کہ اس نے انس وجن کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا، اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ تمام انسانوں کو چاہیئے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیں اور اس کی شریعت پر کاربند ہو جائیں، اور اپنے آپ کو نیز اپنے اہل وعیال کو خدا کی پکڑ سے بچانے کی کوشش کریں اور اس فتنے سے بچیں جس میں صرف ظالم ہی نہیں مبتلا ہوتے بلکہ وہ سب کے لئے عام ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی محبت کے حصول کا ذریعہ اور سچی محبت الٰہی کی پہچان یہ ہے کہ بندہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے کی پیروی کرے، اور فرمایا کہ مومنین صادقین کی صفات حمیدہ اور اخلاق حسنہ میں یہ بات داخل ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست بن کر رہیں اور بھلائیوں کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں۔

تمام مسلمانانِ عالم پر واجب ہے کہ وہ خدائے واحد کی عبادت کریں اس کے احکام کی پیروی اور منہیات سے اجتناب کر کے اپنے دلوں میں خشیت الٰہی پیدا کریں۔ اللہ کے لئے باہم محبت کا معاملہ رکھیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کریں، کیونکہ اسی میں ان کیلئے دارین کی فلاح و نجات ہے، اسی سے وہ اپنے دشمنوں کے مکر و شر سے بچ سکتے ہیں اور ان پر غالب آسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔

جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ اس کی ضرور مدد کرے گا بیشک اللہ طاقتور اور زبردست ہے وہ کہ انہیں اگر ہم زمین میں اقتدار دے دیں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں آخر کار تمام امور خدا ہی کی طرف پلٹیں گے۔

دوسری جگہ فرماتا ہے :-

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ

اے ایمان والو! اگر تم خدا کی مدد کرتے ہو تو وہ تمہاری مدد کریگا اور تمہیں ثبات عطا کریگا

اِن دنوں حکومت عراق نے حکومت کویت پر اپنی افواج اور ہلاکت خیز اسلحے کے بل پر جو ظلم و عدوان روا رکھا ہے وہ کسی پر مخفی نہیں، اس کی ظالم فوجوں نے قتل و غارت گری کا بازار گرم کر رکھا ہے، شرفا کی عزت لوٹی گئی، گھر والوں کو بے گھر کیا گیا، وطن سے بے وطن کیا گیا، اور سعودی کویت سرحدوں پر عراق کی فوجیں ڈٹی ہوئی ہیں۔ تمام عرب اور اسلامی حکومتوں کی غیرتِ ملی کا تقاضہ ہے کہ عراق کے اس ظالمانہ اقدام اور مجرمانہ فعل کی مذمت کریں۔

شریعت مطہرہ کی پامالی اور عربی و اسلامی ممالک کے مضبوط معاہدے کی خلاف ورزی پر ساری دنیا کی حکومتیں عراق کی مذمت کر رہی ہیں اور اس کے شرمناک جارحانہ اقدام پر اپنی نفرت کا اظہار کر رہی ہیں۔

یہ جو کچھ ہوا' بلاشبہ ہمارے اپنے گناہوں کی وجہ سے ہوا' ہمارے اندر طرح طرح کی برائیاں پیدا ہوگئی
ندہ ایمانی احساس کا فقدان ہے۔ لہٰذا تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ برائیوں کو برا سمجھیں اور
سے احتراز کریں' مظلوم حکومت کی مدد کریں' اپنے گناہوں سے صدق دل سے توبہ کریں' اپنے
ں کا محاسبہ کریں' نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں معاونت کریں' خلوص دل کے ساتھ حق و استقلال
؛د کاربند ہو جائیں اور دوسروں کو اس کی نصیحت کریں' اور پھر اپنے نفس امارہ اور اپنے دشمن
ظالم قوموں سے جہاد کریں۔ ظالم دشمن خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم متحد و منظم ہو کر اس سے جہاد کرنا واجب
ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ، اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔	نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو' اور ظلم و معصیت کے کاموں میں مدد نہ کرو' خدا سے ڈرتے رہو' بیشک وہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا	تم سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور علیحدگی مت اختیار کرو۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مثل المومنین فی توادهم و تراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد الواحد، إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى۔	مومنین اپنی باہمی الفت و مودت میں ایک جسم کی طرح ہیں کہ جب جسم کا ایک حصہ الم محسوس کرتا ہے تو سارے بدن کی نیند اور چین غارت ہو جاتا ہے۔

اور آپ کا ارشاد ہے :-

المومن للمومن كالبنيان يشد بعضه بعضا و شبك بين اصابعه۔	ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی طرح ہے کہ عمارت کا ایک حصہ دوسرے کو باندھے رکھتا ہے' اور آپ نے اپنی انگلیوں

کو ایک دوسرے میں پیوست کرکے بتایا۔

اس طرح کی آیات واحادیث کثرت سے آئی ہیں جن میں باہمی اتحاد واخوت اور ظلم ومنکر سے جہاد کا حکم ہے۔

حکومت عراق کے حکمراں کو لازم ہے کہ وہ خدا سے ڈرے، اس سے توبہ کرے، اور جتنی جلد ممکن ہو کویت سے اپنی فوجوں کو ہٹالے، پھر کویت کے ساتھ اپنے مسائل کا حل سنجیدگی، صلح انصاف اور عادلانہ تفاہم کے ساتھ کرے اگر اس کے لئے ایسا ممکن نہ ہو تو صاحبانِ فضل وعدل علماء پر مشتمل ایک عدالتی کمیٹی قائم کی جائے جو شریعت مطہرہ کے مطابق فریقین کے قضیے کا فیصلہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ، فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ، إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا۔	اے ایمان والو! خدا اور رسول اور معاملے کے ذمے داروں کی اطاعت کرو، اگر کسی بات میں تمہارا باہمی تنازعہ ہو جائے تو خدا و رسول کی شریعت ہی سے اس کا فیصلہ چاہو، اگر تمہارا ایمان خدا اور قیامت کے دن پر ہے اسی میں تمہارے لئے بہتری ہے اور یہی بہترین حل ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ، ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔	اے نبی! تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے نزاعی امور میں آپ کے حکم نہ مان لیں، اور پھر اپنے اندر کوئی تنگی نہ محسوس کریں اور پوری طور پر آپ کے فیصلے پر راضی نہ ہو جائیں،

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ قسم کھا کر فرماتا ہے کہ وہ لوگ ہرگز مومن نہیں جو اپنے اختلافی امور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (یعنی آپ کی لائی ہوئی شریعت کو) حکم نہیں مانتے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلم ممالک کے قائدین کو ہدایت دے، انھیں ابلیس اور نفس کے جال سے بچالے، ان کے

قلوب کو صلاح و تقویٰ کی طرف پھیر دے، اور ان کے اندر امن و اخوت کی فضا پیدا فرمادے۔

سعودی حکومت ملک کے دفاع اور مسلمانوں کی حرمت کے تحفظ کے لئے مختلف ملکوں کی مسلم اور غیر مسلم فوجوں کی استعانت پر مجبور ہوئی، اس کا یہ بروقت اقدام مستحسن اور شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے، اس کی تائید اکابر علماء کی کمیٹی نے کی ہے جس کا ایک فرد میں بھی ہوں۔ حقیقت ہے کہ سعودی حکومت نے اللہ کے فرمان پر عمل کیا ہے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا	اے ایمان والو! احتیاطی تدابیر اختیار کرو۔
حِذْرَكُمْ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا	اور جتنا ممکن ہو، دشمنوں کے مقابلے کیلئے
اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ	اپنے اندر قوت پیدا کرو۔

مسلمان اور ان کے ممالک کی حفاظت و دفاع کے لئے غیر مسلموں سے مدد لینا ازروئے شرع جائز ہے، بلکہ ضرورت کے وقت واجب ہے، ورنہ مسلمان دشمن کے مکروظلم کا شکار ہوسکتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہمارے لئے اسوہ ہے، آپ نے جنگ حنین کے موقع پر صفوان بن امیہ سے زرہیں عاریۃً لی تھیں، حالانکہ اس وقت وہ کافر تھے، ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔ اسی طرح فتح مکہ کے دن بنو خزاعہ کے کافر بھی آپ کے ساتھ کفار مکہ کے خلاف نکلے تھے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

انكم تصالحون الروم صلحا امنا و	(اے مسلمانو!) تم رومیوں سے امن پسندانہ
تغزون انتم وهم علوا من ورائكم	صلح کروگے، اور وہ تم سے مل کر ایک ایسے دشمن
فتنصرون وتغنمون۔	سے جنگ کروگے جو تمہاری گھات میں ہے،
(امام احمد و ابوداؤد)	اس طرح تمہیں فتح اور مال غنیمت حاصل ہوگا۔

اہل کویت، حکومت عراق کے صدر اور ان کی فوج اور تمام مسلمانانِ عالم کو میری پُرخلوص نصیحت ہے کہ وہ صدق دل سے خدا کی طرف رجوع ہوں اور اپنے گناہوں سے سچی توبہ کریں، کیونکہ کتاب و سنت سے ثابت ہے کہ دنیا و آخرت کی ساری تباہی و بربادی کا سبب معاصی

۱۰۰ ۔ ۶۰ ۔ ۵۰ ۔ ۱۰ ۔ ۱۹۹۰ ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۔	لوگوں کے کالے کرتوتوں کی وجہ سے بحر و بر میں فساد برپا ہے تاکہ اللہ انھیں ان کے اعمال کا مزہ چکھائے، ہو سکتا ہے کہ وہ توبہ و انابت کا راستہ اختیار کریں ۔

قرآن مجید میں ہے کہ توبہ ہی بندے کے لئے وہ واحد ذریعہ ہے جو اس کی گم شدہ عزت و کرامت کو واپس لا سکتا ہے، توبہ ہی دارین کے فوز و فلاح کی شاہ کلید ہے ۔

ارشاد خداوندی ہے :-

تُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۔	اے مومنو! تم سب اللہ سے توبہ کرو تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو ۔

توبہ کا سب سے بہتر اور بڑا مظہر یہ ہے کہ انسان کے سارے کاموں میں خلوص پیدا ہو جائے، وہ ہر چھوٹے بڑے اور خفی جلی شرک سے حذر کرے، تمام مرد عورت نماز پنجوقتہ کے پابند ہو جائیں، مرد مسجدوں میں جا کر باجماعت نماز ادا کرنے لگیں، مسجدوں میں اللہ کا نام اور اس کا ذکر بلند ہونے لگے، لوگ زکوٰۃ، روزے اور حج بیت اللہ کا اہتمام کرنے لگیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر کاربند ہو جائیں، باہمی نصح و تعاون اور تبلیغ حق و استقلال کی فضا پیدا ہو جائے ۔

اخیر میں میں خدا سے اسماء حسنیٰ اور صفاتِ علیا کے وسیلے سے دست بدعا ہوں کہ تمام مسلمانان عالم کے احوال کو درست فرمائے، ان کے قلوب کی اصلاح فرمائے، انھیں دین کی سمجھ عطا کرے، ان کے قائدین کو ہدایت دے، انھیں شریعت پر عمل کرنے کی توفیق دے، وہ شریعت کے فیصلے پر راضی ہو جائیں اور اس کی مخالفت چھوڑ دیں، ان کے مشیر کاروں کو ہدایت دے، اور ہم سب کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھے ۔ انه ولی ذلك و القادر علیه ... وصلی الله وسلم علی نبینا و امامنا وسیدنا امام المتقین و قدوة المجاهدین وخیر عباد الله اجمعین محمد بن عبدالله وعلی آله واصحابه واتباعه باحسان ۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

۲۶ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ

خواجہ درد رحمۃ اللہ علیہ

ان کا کلام اور علمی مقام

دوسری قسط

مولانا مجیب اللہ ندوی

پچھلے مہینہ کے الرشاد میں خواجہ میر دردؒ پر جو مضمون شائع ہوا اس کے بارے میں بعض اہل علم نے یہ لکھا کہ اگر یہ کسی کتاب کا حصہ ہے تو پہلے اُن کی اور ان کے خاندان کی سوانح حیات پر روشنی ڈالنی چاہئے تھی پھر ان کے عہد وغیرہ پر پھر ان کے کلام پر گفتگو ہوتی تو بہتر تھا۔

انہوں نے جس پہلو کی طرف توجہ دلائی ہے وہ اپنی جگہ پر درست ہے اور ان پر جو کتاب پیش نظر ہے اس میں ان شاء اللہ یہی ترتیب ہوگی، مگر یہ مضمون یوں سمجھنا چاہیئے کہ پیش نظر کتاب کا مقدمہ یا دیباچہ ہے جس میں اجمالی طور پر ان کی شخصیت اور انکے علمی و ادبی کارناموں کا تعارف کرا دیا گیا ہے، ان کی سوانح حیات کا حصہ ابھی زیر ترتیب ہے، یہ کتاب آج سے ۲۵ برس پہلے مرتب کرنی شروع کی تھی مگر درمیان میں دوسرے مشاغل اور علمی کام حارج ہو گئے، اب پھر دوبارہ اس کو مکمل کر لینے کا ارادہ ہے اگر اللہ تعالیٰ کو یہ کام پسند آیا اور اس نے توفیق دی تو ممکن ہے اس موضوع پر ایک جامع کتاب اہل ذوق اور اہل علم کے ہاتھوں میں آ جائے۔

(مرتب)

خواجہ صاحب کے زمانہ سے غالب و مومن کے زمانہ تک برابر اردو زبان ترقی کرتی رہی اور اس میں صفائی اور ستھرائی بڑھتی رہی، اس لئے ایک صدی کے اندر سیکڑوں الفاظ متروک قرار پا گئے اگر آپ خواجہ صاحب کے کلام اور پھر اُن کے معاصرین کے کلام کا ایک سرسری جائزہ لیں گے تو آپ کو سب سے کم متروکات خواجہ صاحب کے کلام میں ملیں گے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ خواجہ صاحب

کا کلام اُن کے معاصرین اور خاص طور سے میؔر و سوداؔ کے مقابلہ میں کم ہے اس لئے ان کے یہاں ترقّمات بھی کم ہیں، لیکن یہ بات اس وقت کہی جا سکتی ہے جب پرگوئی اور کثرت نویسی کو کوئی ہنر اور وصف تسلیم کر لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ ہنر نہیں عیب ہے، اسی بنا پر شیفتہؔ نے دردؔ کی خصوصیات میں اس بات کا خاص طور سے ذکر کیا ہے کہ

" دیوانش از نظر گزشت از اشعار پرکن خالیست " ان کا دیوان نظر سے گزرا بھر تو[2] میؔر و سوداؔ اور عام شعراء کے کلیات زیادہ تر " اشعار پرکن " ہی کا مظہر ہیں۔

محمد حسین آزاؔد جو خواجہ صاحب سے زیادہ خوش نظر نہیں[1] آتے وہ بھی اُن کے بارے میں یہ لکھنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

> خواجہ میؔر دردؔ کی غزل سات یا نو شعر کی ہوتی ہے مگر انتخاب ہوتی ہے خصوصاً چھوٹی چھوٹی بحروں میں جو اکثر غزلیں کہتے تھے گویا تلوار[1] کی آب داری نشتر میں بھر دیتے ہیں [2]

اُن کے اشعار کم ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے شاعری کو پیشہ و مشغلہ نہیں بنایا تھا بلکہ جب اُن کی طبیعت موزوں ہوتی تھی وہ اس وقت شعر کہتے تھے، خواہ مخواہ زور آزمائی نہیں کرتے تھے اور نہ کبھی مشاعروں کے لئے فرمائشی غزلیں لکھتے تھے، خود انہوں نے لکھا ہے کہ

> بندہ نے کبھی شعر بغیر آمد کے اہتمام آورد سے موزوں نہیں کیا اور بہ تکلف کبھی شعر و سخن میں مستغرق نہیں ہوا [3]

دوسری بات یہ کہ انہوں نے جو کچھ کہا وہ سب کے سامنے رکھ دیا غالبؔ کی طرح انہوں نے اپنے کلام کا انتخاب نہیں کیا، اس لئے اُن کے کلام کی زیادتی کمی کا کوئی اثر اس کے حسن و قبح پر نہیں پڑتا، اشعار میں کمی کی ایک وجہ یہ بھی تھی، انہوں نے اپنے ہم عصروں میں عمر سب سے کم پائی۔

[2] انطار سے ان کا دیوان خالی ہے۔

---

[1] خواجہ میر درد پر انہوں نے جو تنقید یں کی ہیں اس کے جواب میں راقم الحروف نے ایک مضمون لکھا تھا جو بہت

ان ... یہ بات ... قابل ... ہے ...
ود نہیں تھا بلکہ انہوں نے فارسی شاعری میں اردو سے زیادہ جولانیٔ طبع دکھائی ہے ،
یہ خصوصیت بھی یہاں قابل ذکر ہے کہ اس عہد کے شعراء میں مرزا مظہر جان جاناں اور خواجہ
درد دو ایسی شخصیتیں تھیں جن کی خوبیٔ فکر و فن ، حسن کردار اور تہذیب و شرافت پر ہر کہ و مہ کا اتفاق
ہے۔ اُن کے معاصرین اور بعد کے تذکرہ نگار ان دونوں بزرگوں کا ذکر جس عقیدت اور ادب و
احترام سے کرتے ہیں ، اس عقیدت و احترام سے دوسرے کا ذکر کم ہی کرتے ہیں ، سودا جن کو میر کی
ہمسری کا دعویٰ تھا۔ جن کے تعلقات معاصرین میں شاید ہی کسی سے اچھے رہے ہوں ، جن کی
زبان درازی اور ہجوگوئی سے انسان تو کیا حیوان تک نہیں بچے تھے ، ان کو جب معلوم ہوا کہ لوگ
ان کو صرف قصیدہ کا شاعر سمجھتے ہیں ، اور غزل میں میر سے کم رتبہ گردانتے ہیں تو انہوں نے
نکتہ چینیوں کے سامنے اپنی غزل کا نمونہ پیش کیا ،

لوگ کہتے ہیں کہ سودا کا قصیدہ ہے خوب
ان کی خدمت لئے میں یہ غزل جاؤں گا

لیکن اگر سودا کے تعلقات خراب نہیں ہونے پائے تھے تو صرف دو آدمیوں سے ایک
مرزا مظہر جان جاناںؒ دوسرے خواجہ میر دردؒ سے۔ مرزا مظہر جان جاناںؒ سے تو اپنی صاف دلی کا ثبوت
انہوں نے ان کی تاریخ شہادت کہہ کر دیا تھا ، اور خواجہ میر درد سے اُن کی غزل گوئی کا اعتراف
کرکے ؎

سودا بدل کے قافیہ تو اس غزل کو لکھ اے بے ادب تو درد کے بس دو بدو نہ ہو

خواجہ صاحبؒ نے اس قافیہ و ردیف میں جو غزل لکھی تھی جس کا مطلع یہ ہے

کیا فرق داغ و گل میں اگر گل میں بو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

سودا نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔
مغلیہ دور کے آخری زمانہ میں جو معاشی انتشار ، معاشرتی خرابیاں اور اخلاقی گراوٹ پیدا
ہوگئی تھی اور جس کے پیدا کرنے میں شیعیت کی اباحیت پسندی نے سب سے زیادہ حصہ لیا تھا ، انکی

وجہ سے معاشرہ میں ان شعرا کی زیادہ پذیرائی ہوئی تھی ، جن کے نہ منھ میں لگام تھی اور نہ قلم میں
جو جتنا ہی ہرزہ سرائی کرتا تھا لوگ اس کی طرف اتنا ہی کان دھرتے تھے ۔ شاید خواجہ صاحب نے
اسی بنا پر کہا تھا ؎

شیوہ نہیں اپنا تو عبث ہرزہ یہ بکنا
کچھ بات کہیں گے ، جو کوئی کان لے گا

اور اسباب کے ساتھ اس سبب سے بھی میرؔ و سوداؔ کی شاعری کا چرچہ زیادہ ہوا اور دردؔ کی
نرم و دلگداز آواز اس نقارخانہ دب کر رہ گئی مگر خود میر و سودا خواجہ میردردؔ ہی کو استاذِ غزل سمجھتے تھے۔
سوداؔ کا شعر اوپر گذر چکا ہے آگے کچھ اور نقل کئے جائیں گے ' میر صاحب اُن کی اردو شاعری کے بارے
میں جو رائے رکھتے تھے وہ اوپر گذر چکی ہے ، آگے پھر لکھتے ہیں ۔

شعر فارسی ہم بسیار خوب و مربوط و رنگین می گوید اما بیشتر رباعی (او)
گرمی بازار و وسعت مشرب اوست غرض آشنائی مطلب اوست ۔
متوطن شاہجہاں آباد (د) . بزرگ و بزرگ زادہ (د) جوان صالح
متقی از درویش بہزوانی دارد فقیر را بخدمت (گرامی) او بندگی خاص است
گرچہ حسن سلوک او عام سر حسنِ سلوک بپائے خود گرفتہ اعتزاز راز گوشۂ دل نہادہ
خلف الصدق حضرت خواجہ ناصر صاحب سلمہ اللہ است کہ مقتدائے عالم است
ایامے کہ فقیر بخدمت آں بزرگوار شرف اندوز می شد از زبان سبارکش می فرمود
کہ میر محمد تقی تو میر مجلس خواہی شد ۔ الحمدللہ والمنۃ کہ (ایں) حرف آں سر سلسلۂ خدا
پرستان موثر فتاد و در باطن آں خضر قافلہ اہلِ عرفاں کہ از ظاہرش ظاہر تر است
تردد کا کرد و دو مجلس ریختہ کہ بخانۂ بندہ بتاریخ پانزدہم ہر ماہ مقرر است (وابستہ)
بذات ہمیں بزرگ زیرا کہ پیشتر ازیں ایں مجلس بخانہ اش مقرر بود از
گردش روزگار[1] بے مدار برہم خورد از بس کہ پاس خاطر اخلاص ولی داشت
گفت کہ ایں مجمع را شما اگر بخانۂ خود معین بکنید بہتر است نظر بر اخلاص

---

[1] گردش روزگار کے سبب کی وضاحت نہ تو میر نے کی ہے اور خود خواجہ نے کی ہے ۔ ایک نہ صحیح سبب

آں مشفق عمل کردہ آمد خداش (تا) ابدالاباد سلامت دراز۔
اس سے پتہ چلتا ہے کہ میر خواجہ کو اپنا استاد سمجھتے تھے۔

تلامذہ کے لحاظ سے بھی خواجہ صاحب اپنے معاصرین میں بہت زیادہ خوش قسمت تھے۔ ان کو جتنے اچھے تلامذہ ملے اُن کے معاصرین میں مرزا مظہر جان جاناں کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں ملے اُن کے تلامذہ میں مسلم استاذ سخن قائم چاند پوری حاتم، فراق، بیدار، اثر، ہدایت، الم وغیرہ شامل ہیں۔
دردؔ کی زندگی اور اُن کی شاعری اس حیثیت سے بھی اپنا امتیاز رکھتی ہے کہ فکر و عمل کا جو تضاد اس عہد کے ادبا و شعرا میں عام تھا، اس سے ان کا دامن پاک تھا، جو سادگی، خاکساری، بے نفسی سوز و گداز، کشش و بے تکلفی اور اذعان و یقین کی بھرپور کیفیت اُن کی زندگی میں تھی وہی اُن کے کلام بلکہ ہر ہر شعر سے نمایاں ہے، اسی بنا پر میر حسن نے لکھا ہے کہ خسرو اقلیم حال وقال وہ خود بھی کہہ گئے۔

شعر میں میرے دیکھنا مجھ کو
ہے میرا آئینہ صفائے سخن

نالۂ درد میں انہوں نے در حدیث دیگراں خود اس کی وضاحت کردی ہے۔

گرچہ بعض عرفائے موزوں طبع بظاہر مسلک شاعرانہ می پوشیدہ و شعر ہم می گویند و تضمینی کلام اساتذۂ شعرا می پردازند لیک کردار ایں اولیا از گفتار ایشاں پیش پیش میر درد رفتار ایں شعرا برابر گفتار ایں ہا می بود۔ (نالۂ درد ص۹۱)

اگر بعض موزوں طبع اہل اللہ بظاہر شاعروں جیسی روش اختیار کرتے ہیں اور وہ خود شعر کہتے ہیں اساتذہ کے کلام پر تضمین بھی کرتے ہیں لیکن ان کا کردار اُن کی گفتار سے آگے آگے ہوتا ہے، اور اُن کی اِفتادِ گفتار سے آگے... ہوتی ہے۔

حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ کی نشاندہی مشکل ہے، راقم الحروف کے خیال میں مغلیہ حکومت کے خلاف روزانہ جو نئی نئی سازشیں ہوتی رہتی تھیں اور جو آئے دن سیاسی اتھل پتھل ہوتا رہتا تھا اس میں اور اسباب کے ساتھ شیعہ گردی کو بھی بڑا دخل تھا اور اس شیعہ گردی کی زد سے نہ تو دربار شاہی محفوظ تھا

علم و فضل کے لحاظ سے بھی معاصر شعرا میں مرزا مظہر جان جاناں کے علاوہ اُن کا کوئی ہمسر نہیں تھا، شاعری اُن کا ایک ادنیٰ امتیاز تھی۔ میر حسن نے اسی وجہ سے لکھا ہے کہ:۔ "شاعری دون مرتبہ اوست" یہی وجہ ہے کہ معاصر شعرا میں صرف انہی کی ایک ایسی ذات تھی جس نے باوجود اعلیٰ درجے کی شاعرانہ قابلیت اور مسلم استاذ سخن ہوتے ہوئے شاعری کو اپنا پیشہ اور واحد مشغلہ نہیں بنایا وہ جو کچھ کہتے تھے فکر کا دخل نہیں بلکہ اُن کے اشعار واردات دل ہوتے تھے، انہوں نے بار بار کہا ہے۔

> شاعری ایسا کمال نہیں ہے جس کو مرد آدمی اپنا پیشہ بنالے اور اس پر ناز کرے۔ فقیر کے اشعار رتبہ شعری کی رعایت کے باوجود پیشۂ شاعری اور اور اندیشۂ ظاہری کے نتائج نہیں۔

حاشیہ صفحہ گذشتہ :۔ اور نہ دربار سے باہر جو ممتاز علماء و صلحاء تھے وہ مامون تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز اور مرزا مظہر جان جاناں سب اس کا شکار ہوئے خواجہ میر درد نہ صرف ایک ممتاز خانوادہ کے فرد اور مرجع خلائق تھے بلکہ اُن کے دادا اور نانا کا تعلق دربار شاہی سے رہ چکا تھا اس لئے ممکن ہے ان کی بے نیازی کو بہانہ بنا کر اُن کے خلاف کوئی لگائی بجھائی یا کوئی سیاسی سازش کی بات کی گئی ہو، جیسا کہ ذکر آتا ہے کہ وہ دربار میں کبھی گئے نہیں اور شاہ عالم ملنے آئے تو اُن کو مجلس میں پاؤں پھیلانے پر تنبیہ کی یا پھر نادر شاہ اور ابدالی کے مسلسل حملوں کے بعد جو تباہی مچی تھی اس کا اثر پڑا ہو، اس لئے انہوں نے از راہ احتیاط اس مجلس کو اپنے گھر سے میر کے گھر منتقل کر دیا ہو یا اس پر انہیں مجبور کیا گیا ہو، چونکہ میر شیعہ بھی تھے اور ابھی ان کی کوئی ممتاز حیثیت بھی نہیں تھی کہ ان پر کسی طرح کا شبہ ہو سکے، اس لئے اُن کے گھر منتقل کرنا زیادہ مناسب تھا۔ اور پھر یہ بات بھی اُن کے پیش نظر تھی کہ اس مجلس کے ذریعہ جو سنجیدہ ادبی فضا بنی تھی وہ بھی باقی رہے اور زبان کی اصلاح کا کام جو ہو رہا تھا وہ بھی نہ رکنے پائے اس لئے وہ خود اس میں برابر شریک رہتے تھے۔ اس شعر میں اس باوقار مجلس کی ایک جھلک ملتی ہے :۔

> جوں شمع جمع ہو ویں اگر اہل زباں ہزار — آپس میں چاہیئے کہ کبھو گفتگو نہ ہو

گفتگو نہ ہو کا مطلب خاموشی نہیں بلکہ مجلس میں کوئی بازاری اور گھٹیا بات یا نوک جھونک نہ ہو۔

خواجہ میر درد کی زندگی، تصانیف اور ان کا کلام اس حیثیت سے بھی قابل اعتنا ہے کہ ہندستان میں بارہویں صدی کے آخری نصف حصہ میں جو سیاسی مصیبتیں دلی پر نازل ہوئیں اُن کے نتیجہ میں دلی ایک دو بار نہیں بلکہ بار بار لٹی اور اُجڑی تباہی و بربادی کی کون سی ایسی صورت تھی جس سے اہل دلی کو سابقہ نہ پڑا ہو۔ اسی دور میں نادرشاہ کی نادرشاہی کی آفت دلی پر آئی۔ ابدالی کے بار بار وحشیانہ حملوں نے رہی سہی کسر پوری کردی۔ سکھوں اور مرہٹوں کی یورشیں ان کے علاوہ تھیں، ان حالات سے گھبرا کر بڑے بڑے بہادروں اور جگرداروں کے دل چھوٹ گئے، کتنے ناموروں کی ناموری جاتی رہی اور کتنے صاحبانِ علم و فضل اور عزت و جاہت دلی کو خیرآباد کہہ کر لکھنؤ، آگرہ، فرخ آباد کے غربت کدوں میں جا بسے۔ انہی حالات سے گھبرا کر مرزا مظہر جان جاناں جیسے قدسی صفات بزرگ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ از تشویشات ہر روزہ دہلی تنگ آمدہ ام (کلمات طیبات) خود خواجہ میر درد بھی ان حالات سے متاثر ہوئے اور اورانہوں نے اپنے مخصوص شائستہ انداز میں اس کا اظہار بھی کیا۔ اور وہ اس سے کیوں نہ متاثر ہوتے۔ قدرت نے انھیں پرسوز اور پر درد دل عطا کیا تھا۔

عنقا کی طرح جتنے تھے نامور، فلک ❊ تو نے خدا ہی جانے کہ کدھر اڑا دیئے

گذرہ ہوں جب خرابہ کہتے ہیں یاں کے لوگ ❊ ہے کوئی دن کی بات یہ گھر تھا یہ باغ تھا

جلتا ہے اب پڑا خس و خاشاک میں ملا ❊ وہ گل کے ایک عمر چمن کا چراغ تھا

لیکن ان تمام گردشہائے روزگار اور تشویشات ہر روزہ سے نہ تو خواجہ صاحب گھبرائے اور نہ ایک دن کے لئے دلی چھوڑی بلکہ اپنی مسند فقر پر بیٹھے ہوئے شمع یقین سے لوگوں کے دلوں کو گرماتے اور پگھلاتے رہے اور کتنے شکستہ دلوں کو جام محبت پلا کر گردش روزگار کا غم غلط کرتے رہے۔

دیتے ہیں عبث ہوشیہ گراں سنگ کو گداز ❊ پگھلائے جو تم سے کوئی دل پگھل سکے

طریق اپنے یہ ایک دورِ جام چلتا ہے ❊ وگرنہ جو ہے سو گردش میں ہے زمانہ کی

اس سلسلہ میں ایک اہم حقیقت کی طرف اشارہ کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دینی اور

اخلاقی قدروں کے ذریعے انسان کے فکر و عمل، علم و فن اور ادب و شاعری میں جو تہذیب، ترتیب پاکیزگی اور شائستگی پیدا ہوتی ہے۔ خواجہ میر درد کی زندگی، تصانیف اور ان کی شاعری اس کی ایک نمایاں علامت اور نشان ہے، رنج و محن، ظلم و ستم دنیا کی بے ثباتی اور حالات کی پراگندگی وغیرہ جیسی کا ذکر دوسرے شعراء نے بھی کیا ہے اور خواجہ میر درد نے بھی کیا ہے۔ مگر زبان و بیان میں جو تہذیب متانت، پاکیزگی، شائستگی اور توازن خواجہ صاحب کے کلام میں دکھائی دیتا ہے، دوسرے معاصر یا بعد کے شعراء کے کلام میں وہ مفقود ہے، وہ حالات کی ناسازگاری، پراگندی زمانہ کے ظلم و ستم کا ذکر ضرور کرتے ہیں مگر عام شعراء کی طرح اس کے اظہار کے لئے وہ عامیانہ اور بازاری زبان اور انداز بیان استعمال نہیں کرتے اور نہ قنوطیت پیدا کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے لہجہ اور الفاظ دونوں میں درد و سوز کے ساتھ تہذیب و شائستگی نظر آتی ہے، وہ غم انگیز حالات اور اندوہناک واقعات کا ذکر چھیڑ کر دلوں کو متاثر کرتے اور تڑپاتے بھی ہیں، مگر مایوس و شکستہ خاطر نہیں کرتے بلکہ خلوص و محبت سے ڈھارس بندھاتے اور زخم دل پر مرہم رکھتے ہیں۔ وہ نیش کو بھی نوش بنا کر پیش کرتے ہیں۔

حادثۂ زمانہ کیا تیری جفا سو کیا بلا ❊ ہم کو سپہر مست ڈ نیش بھی یا تو نوش ہے
محنت در نج و غم سے یاں درد نہ سر چھپایئے ❊ بار بھی اٹھائیے جب تئیں سر ہے دوش ہے

جو کچھ ہونا تھا دل پہ ہو گذرا   نہ کر درد بار بار افسوس

بس بار دل زیادہ نہ ہو حسرت چمن   کیدھر لئے پھرونگا میں گلگشت باغ کو

اوپر خواجہ صاحب کے جن علمی امتیازات اور شاعرانہ خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے اس عہد میں ان امتیازات و خصوصیات کی حامل دو ہی چار شخصیتیں نظر آتی ہیں مگر ہماری علمی و ادبی تاریخ کا یہ افسوسناک سانحہ ہے کہ خواجہ صاحب کی پاکیزہ زندگی، علمی شخصیت اور شاعرانہ کمالات سے اتنا اعتنا نہیں کیا گیا جس کے وہ مستحق تھے اور جتنا اعتنا ان کے کم درجہ کے عالموں، شاعروں، ادیبوں سے کیا گیا، حتیٰ کہ ان کے معاصر تذکرہ نگار جو ان کے علم و فضل اور شاعرانہ مرتبہ سے واقف ہی نہیں بلکہ معترف اور ان کے

ہند تھے وہ بھی ان کے بارے میں جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے، چند عقیدت مندانہ جملوں سے زیادہ کچھ
نہ لکھتے۔ بعد کے تذکرہ نگاروں میں مصطفیٰ خاں شیفتہ نے ان کی زندگی اور علمی کارناموں پر تو کم مگر ان
شاعرانہ خصوصیات پر قدرے زیادہ لکھا ہے کہ مگر آخر میں یہ معذرت کر دی ہے کہ "حوصلۂ ایں
ذکر ایں مقدمات برنمی تابد" متاخرین میں نواب امداد امام اثر، بابو رام سکسینہ اور مولانا
حبیب الرحمٰن خاں شیروانی نے اُن کی زندگی تصانیف اور خصوصیات کلام پر اچھی خاصی روشنی ڈالی
۔ حال کے لوگوں میں خواجہ محمد شفیع دہلوی اور عبدالباری آسی نے ان کی شاعرانہ خوبیوں کی کچھ اور
تفصیل کی ہے مگر متقدمین سے متاخرین تک کسی نے نہ تو اُن کی تصانیف پر عمیق نظر ڈالی ہے
اُن کے حالات زندگی اُن کی کتابوں سے مرتب کرنے کی کوشش کی ہے ورنہ اُن کے شاعرانہ کمالات
خصوصیات کلام پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ عبدالباری آسی نے اپنے مرتب کردہ دیوان
کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ

" خواجہ میر درد کے برابر کوئی شاعر سرزمین ہند میں پیدا نہیں ہوا "

لیکن موصوف نے اس دعویٰ پر کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ حالانکہ یہ دعویٰ ایسا نہیں تھا
بے دلیل چھوڑ دیا جاتے۔ اسی طرح امداد امام اثر نے خواجہ صاحب کی غزل گوئی کو بعض حیثیتوں
میر و غالب کی غزل گوئی سے بہتر قرار دیا ہے۔ لیکن وجہ ترجیح کو تشنہ چھوڑ دیا ہے۔ بابو رام سکسینہ
اردو شاعری پر اُن کے اثر کو لکھنو تک پہنچا دیا ہے۔ مگر انہوں نے پورے طور پر اس کی وضاحت
کی ہے۔ خواجہ صاحب کے دیوان پر ایک قابل قدر مقدمہ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی صاحب اور
مومن اے۔ او نسیم صاحب کا ہے۔ حال میں ایک مکمل کتاب ڈاکٹر وحید اختر صاحب نے
ہے۔ جس میں پہلی بار خواجہ صاحب کی کتابوں کی روشنی میں اُن کی حیات اور شاعری اور ان کے
صوفیانہ خیالات پر تفصیل سے لکھنے کی کوشش کی ہے، اس کتاب میں راقم الحروف کے بہت
معدات کو انہوں نے عملی جامہ پہنا دیا ہے مگر اب بھی اُن کی زندگی علم وفضل اور شاعری کے
سے گوشے تشنۂ تحقیق رہ گئے ہیں اس لئے اس موضوع پر کچھ لکھنے لکھانے کی گنجائش اب بھی
ہے۔

اب وقت اردو میں تحقیق و تنقید کا معیار پہلے کے مقابلہ میں قدرے وسیع ہو گیا ہے اور اس موضوع

پر بعض قیمتی کتابیں شائع ہوئی ہیں مگر اس کے باوجود حالی و شبلی کی امامت و جلالت اپنی جگہ پر قائم ہے۔ انہوں نے تحقیق و تنقید کی جو شاہراہ قائم کردی ہے اس سے کہیں کہیں اختلاف تو کیا جاسکتا ہے مگر ترقی پسندی کے شوق میں جن لوگوں نے اس سے بالکلیہ ہٹنے کی کوشش کی ہے وہ خود بھی بھٹکتے ہیں اور اردو زبان کے حسن کو بھی داغدار کیا ہے اور اس کی شیرینی اور لطافت کو بھی پامال کیا ہے۔

ان میں کچھ لوگ تو روسی اور مغربی ترقی پسند تنقید نگاروں کی اصطلاحات اور ترکیبوں کے سہارے اپنی گاڑی کھینچتے ہیں اور اردو زبان کو نامانوس قسم کے اندازِ بیان سے بوجھل بناتے ہیں ان کی تحریروں میں نہ تو فنی گہرائی اور گیرائی نظر آتی ہے، اور نہ کوئی علمی وقت نظری محسوس ہوتی ہے مجموعی طور پر وہ مرعوب کن الفاظ میں اپنے تاثرات پیش کرتے ہیں جن کو پڑھکر یا سنکر عام آدمی کچھ دیر کے لئے ان کی رایوں پر ایمان بالغیب لے آتا ہے، لیکن جب ٹھہر کر وہ غور کرتا ہے تو نہ اُسے کوئی دلیل ہاتھ آتی ہے اور نہ دل و دماغ پر کوئی دیرپا تاثر قائم ہوتا ہے اور نہ ان کے اسلوب اور طرز نگارش کا حافظہ کے پردے پر کوئی نقش قائم ہوپاتا ہے۔ اُدھر پندرہ بیس برس کے اندر خواجہ صاحب کے کلام پر جن لوگوں نے لکھنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی اور وحید اختر کے علاوہ کسی نے بھی نہ تو ان کی شخصیت اور کلام کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور نہ ان کی تصانیف پر گہری نظر ڈالنے کی کوشش کی ہے، بلکہ انہوں نے ان کے کلام کے سرسری مطالعہ سے اپنے مفروضہ تاثرات لکھ ڈالے ہیں۔ مجنوں گورکھپوری، کلیم الدین احمد، خلیل الرحمٰن اعظمی اور بعض دیگر ناقدین اگر واقعی خواجہ صاحب کے کلام کو ان کی زندگی اور تصانیف کی روشنی میں پڑھنے کی کوشش کرتے تو وہ رائے قائم نہ کرتے۔ مجنوں گورکھپوری، ذوقِ سلیم کی کمی کا ثبوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> درد کی شاعری کا صحیح اندازہ کرنا ہے تو ہم کو اس بات کو بھول جانا چاہیے کہ وہ سجادہ نشین خواجہ ناصر عندلیب کے خلف رشید تھے .... یا وہ خود خاصی جوانی کی عمر میں دنیا اور اس کی مکروہات سے منہ موڑ کر سجادہ پر بیٹھ گئے تھے۔ درد کے اشعار میں کہیں سجادہ کا رنگ یا خانقاہ کی مہک نہیں محسوس ہوتی ...... ایسے رواجی اشعار تو داغ اور ریاض تک کے یہاں مل جائیں گے .... غرض درد کے یہاں نہ ہر کسی طرح اثر

نہیں بن پاتا۔

مجنوں صاحب کی قوت شامہ اور قوت ذائقہ دونوں کمزور ہے اس لئے اُنہیں کہیں سجادہ وخانقاہ کی مہک اور عشق حقیقی کی لذت نہ مل سکی۔ معلوم نہیں خانقاہ اور سجادہ سے مجنوں صاحب کیا سمجھتے ہیں۔ ان کی رائے کی سطحیت پر تو ہم بعد میں گفتگو کریں گے اس وقت میر درد کے دو تین شعر یہاں نقل کر دیئے جاتے ہیں۔ جس کے اندر خانقاہ و سجادہ کی جو بھینی بھینی خوشبو ہے ممکن ہے کہ اُن کی کمزور قوت شامہ سے اس کی رسائی ہو سکے۔

دیتے عبث ہو شہ گران سنگ کو گداز
پگھلائے جو تم سے کوئی دل پگھل سکے

دونوں عالم سے کچھ پرے ہے نظر — آہ کس کا دل دماغ ہوں میں
قاصد نہیں یہ کام تیرا اپنی راہ لے — اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

خلیل الرحمٰن اعظمی صاحب کو اُن کے اشعار میں عشق حقیقی کی لذت ضرور آئی ہے لیکن انہوں نے ایک دوسرے مفروضہ پر بحث کی ہے۔ لکھتے ہیں۔

> مندرجہ بالا اشعار کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس بات میں شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ خواجہ میر درد کو .... ایام شباب میں تھوڑی بہت تگ ودو محبوبانِ مجازی کے کوچے میں بھی کرنی پڑی ہے۔ افسوس ہے کہ تحقیقی وسائل کی کمی کی وجہ سے یہ بتانا مشکل ہے کہ ان اشعار کا سن تصنیف کیا ہے لیکن ان کے معنی اور مفاہیم سے کچھ نہ کچھ نتائج نکالے جا سکتے ہیں[1]

خلیل الرحمٰن اعظمی صاحب نے وسائل کی کمی کا اعتراف کر کے کم از کم اپنے قصور مطالعہ کا اعتراف کیا ہے مگر کلیم الدین احمد صاحب اپنی ہمہ دانی میں درد کا قصور یہ بتاتے ہیں۔

میر درد کبھی عشق کے دام میں گرفتار نہیں ہوئے دوستان ہمدم ترکی تھے

---

[1] دیوان خواجہ میر درد مرتبہ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی

لیکن محبوبوں سے کوئی سابقہ نہیں اس وجہ سے جہاں میر درد کے کلام میں بوالہوسی
نہیں وہاں وہ عشق کے کرشموں سے نابلد معلوم ہوتے ہیں، دوستی عشق کا بدل نہیں
ہو سکتی .... درد کی دنیا بھی میر کی دنیا جیسی محدود و تنگ ہے۔ عشق حقیقی
اور اس کے لوازمات کے علاوہ دوسرے انسانی جذبات وکوائف، خیالات و
احساسات درد کے لئے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے ؎

مثال کے طور پر یہاں چند ناقدین کی رائیں نقل کردی گئی ہیں۔ انشاءاللہ آئندہ ابواب میں
ہم ان رایوں کے بارے میں تفصیل سے بتانے کی کوشش کریں کہ جو لوگ دنیائے تنقید کے
ناخدا بن بیٹھے ہیں ان کا مطالعہ کتنا سرسری اور سطحی ہوتا ہے۔ شاید ان کو معلوم نہیں کہ میر و سودا کی
شخصیت اور کلام کو سمجھنے کے لئے ان کے دیوان کا مطالعہ کافی ہے مگر خواجہ میر درد کی شخصیت
اور ان کی پُر سوز اور شائستہ شاعری کو سمجھنے کے لئے درد و سوز کے لطیف جذبات اور اخلاقی حس
کے ساتھ خون جگر پینے اور زخم دل کھانے کی بھی ضرورت ہے، جس سے یہ کھُرے حضرات یا تو محروم
ہیں یا انہوں نے اس سے محروم کر لینے میں اپنی عافیت سمجھی ہے۔

شاید خواجہ صاحب ایسے ہی لوگوں کے لئے کہہ گئے ہیں ؎

دیکھئے جس کو یاں اسے اور ہی داغ ہے
کرمک شب چراغ بھی گو ہر شب چراغ ہے

خواجہ صاحب کے علم و فضل، شاعری اور زندگی کی جن چند نمایاں خصوصیات کی طرف اوپر
اجمالی اشارے کئے گئے ہیں۔ آئندہ ابواب میں اُن کی پوری تفصیل ملے گی۔ اگلا باب خواجہ میر درد
اور اُن کا عہد ہوگا۔۔۔

؎ اُردو شاعری پر ایک نظر

الرشاد کی ڈاک

عزت مآب ایڈیٹر، ماہنامہ" الرشاد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید کہ آپ مع جملہ ادارت مجلس" خیریت وعافیت سے ہوں گے۔ اگست ۱۹۹۰ء کا شمارہ نشاطِ نظر وروح بنا" اب اردو ادب کا جدید طبقہ بغیر پالیسی کے یہ کہنے پر مجبور ہوگا اور محسوس بھی کرے گا کہ یہ میگزین ایک اہم ادبی، علمی ابحاث، سماجی ناگزیر اور پیچیدہ مسائل کا حل پیش کرنے میں ایک دستاویزی شکل اختیار کرچکا ہے، اور اسی سلسلے میں اپنا اعتمادی اور یقینی فیصلہ بھی ہے کہ یہ رسالہ "مواد اور معیار کے اعتبار سے لائق مطالعہ ہے۔ اور شاید یہ بات . بر بنائے صداقت ہو جو اس بابت کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ اپنے ٹھوس تحقیقی مضامین اور دیگر چیزوں کے معیاری ہونے کے باعث اور اپنے نیک مقتضیات کی بناء پر علمی وادبی حلقوں میں کافی مقبول ہوگیا ہوگا۔ ہمیں بے حد خوشی ہوتی ہے اس لئے کہ "ادب" کے پاکیزہ، لطیف اور جمالیاتی ذوق رکھنے والے اس کی طرف بکثرت مائل ہورہے ہیں نیز سیاسی مبصرین اس سے دلچسپی کا مظاہرہ کررہے ہیں یہ مشاہداتی بات ہے۔

واقعتاً آپ لائق اور مستحق مبارک باد ہیں کہ آپ نے ادب کی وسعت سے جائز طریقے پر فائدہ اٹھاتے ہوئے، اس پرچہ کو جاری فرماکر" ہر زاویے سے صالح ادب کی بہترین ترجمانی کی ہے۔

آپ کے "رشحات" کو پڑھ کر طبیعت موج میں آجایا کرتی ہے اور آپ کی تخلیق خواجہ میر درد ان کا کلام اور علمی مقام" کے نئے طرز اور بہترین اسلوب نگارش کو دیکھ کر رشک آجاتا ہے" اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ "

جناب سید عبدالرحمٰن بخاری" اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے مقالہ" اسلامی ریاست میں عدل و انصاف کے نفاذ کے ذرائع" کا مطالعہ کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کیا۔ اور" الرشاد کی ڈاک" یہ تو آپ نے مراسلہ نگاروں کی بحثوں کیلئے بہترین کالم چھوڑ رکھا ہے۔ اس سے بھی معلومات حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔

اس میگزین کا مطالعہ کر کے جو قلب میں جذبات پیدا ہوئے، خوشی و مسرت کے ساتھ چند سطریں حوالۂ قلم و قرطاس کر دیا، انھیں نیک احساسات کے ساتھ اب قلم بند کر رہا ہوں کیونکہ ادھر قلم کی سیاہی بھی جواب دے چکی ہے" قلم ایں جا رسید و سر بشکست"

بہت بہت دعائیں

(جناب) نذیر احمد (چھتونی) سدھارتھ نگری (جامعہ دارالعلوم دیوبند)

مخدومی، مولانا حبیب اللہ ندوی، ناظم جامعۃ الرشاد، اعظم گڑھ

السلام علیکم!   ۳ راگست ۹۰ء

تعطیلات سرمائی کے تحقیقاتی اداروں میں گذار کے واپس علی گڑھ پہنچا ہی ہوں۔ اپریل و مئی کا شمارہ الرشاد دیکھا تو عربی مدارس کے نصاب اور عصری تقاضوں پہ آپ کا مختصرہ نظر نواز ہوا۔ پہلی بات تو یہی کھٹکی کہ میں ابھی تک دس بارہ سال پہلے کی آپ کی فرمائش پوری نہیں کر سکا ہوں جس کی بناپر آپ قدیم فلسفہ یونان کے بجائے جدید سائنس کے تصوّراتِ محکم داخلِ نصاب کرنا چاہتے تھے۔ میرے شعبے میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ایک سعیِ بلیغ سے برد آزما ہیں۔ کئی لوگ ان سے درخواست کر رہے ہیں کہ جو درس اب تک ان کے ہاں دیئے جا چکے ہیں۔ انھیں رسالوں کی شکل میں جمع کر دیں تو اس کے کام آ سکتے ہیں۔ مرکز فروغ کے سائنس کے سارے درس اردو میں ہوتے ہیں۔

دوسری بات یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ عربی مدارس اپنے ہاں ایک حرفتی تعلیم کا سلسلہ لازمی کر دیں، جس میں لکڑی، لوہے، بجلی، الکٹرانکس (یعنی ریڈیو، ٹی وی وغیرہ) چرم و دباغت، سلائی، لباس سازی، جلد سازی، کتابت (اردو و عربی) و قلم کاری۔

عرض کردہ تمام ترتیبیں جو آئی آئی ٹی وغیرہ کی سطح پہ یا ان کے علی الرغم دی جاتی ہیں ان میں سے جو عملاً ممکن ہوں اور پسند کی جائیں ہو سکتی ہیں۔ ہر مدرسہ سے اگر کم از کم ایک فن کے تربیت یافتہ نکلنے لگیں تو ان کے معاش کا مسئلہ علم دین کا معاون بن جائے گا، نہ کہ متناقض۔

کوشش کروں گا کہ جلد سائنس پر کچھ اور لکھ بھیجوں لیکن فرصت شرط ہے۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

والسلام

سعید الظفر چغتائی (صاحب)

مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۱۷/اگست ۱۹۹۰ء

قابل صد احترام مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ مئی کے آغاز میں آپ کی زیارت کا شرف حاصل کیا تھا۔ اس دوران آپ نے جس خلوص و محبت کے ساتھ میرے پی ایچ ڈی "قرآن اور مستشرقین" کے سلسلے میں مدد فرمائی اس کا بار احسان اپنے کاندھوں پر محسوس کرتا رہوں گا۔ استاذانہ اور پدرانہ شفقت و محبت کی شیرینی اب تک محسوس کر رہا ہوں۔ اس وقت (۱) قرآن اور علمائے سلف (ادبی کاوشیں) (۲) اسلام میں کامیابی کا تصور (۳) عہد عباسی کے چند ممتاز ادبار (۴) عہد عباسی کے چند نامور شعراء (۵) سرسید۔ ایک کارواں کے مسودے میرے پاس ہیں۔ ان میں سے کسی ایک پر مقدمہ لکھوانے کی خواہش ہے۔ میں کبھی حاضر ہوں گا یا حوالۂ ڈاک کروں گا۔ امید کہ میری گذارش شرف قبولیت سے ہم کنار ہوگی۔

میں نے گذشتہ ملاقات میں اپنے ایک عربی مقالے کا تذکرہ کیا تھا۔ میں دو تین دن میں بھیج رہا ہوں جس کا موضوع ہے۔ "القرآن واثرہ علی اللغۃ" جس قسم کی اصلاح کی ضرورت ہو آپ زحمت فرمائیں گے۔ اس مقالے کے سلسلے میں میں گذارش کروں گا اور آپ سے قربت محسوس کرنے کی بنا پر حق سمجھتا ہوں (پتہ نہیں بجا ہے یا بیجا) اسے آئندہ ہی اشاعت میں جگہ دیں گے۔

بحمداللہ الرشاد نے ملک میں اپنا ایک مقام بنالیا ہے۔ بقیہ حالات اچھے ہیں۔ والسلام

خاکپائے شما (جناب) توقیر عالم (صاحب)

شعبۂ عربی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

دارالعلوم سبیل السلام فخر الاماثل وزبدۃ الافاضل حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی مدظلہ

حیدرآباد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا ، دیگر یہ ہے کہ بندہ تقریباً ۴ رسال سے "ماہنامہ مجلۃ الرشاد" کا قاری ہے۔ بڑے اور علمی وتحقیقی عمدہ مضامین ہوتے ہیں، خاص طور پر "رشحات" کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے جس کی اہمیت کو اصحابِ علم وفن آسانی کے ساتھ جان سکتے ہیں ۔

بہت دنوں سے تمنا تھی کہ ہم تو "الرشاد" پابندی سے پڑھتے ہی ہیں مگر صاحبِ الرشاد (حضرت مدیر صاحب) سے بھی ملاقات ہوجائے تو "نورٌ علیٰ نور" غرض اللہ نے میری تمنا پوری کردی جبکہ بندہ کی " دستار بندی" دارالعلوم سبیل الرشاد میں اس وقت طے پائی جس میں آپ جیسے اکابر علماء کی ایک فقہی کانفرنس منعقد ہوئی تھی ، واقعی یہ ہماری خوش قسمتی کی بات تھی کہ ان بزرگانِ دین کی موجودگی میں ہم کو دستارِ فضیلت عطا کی گئی ۔

حضرتِ والا! حالیہ بنگلور کے "فقہی سمینار" میں مجھے پتہ چلا کہ " مولانا مجیب اللہ صاحب" جو اس کانفرنس کی زینت ہیں، میں زیارت کے لئے بے چین تھا چنانچہ اللہ نے آنجناب سے ملاقات کرادی اسی وقت بندہ نے آپ کو ایک "ڈائری" دیا تھا۔ تاکہ آنجناب کچھ تحریر کردیں تو ان پند ونصائح کو میں حرزِ جاں بناکر لوحِ قلب پر مرتسم کرلوں، چنانچہ آپ نے بندہ کی گذارش کو قبول کرکے واقعی بہت ہی اہم باتیں تحریر فرمائی۔ میں آپ کا بے حد ممنون ہوں۔ یہ میرے لئے بڑا سرمایہ ہے ،

نیز میں نے اس وقت آپ کی ساری کتابیں خریدنا چاہا، تو آنحضرت نے وعدہ کیا تھا کہ " میرے پاس نسخے کم ہیں ان شاء اللہ آپ اپنا پتہ ارسال کیجئے تو میں ارسال کروں گا " ہاں تو بندہ امسال دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں " شعبۂ تخصص فی الفقہ " میں زیرِ تعلیم ہے ۔ آنجناب سے گذارش ہے کہ اپنی گراں قدر تصنیفات کے سارے نسخے بندہ کے نام (بہ رعایت) ارسال فرمائیں تو عین نوازش ہوگی، اور "افتاء" کے سلسلہ میں گراں قدر مشوروں سے بھی نوازیں، فقط

اور اپنی مقبول دعاؤں میں ہمیں ضرور یاد فرمائیں، والسلام بزرگوں کا تسمۂ پاپوش

۱۶ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ عبداللہ حامد رشادی حنفی عفی عنہ

گرامی قدر محترم جناب حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے کہ آپ کا مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ یہ عاجز بندہ خداوند قدوس سے ہمہ وقت آپ کی خیریت وصحت کا خواہاں ہے۔ آپ کے نیک عزائم تعمیری مقاصد سے امت مرحومہ کو تا دیر فیض پہونچائے۔ ایک عرصہ سے آپ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اللہ پاک کوئی سبیل فرمائے۔

آپ کا "الرشاد" نہایت اہتمام سے دیکھتا ہوں۔

بسا اوقات تاخیر کی وجہ سے شدید انتظار رہتا ہے کبھی تو ڈاک کی گھڑی سے نہ ملنے پر حسرت بھری نگاہیں لگی رہتی ہیں۔

اصل تو اس کا اداریہ ہے، جس نے پرچہ کی اہمیت دوبالا کردیا ہے، آپ کے خیالات آپ کے بے لاگ تبصرے، مفید مشورے، حکومت کا حالیہ طرز مستقبل کے خاکے، وغیرہ ایسے امور ہیں۔ جن کی آج اشد ضرورت ہے۔ اگست سنہ ۹۰ء کے پرچہ کے اداریہ میں تو آپ نے لکھا ہے کہ کاش اس امت کے سمجھ میں آجائے۔ اداریہ بار بار پڑھتا رہا، اور یہ کہتا رہا۔

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی۔

آپ اس تحریک اتحاد کو مزید مستحکم کریں، اس قسم کے حالات کا جائزہ پیش کرنے کے بعد کسی مقام پر امت مسلمہ کے اہم افراد یا ہند کے مخلص ہم مذاق کو جمع فرماکر ان سے ملت و قوم کے سلسلہ میں مشورہ فرماکر کوئی لائحہ عمل تیار فرمائیں۔ قوم اس وقت ایسی قیادت کی سخت محتاج ہے۔ یہ کسی جہادی تحریک سے کم نہیں۔ اللہ پاک نے آپ کو زبان قلم سے نوازا ہے۔ ادھر کام میں خلوص اور ملت کے درد سے سینہ پر ہے۔ پوری امت ایسے قائد کی تلاش میں ہے۔ انشاء اللہ یہ پرچہ اس مشن میں داعی کا کام انجام دے گا۔

اس قسم کی ضرورت کا احساس دلانے کے بعد ایک مشورہ کمیٹی کسی بڑی جگہ پر بڑے پیمانے پر کریں۔ انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

دعاؤں کا محتاج

محمد ارشاد، مدرسہ ریاض العلوم گورینی

یکم صفر ۱۴۱۱ھ

نئی کتابیں

تمباکو زہر قاتل

از عبدالرحمن کنندوی صاحب، صفحات ۹۶، کتابت وطباعت عمدہ،
مکتبہ قاسمی کلاں محل، دریا گنج، دہلی ۲ قیمت ۲؍ روپیہ

اس کتابچہ میں تمباکو نوشی کے مضراثات کے بارے میں مرتب نے عرب وعجم کے ان تمام علماء اور مفتیان کے فتوے جدید سائنس کے ماہرین اور اہل علم کی رائیں نقل کردی ہیں جن میں ان کو حرام اور صحت کیلئے زہر قاتل قرار دیا گیا ہے اس وقت امریکہ وغیرہ میں شراب نوشی کے خلاف اتنی مہم نہیں چل رہی ہے جتنی کہ تمباکو نوشی اور سگریٹ نوشی کے بارے میں چل رہی ہے، مرتب نے اسمیں ان لوگوں کا بھی جواب دیا ہے جو اسے لہسن، پیاز جیسی چیزوں پر قیاس کرکے اسے جائز قرار دیتے ہیں، اس سے پہلے مرتب "فتنۂ جہیز" کتابچہ شائع کرکے معاشرتی اصلاح کی ایک موثر کوشش کی اور اس کے ذریعہ انہوں نے معاشرہ کی جسمانی صحت کو بچانے کے لئے دوسرا قدم اٹھایا ہے، کتاب کی ضخامت کے پیش نظر کتاب کی قیمت زیادہ محسوس ہوئی۔

(۱) عظمت مومن (۲) اتحاد ملت (۳) عصبیت کے سائے (۴) مسلک کا فرق اور ملی اتحاد (۵) اسلامی معاشرہ میں مسجد کا کردار

یہ پانچوں رسالے انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز مرادی روڈ، بٹلہ ہاؤس نئی دہلی ۲۵ کی طرف سے شائع ہوئے ہیں ان میں اولین چار رسالے مولانا عبداللہ طارق صاحب کے مرتب کردہ ہیں اور ایک مولانا سعود عالم قاسمی صاحب کے قلم سے ہے۔

مولانا عبداللہ طارق صاحب ایک ممتاز اور معتدل مزاج عالم ہیں لہٰذا ان کتابچوں میں بھی ان کے اعتدال پسندانہ مزاج کی پوری عکاسی موجود ہے یہ چاروں رسالے اس قابل ہیں کہ ہر مسلمان ان کا مطالعہ کرے اور گھروں اور مسجدوں میں پڑھکر انھیں سنایا جائے، ہمارا معاشرہ اس وقت جن معاشرتی خرابیوں میں مبتلا ہے قرآن وحدیث میں ان کی اصلاح کے لئے قیمتی سرمایہ موجود ہے مگر افسوس ہے کہ ہم اس سے بالکل غافل ہیں، مولانا عبداللہ طارق صاحب نے ان رسالوں کے ذریعہ اس قیمتی سرمایہ تک ہماری رسائی کی صورت پیدا کردی ہے، آخری رسالہ سعود عالم قاسمی صاحب کا مرتبہ کردہ ہے جسمیں مسجد کے کیا اثرات ہماری زندگی پر پڑنے چاہئیں۔ ان کی وضاحت کی ہے، جو ایک مفید کام ہے۔

محترم مرتب الرشاد کی وہ کتابیں جو دار التصنیف والترجمہ جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ

سے شائع ہوئی ہیں

۱۔ اہل دل کی باتیں | حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی مدظلہ کے ان ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی، آخرت کی یاد اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، قیمت ۱۵/

۲۔ اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم | اس میں اسلامی مسائل کو بڑے سلیس اور دلچسپ انداز میں بچوں کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے، سیکڑوں مکاتب کے نصاب میں داخل ہے پورے سٹ کی قیمت ۱۶/

۳۔ قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت | اس میں قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ساری مثالیں قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی سے دی گئی ہیں۔ قیمت صرف ۸/

۴۔ خطبۂ نکاح | جو خطبہ نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے وہ ایک زبردست معاشرتی ہدایت ہے، مصنف نے اس کی بڑی موثر تشریح کی ہے یہ ہر نکاح کے وقت تقسیم کرنے کے قابل ہے، قیمت صرف ۲/ ہے،

۵۔ مسئلہ کفاءت | شادی بیاہ میں برابری کا خیال کرنا صحیح ہے مگر یہ برابری دین تقویٰ میں ہونی چاہیے، مسلمانوں میں جو پیشہ کے اعتبار سے مستقل طور پر برادریاں قائم ہوگئی ہیں اُن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ ہندو تہذیب کے اثر سے ہے، اس مسئلہ پر مصنف نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ قیمت ۸/ ہے۔

۶۔ جہیز کی شرعی حیثیت | اس وقت شادی بیاہ میں جہیز کے مطالبہ نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کرلی ہے جس سے لڑکیوں کی شادی عام آدمیوں کے لئے ایک مصیبت بن گئی ہے، اس پر ایک عالم نے بہت تحقیقی بحث کی ہے جس پر مولانا ندوی کے قلم سے ایک دیباچہ بھی ہے، قیمت صرف ۵/ ہے۔ یہ تینوں کتابیں اصلاح معاشرہ کے لئے بہترین تحفہ ہیں۔

۷۔ دینی مدارس اور انکی ذمہ داریاں

اس میں دینی مدارس کی ذمہ داریوں کو بڑے پُر اثر اور پرسوز انداز میں بیان کیا گیا ہے اس کے بعض مضامین کو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کئی تنوں کے مجمع میں پڑھکر سنوایا اور فرمایا کہ اس کو ہر استاذ اور طالب علم کو پڑھنا چاہیئے۔ قیمت صرف ... ہے۔

۸۔ عبادت و خدمت

اس میں خدمت خلق پر اس نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے کہ خدمت خلق بھی عبادت ہے اس کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی ہو چکا، قیمت آٹھ روپے

۹۔ سرمد اور اُن کی رباعیاں

اس میں سرمد کے حالات زندگی اور ان کی رباعی گوئی اور ان کے قتل کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں اُن کی رباعیاں ترجمہ کے ساتھ شامل کردی گئی ہیں اس سے پہلے کسی نے اتنی تفصیل سے اس موضوع پر کوئی چیز نہیں لکھی ہے یہ کتاب اردو اکیڈمی یوپی کی مدد سے شائع ہوگئی ہے۔

۱۰۔ خواجہ میر درد اور اُن کی شاعری

عام طور پر خواجہ میر درد کو ایک شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن شاعری میں بلند مقام رکھتے ہوئے اُن کی ثانوی حیثیت ہے وہ ایک زبردست عالم اور صاحب سلسلہ شیخ اور صاحب دل بزرگ تھے، مصنف نے اُن کی کتابوں کی روشنی میں اُن کی زندگی اور شاعری کی والہانہ انداز میں تفصیل کی ہے، کتاب زیر ترتیب ہے، اس کا کچھ حصہ الرشاد میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۱۔ فقہ اسلامی کا دائرۂ کار اور اسمیں اجتہاد کی حیثیت

یہ ایک طویل مقالہ ہے جو خدا بخش خاں لائبریری پٹنہ میں پڑھا گیا تھا اب اس میں مزید اضافہ کے بعد اُسے کتابی شکل دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ ابھی مصنف مدظلہٗ کے درجنوں مضامین ہیں جن کو کتابی شکل دینے کی کوشش کیجارہی ہے مثلاً خدمت حدیث میں عورتوں کا حصہ، قرآن پاک میں آیت رجم، نماز اور خشوع، تواضع مسلمانوں بادشاہوں کی تصانیف، ذرائع آمدنی اور تقسیم ملکیت کا مسئلہ، وقت ایک دولت ہے۔ یہ آخری کتابچہ شائع ہوگیا ہے قیمت ...

شکیل احمد مہتمم مکتبہ دار التالیف و الترجمہ جامعۃ الرشاد رشاد نگر، اعظم گڈھ

سالانہ چندہ
ہندوستان سے ۴۰/-
خصوصی معاون ۱۰۰/-
قیمت:
فی پرچہ ۴/-

جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کا ترجمان
ماہنامہ
جامعۃ
الرشاد

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے
۱۵/ امریکی ڈالر
15/

جلد ۱۸ سنہ ۱۹۹۰ء بمطابق: سنہ ۱۴۱۱ھ شمارہ ۴۹

فہرست مضامین

مجلس ادارت

- مجیب اللہ ندوی (مرتب)
- ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی، علیگ

ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی مقیم ابوظبی
بدر جمال اعظمی

منیجر توسیع اشاعت: مولوی عقیل احمد صاحب ٹانڈوی
کتابت: — خورشید احمد خاں

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے شائع کیا

رشحات

یوں تو اکتوبر کا مہینہ کئی سال سے ہنگامہ خیز ثابت ہورہا ہے مگر ۱۹۹۰ء کا اکتوبر کا مہینہ نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ پورے ملک کے لئے انتہائی ہنگامہ خیز رہا ہے اس ہنگامہ خیزی کا سب سے بڑا سبب بھاجپا کے صدر ایل کے اڈوانی کی رتھ یاترا تھی جس کے بظاہر دو مقصد تھے ایک یہ کہ پورے ملک کی ہندو رائے عامہ کو ہموار کرکے اور اخلاق و قانون کی ساری حدوں کو بالائے طاق رکھ کر بابری مسجد توڑ کر اس کی جگہ رام مندر تعمیر کردیا جائے گویا اس رتھ یاترا کے ذریعہ عوام کو اس بات پر ابھارنے کی کوشش کی گئی کہ ہندو راشٹر کے قیام کے لئے وہ ساری قانونی حدوں کو توڑ دیں اور "جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے فارمولہ" پر عمل کرکے اس کو تکمیل تک پہنچائیں۔

اس کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ اس طرح پورے ملک میں دہشت گردی پھیلا کر مسلمانوں کے اندر ایسا خوف وہراس پیدا کردیا جائے کہ وہ سیاسی حیثیت سے بے اثر ہو جائیں اس لئے کہ پچھلے الیکشن میں ان کو تجربہ ہو گیا تھا کہ دلی کے تاج و تخت پر بٹھانے اور اس سے اتارنے میں مسلمان بھی ایک موثر حیثیت رکھتے ہیں پھر ادھر ریزرویشن تحریک نے اس خطرہ کو ان کے سامنے اور بھیانک بنا دیا تھا اس لئے سیاسی سطح پر انھوں نے مسلمانوں کو بے اثر بنانا ضروری سمجھا پچھڑی ذات والوں کے بارے میں ان کا ۴۰ سال کا تجربہ ہے کہ ان کا ۵۰ فیصد ووٹ زور زبردستی سے وہ اپنے حق میں ضرور ڈلوا سکتے ہیں مگر مسلمانوں پر ان کا زور اور زبردستی نہیں چل سکتی اس لئے اگر ان کو بے اثر بنا دیا گیا تو ہندو راشٹر کے بنانے یا کم از کم اقتدار پر قبضہ کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی گویا ان کی اس رتھ یاترا میں مذہبی جذبہ کے بجائے پارٹی کے سیاسی مفادات زیادہ پوشیدہ تھے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی ان کے ذہن میں تھی کہ اس وقت منڈل کمیشن کے نفاذ

سے ان کو سیاسی سطح پر جو نقصان پہونچ رہا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا رخ مسلمانوں کی طرف پھیر دیا جائے مرکزی حکومت شروع سے یہ سب تماشہ دیکھتی رہی اور ان کو پورے ملک میں قانون اور عدالت کی دھجیاں بکھیرنے کی چھوٹ دیتی رہی، یہ تو خدا بھلا کرے یو پی کے چیف منسٹر ملائم سنگھ یادو اور بہار کے چیف منسٹر لالو پرشاد یادو کا جنہوں نے پہلے دن سے اڈوانی کی اس غیر اخلاقی اور غیر قانونی حرکت اور اس کے سیاسی نتائج کو سمجھ کر اس کی مخالفت کی اور صرف زبانی ہی مخالفت نہیں کی بلکہ عملاً اس کو روک دینے کی پوری تیاری بھی کی جس سے قانون کی اور سیکولزم کی آبرو بڑی حد تک رہ گئی ورنہ بی جے پی نے ملک میں جو فضا کی تھی اس کے نتیجہ میں سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں جگہ مسلمانوں کی جانی و مالی بربادی کی تاریخ دہرائی جاتی اور اب بھی یہ خطرہ پورے طور پر ٹلا نہیں ہے۔

ہماری مرکزی حکومت شاید اپنی کچھ سیاسی مجبوریوں کی وجہ سے آخر وقت تک لیت ولعل میں پڑی رہی اور جس طرح سابق وزیر اعظم راجیو گاندھی اور ان کے وزیر داخلہ بوٹا سنگھ نے کئی سال تک مسلمانوں کو دھوکہ میں رکھ کر شیلا نیاس کرا دیا اور پھر ۲۴ گھنٹے کے اندر تعمیر کو اگر جو ڈرامہ کیا شاید ہی تاریخ دی پی سنگھ کے دور میں دہرائی جانے والی تھی اگر یوپی اور بہار کے چیف منسٹروں کے مضبوط ارادوں کی وجہ سے گھبرا کر انہوں نے صدر سے آرڈی نینس جاری کرا دیا۔ اور پھر جب ہوا کا رخ اس کے خلاف دیکھا تو ۲۴ گھنٹے کے اندر اس کو واپس لینے کا اعلان بھی کرا دیا۔ آرڈی نینس کے خیر مقدم کے سلسلہ میں بعض ممتاز علماء کا طرز عمل بہت ہی قابل اعتراض رہا، جب کہ وہ براہ راست مسلم پرسنل لا پر اثر انداز ہو رہا تھا لیکن اب وہ واپس ہو چکا ہے اس لئے اس کے مندرجات پر کچھ زیادہ لکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ آرڈی نینس نہ تو خلوص پر مبنی تھا اور نہ اس مسئلہ کو حل کرنے کی طرف کوئی مثبت قدم تھا بلکہ یہ اصلاً بی جے پی کو خوش کرنے کے لئے جیسا کہ اڈوانی کے اس بیان سے کہ حکومت نے صحیح قدم اٹھایا ہے۔ اندازہ ہوا اور ملائم سنگھ کو مجروح کرنے کے لئے نکالا گیا تھا۔ جیسا کہ وزیر اوقاف اعظم خاں کے بیان سے ظاہر ہوا مگر اس میں کامیابی نہ ہو سکی اور مسلمانوں کی شدید مخالفت اور ملائم سنگھ کے سخت قانونی رویہ نے آخر کار مرکزی حکومت کو لالو پرشاد کو

ایڈوانی کی گرفتاری (جس کو پہلے روک دیا گیا تھا) کا حکم دینا پڑا چیف منسٹروں کی میٹنگ میں ملائم سنگھ نے جو تقریر کی جس میں یہ کہہ کر کی یہ ایک قومی مسئلہ ہے مگر اس کا سارا بوجھ میرے اوپر ڈالا جا رہا ہے اپنے جس عزم وارادہ اور ناراضگی کا اظہار کیا اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ انہی کی وجہ سے مرکزی حکومت کو یہ کڑوا گھونٹ اپنی حلق سے اتارنا پڑا اگر وہ مضبوطی سے ایڈوانی کی غیر قانونی رتھ یاترا کے روکنے اور ان کو گرفتار کرنے کے موقف پر قائم نہ رہتے تو جس طرح سابق مرکزی حکومت نے مندر کا شیلا نیاس کرایا تھا اسی طرح موجودہ مرکزی حکومت بھاجپا کے دباؤ میں آکر شاید ہندوراشٹ کا شیلا نیاس کرا دیتی' وزیر اعظم وی پی سنگھ نے ۲۱ر اکتوبر کی رات میں قوم کے نام جو پیغام نشر کیا اس سے بہر حال ان کی کھوئی ہوئی حیثیت کسی حد تک بحال ہوئی۔ مگر جو کام ان کو ایک مہینہ پہلے کرنا چاہیئے تھا، انھوں نے اسے اس وقت کیا جب ملک کے ایک بڑے حصہ میں فرقہ پرستی کا زہر پھیل چکا تھا۔ مگر پھر بھی حکومت کے ٹوٹ جانے کا خطرہ مول لے کر انھوں نے تاخیر سے ہی جو قدم اٹھایا اس کے لئے وہ ہر طرح لائق تحسین ہیں۔ ۲۷ر اکتوبر ۹۰ء کو انہوں نے جو حقیقت پسندانہ بیان دیا کہ "رتھ یاترا کا مقصد سوائے انتخابی فائدہ حاصل کرنے کے اور کچھ نہیں، بی۔جے۔پی بھگوان رام کو بیلٹ بکس میں بند کرنا چاہتی ہے"۔ وہ قابل قدر ہے۔

کاش اس بیان کے مطابق انھوں نے یو۔پی کے چیف منسٹر ملائم سنگھ کی طرح سخت رویہ شروع سے اپنایا ہوتا اور ان کو سومناتھ سے آگے نہ بڑھنے دیا ہوتا تو بی۔جے۔پی کا سارا پلان فیل ہو گیا ہوتا اور ملک کے بڑے حصہ میں یہ زہر نہ پھیلتا اور نہ عوام کو ایک مہینے تک مختلف قسم کی مصیبتیں جھیلنی پڑتیں۔

ملک کے اندر اس وقت جو سنگین حالات پیدا ہوگئے ہیں اس کا تقاضا تھا کہ ہماری بھی کوئی متحدہ آواز ہوتی اور ملک کی موجودہ صورت حال اور اپنے مسائل کے سلسلہ میں ہم بھی کوئی متحدہ پروگرام طے کرتے اس لئے کہ جو مسائل اس وقت ملک میں چھڑے ہوئے ہیں ان سب کا رخ زیادہ تر مسلمانوں کی طرف ہے، یا ان کی طرف پھیر دینے کی کوشش کی

بقیہ صـ۱۳ پر

گرفتاری

قارئین کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ اس ماہ کے رسالہ کی کتابت ہو چکی تھی اور پریس میں بھیجا جانے والا تھا کہ اچانک ۲ نومبر کو جبکہ انتظامیہ کی طرف سے اعظم گڑھ میں مسلسل ۴۸ گھنٹے سے زائد کرفیو جاری تھا جمعہ کے وقت کرفیو سخت کر کے مسجدوں میں جمعہ پڑھنے اور لاؤڈ اسپیکر پر اذان دینے پر پابندی لگادی گئی۔

جامعۃ الرشاد کے احاطہ میں طلباء و اساتذہ کرام تھے جمعہ کے وقت مدرسہ کی مسجد میں نماز پڑھنے لگے اسی دوران مدرسہ کے متصل محلہ سے کچھ نمازی عقبی دروازے کے پاس آ گئے جن کیلئے دروازہ کھولدینا غیرت دینی کا تقاضا تھا چنانچہ عقبی دروازے سے کچھ مسلمان انتہائی سکون کے ساتھ آئے اور جمعہ میں شریک ہو گئے۔

اس کی خبر کوتوال کو دی گئی اور کوتوال مع اعلیٰ افسران اور سپاہیوں نے مدرسہ کو گھیر لیا نماز کے بعد مدرسہ کے صدر گیٹ کو کھلوا کر جب اندر آئے تو ناظم صاحب مدظلہ نے صورت حال رکھی، ان لوگوں نے کہا کہ مجمع کو تھوڑا تھوڑا کر کے نکال دیجئے اور یہ کہکر وہ لوگ چلے گئے ہم لوگ بھی مطمئن ہو گئے۔ مگر تھوڑی ہی دیر بعد چند افسران آئے اور ناظم صاحب مدظلہ سے کہا کہ ڈی، ایم آپ کو کچھ بات کرنے کے لئے بلا رہے ہیں دوسرے اور لیڈران کو بھی بلایا ہے ناظم کے ساتھ ان کے صاحبزادے اور مفتی عزیز الرحمٰن چپارنی بھی گئے، اور کوتوالی میں ان تینوں کو گرفتار کر لیا گیا اسی طرح نسیم اعظمی کانگریس لیڈر، اور غفران جنتا دل لیڈر سے بھی کہا گیا اور کوتوالی لے جا کر گرفتار کر لیا گیا، ایک ہفتے کے بعد دوسرے لوگ چھوڑ دیئے گئے مگر تا دم تحریر ناظم صاحب مدظلہ اور ان کے صاحبزادے ڈاکٹر عبد اللہ عمار صاحب جیل ہی میں ہیں، گورنمنٹ نے ان دونوں حضرات پر میسا کا قانون لگا کر جس طرح ان کے سلسلے میں کاروائی کی ہے انتہائی قابل افسوس اقدام ہے اس وجہ سے شہریوں میں اس گرفتاری پر غم و رنج کا اظہار ہو رہا ہے۔

(منیجر)

بحمد اللہ حضرت ناظم صاحب مدظلہ اور ان کے صاحبزادے رہا ہو کر آ گئے ہیں

احکامِ آراضی

جناب نصرت علی اشیر صاحب، لاہور

ملکیت زمین

مسائل اراضی میں زمین کی ملکیت کا پہلو بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ملکیت اور عدم ملکیت سے حقوق زراعت بڑی حد تک متاثر ہوتے ہیں۔ اس لیے احکام آراضی میں ملکیت زمین کے احکام سے ہم بحث کا آغاز کر رہے ہیں۔

ملکیت کا مفہوم

ملکیت مَلَكَ يَمْلِكُ کے مصدر سے ماخوذ ہے جس کا مفہوم کسی چیز یا جائداد کے بارے میں حقِ تصرف کے مکمل اختیارات رکھنا ہے۔ قاموس میں اس کے معنی کو اس طرح پیش کیا گیا ہے۔

احتواء قادراً على الاِستبداد به [1] — جو پورے تصرف کو سمیٹے ہوئے ہے۔

تاج العروس میں امام راغب کے حوالے سے اس کے مفہوم کو اس طرح ظاہر کیا گیا ہے۔

الملك هو التصرف بالامر والنهي في الجمهور [2] — یعنی ملکیت سے مراد کسی چیز پر جمہور میں کسی فرد کو امر و نہی کے تصرف کا حق حاصل ہونا ہے۔

ایس ڈبلیو فالن ( ) نے اپنی کتاب اردو انگلش لا اینڈ کمرشل ڈکشنری میں ملکیت کے مفہوم کو درج ذیل الفاظ سے واضح کیا ہے۔

---

[1] ص ۱۷۱ ج ۲ مصنفہ مجد الدین محمد آبادی مطبوعہ منشی نولکشور پریس لکھنؤ ۱۳۲۲ھ

[2] ص ۱۸۰ ج ۷ تاج العروس من جواہر القاموس سید محمد مرتضیٰ حسینی۔

یعنی زمین یا اس طرح کی کسی حقیقی جائداد پر کسی (فرد یا قوم) کے ترجیحی حقوق۔

قوانین وضعیہ میں ملکیت کی تعریف مختلف الفاظ میں ملتی ہے۔ مصری قانون میں

الملکیة هی الحق للمالك فی الانتفاع بما یملکه والتصرف فیه بطریقة مطلقة[1]	یعنی ملکیت مالک کا وہ حق ہے جس کی وجہ سے اسے اپنی چیز سے نفع حاصل کرنے اور اس میں مطلق طریقے سے تصرف کرنے کا اختیار ہے۔

جناب عبدالرزاق سنہوری نے مصری قانون کی دفعہ ۸۰۲ سے جو ملکیت کی تعریف اخذ کی ہے وہ قدرے اور واضح معانی کا پتہ دیتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ان حق ملکیة الشیء هو حق الاستئثار باستعماله وباستغلاله وبالتصرف فیه علی وجه دائم، وکل ذلك فی حدود القانون[2]	یعنی کسی چیز کی ملکیت کا حق اس چیز کے استعمال اور تصرف میں کلی وجوہ میں زیادہ طور پر مؤثر ہونے کا تقاضا کرتا ہے لیکن یہ سب کچھ قانون کی حدود کے اندر ہی ہو۔

ابن سبکی نے ملکیت کی اس قسم کی تعریف پر اعتراض کیا ہے۔ ان کے کہنے کے مطابق ولی ہمیشہ مال میں تصرف کرنے میں مختار ہوتا ہے لیکن وہ مالک نہیں ہوتا[3]۔ اسی طرح ایک مانع کا وجود مسلّم ہے جس کا ذکر تعریف میں ضروری ہے۔ صدر الشریعہ نے ملکیت سے مراد انسان اور مملوک شے کے درمیان وہ تعلق مراد لیا ہے جو اسے شے میں مطلق تصرف کا اختیار دیتا ہے اور اس میں دوسرے کسی فرد کے تصرف کو رد کرتا ہے۔ اس تعریف میں بھی تصرف کے حق کو ہی ملکیت کے ہم معنی ٹھہرا لیا گیا ہے۔ جبکہ ملکیت کی بنیاد پر حاصل ہونے والے دیگر کئی حقوق جو کسی فرد کو حاصل ہوتے ہیں وہ شامل نہیں

---

[1] الوسیط ج ۸ ص ۴۹۳۔ [2] ایضاً

[3] ابن نجیم المصری الاشباہ والنظائر مطبوعہ مصر ۱۲۹۸ھ ص ۱۸۹

دینے کے لئے مندرجہ ذیل امور کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

ا۔ اس تعلق یا تخصص کا اظہار جو کسی انسان کا کسی شے سے ہے۔

ب۔ شے سے اپنے تعلق یا تخصص کی بنیاد پر حق تصرف اور حق انتفاع کی قدرت۔

ج۔ حق تصرف یا حق انتفاع میں کوئی مانع نہ ہو مثلاً صغر سنی یا جنون۔

د۔ حق تصرف یا حق انتفاع اصالۃً اور وکالۃً مکمل طور پر ہو۔

شریعت اسلامی کی روح کو مدنظر رکھ کر مندرجہ بالا امور کی روشنی میں ملکیت کی تعریف ان الفاظ میں ہوگی۔

• اختصاص انسان بشئ یخولہ شرعا الانتفاع والتصرف فیہ وحدہ ابتداء الا لمانع "

یعنی کسی انسان کا کسی شی پر تصرف و انتفاع کا وہ خصوصی حق ہے جس میں وہ منفرد ہے اور اس حق کی ابتداء میں کسی قسم کا کوئی مانع نہ ہو۔

ملکیت کا تصور اسلام میں

اسلام کا تصور ملکیت جانچنے کے لئے ہمارے پاس صرف دو بنیادی مراجع ہیں۔ (۱) قرآن مجید (۲) سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

قرآن وسنت کی روشنی میں ہمیں فقہائے کرام کی آراء سے بھی مدد مل سکتی ہے۔ لہٰذا ذیل میں بالترتیب ہم ان مراجع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے پہلی چیز جو ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے کی مالک حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ آیاتِ قرآن مجید ملاحظہ ہوں:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ (سورۃ النجم)

یعنی اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔

اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ

یعنی اے اللہ بادشاہت کے مالک تو جسے چاہتا ہے بادشاہت دیتا ہے اور جس سے

الملک مِمَّن تشاءُ (آل عمران ۲۶) چاہتا ہے بادشاہت چھین لیتا ہے۔

قرآن مجید سے دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں مخلوق کے حلقۂ اختیار میں دے دی ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ (البقرہ)

اور تمہارے لئے زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ایک خاص وقت تک ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ۔ (اعراف)

اور بے شک ہم نے تمہیں زمین میں قدرت و اختیار کے ساتھ بسایا اور متمکن کیا اور تمہارے لئے اس میں سامان معاش رکھا۔

پھر اس عمومی فیض کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کی تقسیم کے حوالے سے ملکیتِ خاص کی طرف اس طرح اشارہ کرتے ہیں۔

إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (اعراف:۲۸)

بیشک زمین صرف اللہ کی ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔

زمین کی ملکیت بخشنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اس کی پیداوار سے انفاق فی سبیل اللہ کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ (بقرہ : ۲۶۷)

یعنی اے ایمان والو خرچ کرو اپنی پاک کمائیوں سے اور ان چیزوں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں۔

— — — — — — — —

اور ایک دوسری جگہ فرمایا:

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ (سورہ انعام:۱۴۱)

اس کے پھلوں میں سے کھاؤ جب کہ وہ پھل لائے اور اس کی فصل کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔

سورۃ النجم میں انسان کی انفرادی ملکیت کو اس طرح واضح بیان کیا کہ

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا	اور یہ کہ نہیں ہے انسان کے لئے مگر صرف
مَا سَعٰی	وہ جو اس نے کمایا۔

ایک دوسری جگہ انفرادی کمائی کو انفرادی ملکیت ٹھہراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ	جس نے نیک اور صالح عمل کیا وہ اسی
وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَیْھَا	کے لئے ہے اور جس نے برا کیا اس کا ضرور
(سورۃ الجاثیہ)	اور وبال اس پر ہوگا۔

قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ جو کچھ اس طرح کی محنت اور کوشش سے بخشتا ہے وہ اسی کا ہے اور اس کو اس کے تصرف پر پورے اختیار ہیں۔ احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کریں تو ان آیات قرآنی کو مزید سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔

۱۔ عَنْ جابر بن عبد اللہ قال	حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ	ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
وسلم من احیا ارضًا میتۃً	نے فرمایا جس کسی نے مردہ زمین کو آباد کیا
فھی لہ۔ (ترمذی)	وہ اسی کی ہے۔
عن عروۃ قال اشھد ان	حضرت عروہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ	میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی
وسلم قضی ان الارض للہ	اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین اللہ کی زمین
والعباد عباد اللہ ومن احیٰی	ہے اور بندے اللہ کے بندے ہیں جس
مَوَاتًا فھو اَحَقُّ بِھَا۔	نے بھی بنجر بے آباد زمین آباد کی وہ اس
(سنن ابی داؤد ج ۲ ص)	کا زیادہ حق دار ہے۔
عن سعید بن زید قال قال	حضرت سعید بن زید فرماتے ہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وسلم من اخذ شبرًا من الارض ظلمًا فانه يطوقه ارضين ... ... (صحیح مسلم)	جس کسی نے دوسرے کی بالشت بھر زمین ظلم اور زیادتی کے ساتھ لی قیامت کے دن اس زمین کے ساتوں طبقے اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالے جائیں گے۔

مذکورہ بالا آیاتِ قرآنی اور احادیث مبارکہ کے مطالعہ سے مندرجہ ذیل پہلو سامنے آتے ہیں۔ جن میں اسلام کے تصور ملکیت کے مفہوم کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔ جس کسی نے زمین پر محنت کی اور اسے آباد کیا۔ وہ اس زمین کا مالک بن گیا۔

۱۔ جس کسی نے بھی دوسرے کی آباد کی ہوئی زمین چھیننے کی کوشش کی اس کو زبردست عذاب کی وعید سنائی گئی۔

۳۔ زمین پر جو جس قدر محنت کرے گا وہ اس کے ثمرات کا مکمل مالک ہوگا۔ کسی کی محنت یا پیداوار پر کسی قسم کی کوئی تحدید نہیں۔

۴۔ زمین کا مالک خدا ہے وہ جس کو جتنی چاہے دے اور جس سے چاہے جتنی چھین لے۔

۵۔ انسان کو اپنی محنت سے جتنا کچھ حاصل ہو اس سے اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔

فقہائے کرام نے اشیاء کی ملکیت کو ان کے خواص کے احکام کے حوالہ سے مشروط کیا ہے اس لئے فقہائے نے اشیاء کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے ایک قسم کی وہ اشیاء جن کی ملکیت جائز ہے اور دوسری قسم کی وہ اشیاء ہیں جن کی ملکیت ممکن نہیں۔

۱۔ وہ اشیاء جن سے شرعی طور پر کسی قسم کا کوئی مفاد اٹھانا ممکن نہیں وہ کسی کی ملکیت نہیں بن سکتیں مثلاً حشرات الارض۔

۲۔ وہ اشیاء جن کو شریعت اسلامیہ نے حرام قرار دیا ہے۔ وہ بھی کسی کی ملکیت میں نہیں آسکتیں مثلاً شراب، خنزیر اور مردار وغیرہ۔

حنفی، مالکی اور زیدی فقہاء کے نزدیک حرام اشیاء ذمی کی ملکیت میں آسکتی ہیں۔
لیکن شافعی اور ظاہری فقہاء کے نزدیک ان کی نسبت ملکیت ذمی کی طرف بھی جائز نہیں۔ حنبلی فقہا میں جمہور کے نزدیک ان کی مالیت مسلم و ذمی دونوں

کے لئے ممکن نہیں۔ تاہم بعض علماء ایں طور اس کو مالیت مانتے ہیں کہ اگر ذمی کی شراب پر کو
پر کوئی مسلمان ہو جائے تو مسلمان کو وہ شراب ذمی کو لوٹانا پڑے گی اور اس طرح ذمی کی
کی ملکیت ایک طور پر مستنبط ہوتی ہے۔

۳۔ لہو ولعب کی اشیاء پر بھی ملکیت فقہاء کے نزدیک جائز نہیں۔

۴۔ احترام قانون ملکی کے حوالہ سے جن چیزوں کی ملکیت رکھنا منع ہو اگرچہ وہ شرعی طور پر قابل ملکیت ہوں، فقہاء کے نزدیک ان کی ملکیت حاصل کرنا ناجائز ہوگا۔ مثلاً حشیش، افیون وغیرہ۔

مندرجہ بالا استثنائی اشیاء کے علاوہ تمام اشیاء کی ملکیت فقہائے کرام کے نزدیک متفق طور پر جائز ہے۔ چاہے یہ ملکیت شخصی ہو یا اجتماعی۔ تاہم فقہائے کرام نے شریعت اسلامیہ کی تعلیمات کی رو سے ملکیت کو چند شرائط سے مقید کیا ہے۔

۱۔ ملکیت کسی مفاد عامہ کے لئے باعث ضرر نہ ہو۔

۲۔ ملکیت کی بنیاد کسبِ حرام نہ ہو۔

۳۔ ملکیت میں تصرف شرعی حدود کے اندر رہے۔

اسباب ملکیت

شریعتِ اسلامیہ کی رو سے مندرجہ ذیل امور کی بنیاد پر حاصل ہونے والی اشیاء کسی فرد کی ملکیت میں جائز طور پر شامل ہو سکتی ہیں۔ یہ اسباب ملکیت حسب ذیل ہیں۔

۱۔	حق وراثت	۲۔	ذاتی خرید
۳۔	کسب حلال	۴۔	حصۂ غنائم
۵	انعام واکرام	۶۔	اباحت

آثار ملکیت

ملکیت کے حاصل ہونے پر مالک کو جو حقوق حاصل ہوتے ہیں اور ان پر جو احکام و نتائج مرتب ہو سکتے ہیں وہ سب آثار ملکیت کے زمرہ میں آتے ہیں۔ جن کا اجمال حسب ذیل ہے۔

... ...

۱۔ آزادانہ تصرف کا اختیار

مالک کو اپنی مملوکہ اشیاء کے استعمال استغلال اور انتفاع کا آزادانہ اور بلا روک ٹوک حق حاصل ہے۔ تاہم اس اختیار کو مفاد عامہ اور شرعی حدود سے مقید مانا گیا ہے۔

۲۔ دوسرے کی تعدی پر ممانعت کا حق

مالک کو اپنی مملوکہ اشیاء کی حفاظت اور ان سے استفادہ میں کسی دیگر فرد کی ناجائز مداخلت، ممانعت اور مزاحمت پر احتجاج کا حق حاصل ہے اور قانون اس حق کے حوالہ سے تعدی کرنے والے کی گرفت کا ضامن ہے۔

۳۔ شرعی التزامات کا نفاذ

شریعت اسلامیہ ہر انسان کے حقوق و فرائض کا تعین کرتی ہے۔ وہ کسی شخص کو اپنی اشیاء کی ملکیت کی بنیاد پر کسی دوسرے کے حق کو نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں دیتی۔ اس لئے ملکیت کے آثار کے حوالہ سے مالک کو شرعی لوازمات کا پابند بنایا گیا ہے اور اسے اپنی ملکیت کی بنیاد پر شرعی لوازمات کی ادائیگی کے بغیر کسی طور پر بھی رخصت نہیں۔ اس میں حق صلہ رحمی، حق سائل والمحروم اور حق ریاست جیسے حقوق کی پاسداری شامل ہے۔

بقیہ رشحات

جارہی ہے انہی حالات میں پچھلے مہینے میں ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو مسلم مجلس مشاورت کا جو جلسہ ہوا تھا اتحاد ملت کی اسی امید پر راقم الحروف بھی اس میں شریک ہوا تھا، اس میٹنگ میں کچھ تجویزیں پاس ہوئیں اور پورے ہندوستان میں ارکان مشاورت کے دورہ کا پروگرام طے ہوا تاکہ اس میں نئی زندگی پیدا کی جائے، خدا کرے یہ پروگرام بروئے کار آجائے اور یہ ادارہ جو ایک زمانہ میں اتحاد ملت کا نشان بن گیا تھا اس کے ذریعہ کوئی نئی صورت پیدا ہو، البتہ مجلس مشاورت کے جنرل سکریٹری صاحب نے مجلس کے وقار کے لحاظ سے نہ اپنی گذشتہ کارگذاری پیش کی اور نہ کسی تعمیری پروگرام کی نشاندہی کر کے مجلس سے اس کی کوئی منظوری لی اور نہ گذشتہ اخراجات کی تفصیل بتائی اور نہ آئندہ کا بجٹ پیش کیا اس کے بعد ان کا یہ کہنا مناسب نہیں معلوم ہوا کہ ہمارے پاس اتنا پیسہ بھی نہیں ہے کہ ہم کارروائی کی نقل آپ حضرات تک بھیج سکیں۔

ذکر و دعا

کن لوگوں کی دعا و بددعا قبول ہوتی ہے (قسط نمبر ۳)

مذکورہ بالا شرائط اور آداب کے ساتھ جو شخص بھی دعا کرے گا انشاء اللہ اس کی دعا کی مقبولیت میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن خاص طور پر مندرجہ ذیل آدمیوں کی دعا کی مقبولیت کی خبر خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دی ہے۔

(۱) وہ شخص جس نے اپنی خوشحالی، فارغ البالی، صحت اور آرام و سکون کے زمانے میں خدا کو یاد رکھا ہو۔ اور اس کے سامنے اپنا دستِ سوال دراز کیا ہو۔ وہ جب بدحالی اور تکلیف میں دعا کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور قبول فرماتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔

مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَسْتَجِيْبَ اللّٰهُ لَهُ عِنْدَ الشَّدَآئِدِ فَلْيُكْثِرِ الدُّعَآءَ عِنْدَ الرَّخَآءِ (ترمذی)

جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ مصیبتوں اور تکلیفوں میں اس کی دعا اللہ تعالیٰ قبول کرے تو اسے خوش حالی میں کثرت سے دعا کرنی چاہیئے۔

(۲) والدین کی دعا اپنی اولاد کے حق میں (۳) مسافر کی دعا (۴) امام عادل کی دعا (۵) مظلوم کی بددعا جب تک وہ انتقام نہ لے (۶) حاجی کی دعا جب تک وہ گھر واپس نہ ہو جائے (۷) مجاہد کی دعا (۸) مریض کی دعا (۹) اپنے کسی مسلمان بھائی کے لئے غائبانہ دعا۔ ان تمام لوگوں کا ذکر کرنے کے بعد آپ نے فرمایا :۔

وَاَسْرَعُ هٰذِهِ الدَّعْوَاتِ اِجَابَةً دَعْوَةُ الْاَخِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ۔ (بیہقی)

ان میں سب سے جلد قبول ہونے والی دعا وہ ہے جو کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے لئے غائبانہ کرتا ہے۔

دعا سے پہلے خدا کی حمد و ثنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج کر دعا کرنی چاہیئے۔ خود آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی تلقین فرمائی تھی۔ ایک شخص نے یوں ہی دعا کرنی شروع کر دی تو آپ نے فرمایا کہ تم نے جلدی کی، پھر فرمایا کہ :۔

اَيُّهَا الْمُصَلِّیْ اِذَا صَلَّيْتَ

اے نمازی جب تو دعا کے لئے بیٹھے تو پہلے

فَحَمِّدْتَ فَاحْمَدِ اللّٰهَ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ وَصَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ ادْعُهٗ ۔ خدا کی حمد و ثنا کرو پھر مجھ پر درود پڑھو۔ پھر دعا کرو۔

دوسرے سے دعا کی درخواست کرنا

اپنے چھوٹے یا بڑے سے دعا کی درخواست کرنا مسنون ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کرنے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے اجازت دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ :-

اَشْرِكْنَا يَا اُخَيَّ فِيْ دُعَائِكَ وَلَا تَنْسَانَا۔[1] اے میرے بھائی اپنی دعا میں ہم کو بھی شریک کرنا اور ہم کو اس وقت بھولنا نہیں،

زبان سعادت نواز سے یہ کلمہ سُن کر حضرت عمرؓ مسرت میں ڈوب گئے اور بے اختیار زبان سے نکل گیا۔

كَلِمَةٌ مَا يَسُرُّنِيْ اِنَّ لِيْ بِهَا الدُّنْيَا۔ (ابو داؤد، ترمذی) میرے لئے زبان مبارک سے ایسی بات نکلی ہے کہ اگر ساری دُنیا بھی اس کے بدلے مل جائے تو مجھ کو کوئی خوشی نہ ہوگی۔

جائز دعا فائدہ سے خالی نہیں

پروردگار عالم کے دربار میں جب بندہ اپنی کسی حاجت کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ حاجت پوری ہو یا نہ ہو اس کی دُعا فائدہ سے خالی نہیں ہوتی۔ اگر اُس نے اپنے آقا سے کوئی جائز مادی چیز طلب کی مگر خدا کی نگاہ کرم اس کی بھلائی اس کے نہ پورا ہونے میں دیکھتی ہے تو اُسے وہ پورا نہیں کرتا مگر جب بھی یہ فائدہ کیا کم ہے کہ اُسے اپنی بے چارگی اور عبدیت کے اظہار کا موقع ملا۔ لیکن اس سے زیادہ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے کوئی اور مصیبت دور کر دی جاتی ہے یا وہ دعا اس کے لئے ذخیرۂ آخرت کر دی جاتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ :-

---

[1] ترمذی، ابوداؤد، نسائی

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَدْعُوْا بِدَعْوَةٍ لَيْسَ	مسلمان کی ہر دعا جس میں معصیت یا قطع رحم
فِيْهَا اِثْمٌ وَّلَا قَطِيْعَةُ رَحِمٍ	نہ ہو اللہ تعالیٰ تین صورتوں میں سے کسی نہ کسی صورت
اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ بِهَا اِحْدٰى	میں اسے ضرور پوری کرتا ہے' یا تو جلد سے جلد
ثَلٰثٍ اِمَّا اَنْ يُّعَجِّلَ لَهٗ دَعْوَتَهٗ	اس کی وہ طلب ہی پوری کر دیتا ہے یا پھر
وَاِمَّا اَنْ يَّدَّخِرَهَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ	اس دعا کو ذخیرۂ آخرت بنا دیتا ہے' یا اس سے
وَاِمَّا اَنْ يَّصْرِفَ عَنْهُ مِنَ	اس کی طلب کے بقدر کسی برائی اور ناخوشگواری
السُّوْٓءِ مِثْلَهَا۔ (احمد)	کو دور کر دیتا ہے۔

یہ خوش خبری سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بول اُٹھے کہ پھر تو ہم خوب کثرت سے دعائیں کریں گے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ اکبر۔ تم جتنی بھی دعائیں کرو خدا کا فضل اور اس کا دامنِ رحمت اس سے زیادہ وسیع ہو گا۔ (مسند امام احمد)

بددُعا نہ کرنی چاہیئے

جہاں تک ممکن ہو کسی پر لعن طعن یا کسی کو بُرا بھلا نہ کہنا چاہیئے اور نہ حتی الامکان کسی کے حق میں بددعا کرنی چاہیئے یہود آپؐ کی مجلس میں آتے تھے تو السّام علیکم (تم پر موت ہو) کہتے تھے حضرت عائشہؓ نے سنا تو بڑی برہم ہوئیں اور ان کو سخت وسست کہنا شروع کیا۔ آپؐ نے اُن کو اس سے روکا۔ آپؐ نے انتہائی مجبوری میں دشمنانِ اسلام کے حق میں بددُعائیں ضرور کی ہیں' مگر اس میں اپنے کسی ذاتی انتقام، غصہ یا نفسانی جذبہ کا کوئی شائبہ بھی نہیں آنے پایا ہے۔ والدین کی دُعا جہاں بچے کے لئے فالِ نیک ہے وہیں اُن کی بددعا ان کے مستقبل کے لئے برا شگون بھی ہے۔ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر اپنے اور اپنے بال بچوں کے حق میں بددعا کے الفاظ نکال دیتے ہیں۔ مثلاً، خدا موت بھی نہیں دیتا، خدا غارت کرے، کمبخت مر بھی نہیں جاتا، خدا کسی کو ایسی اولاد نہ دے۔ یہ الفاظ خاص طور سے عورتوں کی زبان سے زیادہ نکلتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لَا تَدْعُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ وَلَا تَدْعُوْا	نہ تم اپنے حق میں بددعا کرو' اور نہ اپنی اولاد کو
عَلٰٓى اَوْلَادِكُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰٓى	بددعا دو' اور نہ اپنے مال و متاع اور نوکروں

لہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ حرام روزی کھاکر یا حرام مال سے جو کار خیر کیا جاتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں' معصیت اور گناہ بھی اسی میں شامل ہے۔

اَمْوَالِكُمْ * کے بارے میں بُرے الفاظ نکالو۔

یہ فرمانے کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ" تم کو کیا معلوم کہ تم جس وقت بددعا کر رہے وہ قبولیتِ دُعا کا وقت ہو اور تمہاری بددعا سن لی جائے (اور غصہ ٹھنڈا ہو جانے کے بعد تم کو پشیمانی ہو۔

ذکر و دُعا میں کس کو زیادہ فضیلت ہے

اوپر جو باتیں ذکر کی گئی ہیں ان میں کچھ باتیں تو دُعا کے لئے مخصوص ہیں مگر زیادہ تر باتوں کا تعلق ذکر و دعا دونوں سے ہے۔ ذکر و دعا ہو یا تسبیح و تہلیل سب کا مقصد اپنی عبدیت کا اظہار اور رضاو قرب الٰہی ہے۔ لیکن راقم اپنے مطالعہ کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ دعا کے مقابلہ میں ذکر و تسبیح کا درجہ بعض حیثیتوں سے کچھ بلند ہے۔ دعا میں ذُلّ و افتقار کی کیفیت زیادہ زیادہ ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ اس کے اخلاص میں مطلب برآری اور ذاتی غرض و حاجت کی آمیزش بھی ہوتی ہے۔ برخلاف ذکر کے کہ اس میں خوف و رضا کا بے غرضانہ جذبہ شامل ہوتا ہے عشق و محبت کا بے غل و غش اظہار ہوتا ہے۔ اس سے غیر معمولی روحانی حظ و سکون بھی حاصل ہوتا ہے اور وہ قربِ خداوندی کا قریب ترراستہ بھی ہے۔ اس سے دل میں سوز و گداز کی کیفیت بھی آسانی سے پیدا ہوتی ہے اور وہ لذتِ آشنائی بھی ملتی ہے۔ جس کے بارے میں شاعر نے کہا ہے ؎

عجب چیز ہے لذت آشنائی ۔۔۔ دو عالم سے بیگانہ کرتی ہے دل کو

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر بڑی لمبی بحث کی ہے کہ دعا و ذکر میں کون زیادہ افضل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ :۔

الذکر افضل من الدعا الذکر	ذکر دعا سے افضل ہے ذکر اللہ تعالیٰ کی
ثناء علی اللہ عزوجل بجمیع اوصافہ	تمام صفتوں اور نعمتوں کی تعریف کا نام ہے
والائہ والدعاء سوال العبد	اور دعا میں بندہ اپنی حاجت کا سوال کرتا ہے
حاجتہ فاین ھذا من ھذا و	تو دونوں کا کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر
لھذا جاء فی الحدیث من	حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص میرے ذکر
شغلہ ذکری عن مسئلتی اعطیتہ	کی وجہ سے دعا نہ کر سکے تو اس کو ہم مانگنے والو

* اموالکم سے محدثین نے مال و متاع اور ماتحت دونوں مراد لئے ہیں اس لئے ترجمہ میں دونوں کو شامل کر لیا گیا ہے۔

افضل ما اعطی السائلین ولھذا کان المستحب فی الدعاء ان یبدأ الداعی بحمد اللہ تعالیٰ والثناء علیہ بین یدی حاجتہ (الوابل الصیب)

سے بھی زیادہ دیں گے۔ اور اسی بنا پر دعا کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اس کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے کی جائے۔

پھر بے شمار حدیثوں کی روشنی میں یہ بتایا ہے کہ کوئی دعا بغیر ذکر کے مقبول نہیں ہوتی۔ اس لئے دعا کے مقابلے میں ذکر افضل ہے۔ کچھ حضرات دعا کو ذکر سے افضل سمجھتے ہیں اس لئے کہ اس میں بھی اپنی کمزوری بے چارگی اور محتاجی کا ذکر ہوتا ہے خدائے تعالیٰ کے نزدیک بندگی کیفیت انتہائی پسندیدہ ہوتی ہے چنانچہ سجدہ کی حالت جو اس کا سب سے بڑا مظہر ہوتا ہے اس کے لئے حدیث میں کہا گیا ہے کہ بندہ سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے بہر حال یہ ایک ذوقی بحث ہے ورنہ ذکر اور تسبیح و تہلیل یا دعا دونوں اللہ کے قرب کا ذریعہ ہیں۔

ذکر حلقہ، ذکر اور مجلس ذکر

خدا کی یاد جس صورت، جس طریقہ اور نہج سے بھی ہو سکے مومن کے قلب میں تازہ رہنی چاہیئے۔ اسلئے کہ ایک مومن کا سب سے بڑا اسلحہ اس کی سب سے بڑی قوت اور اس کے جسم و جان کی اصلی غذا یہی ہے۔ شریعت نے ذکر الٰہی کی کچھ انفرادی و اجتماعی صورتیں طریقے اور اوقات مقرر بھی کر دیئے ہیں مثلاً نماز روزہ حج، زکوٰۃ لیکن ان کے علاوہ ذکر و تسبیح تحمید و تہلیل کی بے شمار ایسی انفرادی و اجتماعی صورتیں ہیں جن کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا۔ ؎ بسیار شیوہا است بتاں راکہ نام نیست

وعظ و پند کی مجلس بھی ذکر ہے اور دینی تعلیم و تدریس کا مشغلہ بھی ذکر ہے دینی تعلیم کی ترویج و ترقی بھی ذکر ہے اور اقامتِ دین و اشاعت دین کی کوششیں بھی ذکر میں داخل ہیں۔ اس کی تعریف میں صوفیہ کے مروجہ حلقہائے ذکر بھی شامل ہیں اور مدرسہ و خانقاہ کی زندگی بھی ذکر کی ایک صورت ہے، بشرطیکہ ان میں اخلاص اور رضائے الٰہی اور للہیت کی پوری روح موجود ہو محض رسمی پابندی نہ ہو۔ ذیل میں چند احادیث نبوی نقل کی جاتی ہیں، جن سے ذکر کے وسیع مفہوم کی توضیح ہوتی ہے۔

حضرت معاویہؓ ایک بار کسی مسجد میں تشریف لے گئے، وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے خدا کو یاد دلانے والی اور نیک باتیں کر رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا تو دریافت کیا کہ آپ لوگ یہاں کیسے بیٹھے ہیں۔

لوگوں نے بتایا کہ نذکر اللہ (اللہ کی یاد کر رہے ہیں) انھوں نے تاکیداً پوچھا کہ یہ اجتماع محض اسی مقصد سے ہوا ہے۔ لوگ بولے۔ ہاں محض یہی مقصد ہے۔ اس کے بعد انھوں نے یہ حدیث نبوی بیان فرمائی۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج علی حلقة من اصحابه فقال ما اجلسکم ههنا قالوا جلسنا نذکر اللہ ونحمده علی ما هدانا للاسلام ومن به علینا آللہ ما اجلسکم الا ذالک قالوا واللہ ما اجلسنا الا ذالک قال اما انی لم استحلفکم تهمة لکم ولکنه اتانی جبرئیل فاخبرنی ان اللہ عزوجل یباهی بکم الملئکة

(مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صحابہ کی ایک مجلس سے گذرے۔ آپ نے شرکاء سے دریافت کیا کس مقصد سے تم جمع ہوئے ہو۔ بولے خدا کی یاد کے لئے اور اس کے سامنے اس بات کا شکریہ پیش کرنے کے لئے کہ اس نے ہمیں اسلام کی ہدایت دی اور اس کے ذریعہ ہم پر احسان کیا۔ آپ نے قسم دے کر پوچھا کہ کیا واقعی تم محض اس مقصد سے یہاں جمع ہوئے ہو۔ بولے خدا کی قسم اس کے علاوہ دوسرا کوئی مقصد نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے تم سے یہ قسم کسی بے اطمینانی کی وجہ سے نہیں لی، بلکہ تمہاری زبان سے اس کی تصدیق چاہتا تھا۔ ابھی جبرئیل میرے پاس آئے اور یہ خوشخبری دی کہ خدائے قدوس فرشتوں کے سامنے تمہاری حق پرستی کی تعریف فرما رہا ہے۔

اس واقعہ میں اس مذاکرہ کا ذکر کیا گیا ہے جو صحابۂ کرام اسلام کی ہدایت پا جانے کے سلسلہ میں کر رہے تھے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا کہ:

لا یقعد قوم یذکرون اللہ الا حفتهم الملئکة وغشیتهم الرحمة ونزلت علیهم

کوئی گروہ جب بھی خدا کی یاد کے لئے بیٹھتا ہے تو فرشتے اس کو گھیر لیتے ہیں اور رحمت خداوندی اس کو اپنی آغوش میں لے لیتی

السکینة وذکرهم الله فیمن عنده - (مسلم) — ہے اور طمانیت وسکینیت کا نزول ہوتا اور اللہ تعالیٰ اپنے حضور میں جو فرشتے ہوتے ہیں ان سے اس کا ذکر فرماتا ہے۔

ان دو حدیثوں کے علاوہ ایک اور حدیث ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ذکر کا مقصد اور مراد کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے کچھ فرشتے اس لئے مقرر فرما رکھے ہیں کہ وہ ہر وقت ذکر کی مجلسوں کی تلاش میں رہتے ہیں جہاں بھی ذکر کی کوئی محفل ہوتی ہے وہ بھی اس میں شریک ہو جاتے ہیں اور تمام شرکائے مجلس کو اپنے پروں سے ڈھک لیتے ہیں۔ جب وہ مجلس برخاست ہو جاتی ہے اور وہ بارگاہِ قدس میں جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے علم کے باوجود ان سے دریافت فرماتا ہے کہ کہاں سے آئے ہو وہ عرض کرتے ہیں کہ خدایا ہم تیری زمین میں تیرے ان بندوں کے پاس سے آرہے ہیں جو تیری تسبیح تہلیل اور تکبیر و تحمید کر رہے ہیں۔ خدائے قدوس دریافت کرتا ہے کہ وہ کیا مانگ رہے تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ تجھ سے تیری جنت کے طلبگار تھے، اللہ تعالیٰ پھر دریافت فرماتا ہے کہ کیا انھوں نے میری جنت دیکھی ہے وہ کہتے ہیں کہ دیکھی تو نہیں ہے، تو اللہ ربُّ العزت فرماتا ہے، اگر وہ دیکھ لیتے تو ان کی کیفیت کیا ہوتی ہے فرشتے کہتے ہیں کہ پھر تو وہ اور زیادہ حریص ہو جاتے۔ پھر فرشتے کہتے ہیں کہ اے پروردگار وہ تیری پناہ ڈھونڈھ رہے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے کہتے ہیں کہ تیری دوزخ سے، پروردگار عالم پوچھتا ہے کہ انھوں نے دوزخ کی ہولناکی دیکھی ہے وہ کہتے ہیں کہ نہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ اگر وہ دیکھ لیتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی۔ فرشتے عرض کرتے ہیں، پھر تو وہ اور زیادہ اس سے پناہ مانگتے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ تجھ سے استغفار بھی کر رہے تھے۔ رحمت خداوندی جوش میں آتی ہے، اور حکم ہوتا ہے کہ میں نے ان سب کو بخش دیا، اور جو مانگا وہ دیا اور ان کو دوزخ سے پناہ دی۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ان میں ایک ایسا آدمی بھی تھا جو بڑا خطاکار تھا۔ اتفاق سے اس طرف سے گذر رہا تھا اور ان کے ساتھ بیٹھ گیا، بارگاہِ قدس سے اعلان ہوتا ہے کہ

وَلَهُ غَفَرْتُ هُمُ الْقَوْمَ لَا يَشْقَىٰ بِهِمْ جَلِيسُهُمْ — میں نے اس کو بھی بخش دیا، یہ ایسے لوگوں کا ہم نشین تھا جن کا ہم نشین محروم نہیں

(بخاری و مسلم) ہوسکتا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ان احادیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اَعْلَمْ اَنَّ فَضِيْلَةَ الذِّكْرِ غَيْرُ	جان لو! کہ ذکر کی فضیلت تسبیح و تہلیل اور
مُنْحَصِرَةٍ فِي التَّسْبِيْحِ وَالتَّهْلِيْلِ	تکبیر و تحمید تک محدود نہیں۔ بلکہ جو بھی
وَالتَّحْمِيْدِ وَالتَّكْبِيْرِ وَنَحْوِهَا	کوئی نیک کام خدا کے لئے کرے گا وہ
بَلْ كُلُّ عَامِلٍ لِلّٰهِ تَعَالٰى بِطَاعَةٍ	ذاکر کہا جائے گا۔
فَهُوَ ذَاكِرُ اللّٰهِ تَعَالٰى ۔	(کتاب الاذکار)

اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ ذکر کی جتنی قسمیں ہیں ان میں کوئی ذکر ہمیشہ افضل نہیں ہوتا۔ بلکہ موقع محل کے لحاظ سے کوئی ذکر افضل اور کوئی مفضول ہو جاتا ہے مثلاً قرآن کی تلاوت افضل ذکر ہے۔ مگر آپ اگر رکوع یا سجدے میں تسبیحات کے بجائے قرآن کی تلاوت کریں تو یہ مکروہ ہے۔ اسی طرح نماز سے باہر قرآن کی تلاوت یا نماز میں قیام کی صورت میں قرآن کی تلاوت تسبیح و تہلیل سے زیادہ افضل ہے۔

لیکن ان غیر موقت اجتماعی اذکار کے علاوہ کچھ موقت انفرادی اذکار بھی ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ نے اپنا وظیفۂ زندگی بنا لیا تھا اور یہاں ان ہی کی نشاندہی مقصود ہے۔ ان اذکار کا تعلق زندگی کے ہر گوشے اور ہر موقع سے ہے اگر ان اذکار اور ادعیہ کو اپنی زندگی کا معمول بنا لینے کا اہتمام کیا جائے تو اس سے ایمان و عمل میں پختگی بھی پیدا ہوگی اور انشاء اللہ یہ قرب خداوندی اور آخرت میں فلاح کا سبب بھی بنیں گے اور مذکورہ بالا اجتماعی اذکار میں بھی ان سے غیر معمولی مدد ملے گی۔

ذکر شعور کے ساتھ کرنا چاہیئے

ذکر خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی شعور و تدبر کے ساتھ ہونا چاہیئے محض سبحہ گردانی نہ ہو۔ امام نووی ؒ فرماتے ہیں خالتدبر فی الذکر مطلوب ذکر میں تدبر و شعور مطلوب ہے۔

انفرادی اذکار کو کب چھوڑ دینا بہتر ہے

بسا اوقات بہت سے دینی اور اجتماعی کام ایسے بھی۔

پیش آجاتے ہیں۔ جن میں انفرادی اذکار کا ترک کردینا زیادہ بہتر ہے۔ اور کبھی اس کا چھوڑ دینا واجب ہوجاتا ہے۔ ایسے مواقع پر جو لوگ ذکر و تسبیح میں لگے رہتے ہیں وہ بُرا کرتے ہیں اور بسا اوقات یہ چیز معصیت میں داخل ہوجاتی ہے۔ بہت سے ذکر کرنے والے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ ضروری سے ضروری کام بلکہ فرض نماز کی پہلی تکبیر تک تسبیح کی تعداد پوری کرنے کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسا قطعی نہ کرنا چاہیئے۔ اگر کسی کے گھر میں آگ لگ جائے ایک اندھے کو ٹھوکر کھانے کا اندیشہ ہو کوئی زخمی تڑپ رہا ہو تو ایسی صورت میں ذکر و دعا یہی ہے کہ آگ بجھائی جائے اندھے کو راستہ بتایا جائے اور زخمی کی مرہم پٹی کی جائے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الاذکار میں تحریر فرماتے ہیں:۔

فی احوال تعرض للذکر	کچھ حالتیں اور صورتیں ایسی ہیں جو ذاکر
یستحب قطع الذکر	کو پیش آتی ہیں، جن کے پیش آنے کے
بسببها ثم یعود	بعد ذکر منقطع کردینا بہتر ہے، اور پھر
بعد زوالها منها اذا	وہ صورت اور حالت باقی نہ رہے، تو
سلم علیه رد السلام	ذکر کرنا چاہیئے، مثلاً ذکر کی حالت میں
ثم عاد الی الذکر و	کوئی سلام کرے تو اس کو ذکر چھوڑ کر پہلے جواب
کذا اذا اعطش عندہٗ	دینا چاہیئے۔ پھر ذکر کرنا چاہیئے، اسی طرح
عاطش شمّته	کوئی شخص چھینکنے کے بعد الحمدللہ کہے تو
وکذا اسمع المؤذن	اس کا جواب دینا چاہیئے، اگر موذن
اجابه وکذا اذا رای	اذان دے، تو پہلے اس کا جواب دینا چاہیئے
منکرا ازاله او معروفا	اسی طرح اگر کوئی برائی دیکھے تو پہلے اسے
ارشدہٗ الیه او مستر	دور کرنا چاہیئے، یا کوئی اچھی بات کی ہدایت
شدا اجابه ثم عاد	کرنی ہو تو ہدایت کرنی چاہیئے۔ یا اس سے
الی الذکر۔	کوئی بات دریافت کی جائے تو پہلے
	جواب دینا چاہیئے پھر ذکر کرنا چاہیئے۔

(کتاب الاذکار صفحہ)

(قسط نمبر ۱)

خواجہ میر دردؔ اور انکا عہد

۱۱۳۳ھ تا ۱۱۹۹ھ ۔ ۱۷۱۹ء تا ۱۷۸۴ء

مجیب اللہ ندوی

ارباب فضل و کمال کے دلی چھوڑ دینے کی وجہ سے وہاں کی علمی و ادبی مجلسیں جس طرح سونی ہوگئی تھیں اس کا ان کو شدید طور پر احساس تھا ؎

عنقا کی طرح جتنے تھے یاں نامور فلک

تو نے خدا ہی جانے کہ کیدھر اُڑا دیئے

عالم میں جتنے پاک گہر تھے سو ایک ایک

اولے سے روزگار نے یونہی گھلا دیئے

ان شاعرانہ استعاروں میں خواجہ صاحب نے اپنے زمانے کی خونیں تاریخ ہولناک واقعات اور تاریک ماحول کا تعارف کرایا ہے۔ لیکن اس کا انداز بالکل وہی ہے جو راجہ رام نرائن موزوں کے اس شعر کا ہے جو انھوں نے اپنے آقا سراج الدولہ کی شہادت کی خبر سُن کر کہا تھا۔

غزلاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی دوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گذری

یعنی وہ اظہار میں رمز و اشارہ سے کام لیتے ہیں یا پھر در حدیث دیگراں بات کہتے ہیں۔

شمع تو جل بجھی اور صبح نمودار ہوئی

پوچھوں اے دردؔ میں کس سے خبر پروانہ

یہی وجہ ہے کہ وہ نظم و نثر میں واقعات و حوادث کا براہ راست ذکر کرنے کے بجائے اُن کے اثرات و نتائج کا ذکر کرتے ہیں جس سے اُن کا مقصد ہمیں عبرت دلانا اور اس سے سبق لینے کے لئے تیار کرنا ہوتا ہے کیونکہ ہر آدمی ایک حکیم کی نظر ایک مفکر

اے سنگ جو کچھ تو نے کیا شیشہ کے حق میں

کرتا ہے کوئی بھی یہ سلوک اپنے جگر سے

اس ماحول میں ہوس اقتدار نے جس طرح بھائی کا بھائی سے، چچا کا بھتیجے سے، اور دوست کا دوست سے گلہ گھٹوایا تھا، اس کو سامنے لائیے اور پھر اس شعر پر غور کیجئے، اس میں خوں آشام حالت کی کتنی صحیح نقشہ کشی کی گئی ہے، اس میں سنگ کو نہیں پورے سنگ دل ماحول کو خطاب کیا گیا انھوں نے اس میں ہلکی سی ملامت ضرور کی ہے کہ وہ اس ملامت پر مجبور تھے، مگر اس میں ایک مشفقانہ خیر خواہی بھی صاف طور سے جھلک رہی ہے۔

اُن کے زمانہ میں انسانوں نے اپنے ہم جنسوں کو جس طرح پامال اور مجروح کیا تھا اس سے خواجہ صاحب شدید طور پر متاثر ہوئے یہاں تک کہ وہ حقوق العباد کے لئے حقوق اللہ میں کوتاہی کو برداشت کر لینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں ؎

یارب درست گو نہ رہوں تیرے عہد پر

بندے سے پر نہ ہوں کوئی بندہ شکستہ دل

خواجہ صاحب ایک واقف کار شاعر ہیں وہ سرمایہ دار کے مکر کو بھی جانتے ہیں اور غریب کے مصائب کو بھی، وہ زمانہ کی طبقاتی کشمکش سے بھی باخبر ہیں، ان میں جمہور کی ہمدردی اور عوام کی خیر خواہی بھی ہے امیروں کی یہ ذہنیت اُن پر اچھی طرح آشکارا تھی کہ سرمایہ دار نے دولت کے نشہ میں ہمیشہ شرفِ آدمیت کی تذلیل کی ہے خواجہ صاحب اپنی مذہبی روایات کو قائم رکھتے ہوئے اُن کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں ؎

قدر مردوں کی سمجھنے کے نہیں یہ مایہ دار

جوہری واقف نہ ہوتے جوہر شمشیر سے

اُن کو منعموں کے جور و ستم کا بھی احساس تھا اس لئے وہ اُن کے عالیشان محلات کی کمزور بنیادوں کا ذکر کر کے اور مآل ستم دکھلا کر اُن قصر نشینوں کو جھنجھوڑتے ہیں۔

منعم ایسے قصر لاکھوں مل گئے ہیں خاک میں

جز خرابی کے بتا کیا فائدہ تعمیر سے

کا دماغ اور ایک صوفی کا دل نہیں رکھتا اس لئے ممکن ہے عام آدمی مشاہدۂ عالم اور واقعات سے صحیح استنباط نہ کر سکے بلکہ فریب کھائے، یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

گلستانِ جہاں کا دیدہ کیجو چشم عبرت سے
کہ ہر اک سرو قد ہے اس چمن میں نخل ماتم کا

کی جس کی چوں حباب زمانے نے دلدہی
چھوڑا نہ پھر اسے نہ کیا تا شکستہ دل

آئندہ نہ کیجئے محبت   دنیا ہے نپٹ جائے عبرت

یاں عیش کے پردے میں چھپی دلشکنی ہے
ہر بزم طرب جوں مژہ برہم زدنی ہے

میں کیا کہوں مجھے نظر آیا نہیں ہے کیا
اس گلشن جہاں کا جو کچھ کہ ڈھنگ ہے

دوسروں کی طرح اُن کے لب پر محض نالہ وشیون نہیں ہوتا بلکہ اس میں ماتم گساری اور سینہ کوبی کے بجائے ضبط وتحمل کی کیفیت زیادہ ہوتی ہے وہ اگر نالہ بھی کرتے ہیں تو دلوں کو زخمی کرنے کے لئے نہیں بلکہ زخم دل کی جگر دوزی کے لئے۔

آج نالوں نے مرے زور ہی دلسوزی کی
زخم دل جتنے تھے یاں اُن کی جگر دوزی کی

زخم دل کی جگر دوزی کی معنویت اور جدت پر بار بار غور کیجئے وہ اپنے سنگ دل ماحول کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں۔

اس عہد کے عام شعراء کی طرح وہ حادثات و واقعات کا ذکر نہ تو عامیانہ انداز سے کرتے ہیں اور نہ گلۂ حیات کرنا انھوں نے اپنا شعار بنایا ہے بلکہ وہ ایک ہمدرد کی طرح زخم دل کے اندمال کی نہ صرف تدبیریں بتاتے بلکہ اس پر مرہم بھی رکھتے ہیں، وہ مایوس نہیں کرتے بلکہ صبر و تحمل کی تلقین کرتے اور ہمت و جرأت دلاتے ہیں وہ حادثۂ زمانہ کو نیش نہیں نوش کہتے ہیں۔

حادثۂ زمانہ کیا تیری جفا سو کیا بلا
ہم کو سپہر مت ڈرا نیش بھی یاں تو نوش ہے

وہ لوگوں کو آواز دیتے اور پکارتے ہیں کہ حالات کی ناسازگاری سے تھک کر بیٹھ جانا مردانگی نہیں اور نہ مصائب و مشکلات سے گھبرانا کوئی اچھی بات ہے، ان سب کو جھیل جانا جدوجہد کرنا مردانگی ہے۔

محنت و رنج و غم سے یاں درد نہ منہ چھپائیے
بار بھی اٹھائیے جب تئیں سر ہے دوش ہے

تھکے اور پامال قافلے کی طرف سے جب اُن کی اس پکار کا جواب نہیں ملتا تو انھیں حیرت ضرور ہوتی ہے مگر وہ پیکرِ حیرت بن کر کھڑے نہیں ہو جاتے بلکہ اس کو اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں ؎

اٹھتی نہیں ہے خانۂ زنجیر سے صدا دیکھو تو کیا سبھی یہ گرفتار سو گئے

خواجہ صاحب کا یہ ایک شعر بعض شعراء کے دیوان پر بھاری ہے۔
اس وقت ہر خاص و عام مایوسی اور قنوطیت کا شکار ہو رہا تھا، وہ کہتے ہیں ماضی پر افسوس اور حال و مستقبل کی طرف حسرت سے تکنے کی ضرورت نہیں ہے۔

جو کچھ ہونا تھا دل پر ہو گزرا
نہ کر اے درد بار بار افسوس

بس بارِ دل زیادہ نہ ہو حسرتِ چمن
کیدھر لئے پھروں گا میں گلگشت باغ کو

بعض تنگ نظر ناقدین خواجہ صاحب کے اس رکھ رکھاؤ ضبط وتحمل اور تہذیب و شائستگی کو اس بات پر محمول کرتے ہیں کہ وہ ایک گوشہ نشین اور صوفی شاعر تھے ان کی دنیا تنگ اور محدود تھی۔ انھوں نے نہ تو حالات کا قریب سے مشاہدہ کیا تھا اور نہ ان حادثات و واقعات کی کوئی چوٹ اُن کے دل پر پڑی تھی، اس لئے اُن کی شدت چبھن اور کسک وہ اتنی محسوس نہیں کر سکتے تھے جتنی ان کے دور کے ان شعراء نے محسوس کی جن کو حالات سے براہ راست سابقہ پڑا تھا اور جو اس بھٹی میں پتے اور جلے تھے، لیکن یہ بات وہی لوگ کہہ سکتے ہیں جنہوں نے اُن کے کلام کا یا تو غائر مطالعہ نہیں کیا ہے یا پھر وہ کسی خاص مقصد سے اُن کی بامقصد شاعری پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں، آگے اس کی تفصیل آئے گی کہ اُن کی شاعری میں زندگی کا عنصر کتنا ہے اور اس میں انسانی جذبات واحساسات کی کتنی اچھی ترجمانی کی گئی ہے، یہاں اتنا ذہن نشین کر لیجئے کہ خواجہ صاحب اِن حالات کے محض تماشائی نہیں تھے بلکہ اس بحرخوں کے شناآور تھے، انھوں نے دوسروں کو زخم کھاتے ہی نہیں دیکھا تھا بلکہ خود بھی زخم کھائے تھے۔ اُن کا لب اظہار اگر بازاری انداز میں شکوہ آلود نہیں ہوتا تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اُن کے دل پر اس کی چوٹ نہیں لگی یا زمانہ کی پستی و بلندی سے انھیں سابقہ نہیں تھا بلکہ اس کی وجہ ان کی عزیمت پسند طبیعت کی بلندی اور وہ یقین و توکل تھا جو خاصانِ خدا کا خاص حصہ ہوتا ہے اُن کی نظر صرف واقعات پر نہیں تھی بلکہ وہ سبب کو بھی پیشِ نظر رکھتے تھے اس لئے وہ حالات کی عکاسی کرتے تھے تو در حدیثِ دیگراں اوپر بہت سے اشعار نقل کئے جا چکے ہیں چند اشعار اور ملاحظہ ہوں ؎

زمانے نے اے درد چوں گردباد
دکھائی بلندی و پستی مجھے

مدت تئیں باغ بوستاں کو دیکھا
یعنی کہ بہار و خزاں کو دیکھا

ہر لبِ زخم نمک سود ہے گو مثلِ سحر
شکوہ آلود نہیں پر لبِ اظہار ہنوز

"ہر لب زخم نمک سود" کا جملہ محض شاعرانہ تخیل اور مبالغہ آرائی نہیں بلکہ اس وقت کے مسلسل بگڑتے ہوئے سیاسی حالات کی اس میں بہترین عکاسی ہے بعض واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ صاحب ان حالات کی زد ان پر اور اُن کے خاندان پر بھی ضرور پڑی ہوگی ان کے نانا اور دادا دونوں حضرات کا تعلق دربار شاہی سے تھا، خاص طور پر اُن کے نانا نواب امیر احمد خاں نادر شاہ کے حملہ کے موقع پر بہادر شاہ کے فوج کے ساتھ میدان میں نکلے اور شہید ہوئے۔[۱] تذکروں اور تاریخوں میں زیادہ تفصیل نہیں ملتی لیکن قرینہ سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اس کا اثر ان کی جاگیروں اور ذرائع آمدنی پر بھی پڑا ہوگا۔

خواجہ صاحب اوائل عمری میں سپاہی پیشہ تھے اور اپنی خاندانی جاگیر کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ مصحفی تذکرہ میں لکھتے ہیں :-

" در عہد فردوس آرام گاہ سپاہی پیشہ بود" (ص۹۲)

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی لکھتے ہیں :

ابتدائے شباب میں دنیا دار رہے جاگیر و معاش کے اہتمام میں پوری تگ و دو کی، کی، امرائے شاہی اور مقربان بارگاہ کے ناز اٹھائے" (مقدمہ دیوان درد)

اوپر ذکر آچکا ہے کہ خواجہ صاحب کے مکان پر ہر ماہ کی پندرہ تاریخ کو ایک مجلس شعر و سخن برپا ہوتی تھی جس میں اس عہد کے تمام ممتاز شعراء اور اُدباء شریک ہوتے تھے مگر حوادثِ روزگار سے مجبور ہو کر انھیں یہ سلسلہ بند

---

[۱] یہ سودا کے ممدوح ہیں ان کی سالگرہ کے موقع پر سودا نے متعدد قطعات لکھ کر انکی خدمت میں پیش کئے تھے، دو قطعے کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

فلک حباب دریں بحر تا ز ابر کرم ۔۔۔ شود بہ بطن صدف قطرہ شکل دانہ گرہ
برائے سال شماری عمر تو ہر سال ۔۔۔ دہد برشتہ طول مل ہزار گرہ

اور دوسرے قطعہ کا ایک شعر ملاحظہ ہو :

ندا یہ دم بدم آتی ہے عرش تا فرش ۔۔۔ کشادکار خلائق ہے سال گرہ

کر دینا پڑا، اور پھر انہی کے حکم سے یہ مجلس میر تقی میر کے گھر پر منعقد ہونے لگی، میر نے نکات الشعراء میں اپنے اس فضل کا ذکر بڑے احسان شناسانہ انداز میں کیا ہے،

مجلس ریختہ کہ بخانہ بندہ بتاریخ
پانزدہم ہر ماہ مقرر است واللہ بذات
ہمیں بزرگ است زیرا کہ پیش ازیں ایں
مجلس بخانہ اش مقرر بود از گردش روزگار
بیمدار برہم خورد از بسکہ باین احقر
اخلاص دلی داشت گفت کہ ایں مجمع
را شما بخانہ خود معین بکنید بہتر است
نظر بر اخلاص آں مشفق عمل کردہ آمد
خدااش ابدالاباد سلامت دارد
(ص ۵۴)

ہر ماہ کی پندرہ تاریخ کو جو بندہ کے مکان پر اردو کی ادبی مجلس ہوتی ہے، خدا گواہ ہے کہ یہ انھیں بزرگ (خواجہ میر درد) کی ذات کی بنا پر ہے پہلے یہ مجلس خود اُن کے دولت کدہ پر ہوتی تھی مگر گردشِ روزگار نے اسے برہم کر دیا چونکہ احقر خواجہ صاحب سے دلی اخلاص رکھتا تھا انھوں نے فرمایا کہ اگر یہ مجلس تمہارے گھر پر ہوا کرے تو زیادہ بہتر ہے، اس مشفق کے خلوص کی قدر کرتے ہوئے میں نے اس پر عمل کیا خدا تعالیٰ انھیں ابدالاباد تک سلامت رکھے۔

اس مجلس میں خواجہ صاحب نے میر کی شعری صلاحیتوں کا اندازہ کر کے اُن کے میر مجلس ہونے کی پیشین گوئی کی تھی، میر نے نکات الشعراء میں بڑے فخریہ انداز میں اس کا ذکر کیا ہے۔

ایا ہے کہ فقیر بخدمت آن بزرگوار
شرف اندوز میشد از زبانِ مبارکش میفرمود
کہ میر محمد تقی تو میر مجلس خواہی شد الحمدللہ
کہ حرف آن سر سلسلہ خدا پرستان
موثر افتاد (ص ۵۴)

جس زمانہ میں خواجہ صاحب کی خدمت میں برابر حاضری دیا کرتا تھا ان کی زبان مبارک سے ایک دن یہ جملہ نکلا کہ میر تقی میر تم میر مجلس ہو کر رہو گے خدا کا شکر ہے کہ خدا پرستوں کے سردار کا یہ جملہ میرے حق میں موثر ہوا۔

اس مجلس کی برہمی کی بڑی وجہ جیسا کہ میر نے لکھا ہے گردشِ روزگار تھی گو گردشِ روزگار کی وضاحت نہ تو خواجہ صاحب نے کی ہے اور نہ میر نے لیکن "گردش روزگار بے مدار" کا

نفظ اس کی اہمیت اور شدت کی نشاندہی کرتا ہے، آگے تفصیل آئے گی کہ انھوں نے امرأ سلاطین پر تنقید کی بھی ہے علماء، وصلحاء کی روش پر حرف زنی بھی کی ہے اور مختلف اخلاقی تمدنی اور معاشرتی خرابیوں کی نشاندہی کرکے اُن کے اصلاح کی صورتیں بھی بتائی ہیں، غرضیکہ حادثات زمانہ اور گردش روزگار پر آہ وبکا شور وغوغا نہ کرنے کی وجہ ان کی بے خبری نہیں بلکہ باخبری تھی، انھوں نے ان حالات پر ایک جذباتی شاعر اور عام آدمی کی طرح نہیں بلکہ ایک عارف حکیم اور مصلح کی حیثیت سے نگاہ ڈالی تھی اس لئے ان کے اظہار میں وہی عارفانہ توکل، حکیمانہ ضبط اور درویشانہ استقلال اور مصلحانہ شان نمایاں نظر آتی ہے۔ اور پھر حالات ہی نہیں بلکہ پوری کائنات پر انھوں نے اسی حیثیت سے نگاہ ڈالی تھی، خود لکھتے ہیں :

الحمدللہ کہ ازیں جہاں را اخوب دیدیم از تماشائے آں سیر کردیدیم ماہم گاہے در دنیا بودہ ایم و بچشم عبرت ایں عالم دیدہ ایم پس ہر گفتۂ ما اعتماد نمائید براہ در آیند کہ ہر گل و خار کہ دریں گلستاں می بیند از نظر انگندۂ ماست کہ می چینید۔

خدا کا شکر ہے کہ اس دُنیا کو میں نے خوب اچھی طرح دیکھا ہے۔ میں نے بھی کبھی اس دنیا کو خوب برتا ہے اور اس عالم کو چشم عبرت سے دیکھا ہے پس مری ہر بات کو تمہیں قابل اعتماد سمجھنا چاہئے اور اس گلستان ہستی کے گل وخار کو جو تم دیکھتے اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہو اُن سب پر میں نے نگاہ ڈالی ہے

گر سوئے زمیں وگر بگردوں بینی\
از دیدہ من دلے ترا فزوں بینی\
ایں ھا ہمہ از نظر گذشت است مرا\
من دیدہ ام آنرا کہ تو اکنوں بینی

اگر ایک بار زمیں پر اور دوسری بار آسمان پر نگاہ ڈالتے ہو اور تم کو میری نگاہ سے کچھ زیادہ نظر آتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ سب میری نظر سے پوشیدہ نہیں ہے جو کچھ تم اس وقت دیکھتے ہو میں اس سے پہلے دیکھ چکا ہوں۔

گزرا ہے نظر سے ایک عالم — یہ چشم نہیں ہے نقش پا ہے

غالباً اُن کے زمانہ میں بھی کچھ کوتاہ نظروں نے اُن کے کلام پر اس حیثیت سے اعتراض کیا تھا جس کے جواب میں وہ فرماتے ہیں کہ میرے دل پر بڑے بڑے حادثات

اور واقعات ہی نہیں بلکہ کتابِ زندگی کے ایک ایک ورق کے نقصان کا اتنا اثر پڑتا ہے کہ آنکھیں نم ہو جاتی ہیں اُن کی عبارت ملاحظہ ہو۔

باغبانِ گلستانِ سخن کہ سخنورانِ سخن
فہمان باشند از طبع سخن سرائے من کہ
عندلیبِ گلشن معانی ست اگر خوب
واقف نہ خواہند بود از خباثتِ نفسیہ
خود قصد بہ ایرادی در کلامِ من خواہند
نمود و حال آنکہ من منصف مزاج
بدعوی زور شاعری و زبان دانی
ایں ہمہ نالہائے سخن نمی سرایم بلکہ
اصل جوشِ عشقی مرا باعث ایں ہمزاد
نالہہا می شود ظاہر سخن نثر باشد خواہ
نظم۔ درد
و مشتاقِ سخن و سخنورانم و بر خیر خواہی
ایں صاحب کمالات جاں می خشانم و اگر
برگ ورقی از گلِ تصنیف کاملے در گلزار
جہاں خزاں اندراس می رخشاند
ایں شوریدہ حال بیچیدان اشکِ عبرت
از چشم می چکاند غرض کہ خدا از حال
ظاہر و باطن ہر کس خوب می داند۔
(دردِ دل ص ۱۲۹)

گلستانِ سخن کے واقف کار جو سخن سنج اور
سخن فہمی جو گلشن معانی کی عندلیب خوش خواں
ہے اگر پورے طور پر واقف نہیں ہونا چاہتے
ہیں تو اپنی طبیعت کی خباثت کی وجہ سے میرے
کلام پر اعتراضات کرتے ہیں، اعلیٰ درجہ
کی شاعری اور زبان دانی کے باوجود
اپنی شاعری اور زبان دانی کا دعویٰ نہیں
کیا کرتا اور نہ اس وجہ سے کلام کرتا ہوں
بلکہ میرے ضمیر میں خدا نے جو عشق رکھ
دیا ہے وہ نالہائے درد بن کر ظاہر ہوتے
ہیں خواہ یہ نظم ہو یا نثر۔
اور سخنوروں اور سخن فہموں کی خیر خواہی
اور اُن کے کمالات کے اعتراف میں کوئی
کسر اُٹھا نہیں رکھی، اگر گلِ تصنیف کا ایک
ورق بھی اس گلزارِ جہاں میں بکھر جاتا ہے
تو احقر کی پرشور طبیعت ایسی ہے کہ اس کی
چشمِ عبرت سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔
خدا تعالیٰ ہر شخص کے ظاہر و باطن سے
خوب واقف ہے۔

آج سے دو صدی پہلے کے کسی اردو شاعر کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ اپنی شاعری سے ابلاغ کا کام لینا چاہتا تھا ایک مبالغہ آمیز بات ہوگی لیکن خواجہ کے بارے میں یہ بات

بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری اور نثر نگاری سے ابلاغ کا کام لیا ہے اور اسی جذبۂ ابلاغ کی وجہ سے وہ اپنی شاعری اور نثر نگاری میں واقعات اور حادثات کا براہ راست ذکر نہیں کرتے بلکہ درحدیث دیگراں کرتے ہیں اور پھر وہ اُن کے اسباب کا کھوج بھی لگاتے ہیں جو انسان کی تباہی بربادی اور ذلت کا سبب بنتے ہیں۔ اور اتنا ہی نہیں بلکہ وہ انسان کی توجہ اُن بلند اخلاقی قدروں کی طرف پھیرنے کی کوشش کرتے ہیں جو انسان کو اس کے مقام اور مرتبہ سے روشناش کراتی ہیں۔ اُن کے نزدیک انسان کی موجودہ پستی کا اصلی سبب یہ ہے کہ آپس کی محبت، انسانی ہمدردی یا دوسرے لفظ میں درد دل جو انسانیت کا جوہر ہے اس سے انسان کا دل خالی ہوگیا ہے، اگر اُس کے اندر یہ اخلاقی خوبیاں پھر واپس آجائیں تو انسان اپنی موجودہ پستی سے نکل سکتا ہے جو دردِ دل انسان کا مقصد تخلیق ہے اس کے بارے میں کہتے ہیں۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

اُن کے نزدیک اگر خدا کے حق میں کوئی کوتاہی ہوجائے تو اتنا بڑا جرم نہیں ہے مگر کسی انسان کی دلشکنی وہ کسی حال میں پسند نہیں کرتے، وہ خدا سے دُعا کرتے ہیں کہ

یارب درست گو نہ رہوں تیرے عہد پر
بندے سے پر نہ ہو کوئی بندہ شکستہ دِل

اگر لوگ اُن کی اس درد بھری آواز پر لبیک نہیں کہتے تو اپنے مخاطبین سے افسوس بھرے لہجے میں کہتے ہیں۔

افسوس کہ تو نالہائے مرا بگوشِ دِل نہ شنیدی و بہ مغز سخن نہ رسیدی

(نالۂ درد صفحہ ۲۴۴)

ہر زماں نالم ولے پوشیدہ مانند رازِ من ✤ ہمچو دل جز من کس ایں جانہ شنود آوازِ من
پائی نہ گل وفا کی بُو بھی ✤ اس باغ میں جابجا پھرا ہوں
اُٹھتی نہیں ہے خانۂ زنجیر سے صدا ✤ دیکھو تو کیا بھی یہ گرفتار سوگئے

باب الاستفسار والجواب

۴/۳/۱۴۱۱ھ

آخون منزل حسن پور مکرم ومحترم ومعظم حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب
ضلع مرادآباد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

خدا کرے آپ کی صحت ٹھیک ہو؟

دو امور میں آپ کی تحقیق بندہ عاصی کو مطلوب ہے اولاً یہ کہ کیا احادیث شریف یا تاریخ سے انبیاء بنی اسرائیل از حضرت اسحاق تا حضرت عیسیٰ مسیح علیٰ نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سفر مکہ معظمہ برائے حج وزیارت کعبۃ اللہ ثابت ہوتا ہے یا نہیں؛ بندہ بے علم یہ سمجھ رہا ہے کہ جب حج کی فرضیت حضرت ابراہیم علیہم السلام کے زمانہ سے فرض ہے تب آپ کے بعد آئے انبیا کرام نے ضرور مکہ کا سفر کیا ہوگا۔ اگر آپ کی نظر سے اس سلسلہ میں قصص القرآن یا کسی اور کتاب میں کچھ گذرا ہو تو ازراہ نوازش ضرور تحریر فرمائیں نیز یہ بھی کہ کیا اس سارے دور میں خانۂ کعبہ اور مکہ ومعظمہ کی عظمت واہمیت سے قوم بنی اسرائیل ناواقف تھے یا غافل تھے، دوم یہ کہ صاحب خدمت کے منصب کی کیا حقیقت وماہیت اور مالہ وماعلیہ ہے؛ لوگ اچھے اچھے دیندار فاضل قسم کے "صاحب خدمت" کی اصطلاح کو اللہ کی مشیت اور نظام تکوین کے تحت ہونے والے واقعات اور حوادث پر گفتگو کرتے وقت نہایت پر وثوق انداز میں استعمال کرتے ہیں اور ان سے اگر کسی سند یا تحقیق کا مطالبہ کیا جائے تو شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ کے حوالے سے روایات المعروف بہ ارواح ثلاثہ نام کی کتاب کا نام پیش کر دیتے ہیں۔ تو آپ مطلع فرمائیں کہ کیا ازروئے شرع اور احکام دینیہ صاحب خدمت نام کا کوئی عہدہ یا مقام ہے؟

مکرمی ومحترمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بہت دنوں کے بعد آپ کی خیریت معلوم ہوئی جس سے خوشی ہوئی۔ بحمد اللہ میں بھی اچھا ہوں

آپ کے سوالات کے جوابات ذیل میں درج ہیں خدا کرے اس سے آپ کی تشفی ہو جائے۔

(۱) تفسیر روح المعانی اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں کچھ عبارتیں ملتی ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے بعد جتنے انبیاء مبعوث ہوئے ان سب نے حج کیا تھا اب مسئلہ یہ ہے کہ یہ حج ان پر واجب تھا یا مستحب اس پر بھی حافظ ابن حجر وغیرہ نے روشنی ڈالی ہے پہلے تفسیر روح المعانی کی عبارت ملاحظہ ہو۔

وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

واستأنس بعضهم لكونه	اس سے بعض حضرات نے یہ اخذ کیا
عبادة عظيمة بانه من الشرائع	ہے یہ حج ایک عظیم عبادت ہے اسلئے
القديمة بناءاً على ما روى ان	کہ قدیم شریعتوں میں بھی اس کی اہمیت
اٰدم عليه السلام حج	رہی ہے کیونکہ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت
اربعين سنة من الهند	آدم علیہ السلام نے چالیس سال ہندستان
ماشيا وان جبريل قال	سے پیدل چل کر بیت اللہ کا حج کیا اور
له ان الملائكه كانو يطوفون	حضرت جبریل نے ان سے کہا کہ ملائکہ آپ
قبلك بهٰذ البيت سبعة	سے سات ہزار برس پہلے سے اس گھر کا
اٰلاف سنة وادعىٰ ابن اسحٰق	طواف کر رہے ہیں ابن اسحاق کا خیال
انه لم يبعث الله تعالىٰ نبيًا	ہے کہ حضرت ابراہیم کے بعد جتنے انبیاء
بعد ابراهيم الاحج والذى	ہوئے ان سب نے بیت اللہ جا کر حج
صرح به غيره انه ما من	کیا ان کے علاوہ لوگوں نے بھی یہ تصریح کی ہے
نبى إلاحج خلافاً لمن استثنىٰ	کوئی نبی حضرت ہود اور حضرت صالح کے
هوداً وصالحًا عليهما الصلوٰة	علاوہ ایسا نہیں ہے جس نے حج نہ کیا ہو،
والسلام (روح المعانی ج ۴ ص ۱۷)	

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ آیت لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا پر بحث کرتے ہوئے کہ اس میں انس و جن سب شامل ہیں پھر لکھتے ہیں۔

مرقات کی عبارت ملاحظہ ہو :-

ثم اختلف في ان الحج كان واجبا
على الامم قبلنا ام وجوبه مختص
بنا لكمالنا والاظهر الثاني واختار
ابن حجر الاول واستدل بقوله
ما من نبي الا حج البيت فهو
من الشرائع القديمة وجاء
ان آدم عليه الصلوٰة والسلام
حج اربعين سنة من الهند
ماشيا وان جبرئيل قال له
ان الملئكة كانوا يطوفون قبلك
بالكعبة سبعة آلاف سنة
وهذا كما ترى لا دلالة فيه
على اثباته ولا على نفيه وانما
يدل على انه مشروع فيما
بين الانبياء عليهم الصلوٰة
والسلام ولا يلزم من كونه
مشروعاً ان يكون واجبا مع
ان الكلام انما هو في الامم
قبلنا ولا يبعد ان يكون واجبا
على الانبياء دون اممهم فيكون
هذا من خصوصيات الانبياء
واتباع سيد الانبياء كما حقق

اس بارے میں اختلاف ہے کہ حج پہلی امتوں
پر واجب تھا یا اس کا وجوب امت محمدیہ
کی تکمیل شان کے ساتھ خاص ہے، زیادہ ظاہر
بات دوسری ہے مگر حافظ ابن حجرؒ نے پہلی رائے
کو ترجیح دی اور انھوں نے اس روایت سے استدلال
کیا ہے جس میں ہے کہ "ہر نبی نے بیت اللہ کا
حج کیا ہے" اور یہ فریضہ قدیم شریعتوں کا جز رہا ہے
حضرت آدم علیہ السلام چالیس سال حج کے
لئے پیدل ہندستان سے گئے اور حضرت جبرئیل نے
ان سے کہا کہ آپ کی ولادت سے ۷ ہزار پہلے
سے ملائکہ اس کا طواف کر رہے ہیں' اس کو نقل
کرنے کے بعد ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ، لیکن اس
میں وجوب کی نہ تو کوئی مثبت دلیل ہے
اور نہ اس کی نفی کی دلیل ہے بس اس سے
اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ دوسرے انبیاء
کے درمیان یہ عبادت رہی ہے لیکن یہ کہ یہ عبادت
ان پر واجب تھی اس سے یہ بات نہیں نکلتی
اور کلام اسی بارے میں ہے یہ بعید نہیں ہے
کہ بذات خود انبیاء پر حج واجب رہا ہو مگر ان
کی امتوں پر نہ رہا ہو تو ان کی خصوصیات
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں
شمار ہوگا' یہ صحیح طریقے سے ثابت ہے کہ

في باب الوضوء وقد صح انه عليه الصلوٰة والسلام لما بلغ عسفان في حجة الوداع قال يا أبابكر اي واد هذا قال وادی عسفان قال لقد مر به هود وصالح على بكرين احمرين خطامهما الليف وازرهم العباء وارديتهم النمار يلبون يحجون البيت العتيق . (رواه احمد ج ۳ ص ۱۹۹)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں عسفان کے مقام پر پہنچے تو فرمایا کہ اے ابوبکر یہ کون سی وادی ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ وادی عسفان ہے آپ نے فرمایا کہ اس وادی سے حضرت ھود اور صالح علیہ السلام دو ... تنومند سرخ اونٹوں پر سوار ہو کر گذرے تھے ان کی لگام کھجور کی چھال کی تھی اور ان کا لباس عبا اور اونی چادر تھی تلبیہ کرتے ہوئے انہوں نے بیت عتیق کا حج کیا۔

دوسری کتابوں میں بھی اس کا ذکر ہے جس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ فریضہ دوسرے انبیاء نے بھی ادا کیا تھا اور بیت اللہ شریف کی عظمت قدیم زمانہ سے یکساں طور پر باقی ہے چنانچہ جاہلیت میں بھی اس کی عظمت باقی رہی، ملا علی قاریؒ نے جو روایت نقل کی ہے اس سے حضرت ھود اور حضرت صالح جو حضرت ابراہیم سے پہلے انبیاء کرام گذرے ہیں ان کا حج کرنا ثابت ہوتا ہے بنوا سرائیل اس کی اہمیت سے واقف تھے مگر ضد کی وجہ سے انکار کرتے تھے قرآن نے فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ قَالَ اللّٰهُ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے ۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ کا تقاضہ بھی یہی ہے ۔

آپ کو دوسرا سوال کسی بڑے شیخ سے کرنا چاہیئے تھا جس کا مقام تصوف میں اونچا ہو مگر آپ نے پوچھ لیا ہے تو چند جملے عرض کئے دیتا ہوں سب سے پہلی بات تو یہ ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ابتداً تصوف ایک عملی تربیت کا نام تھا مگر بعد میں فلسفہ کی آمیزش سے یہ بھی ایک فن بن گیا اور اس کی بھی کچھ اصطلاحیں مقرر ہو گئیں جس طرح فنِ حدیث وفقہ ابتدا میں جبتک یہ فن نہیں بنے تھے تو ان کی نئی نئی اصطلاحیں بھی نہیں بنی تھیں مگر جب یہ بن گیا تو ان کی بہت سی اصطلاحیں ہو گئیں حدیث و فقہ کی تو بے شمار اصطلاحیں ہیں ۔ محدثین اور فقہاء کے

وجاہت کے لئے بہت سی اصطلاحیں بن گئی ہیں مثلاً محدث، حافظ، حاکم، اصحاب الترجیح، اصحاب التخریج، اصحاب افتا وغیرہ وغیرہ تو اسی طرح تصوف کی کچھ اصطلاحیں جن پر فلسفیانہ رنگ چڑھ جانے کی وجہ سے اور غیر محقق قسم کے متصوفین کی تصانیف کی وجہ سے اصل تصوف اور اس کی اصطلاحیں قابل اعتراض بن گئیں ہیں ورنہ اصل تصوف میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے مثلاً تصوف کی اصطلاح ہے فنا و بقا ہے اس کے بارے میں شیخ وقت مولانا محمد احمد صاحب مدظلہ العالی فرمایا کرتے ہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ لا یومن احدکم حتی یکون ہواہ تبعاً لما جئت بہ یعنی اپنی خواہش کو شریعت کے تابع کر دیا جائے اسی کو صوفیا فنا کہتے ہیں اور اس پر جس کو دوام حاصل ہو جائے اسے بقا کہتے ہیں۔ بتایئے اس میں کون سی اعتراض کی بات ہے؟ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ منازل السائرین کی شرح مدارک السالکین میں صوفیا کی اصطلاحات کی بہت اچھی توجیہات کی ہیں مگر حافظ ابن قیمؒ کو بہت سے توحید کے دعویدار لوگ آدھا تیہا مانتے ہیں۔ اور اس کا چھپنا بھی ان لوگوں نے بند کر دیا ہے۔

ذوالمجد الکرم .... دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے ماہنامہ "الرشاد" کا مطالعہ میں برابر کرتا رہتا ہوں مجھے یہ اندازہ ہوا کہ ماشاء اللہ آپ مسائل میں بہت متوازن ارائے قائم کرتے ہیں اس وقت میں کئی ذہنی الجھنوں میں مبتلا ہوں اسلئے میں آپ کو زحمت دے رہا ہوں کہ آپ میری الجھنیں دور کرنے میں قابل قبول مدد فرمائیں۔

ایک الجھن علماء کے موجودہ رویہ سے ہے جنہوں نے تمام عربی مدارس میں عقائد کی کتاب شرح عقائد نسفی کے بجائے نجدی رسالہ رد الاشراک سے یا مولانا شاہ اسماعیل دہلوی کی انگریزوں کی تحریف کردہ کتاب " تقویۃ الایمان" کے اصولوں کو داخل نصاب کرلیا ہے ان اصولوں کی بنا پر سابق علمائے ربانیین مثلاً مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی، مولانا شاہ عبدالغنی محدث

دہلوی، مولانا شاہ اسحاق محدث دہلوی، مولانا عبدالغنی محدث دہلوی، مولانا احمد سعید محدث دہلوی، مولانا شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادی، استاد الہند مولانا نظام الدین فرنگی محلی، بحرالعلوم ملا عبدالعلی فرنگی محلی، مولانا عین القضاۃ بانیٔ مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ، مولانا محمد علی مونگیری بانیٔ مدرسہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، حاجی محمد امداد اللہ مہاجر مکی اور مولانا حبیب الرحمان خاں صاحب شیروانی وغیرہم بھی شرک اور بدعتی قرار پائیں گے یہ تو میں نہیں سمجھ سکتا اور نہ کوئی دوسری عقل سلیم سمجھ سکتی ہے کہ ان اصولوں کی بنا پر کچھ لوگ تو مشرک اور بدعتی قرار پائیں اور کچھ لوگ نہ قرار پائیں اور کچھ لوگ نہ قرار پائیں مجھے یہ الجھن ہے کہ کیا دین کو مذکورہ علمائے ربانیین نے نہیں سمجھا صرف آج کل کے علماء کے سمجھ میں آرہا ہے اس مسئلہ میں میری رہنمائی فرما کر مجھے مشکور فرمائیں۔

دوسری الجھن ابھی حال میں یہ پیدا ہوئی ہے کہ کویت پر عراق کے حملے کے سلسلے میں ۲۸ ملکوں کے علماء نے قرآن مجید کے حسب ذیل دو واضح حکموں کو کیوں نہیں اختیار کیا۔

(۱) ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار ومالکم من دون اللہ من اولیاء ثم لا تنصرون ۝

(۲) وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینہما فان بغت احداھما علی الأخری فقاتلوا التی تبغی حتیٰ تفیئ الی امر اللہ، الآیہ۔

امریکہ کا ظالم ہونا بالکل واضح ہے اس کی طرف قطعی توجہ نہ ہونا چاہیئے۔ رابطہ کے وفد کو فریقین سے مل کر ان کے خیالات معلوم کر کے صحیح فیصلہ کرنا چاہیئے۔ فقط

آپ کا خادم ——— افتخار احمد جامی

چاند مسجد۔ مدح گنج، سیتاپور روڈ

۲۶ ستمبر ۱۹۹۰ء

مکرمی ومحترمی زید لطفکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گرامی نامہ ملا، میرے علم میں یہ نہیں ہے کہ یہ دونوں کتابیں کن مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں؟

ردالاشراک رسالہ تو میں نے دیکھا نہیں البتہ تقویۃ الایمان کے بارے میں آپ کا یہ کہنا کہ یہ انگریزوں کی تحریف کردہ کتاب ہے صحیح نہیں ہے یہ بڑے بڑے ذی علم علماء کی نظروں سے گزری ہے اگر اس میں کوئی تحریف ہوتی تو اسے ضرور واضح کر دیتے اگر آپ کے علم میں کوئی ایسی تحقیق ہو تو مجھے بھی مطلع کریں، یہ بھی علم نہیں ہے کہ یہ کسی مدرسہ کے نصاب میں داخل ہے ہم سب کے یہاں تو عقائد نسفی ہی پڑھائی جاتی ہے یا پھر شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا العقیدہ الحسنہ یا عقیدہ الطحاویہ۔ ردالاشراک کو تو میں نہیں بتا سکتا کہ اس میں کیا لکھا ہے البتہ تقویۃ الایمان میں تو مرے علم میں کوئی ایسی عبارت نہیں ہے جس سے ان حضرات کا مشرک ہونا ثابت ہوتا ہو البتہ اگر کوئی عمل جو قرون اولیٰ میں نہ ہوا ہو اسے عبادت اور ثواب کی حیثیت سے کرنا البتہ بدعت ہے لیکن راقم الحروف کے نزدیک اگر اسے بھی ذوقی طور پر کیا جائے تو بدعت سیئہ نہیں ہے مثلاً بعض اکابر میلاد میں قیام ذوقی طور پر کرتے ہیں اسے بدعت سیئہ کہنا میرے نزدیک صحیح نہیں ہے اس میں بڑی افراط و تفریط نظر آتی ہے' بدعت میں مبتلا لوگ اگر افراط میں مبتلا ہیں تو اس کا رد کرنے والے بھی تفریط میں مبتلا ہیں یہ حضرات خود نہ جانے کتنی نئی نئی بدعتوں اندا کا پرستی میں خود مبتلا ہیں، مگر چند بدعتوں اور خلاف اولیٰ چیزوں کو لیکر محاذ آرائی کئے ہوئے ہیں۔ یعنی جو عیب بدعتوں میں مستقل طور پر مبتلا لوگوں میں پایا جاتا ہے وہی ان لوگوں میں بھی پیدا ہو گیا ہے۔ جو اپنے کو اس سے مبرا سمجھتے ہیں۔

آپ کی دوسری الجھن کے بارے میں بھی لکھ چکا ہوں آپ نے جو باتیں نقل کی ہیں یقیناً وہ قابل غور ہیں مگر کون سنتا ہے فغان درویش۔

آخر میں ایک اہم عالم کا خط نقل کرنے کے بعد میں نے اپنا ایک نوٹ اس پر لکھ دیا ہے ممکن ہے کہ اس سے آپ کی الجھن میں کچھ کمی آجائے' الرشاد کی ڈاک میں اسے پڑھ لیں۔

خادم

مجیب اللہ ندوی

جہیز کی شرعی حیثیت اور اس میں دیئے ہوئے سامان کی ملکیت کے بارے میں اکثر سوالات آتے رہتے ہیں - ذیل کا استفتا بھی اسی سلسلے میں ہے -
اس سلسلہ میں راقم الحروف اختلاف کی صورت میں یہی رائے دیا کرتا ہے اور بلا وجہ طلاق دینے کی صورت میں تعزیرًا کچھ جرمانہ عائد کرتا ہے -

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل سوال کے متعلق ،
زید نے اپنی بیوی کو بوقت نکاح اور بعد نکاح جو زیورات اور ملبوسات و دیگر اشیاء کے استعمال کے لئے دی تھیں طلاق مغلظہ کے بعد کن چیزوں کو واپس لے سکتا ہے - جواب قرآن وسنت کی روشنی میں مطلوب ہے - بحوالہ ،

سائل محمد اکرم موضع و پوسٹ کٹولی کلاں ،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب ـــــــــــــــــــ ھو الموافق للصواب

سب سے پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ جہیز کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے کہ اس کا مطالبہ لڑکی والوں سے کیا جائے، شریعت کے نزدیک نان ونفقہ کے ساتھ گھر کے آباد کرنے لئے ضروری سامان کا انتظام بھی لڑکے پر لازم ہے حضرت فاطمہؓ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ گھر کا سامان عنایت فرمایا تھا وہ اپنے پاس سے نہیں بلکہ ان کی ذرہ فروخت کرائی اور اس سے جو رقم ملی تھی اس سے گھر کا سامان درست فرمایا اور مہر بھی ادا کردیا - حضرت علیؓ آپ کی کفالت میں تھے ، اس لئے یہ انتظام بذات خود حضورؐ نے فرمایا -
اب مسئلہ ہے کہ لڑکی کو جو سامان اس کے گھر والے یا سسرال والے دیتے ہیں اس کی حیثیت امانت کی ہوتی ہے یا عاریت کی یا ہبہ کی ، یہ ایک عرفی مسئلہ ہے مگر عرف کے لئے قرائن کا ہونا ضروری ہے ، راقم الحروف کے نزدیک جہیز کے سامان کو امانت تو کسی طرح کہا نہیں جاسکتا اس لئے کہ عرفًا اس کا استعمال امانت کے طور پر نہیں ہوتا ہے ، اگر امانت بالا جازت مالک لیا

لیا جائے تو اس کی صراحت ضروری ہے اور ایسا ہوتا نہیں اسے عاریت بھی نہیں کہا جا سکتا، عاریت محدود بھی ہوتی ہے اور مطلق بھی، محدود تو نہیں ہو سکتی اسلئے کہ وہ سامان کسی خاص وقت کے لئے نہیں لئے جاتے اگر مطلق ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر محدود ہوتی تو چاہے وہ استعمال کرتا یا نہیں کرتا اس کو مقررہ وقت کے بعد واپس کرنا ضروری ہوتا، مطلق میں استعمال تک وہ روک سکتا ہے مگر کوئی عاریت زندگی بھر کے لئے نہیں ہوتی،

اس لئے راقم الحروف اسے ان وجوہ سے ہبہ قرار دیتا ہے جس وقت یہ سامان یا نقد دیئے جاتے ہیں کسی کے ذہن میں یہ نہیں ہوتا کہ یہ واپس ہوگا اور ہبہ کے لئے قبضہ ضروری ہے وہ قبضہ تو ظاہر ہے کہ جب والدین نے اس کے حوالہ کر دیا تو قبضہ ہو گیا پھر دوسری بات یہ کہ اگر میاں بیوی میں اختلاف نہ ہو اور طلاق یا خلع کی نوبت نہ آئے تو کسی کو یہ خیال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اسے واپس بھی کرنا ہے، یہ طلاق وغیرہ ہی کی صورتیں میں مطالبہ ہوتا ہے، جو اس بات کا قرینہ ہے کہ وہ اس کی ملک ہے، چنانچہ بسا اوقات لڑکی اپنا سامان خراب ہوتے ہوئے دیکھتی ہے تو گھر والوں کو ٹوکتی ہے اور بہت سی چیزیں وہ گھر میں محفوظ رکھنے کی کوشش کرتی ہے، اس سلسلے میں فقیہ امت مولانا عبدالحئی صاحبؒ فرنگی محلی کے حسب ذیل فتویٰ سے بھی اس کی تصویب ہوتی ہے،

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین جو چیزیں اپنی لڑکی کو جہیز میں دیتے ہیں مستحق اس کا کون ہوگا شوہر یا والدین،

الجواب جس شہر میں عرف میں یہ ہو کہ اشیاء جہیز بطور تملیک کے دی جاتی ہے نہ بطور عاریت کے جیسا کہ بلاد ہند میں وہاں وہ جہیز میں ملک لڑکی کی ہوگی درمختار میں ہے۔

جهز ابنته ثم ادعى ان ما	کسی نے اپنی لڑکی کو جہیز دیا پھر اس
دفعه لها عارية وقالت	نے دعویٰ کیا کہ یہ عاریۃً تھا اور اس نے
هو تمليك اوقال الزوج	کہا کہ تملیکا تھا یا شوہر نے بھی یہی کہا

!،

ذالك بعد موتها يرث منه وقال الأب اوورثته بعد موته عارية فالمعتبر ان القول للزوج ولهما اذا كان العرف مستمرًا ان الأب يرفع مثله لها جهازا لاعارية ۔ ... ...

اس کی موت کے بعد تاکہ وہ اس کا وارث ہوجائے اور باپ نے یا اس لڑکے کے ورثہ نے کہا کہ یہ عاریۃً تھا تو اعتبار شوہر یا بیوی کا ہوگا اور جبکہ عرف میں جو سامان باپ دیتا ہے وہ عاریۃً نہیں ہوتا بلکہ جہازاً ہوتا ہے۔

پس ان چیزوں کی مستحق وہ لڑکی ہوگی اور بعد وفات وہ جملہ ورثہ پر بحسب حصص شرعیہ تقسیم ہوگی۔ واللہ أعلم

فتاوی عبدالحی ص ۲۵۵ مطبع شوکت اسلام لکھنؤ۔ اس کے علاوہ مجموعۃ الفتاوی ج ۱ صـ ۳۳ ج ۱ صـ ۲۵ ج ۱ صـ ۳۸۳ ج ۱ صـ ۴۲۸ پر بھی مولانا فرنگی محلی نے اس کے مثل جوابات دئے ہیں۔

مندرجہ بالا فقرے سے یہ واضح ہوگیا کہ عند النکاح سامان جہیز مطلقاً ہبہ ہے اور اس کو باللفظ ہبہ یا عاریت کے ساتھ مقید نہ کیا ہو تو بھی عرفاً وہ سامان لڑکی کی ملکیت ہوجائے اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے جو سامان لڑکے کو نجی استعمال کے لئے دیا گیا ہو وہ بھی اس کی ملکیت ہوجائے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب جہیز کا سامان اختلاف کا سبب بن رہا ہو اگر دونوں فریق رضامندی سے ایک دوسرے کا سامان واپس کردیں تو یہ صورت شریعت کے نزدیک پسندیدہ ہوگی اس لئے کہ پہلی صورت میں کچھ نہ کچھ حق تلفی کا امکان باقی رہتا ہے لیکن عورت کے ساتھ تعنت روکنے کے لئے مذکورہ بالا صورت ہی اختیار کرنا شرعی مصلحت ہے۔

الرشاد کی ڈاک

محترم المقام استاذگرامی حضرت ناظم صاحب   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج اقدس بخیر ہوں گے ۔

آپ کا اداریہ موسوم بہ رشحات (ستمبر ۱۹۹۰) پڑھنے کے بعد محسوس ہوا کہ یہ چند الفاظ و کلمات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ کسی دل مجروح کے ترشحات ہیں جو نوک قلم پر آکر صفحۂ قرطاس پر منتقل ہو گئے ہیں، لیکن ان حقائق کو سننے والے کان اور دیکھنے والی آنکھیں نہیں ملتیں، پڑھنے والے تو پڑھتے ہیں لیکن بے حسی کا یہ عالم ہے کہ کان کے پردوں سے گذر کر یہ سب باتیں ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہیں، اور مرض تصلب و تحجر کی وجہ سے قلوب ان حقائق ومعنی کو جذب نہیں کر پاتے ورنہ آپ نے رشحات میں جن حقائق کو بے نقاب کیا ہے اگر ملت اسلامیہ کے دلوں کو بے سند کے مولویوں اور نام نہاد قائدوں نے قوت انجذاب وانکسار سے محروم نہ کر دیا ہوتا تو معلوم نہیں اس کو پڑھ کر کتنے دل پاش پاش ہو جاتے، اور کتنے دامن تار تار ہو جاتے، اور آپ کے نقطۂ وفاق پر مجتمع ہو جاتے، لیکن افسوس ہے کہ عام طور پر لوگ ملت کے کاموں میں یا تو غیر ذمہ دارانہ لگے ہوئے یا پھر سیاسی مفادات یا جماعتی بندشیں ان کو ایک وحدت میں آنے میں مانع ہیں ۔ ہندوستان میں مسلکی اور جماعتی عصبیتوں سے اوپر اٹھکر مسائل پر سوچنے کی جو صلاحیت آپ کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے ہم سب کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عنایت کرے اور ہمارے دلوں کو تصلب و تحجر سے محفوظ رکھے آمین ۔

آپ نے رشحات میں ملت اسلامیہ کو اتحاد و اتفاق کا جو زریں سبق دیا ہے، تمام مسلم قوم اور بالخصوص ہندوستان کی تمام اسلامی درسگاہوں کے ذمہ داروں کو اس پر غور کرنا چاہیئے اور میری ناچیز رائے کے مطابق آپ کو اس اتحاد الملت اور وفاق المدارس والمساجد کے سلسلہ میں عیسائی نمائندہ کے جملہ کا (we live in umbrella) کا مصداق بن کر جنگاہِ حیات

میں پیش قدمی کرنا چاہیئے' خواجہ عزیزالحسن مجذوبؒ نے خوب کہا تھا'

پلٹ دو فرش بلا دو عرش اب بھی نوجوانو تم
اگر تم سب کی آوازوں کی اک آواز ہو جائے

آج اگر چہ ہندوستان میں مختلف ناموں سے مختلف جماعتیں اور انجمنیں بکھری ہوئی ہیں لیکن اتا ایسر وانت' امیر فمن یسوق الحمیر کے مرض مہلک میں مبتلا ہو کر تفرق و انفصال کا شکار ہو کر قوت تسخیر سے محروم ہیں' جس کی وجہ سے ہندوستان میں ہمارا کوئی وزن محسوس نہیں کیا جاتا کاش مسلمانان ہند آپ کی صدائے اتحاد پر لبیک کہتے ۔ امید ہیکہ الرشاد کے صفحات میں اس مراسلہ کو جگہ دیں گے ۔ والسلام' آپ کا مخلص ڈاکٹر مختار احمد اصلاحی، رشادی'

قصبہ جین پور' اعظم گڈھ

محترمی و مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ جامعۃ الرشاد' اعظم گڈھ السلام علیکم

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے ۔ براہ کرم اسے ضرور شائع کریں ۔ آپ کا ماہنامہ دیہات کے پتہ پر پابندی سے پہنچ جا رہا ہے' ڈاک کی نظر کرم ہی ہوتا ہے۔ آپ اپنے رسالہ کا جو ایڈیٹوریل لکھتے ہیں اس کا کوئی ثانی نہیں ۔ آپ کے رسالہ کا تعارف جناب مولانا عباس صاحب ندوی گیاوی نے گیا ہی شہر میں ملاقات کے دوران کرایا تھا اور نمونہ کا پرچہ پڑھنے کے لئے دیا تھا ۔ اس وقت جو ایڈیٹوریل آپ کے رسالہ کا پڑھا اسی وقت سے معتقد ہو گیا تھا کہ رسالہ کا ایڈیٹوریل جاندار ہے اور ایڈیٹر بھی بہت ہی قابل آدمی معلوم ہوتے ہیں ۔ چونکہ آپ سے متعلق ہماری معلومات محدود تھی ۔ رسالہ ملنے کے ساتھ پہلے آپ کے رسالہ کا ایڈیٹوریل یعنی جسے آپ " رشحات" لکھتے ہیں پابندی سے اور سب سے پہلے پڑھتا ہوں ۔ کوئی بھی شخص آپ کے رسالہ کا ایڈیٹوریل پڑھنے کے بعد آپ کی لیاقت کا، صلاحیت کا لوہا مان لے گا کہ یہ شخص صاحب تجربہ اور دور اندیش ہے اور درد رکھنے والا ہے' آپ کا حال" اس مسلمان کی طرح ہے کہ جس کے ایک پیر میں کانٹا چبھے تو اس کا سارا جسم اس کے لئے پریشان ہو اٹھے بے چین ہو اٹھے"۔ آپ اپنے رسالہ کے شذرات میں جو بھی ہندوستان کے موجودہ حالات میں ہندو اور مسلمان اور دنیائے اسلام پر تبصرہ کیا کرتے ہیں یا پیشینگوئی کرتے ہیں وہ میں نے اکثر دیکھا

ہے کہ صحیح نکلتی ہے۔ مثلاً الیکشن سے قبل ہندستانی سیاست پر راجیو گاندھی، اندرا گاندھی اور بی جے پی جو کچھ لکھا تھا وہ بالکل ہو بہو صحیح نکلا۔ اسی طرح اور بہت طرح کے واقعات ہوئے ہیں چاہے مسلمانوں سے متعلق ہوں یا ہندوؤں سے متعلق یا دنیائے اسلام کے مسلمانوں سے متعلق بالکل صحیح اور درست ہوتے ہیں۔ جو بات بھی آپ کے دل و دماغ میں ہوتی ہے وہ خلوص دل سے قلم سے کاغذ پر سے آتے ہیں اور ہم سبھوں کو راہ دکھاتے ہیں۔ ریزروشین کے متعلق آپ نے مسلمانوں کو بالکل صحیح مشورہ دیا ہے صحیح راہ بتائی ہے۔ آپ کا تبصرہ، مشورہ اور پیشین گوئی تینوں صحیح ہوا کرتی ہے۔ آپ نے ستمبر کے شمارے میں جو رشحات لکھے ہیں وہ بالکل صحیح ہے کہ "ہندو اور عیسائی جو کام آگے کرنا ہوتا ہے اس کا نقشہ بیس برس قبل سے بناتے ہیں اور دھیرے دھیرے اس پر عمل کرتے ہیں اور مسلمان فوراً سوچتا ہے اور فوراً کر ڈالتا ہے اور سکھ کرنے کے بعد سوچتا ہے۔" یہ تینوں باتیں صحیح اور تجربے کی ہیں۔ عراق کا موجودہ حکمراں صدام حسین جو پکا ملحد ہے اور اسلام کو میوزیم میں رکھنے کا قائل ہے کہ اسلام اس دور میں چلنے کا کوئی سوال نہیں۔ یہ شخص پکا اسلام دشمن ہے۔ اس نے سارے مسلمانوں کی طاقت کو توڑ مروڑ کر رکھ دیا ہے اور اسرائیل کو مضبوط اور طاقتور بنا دیا ہے اس نے مسلمان ملک ایران پر حملہ کر کے مسلمانوں کا خون بہایا اور پھر ناکام و نامراد پرانی ہی باتوں پر تصفیہ کیا۔ جبکہ مسلمان کا مسلمان پر خون حرام ہے مگر اس نے بے رحمی سے بہایا اور اور زہریلی گیس کا استعمال اپنے قبیلہ اور ایران کے صوبوں پر کیا۔ مگر یہ عرب خاموش تماشائی اور عصبیت کی بنیاد پر صدام کے مددگار رہے۔ صحیح اور غلط حق اور ناحق کی کوئی تمیز نہیں کی۔ نتیجہ آج وہی صدام حسین نے اپنے ہی گھر پر ڈاکہ ڈال دیا ہے حملہ کر دیا ہے ان ہی لوگوں پر جنہوں نے اس کی مالی امداد بھرپور کی تھی۔ خلیل حامدی صاحب پاکستان جماعت اسلامی کا ایک مضمون سہ روزہ دعوت (۱۳ ستمبر ۱۹۹۰ء) میں دیکھا تھا کہ صدام حسین کا وزیر خارجہ جو طارق بن عزیز ہے وہ دراصل عیسائی ہے نام اس کا جارج عزیز ہے۔ آپ نے صدام حسین کو لٹیرے سے ڈاکو سے جو تشبیہ دی ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔

ماہنامہ افکار دہلی (اگست ۱۹۹۰ء) کے ایڈیٹر صاحب نے مسلمانوں کی توجہ کشمیری مسلمانوں کی طرف کی ہے کہ وہاں مسلمان عورتوں، لڑکیوں اور بہو بیٹیوں کی عصمت دری کی جارہی ہے۔

گر ہندوستان کے مسلمان رہنما اور سیاست دان بالکل خاموش ہیں سانس تک نہیں لیتے۔ ہندستانی فوج کے مظالم کی رپورٹ کا اس نے اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ مردوں کو نوجوانوں کو کرنٹ لگا کر نامرد بنایا جا رہا ہے اور سب کچھ دہشت گردی کے نام پر ہو رہا ہے! کیا ہندوستان کے صوبہ پنجاب میں بھی پنجابیوں کے ساتھ ایسا ہی کیا جا رہا ہے! وہاں کی بھی ماں بہنوں کی فوج اور پولس والے باپوں اور بھائیوں کے سامنے ان کی عصمت دری کر رہے ہیں! خدا کرے آپ بخیر ہوں۔ فقط والسلام خاکسار (جناب) اقبال احمد خاں (صاحب)

مکتبہ عنایت، گیا، بہار

۲/۳/۱۴۱۱ھ

الداعی پندرہ روزہ (عربی) مخدومی مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خدا کرے آپ کے تمام رفقائے کار ہر طرح بخیر و عافیت ہوں، پابندی سے "الرشاد" اردو اور عربی ملتا رہتا ہے، فقہ سے زبان و ادب اور حالات حاضرہ تک پر آپ کی مفید نگارشات سے مستفید ہوتا رہتا ہوں، خدا کریم آپ کو جزائے خیر دے، اور علم و فکر کی مزید خدمت کی توفیق ارزانی کرے آمین۔

تازہ شمارہ میں "فقہ اکیڈمی" کے تعلق سے مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی کی تنقید پر آپ کی تنقید پڑھی تعلیمی رفاقت اور معاصرت کی بے تکلفی میں جو جملے آپ نے بطور خاص ان کے لئے لکھے ہیں، ان سے قطع نظر ریمارک بالکل بجا ہے اور یہی بات ہر اس آدمی کے لئے کہی جا سکتی ہے جو اس بروقت اور مخلصانہ کوشش کے سلسلہ میں نامعقول تنقید کرتا ہو۔ میں نے از خود "ذکر و فکر" کا مذکورہ شمارہ نہیں دیکھا ہے آپ کی تحریر سے اس کا علم ہوا۔

میری رائے ہے کہ مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمی (خدا ان کی صحت و عمر میں برکت عطا کرے) نے اس کوشش کے ذریعہ پڑھے لکھے نوجوانوں میں علم و مطالعہ اور جدید مسائل کے تئیں غور و فکر کا جو جذبہ بیدار کر دیا ہے یہی اس کام کی افادیت کی واحد ایسی دلیل ہے جس کے بعد چنداں کسی اور بات کی ضرورت نہیں، ہر چند کے اس کوشش کے دیگر بے شمار مفید ترین پہلو بھی ہیں، مثلاً یہ کہ مختلف مکتبۂ فکر کے علماء ایک جگہ محبت و اخلاص کے سایہ میں مل بیٹھتے ہیں، ہندستان جہاں ایک مکتب فکر دوسرے کو منحرف کر کے

یکس درجہ مفید بات ہے، اس سے ملک وملت کے دیگر بہت سارے مسائل میں اتحاد و یکجہتی کی فضا ہموار ہوتی ہے، جس سے مثبت نتیجے ان شاء اللہ برآمد ہوں گے، میں نے الداعی کے بعض شماروں میں اور سابقہ شمارے میں بھی اس کے ان مفید گوشوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

البتہ آپ نے خلیجی بحران کے تعلق سے جو بات "رشحات" میں کہی ہے، اس سلسلے میں یہ عرض ہے کہ یہاں کی بددیانت اور کور مغز صحافت نے (خصوصاً اردو صحافت نے) صدام حسین کو جس طرح صلاح الدین ایوبی کے روپ میں پوری طاقت وقوت کے ساتھ اور مسلسل پیش کرنا شروع کر دیا ہے، اور نوجوانوں کو اس کے مطالعۂ پیہم کی وجہ سے غلط فہمی ہو رہی ہے، اور حق و باطل کا دانستہ طور پر جو ابہام اس کے نتیجہ میں رونما ہو رہا ہے۔ کیا اس کو دیکھتے ہوئے اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ ہندی مسلمانوں کے دُکھ درد کو مناسب مقدار میں رونے کے ساتھ ساتھ صدام حسین بعثیت، ناصریت، کمالیت، اور پیغام محمدی کے خلاف اس سازش کی صحیح طور پر نقاب کشائی کی جائے جو اس وقت بھرطاقت کے ساتھ چراغ مصطفوی سے ستیزہ کار ہے۔ مسئلہ محض کسی عرب کا یا اسلامی ملک کا نہیں ہے، بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ لوگوں نے باطل کو نہ صرف حق ثابت کرنا شروع کر دیا ہے بلکہ اس کو حق کا ناخدا اور ملت کا واحد ہمدردی خواں کی شکل میں پیش کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ آپ ایسے لوگ، جو عالم عربی اور عالم اسلامی کے خلاف بعث پارٹی اور عربی قومیت کے خود تراشیدہ صنم کے آزران سحر کار سے واقف ہیں، وہ دیگر فتنوں کی طرح اس وقت از سر نو زندہ ہونے والے اس فتنہ سے فریب خوردہ لوگوں کو واقف کرنے کی ممکنہ کوشش سے کسی صورت میں دریغ نہ کریں

درازنفسی کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ والسلام مع الاکرام

—— — — (جناب نور عالم امینی ندوی صاحب، دیوبند

نوٹ :- عزیزم آپ کے جذبات قابل قدر ہیں مگر صدام حسین بیس برس سے ملک میں الحاد پھیلا رہا ہے، اسی طرح شام میں حافظ الاسد بھی چراغ مصطفوی کو ایک زمانہ سے بجھانے میں معروف ہے مگر دو مہینے پہلے اس کے خلاف نہ تو ہندوستان

میں کوئی کانفرنس ہوئی اور نہ کوئی تحریک چلی اور جس وقت اس نے ایران پر حملہ کیا تھا اتنا شور شرابا ہوا مگر جب کویت پر اس نے حملہ کیا اور سعودی عربیہ کو خطرہ لاحق ہوا تو ہم سب کو اس کی الحادی تحریک شدت سے یاد آئی اور اب بھی حافظ الاسد زیر بحث نہیں آرہے ہیں، میں تو اس کے الحاد پر اس سے پہلے بھی لکھ چکا ہوں اور ادھر بھی اس کی حرکت کو قزاقی قرار دیا ہے، جو لوگ اسے صلاح الدین ایوبی قرار دے رہے ہیں وہ سعودی عربیہ کی دشمنی میں یہ سب بک رہے ہیں، مگر اس وقت تو ساری دنیا اس کی مذمت کر رہی ہے اسرائیل کی مخالفت میں وہ جو بات کہتا ہے اسے بھی میں نے بچکانہ یا مکارانہ بات کہا ہے، اس سے زیادہ کیا کہا جائے مگر ان شاہی حکمرانوں کو بھی کیسے نظر انداز کیا جائے کہ اپنی دولت سے وہ دشمنوں کو مدد پہنچائیں اور خود اتنی قوت بھی پیدا کر سکیں ایک ہفتہ دس دن اس کے مقابلہ میں ڈٹ سکیں اور دوست نما دشمن کی فوج سے انھیں مدد لینی پڑے کیا یہ ایک المیہ نہیں ہے؟

ہم آپ کے جذبات کے قدرداں ہیں اور ان کے ساتھ ہیں مگر حقائق سے چشم پوشی بھی نہ کرنی چاہئے اس مسئلہ کو بحمداللہ راقم الحروف نے جانب دارانہ کے بجائے اعتدال پسندانہ طریقے سے دیکھنے اور اس پر لکھنے کی کوشش کی ہے، کیا ہمارے مسائل کم ہیں کہ ان کو حل کرنے اور مسلم معاشرہ کے بگڑتے ہوئے ماحول کے سدھارنے کی کوششوں اور تعمیری کاموں میں اپنی قوت صرف کرنے کے بجائے ہم ان مسائل میں اپنی قوت صرف کریں جن میں نہ ہمارا کوئی بس ہے اور نہ ہم ان پر اثر انداز ہوسکتے ہیں اس طرز عمل سے تو ہم شیخ سعدی کے اس شعر کے مصداق بن جاتے ہیں ؎

تو کارے زمین را نکو ساختی ٭ کہ با آسماں نیز پرداختی

خادم

مجیب اللہ ندوی

۲۹ر۱۰ر۹۰

سالانہ چندہ
ہندستان سے ۴۰/-
خصوصی معاون ۱۰۰/-
قیمت :
فی پرچہ ۴/-

جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کا ترجمان

ماہنامہ

جامعۃ الرشاد

سالانہ چندہ
غیر ممالک سے
۱۵ر امریکی ڈالر
15/-

جلد ۱۸ — دسمبر ۱۹۹۰ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ — شمارہ ۳

فہرست مضامین

مجلس ادارت

مجیب اللہ ندوی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ سے چھپوا کر دفتر جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے شائع کیا

رشحات

آہ ....!

مولانا ابو اللیث صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ

یہ دل گداز خبر اخباروں کے ذریعہ ناظرین الرشاد کو مل چکی ہوگی کہ ۱۰ جمادی الاولی ۱۴۱۱ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۹۰ء کو دس بجے دن میں مولانا ابو اللیث اصلاحی ندویؒ سابق امیر جماعت اسلامی ہند کا انتقال ہوگیا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ٥

۲ دسمبر ۱۹۹۰ء کو اپنے وطن مالوف چاندپٹی میں مولانا پر دل کا دورہ پڑا مقامی ڈاکٹروں نے دوا علاج کیا مگر حالت بگڑتی ہی گئی۔ ۳ دسمبر کو وہاں سے اعزہ واقارب اعظم گڈھ شہر ڈاکٹر فرقان احمد جو مولانا کے قریبی عزیز ہیں ان کے گھر پہ لائے انھوں نے اعظم گڈھ میں جو بہتر سے بہتر علاج ممکن تھا وہ کیا گلوکوز چڑھایا آکسیجن پہونچایا تو مولانا کی طبیعت قدرے سنبھل گئی۔ راقم الحروف کو ان کے بیماری کی اطلاع بارہ گھنٹہ بعد مولانا ابو البقاء صاحب ندوی کے ذریعہ ملی انھوں نے بتایا کہ وہ تم کو یاد کر رہے تھے اتفاق سے کئی آدمی میرے یہاں بیٹھے ہوئے تھے ہم لوگ فوراً مولانا کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ ہم لوگ پہونچے تو وہ غنودگی کے عالم میں تھے مگر جونہی میرا نام سنا فوراً فرمایا آؤ بھائی میں تمہیں کو یاد کر رہا تھا منع کرنے کے باوجود ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں ہم لوگوں نے محسوس کیا کہ انشاء اللہ مولانا صحت یاب ہوجائیں گے چلنے لگا تو انہوں نے دعا کے لئے کہا میں نے کہا انشاء اللہ ہم لوگ تہ دل سے دعا کریں گے ابھی ملت کو آپ کی ضرورت ہے، خیال تھا کہ دوسرے دن پھر حاضر ہوں گے مگر اتفاق سے ایک سفر پیش آگیا اور حاضر نہ ہوسکا۔ ۵ تاریخ کو ۱۰½ بجے کے قریب ان سے ملاقات کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ ہمارے

عالم بدیع صاحب اور پھر عزیزم غفران احمد گھبرائے ہوئے آئے اور بتایا کہ مولانا کی طبیعت کل زیادہ خراب ہوگئی تھی اس لئے ڈاکٹر فرقان نے گھر سے اپنے نرسنگ ہوم منتقل کر دیا تھا اور وہیں ابھی ابھی ان کا انتقال ہوگیا۔ ایک آہ! سرد نکلی اور انا للہ پڑھ کر ہم لوگ فرقان نرسنگ ہوم روانہ ہوگئے وہاں جاکر نعش پر پڑی چادر اٹھا کر چہرہ دیکھا تو بحمداللہ نور برس رہا تھا ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سکون سے سو رہے ہوں۔

مولانا ابواللیث صاحب ندوی ۱۹۱۲ء میں ضلع چاندپٹی میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم وہیں ہوئی پھر مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں داخل ہوئے اور وہاں سے غالباً ۱۹۳۲ء میں فارغ ؟ ہوئے اور فراغت کے بعد ادب عربی کی تکمیل کے لئے ندوہ میں داخلہ لیا ندوہ میں اس وقت عالم عرب کے مشہور عالم اور ادب و نحو کے امام شیخ تقی الدین ہلالی آچکے تھے اور ندوہ میں ادب و انشاء کا ذوق در و دیوار سے ٹپک رہا تھا اس دور میں شیخ ہلالی کی صحبت میں جو ممتاز علماء پروان چڑھے اور دنیا میں عزت و شہرت حاصل کی ان میں مولانا عبدالرحمان کاشغری، مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا محمد ناظم ندوی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا کوثر ندوی، مولانا ابواللیث ندوی مرحوم تھے شیخ ہلالی کو مولانا سے بڑا انس تھا۔ چنانچہ مولانا کا نام ابواللیث انہیں کا رکھا ہوا ہے۔ ان کا گھریلو نام شیر محمد تھا مولانا ابواللیث صاحب کی علمی استعداد بھی ٹھوس تھی اور ادب و انشاء میں پوری قدرت تھی فراغت کے بعد مدرسۃ الاصلاح اور پھر کئی درسگاہوں میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی۔[۲] پھر تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کی جماعت اسلامی کی امارت کی ذمہ داری ان کے کاندھوں پر آگئی جسے انتقال سے چند مہینے پہلے تک وہ پوری استقامت سے اٹھائے رہے۔

مولانا نے تقسیم ہند کے بعد جماعت اسلامی کی امارت کی ذمہ داری ۱۹۴۸ء کے بڑے پرآشوب دور میں سنبھالی اور جماعت کے منتشر کاموں اور افراد کی شیرازہ بندی کر کے پھر سے اسے نئی زندگی بخشی، اس وقت اس لٹے پٹے قافلہ کی سربراہی بڑے دل گردہ کی بات تھی خاص طور پر اس صورت حال میں جبکہ ایک طرف علماء کا ایک بڑا حلقہ اس کی مخالفت پر آمادہ تھا اور دوسری طرف حکومت اسے آر۔ ایس۔ ایس کی صف میں کھڑا کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ اس سلسلہ میں ان کو۔

۲۔ جماعت اسلامی میں اس کے ابتدائے قیام ہی ۱۹۴۱ء سے شامل ہوگئے۔

اور ان کے رفقاء کو تین بار جیل جانا پڑا ایک[۴] بار چار ماہ کے لئے دوسری بار ایک سال کے لئے اور تیسری بار تقریباً ۱۹ مہینے جیل میں رہے مگر انہوں نے اسے کبھی عزت و شہرت کا ذریعہ نہیں بنایا اور نہ بے تکلف مجلسوں کے علاوہ کبھی اس کا ذکر آنے دیتے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد جماعت اسلامی دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ پاکستان اور ہندوستان کے حالات میں جو فرق تھا اس کے پیش نظر جماعت اسلامی ہند کے نظام میں انھوں نے اصولی اتفاق کے باوجود اس کی عملی جدوجہد اور نظام میں جو خوشگوار تبدیلی کی اس سے جماعت اسلامی ہند پاکستان کی جماعت اسلامی سے زیادہ اچھا کام کرسکی اس میں رفقائے کار کے مشوروں کے ساتھ مولانا کی ذاتی سوجھ بوجھ کو بھی بڑا دخل تھا۔

مولانا کا انتقال محض ایک عالم اور ایک جماعت کے امیر کا انتقال نہیں ہے بلکہ ان کے انتقال سے ملت اسلامیہ ہندیہ ایثار و قربانی، نیک نفسی اور نیک دلی، صبر و استقامت اور اعتدال پسندی اور سادگی و بے نفسی کے ایک زندہ نمونہ سے محروم ہوگئی۔ ان خصوصیات میں وہ بالکل اسلاف کی یادگار تھے۔ ان کی زندگی میں زہد و اتقا کے وہ مظاہر تو نہیں دکھائی دیتے تھے جو بہت سے لوگوں کا طرۂ امتیاز ہیں مگر وہ دنیادارانہ موٹے جھوٹے لباس میں سراپا زہد و اتقا تھے۔ وہ[۵] نوافل، تہجد اور ذکر و اذکار کے بھی پابند تھے ہندوستان کے اکثر مشائخ کی خدمت میں حاضری دینے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے، علماء کے طبقہ میں ان کے جیسے صفات کے لوگ اس وقت خال خال ملیں گے۔

وہ جس جماعت کے امیر تھے عرب ملکوں میں اسے کافی مقبولیت حاصل ہے اس کے ذریعہ بے شمار لوگوں نے پورا مالی فائدہ حاصل کیا مگر انھوں نے اس کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اس دور میں شاید یہ مثال ڈھونڈنے سے ملے کہ ان کے لڑکے کو متحدہ عرب امارات کوئی جگہ مل گئی تھی مگر انھوں نے اس لئے نہیں جانے دیا بلکہ اسے کینسل کرا دیا کہ اس سے کوئی غلط مثال نہ قائم ہو۔ حالانکہ مولانا کو اس کی ضرورت تھی ان کی اور ان کے بال بچوں کی زندگی، گھر مکان کسی چیز سے یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ ان کے دل میں دنیا کی کوئی ہوس ہے، چک بندی میں بغیر کسی کوشش کے ان کے نام دوسروں کے کچھ کھیت آگئے تھے جب علم ہوا تو انھوں نے ان نمبروں

سے اپنا نام خارج کرا دیا۔ یہی سبب تھا کہ گاؤں کا بچہ بچہ ان پر فدا تھا۔ نمود و نمائش اور اچھل کود والی شہرت سے وہ کوسوں دور رہتے تھے وہ ہمیشہ اختلافات میں اعتدال کی راہ نکالنے کی فکر میں رہتے تھے بعض ملی مسائل کے سلسلہ میں ان کی رائے جماعت کے بعض دوسرے ذمہ داروں سے مختلف رہتی تھی مگر اسے اختلاف کا سبب نہیں بناتے تھے ہر ملی کام میں دوسری ملی جماعتوں سے پورا تعاون کرتے تھے۔ نرم خوئی اور نرم دلی کے باوجود ان کے اندر دینی حمیت بدرجۂ اتم موجود تھی آزادی کے بعد گلئے کی قربانی پر پولیس کا عملہ بغیر کسی قانونی رکاوٹ کے مداخلت کرنے لگا تھا، ایک بار عید الاضحیٰ کے موقع پر مولانا موجود تھے، داروغہ نے چاند پٹی میں آکر کہا کہ آپ لوگ گائے کی قربانی نہ کریں، مولانا نے پرجوش انداز میں کہا کہ "جب تک اس کے لئے قانون نہیں بن جاتا یہ ہوگی، چنانچہ وہ واپس چلا گیا اور قربانی ہوئی۔

ان کے انتقال سے ملت کے اندر خاص طور پر علمائے کرام کے حلقہ میں جو اخلاقی خلا پیدا ہوا ہے وہ بظاہر پورا ہوتا نظر نہیں آتا۔ مگر وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ہ

ان کے انتقال کی خبر کے بعد مدرسہ میں چھٹی کر دی گئی اور بہت سے اساتذہ اور طلبہ کے ساتھ ہم لوگ چاند پٹی حاضر ہوئے اور جنازہ میں شرکت اور میت کو کاندھا دینے کی سعادت نصیب ہوئی، دوسرے دن مدرسہ میں ان کے لئے ایصال ثواب کیا گیا اور شام کو تعزیتی جلسہ ہوا جس میں شہر کے بھی بہت سے حضرات شریک ہوئے۔ اور انہوں نے مولانا کی زندگی اور کارناموں پر روشنی ڈالی۔ خاص طور پر ڈاکٹر اکرام احمد صاحب، عالم بدیع اعظمی صاحب اور ابو عمیر صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین، مدرسہ کے مدرسین میں مولانا عزیز الرحمٰن صاحب اور مولانا بدر جمال صاحب وغیرہ ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور دعائے مغفرت کی گئی۔

مولانا نے اپنے پس ماندگان میں چھ لڑکیاں اور ایک لڑکا ابو سعید چھوڑا ہے، بحمد اللہ ان سب کے فرائض سے وہ سبکدوش ہو چکے تھے، اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل عطا فرمائے ان کی اہلیہ کا انتقال کئی برس پہلے ہو چکا تھا اس سے بچوں کی دیکھ بھال میں ان کو ہر طرح پریشانیاں اٹھانی پڑتی تھیں، مگر دوسروں پر اپنی پریشانی کو کبھی نمایاں نہیں ہونے دیتے تھے خدائے قدوس سے دعا ہے کہ ان کی نیکیوں کے بدلے میں انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین

منڈل کمیشن کی رپورٹ کے نفاذ اور اس کے تحت ریزرویشن کی مخالفت اور موافقت سے ملک میں جو فضا پیدا ہو رہی تھی وہ منفی طور پر مسلمانوں کے لئے بڑی حد تک مفید تھی اور بڑی ذات کے ہندوؤں کے لئے پریشان کن تھی، بی جے پی اور وشو ہندو پریشد وغیرہ جس کی ساری طاقت بڑی ذات کے ہندو یا جسے ویش یعنی بنئے، سنار، مارواڑی اور اگروالے کہا جاتا ہے وہ ہیں اس لئے انہوں نے مذہبی جذبات ابھار کر اس کا رُخ اجودھیا کی طرف پھیر دیا اور اتنی شدت اور منظم طریقے سے پھیرا کہ پورا ہندوستان اس سے متاثر ہو گیا اور ریزرویشن کی تحریک اس میں دب سی گئی اور اس کے نتیجے میں وی پی سنگھ کی مرکزی حکومت گر گئی اور جوڑ توڑ کر کے چندر شیکھر نے نئی حکومت بنالی۔

اس سلسلہ میں ہم نہ تو وی۔ پی سنگھ کی تائید کر سکتے ہیں اور نہ چندر شیکھر کی اوی۔ پی سنگھ کی موافقت ہم کئی وجہ سے نہیں کر سکتے ایک یہ کہ انہوں نے بی جے پی کے دباؤ کے کشمیر میں جگ موہن کو گورنر بنا کر بھیجا تھا جس نے وہاں جو جان وہاں کی تباہی مچائی وہ بھلائی نہیں جا سکتی اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے پنجاب میں اس سے زیادہ خون بہہ رہا ہے مگر وہاں یہ رویہ اختیار نہیں کیا گیا اور نہ کیا جا رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر انہوں نے شروع میں اڈوانی کی رتھ یاترا کو اپنا آشیرواد نہ دیا ہوتا بلکہ اس پر روک لگا دی ہوتی تو یہ فتنہ اتنا آگے نہ بڑھا ہوتا۔ تیسرے یہ کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ رتھ یاترا پر روک نہیں لگائی بلکہ اس سلسلہ میں یوپی اور بہار کے چیف منسٹروں کی وہ پوزیشن بھی کمزور کرنے کی کوشش کی جو انہوں نے رتھ یاترا کو روکنے اور اس کے عزائم کو بروئے کار نہ لانے دینے کے سلسلہ میں اختیار کر رکھی تھی آخر میں ان کو وہی کام کرنا پڑا جس سے وہ بچ رہے تھے مگر بعد از خرابی بسیار" پھر انھوں نے صدر کا جو آرڈی ننس جاری کرایا وہ بھی اسی سلسلہ کا ایک غلط اقدام تھا پھر یہ ایک حقیقت ہے کہ بی جے پی کی حمایت کی واپسی کے بعد اگر انہوں نے پارٹی کو اپنا استعفیٰ پیش کر دیا ہوتا تو پارٹی دو ٹکڑوں میں نہ بٹتی اور شاید دوبارہ پھر وہ پارٹی لیڈر چن لئے جاتے اور اگر چندر شیکھر ہی لیڈر ہو جاتے تو پارٹی دو ٹکڑوں میں نہ بٹتی۔

لیکن اسی کے ساتھ چندر شیکھر نے پارٹی لیڈر اور وزیر اعظم بننے کے لئے جو طرز عمل اختیار کیا وہ بھی انتہائی گھٹیا تھا ان کے طرز عمل کی وجہ سے ایک طرف کانگریس جو ایک طرح سیاسی اچھوت بن گئی تھی اسے دوبارہ طاقت مل گئی اگر یہ جنتا دل میں شگاف نہ پیدا کرتے تو کانگریس

کے اندر ٹوٹ پیدا ہونی یقینی تھی اور اس نے چالیس برس کے اندر جس طرح فرقہ پرست جماعتوں کو طاقت پہونچائی ہے اس کے لئے یہ سزا ملنی ضروری تھی۔

دوسری طرف چندر شیکھر کے اس طرز عمل کی وجہ سے جمہوری قدروں کی پامالی ہوئی ہے دنیا کے کسی جمہوری ملک میں اتنی چھوٹی اقلیت کے ساتھ کہیں حکومت نہیں بنائی گئی۔ برطانیہ کی تازہ مثال موجود ہے کہ وزیر اعظم تھیچر نے اکثریت ملنے کے بعد بھی اس بناء پر استعفیٰ دے دیا کہ پارٹی کے کچھ لوگ مخالف ہو گئے تھے۔ یہ مثال وی۔ پی سنگھ اور چندر شیکھر دونوں کے کردار کو مجروح کرتی ہے۔

چندر شیکھر نے اجودھیا کے سلسلہ میں جو طرز عمل اختیار کر رکھا ہے اسے بھی صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ اور پھر انھوں نے مسلم پرسنل لا بورڈ کے وفد کے ساتھ جو گفتگو کا انداز اور طرز عمل اختیار کیا وہ بھی ان کی شخصیت کو راجیو گاندھی اور وی۔ پی سنگھ سے بھی زیادہ مشکوک بنا رہا ہے۔ ان کو معلوم نہیں اس کے ایک ایک فرد کی حیثیت چندر شیکھر کے موجودہ قد سے بھی بڑی ہے، اقتدار کے نشہ میں شاید وہ اپنی پچھلی باتیں بھول گئے ہیں۔ بہرحال موجودہ مرکزی حکومت کی کارکردگی کے بارے میں کوئی آخری رائے کچھ دن گذرنے کے بعد ہی قائم کی جا سکتی ہے۔ ملائم سنگھ یادو نے بھی چند مہینے میں اپنی جو سیاسی حیثیت بنائی تھی چندر شیکھر کا ساتھ دے کر انہوں نے اسے قدرے مجروح کیا اور منڈل کمیشن کے نفاذ میں بھی اس سے رکاوٹ پیدا ہوئی اور ان کے حامیوں اور مسلمانوں کے ذہن میں بھی انتشار پیدا ہوا۔ آئندہ دیکھئے کیا صورت پیدا ہوتی ہے۔

ابھی کرنیل گنج کے انسانیت سوز فساد کا زخم مندمل نہیں ہونے پایا تھا کہ یوپی کے کئی دوسرے شہروں میں بھیانک فسادات کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ بجنور، رام پور اور ایٹہ میں کچھ سکون ہوا تھا[*] علی گڈھ کے قریب گومتی ایکسپریس کو روک کر جو قتل عام کیا گیا ہے وہ انتہائی قابل مذمت ہے، گجرات کی فضا ابھی پرسکون نہیں ہو پائی تھی کہ حیدرآباد میں بڑے پیمانے پر فسادات شروع ہو گئے، اتنے بڑے بڑے پیمانہ پر فسادات ہو جانے کی ذمہ داری بہرصورت صوبائی حکومتوں پر ہے مگر مرکزی حکومت بھی اس ذمہ داری سے نہیں بچ سکتی، اس لئے کہ اس نے فرقہ پرست طاقتوں کو پورے طور پر چھوٹ دے رکھی ہے اور وہ اپنے الٹے سیدھے اشتعال انگیز پروگراموں کے ذریعہ ملک کی فضا کو خراب کر رہے ہیں۔ یہ سارا محاذ مسلمانوں کے خلاف کھولا گیا ہے لیکن مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں کے ذمہ داروں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ آپ ملک کے

(بقیہ ص ۳۱ پر)

* کہ علی گڈھ میں بھیانک فساد پھوٹ پڑا ہے۔

قرآن کریم کا فلسفۂ انسانیت

محمد رضی الاسلام ندوی
علیگڈھ

(۱)

انسانیت ایک سادہ سا لفظ ہے جس کا عصرِ حاضر میں کثرت سے استعمال ہونے لگا ہے۔ آج پوری دنیا انسانیت کی دہائی دے رہی ہے۔ صحافت اور دیگر ذرائع ابلاغ، سنجیدہ دانشور طبقہ، اربابِ حکومت واقتدار، بنیادی انسانی حقوق کا دفاع اور تحفظ کرنے والے قومی اور بین الاقوامی ادارے، سب ہی انسانیت کا راگ الاپتے اور اس کے تحفظ کے نعرے بلند کرتے ہیں۔ برسرِ اقتدار جماعت ہو یا حزبِ اختلاف، انسانیت کا لفظ دونوں کے منشور میں سرِ فہرست ہے۔ حاکم قوم ہو یا محکوم، انسانیت کا تحفظ دونوں کا نصب العین ہے، لیکن باعثِ حیرت یہ ہے کہ اس کے باوجود آج انسانیت پامال ہے۔ کھلے بندوں اس کا خون ہو رہا ہے۔ آج دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف نسلوں، قوموں اور گروہوں پر جو ظلم وستم ڈھائے جا رہے ہیں۔ انھیں ان کے بنیادی انسانی حقوق سے جس طرح محروم کیا جا رہا ہے، ان کی جان ومال، عصمت وآبرو اور عزت وناموس پر جس طریقے سے حملے کئے جا رہے ہیں اگر یہی انسانیت ہے تو پھر حیوانیت کیا ہے؟ اور طرفہ تماشا تو یہ ہے کہ "انسانیت" کا وِرد کرنے میں وہ قومیں اور حکومتیں پیش پیش ہیں جن کے منہ سے کروڑوں معصوم انسانوں کے خون کی بو آتی ہے اور جس سے اب بھی ہزاروں بے گناہ انسانوں کا خون ٹپک رہا ہے۔

اسلام زندگی گذارنے کا ایک طریقہ پیش کرتا ہے۔ وہ انسانی اقدار و مفاہیم کا حامل ہے اس لئے لازمی طور پر وہ بھی انسانیت کا ایک فلسفہ رکھتا ہوگا۔ ہمارے لئے یہ مطالعہ اہمیت کا حامل ہے کہ اسلام انسانیت کو کس حیثیت سے دیکھتا اور اس کا کیا تصور پیش کرتا ہے؟

پیش نظر مقالہ میں پہلے ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ انسانیت کا رائج مفہوم کیا ہے؟ مغرب کے دانشوروں نے اس کا کیا فلسفہ پیش کیا ہے؟ مختلف زمانوں میں دنیا کے مختلف حصوں میں جو تہذیبیں وجود میں آئی ہیں اور جو نظریات اور فلسفے رائج رہے ہیں انھوں نے انسانیت کو کیا مقام دیا ہے؟ اور پھر تفصیل سے اس کا معروضی مطالعہ کریں گے کہ اسلام کے نزدیک انسانیت کیا ہے؟ اس کا دستور اساسی۔ قرآن کریم فلسفۂ انسانیت کی کیا بنیادیں قائم کرتا ہے؟ اور اس فلسفہ کے بنیادی نکات کیا ہیں؟

انسانیت کیا ہے؟

انسانیت عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے اجمالی مفہوم میں وہ خصائص و اوصاف داخل ہیں جن سے انسان دوسری جنسوں سے ممتاز ہوتا ہے۔ "یہ عربی لفظ "انس" سے مشتق ہے جس کے معنی انوس ہونے کے ہیں۔ انسان کو انسان کہنے کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے۔ اس کی زندگی انس باہمی اور آپسی میل جول کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی" [۱]

اردو میں لفظ انسانیت کن مفاہیم پر دلالت کرتا ہے اس کے لئے ہم بعض کتب لغات کی طرف رجوع کرتے ہیں:

انسانیت: (۱) آدمیت: آدمی ہونا
(۲) آدم گری۔ دانائی۔ لیاقت۔ شعور۔ تمیز
(۳) بھلمنسائی۔ مروت
(۴) شائستگی۔ تہذیب۔ علم مجلس سے واقف ہونا

---

[۱] دیکھئے لسان العرب۔ ابن منظور۔ جلد ۱۵ جز ۱۵ ص: ۱۷، دار صادر بیروت، المفردات فی غریب القرآن راغب اصفہانی، دار المعرفۃ بیروت ص: ۲۸، لغات القرآن (اردو) عبدالرشید۔ ندوۃ المصنفین دہلی، ۱۹۵۰ء طبع سوم ص: ۲۰۰

انسانیت سے پیش آنا : مروت کا برتاؤ کرنا۔ اخلاق و تہذیب سے بات چیت کرنا۔
انسان ــــــ : (۱) آدمی۔ بشر
(۲) محبت رکھنے والا

انسان بنانا ــــــ : اچھی تربیت دینا۔ آدمی بنانا۔ مہذب بنانا [۱]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت کا رائج مفہوم انسان کا معاشرہ میں رہنے والے دوسرے انسانوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنا اور تہذیب و شائستگی سے پیش آنا ہے۔ حضرت مولانا مفتی سید محمد میاں صاحبؒ فرماتے ہیں :

"انسانیت کی تفسیر ہے اصول پسندی، شرافت، رحم و کرم، عدل و انصاف اور اعلیٰ اخلاق کو عملی جامہ پہنانا" [۲]

انسانیت کا مغربی فلسفہ

گذشتہ چند صدیوں میں "انسانیت" کا خطہ مغربی دنیا میں ایک اصطلاح "ہیومنزم" (Humanism) کے طور پر ابھر کر سامنے آیا ہے۔ جو اپنے پیچھے ایک فلسفہ رکھتا ہے۔ اس موقع پر اس کا جائزہ لینا فائدے سے خالی نہیں،

ہیومنزم کی اصطلاح سب سے پہلے ایک مفکر شیلر (Schiller) نے استعمال کی بعد میں اس اصطلاح نے ایک فلسفیانہ عقیدہ کا روپ دھار لیا جو انسانی قدروں کی مرکزیت پر زور دیتا تھا اور مذہبی وہم اور مطلق تعقل کے خلاف تھا۔ اس فلسفہ کا وجود سب سے پہلے پندرھویں صدی عیسوی میں اطالوی نشاۃ ثانیہ کے دوران ہوا جس کے بعد دنیا کے براہ راست عملی تجربات، نظریۂ ارتقاء حقیقت جمال اور نیکی کی تقابلی فطرت اور جمہوری اداروں کے اخلاقی اور سماجی ارتقاء کے ساتھ اس میں زور پیدا ہوا۔ اٹھارہویں

---

[۱] فرہنگ آصفیہ۔ مولوی سید احمد دہلوی نیشنل اکاڈمی۔ دہلی۔ جلد اول ص : ۲۶۹
جامع فیروز اللغات۔ الحاج مولوی فیروز الدین۔ جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز دہلی ص : ۱۲۲

[۲] اسلام کیوں؟ انسانیت کیا ہے؟ مفتی سید محمد میاں صاحب کتابستان ۱۹۶۰ء طبع اول ص : ۵

صدی عیسوی میں ہیومنزم کا مطلب الحاد اور مادیت تھا۔ انیسویں صدی میں نظریۂ ایجابیت (Positivism) کے علمبردار ایک فرانسیسی فلسفی (August Comte) نے انسانیت کا ایک الحادی مذہب قائم کیا جس کا مقصد سماج سدھار کو بڑھاوا دینا تھا۔ لیکن بیسویں صدی میں ہیومنزم میں مذہبی رجحانات بھی جگہ پا گئے چنانچہ اس صدی کے بعض مؤرخین (مثلاً فرانسیسی رومن کیتھولک فلسفی (Jacques Maritain) خود کو انسانیت کا علمبردار (Humanist) کہنے لگے۔

موجودہ زمانہ میں ہیومنزم کے سلسلہ میں دونوں قسم کے نقطۂ نظر پائے جاتے ہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک انسانیت اقدار کے نظام پر مبنی ہے جس میں ہر شخص کی ذاتی قدر و قیمت کی طرف زور دیا جاتا ہے۔ لیکن مذہبی عقیدہ کو اس میں شامل نہیں کیا جاتا، جب کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو سیکولر انسانیت کو غیر مذہبی نظریہ قرار دیتے ہیں۔ مثلاً کچھ پروٹسٹنٹ عیسائی کہتے ہیں کہ "بائبل کے بغیر انسانیت کا تصور نہیں کیا جا سکتا"۔ اور کیتھولک عیسائی کہتے ہیں کہ "عیسائیت انسانیت کی علمبردار ہے کیونکہ وہ بتاتی ہے کہ انسان کی ذات بے مثال اور عدیم النظیر ہے اس لئے کہ وہ اللہ کے پرتو کے روپ میں پیدا کیا گیا ہے"۔ ایک تیسرا گروپ بھی پایا جاتا ہے جو الحاد اور سیکولرزم پر یقین رکھتا ہے۔ لیکن وہ بھی مذہبی سدھار پر زور دیتا ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے انسانی قدروں کو فروغ دیا جا سکے۔ ان کے نزدیک انسانیت اور انسانی اخلاق کو پروان چڑھانے کے لئے مذہب کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اجتماعی معاملات میں مذہب کا کوئی دخل نہیں ہوگا۔[1]

فلسفۂ انسانیت کے سلسلہ میں یہ رجحانات اب مغربی دنیا ہی تک محدود نہیں رہے

---

[1] انسانیت کے مغربی فلسفہ پر تفصیلی مطالعہ کے لئے دیکھئے۔

Collier's Encyclopedia — Article "Humanism"

Lexicon Universal Encyclopedia

Encyclopedia Britannica

ہیں بلکہ ان سے تجاوز کر کے دوسرے ممالک میں بھی پہنچ گئے ہیں۔ اور وہاں بھی انسانیت کے مذہبی تصوّر کے ساتھ ساتھ سیکولر تصور کو بھی مقبولیت اور فروغ حاصل ہو رہا ہے۔

انسانیت مختلف زمانوں میں

مختلف زمانوں میں دنیا کی مختلف تہذیبوں اور مروّجہ نظریات میں انسانیت کو کیا مقام حاصل رہا ہے؟ اس کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ان کے تصورات اور فلسفوں میں واضح طور پر تدریجی ارتقاء محسوس ہوتا ہے۔ اس بحث کو ہم درج ذیل عناوین میں بیان کرتے ہیں۔

۱۔ عہد قدیم میں

عہد قدیم میں انسانیت کے سلسلہ میں جو مختلف فلسفے رائج تھے انھیں ہم درج ذیل نکات میں بیان کرسکتے ہیں۔

۱۔ زمانۂ قدیم میں جو تہذیبیں عروج پذیر تھیں وہ انسانیت کے سلسلہ میں افراط و تفریط کا شکار تھیں۔ اور ان کے تحت انسانیت ایک انتہا سے دوسری انتہا کی طرف دھکے کھاتی پھرتی تھی۔ ایک انتہا پسندانہ موقف کے نتیجے میں جب انسانیت کی دوسری حقیقتیں اور تقاضے پامال ہوتے رہتے تھے تو وہ اس کے خلاف بغاوت کرتے تھے اور یہ بغاوت ردّ عمل کے طور پر اسے مخالف سمت کی طرف کھینچنا شروع کردیتی تھی حتی کہ جب انسانیت دوسری سمت میں پہنچ جاتی تھی تو اس کی دوسری حقیقتوں کی نفی ہو جاتی تھی۔

اس سلسلہ میں مثال کے طور پر چینی، مسیحی اور ہندوستانی تہذیب کو پیش کیا جاسکتا ہے چینی تہذیب ابتداً خالص دنیاداری، دنیاوی لذات اور خواہشات نفس پر مبنی تھی۔ عیش کوشی، آرائش و زیبائش اور عشرت و تنعم منتہائے مقصود تھا، مشہور مصلح "لاؤتسے" نے مذہبی رویہ اور روحانی رجحان عطا کیا جس سے لوگ انسان کی معنویت اور عظمت کے قائل ہوئے لیکن پھر یہ پہلو اتنا غالب ہوا کہ رہبانیت اور تصوف کی منزلوں تک جا پہنچا۔ اس کے بعد "کنفیوشس" آیا تو اس نے دوبارہ

لوگوں کو دنیاداری اور مادیت کی جانب مائل کردیا۔ مسیحیت سے قبل بھی یورپ دنیاپرستی میں ڈوبا ہوا تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے انسانیت کی اعلیٰ اقدار پیش کیں لیکن بعد میں آپ کے متبعین افراط و تفریط کا شکار ہو گئے اور ان کے نزدیک رہبانیت اور ریاضتِ نفس مقصدِ زندگی اور انسانوں سے الگ تھلگ رہ کر پہاڑوں اور ویرانوں میں مجاہدہ کرنا انسانیت کی معراج قرار پایا۔ پھر یورپ کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کا دور آیا تو دوبارہ لوگ انھیں مادی تصورات میں ڈوب کر رہ گئے۔ ہندوستانی تہذیب کی تاریخ بھی کچھ اس سے مختلف نہیں ہے۔ ہندوستان راجاؤں مہاراجاؤں کی سرزمین تھی جن کے عیش و عشرت کی داستانیں آج بھی زبان زدِ عام ہیں۔ دیگر مذہب سے "مہاویر" اور "بدھ" کی تعلیمات کے نتیجے میں روحانیت، زہد و ریاضت اور راہبانہ زندگی کی جانب میلان ہوا تو معاملہ یہاں تک پہنچا کہ سنیاسیوں، جوگیوں اور راہبوں سے پوری سوسائٹی بھر گئی۔ [1]

۲۔ عہدِ قدیم میں انسان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ وہ اپنے موہوم آلہہ کے سامنے مجبورِ محض تھا۔ نیازمندی، دعا و التماس اور طلبِ خیر و برکت کے لئے معبودوں کے آستانوں پر انسانوں کی قربانی کو مذہبی سندِ جواز حاصل تھا۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد اس فکر میں تبدیلی آئی۔ انسانیت کو اہمیت دی جانے لگی اور ہیومنزم (Humanism) یعنی اصالتِ انسان کا تصور ابھرا۔ لیکن یہ تصور بھی صحیح بنیادی فلسفہ سے ہٹا ہوا تھا جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

۳۔ زمانۂ قدیم میں انسانیت طبقاتی تقسیم کا شکار تھی۔ یونان، مصر، روم، ایران اور ہندوستان تمام جگہوں پر انسانیت اعلیٰ اور ادنیٰ ذاتوں میں بٹی ہوئی تھی۔ یونان جو حکمت و فلسفہ کا گہوارہ تھا وہاں کے فلاسفہ، سقراط، افلاطون اور ارسطو۔ بھی ہر انسان کو یکساں انسانی حقوق دینے پر تیار نہ تھے۔ ارسطو اور اس کے استاد افلاطون دونوں کے نزدیک جمہوریت کا سب سے بڑا نقص یہ تھا کہ اس میں تمام شہریوں کو مساوی حیثیت

---

[1] دیکھئے انسان اور اسلام۔ ڈاکٹر علی شریعتی، اردو ترجمہ قمر احسن۔ بمبئی ص ۱۵

حاصل ہوتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ مردوں اور عورتوں کو بھی مساوی درجہ دینے پر تیار نہ تھے [1]
یونان میں غلاموں کا شمار انسانوں میں نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ کوئی اور ہی مخلوق سمجھے جاتے تھے [2]
ہندستان کا بھی یہی حال تھا۔ انسانی معاشرہ چار طبقات میں بٹا ہوا تھا اور ایک طبقہ
تمام بنیادی انسانی حقوق سے محروم اور ہر طرح کے ظلم و استحصال کا شکار تھا [3]

ب۔ عہد جدید میں

طبقاتی تقسیم کے خلاف سب سے پہلے یونان میں رواقیوں (stoics) نے آواز بلند کی۔ اور اس مکتبِ فکر کے بانی "زینو" (Zeno) نے انسانی مساوات پر زور دیا۔ یونانیوں کی اسی آواز کی بازگشت تھی جو سولہویں صدی عیسوی کے بعد مغربی دنیا میں سنی گئی اور جس کے نتیجے میں انسانیت کے سلسلہ کے قدیم تصورات اور فلسفوں میں واضح تبدیلی آنے لگی۔ چنانچہ انقلابِ فرانس، برطانیہ میں مطلق العنان بادشاہت کے خاتمہ کے بعد پارلیمنٹ کی بالادستی، امریکا کے اعلانِ آزادی اور اس کے دستور میں بنیادی حقوق کی شمولیت۔ یورپ و امریکا میں بنیادی حقوق کی منظم تحریکوں، روس کے سرخ انقلاب اور اقوام متحدہ کے منشور انسانی کے ذریعے پوری دنیا میں انسانیت کی عظمت کا اعتراف کیا جانے لگا۔ انسانی مساوات کے نعرے بلند کئے جانے لگے اور انسانیت (Humanism) اور انسانی حقوق (Human Rights) کا غلغلہ بلند ہونے لگا۔ لیکن انسانیت

---

1. Morris Stock Namer "Ploto Dictionary" Philosophical Library New York (1903) P. 31
   Thomas P. Kierman "Aristotal Dictionary" Philosophical Library New York (1962) P. 228
2. Cranston "Human Rights today" London (1969) P. 9
   [3] تفصیل کے لئے دیکھئے "ہندستان میں شودر" شائع کردہ انجمن ترقی اردو۔ دہلی
3. Crastan-Ibid

کے بارے میں مغرب کا یہ فلسفہ انسانیت کی حقیقی بنیادوں پر استوار نہیں تھا۔ بلکہ ان کے نظریۂ قومیت اور نسلی امتیاز کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ خواہ مغرب کے ان ممالک میں فرانس ہو یا برطانیہ، امریکا ہو یا روس یا کوئی دوسرا ملک، سب کے نزدیک انسانیت کا مفہوم اپنی قوم یا نسل کے دائرے تک محدود تھا اور بنیادی انسانی حقوق کے مستحق صرف وہ لوگ ہوتے تھے جو ان کے ملک کے شہری یا ان کی اپنی نسل کے ہوں۔ دوسرے ممالک کے باشندے حتیٰ کہ خود ان کی کالونیوں اور مقبوضات میں بسنے والے بھی ان حقوق کا استحقاق نہیں رکھتے تھے [1]

جنوبی افریقہ میں سیاہ فام باشندوں، شمالی آئرلینڈ میں محکوم سفید فام باشندوں، امریکا کے ریڈ انڈینز و ہیروشیما، ناگاساکی، کوریا، ویت نام، کمبوڈیا اور مشرق وسطیٰ کے علاقوں اور مشرقی جرمنی، پولینڈ، چیکوسلواکیہ اور مقبوضہ ترکستان کی خونی تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ مغربی ممالک "انسانیت" سے کیا مراد لیتے ہیں؟ اور ان کے نزدیک بنیادی انسانی حقوق کا کیا مطلب ہے؟

بیسویں صدی کے اوائل میں انسانی مسائل سے بحث کرنے والا ایک فلسفہ جو پوری قوت سے ابھر کر سامنے آیا وہ اشتراکیت کا تھا لیکن وہ بھی انسانیت کے سلسلہ میں جادۂ اعتدال سے ہٹا ہوا تھا۔ اس کے نزدیک انسان صرف ایک مادی وجود رکھتا ہے۔ چنانچہ جس طرح مشین کا ایک پرزہ اپنی کارکردگی، بجلی، پانی، تیل اور دوسری ضروریات کا محتاج ہے اسی طرح انسان بھی اپنی پیداواری صلاحیت کی ترقی کے لئے خوراک، تعلیم، لباس، رہائش اور دیگر ضروریات چاہتا ہے۔ اس سے زیادہ انسان کی کوئی حیثیت نہیں۔ رہا مذہب، اخلاق اور روح وغیرہ تو اس کے نزدیک یہ سب سرمایہ داروں کی خود ساختہ اصطلاحیں ہیں۔ اس فلسفہ کو عملاً نافذ کرنے کے لئے انسانیت کا کتنا قتل عام ہوا؟ اور انسانی حقوق کی کیسی کیسی پامالی ہوئی؟ یہ ایک الگ موضوع ہے تاریخ کا طالب علم

[1] Vyshin S.Ky Andric Y. "The Law of Soviet State"
The Macm Co. New York (1948) P. 555

جاتا ہے کہ جس فلسفہ نے انسانیت کو ہر قسم کے ظلم واستحصال سے نجات دلانے اور امن وخوشحالی اور حقیقی آزادی سے بہرہ ور کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ وہ جب پہلی بار روئے زمین پر جلوہ گر ہوا تو اس کا سرخ سورج پونے دو کروڑ انسانوں کی لاشوں کے پہاڑ کی اوٹ سے طلوع ہوا[۲۲]

انسانیت قرآن کی نظر میں

قرآن کی نظر میں "انسانیت" نہ تو ہیومنزم کے معنی ہے اور نہ اس کا مطلب صرف اچھے اخلاق ہیں جو کسی بھی معاشرتی زندگی کے لئے ضروری اور اس کی زینت ہوتے ہیں۔ بلکہ اس کا ایک وسیع مفہوم ہے مختصر الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کی نظر میں انسانیت ان خصائص وامتیازات کو کہتے ہیں جن سے متصف ہونے کا اللہ تعالیٰ نے انسان کو حکم دیا ہے اور ان تعلیمات سے عبارت ہے جو اللہ تعالیٰ نے

وہ تعلیمات جو انسان کی اپنی ذات اور اس کے تزکیہ سے متعلق ہیں۔

۲۔ وہ تعلیمات جو ایک انسان کے دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلقات کے سلسلہ میں رہنمائی کرتی ہیں۔

۳۔ وہ تعلیمات جن میں انسان کے کائنات کے بارے میں صحیح رویہ کی نشان دہی کی گئی ہے۔

۴۔ وہ تعلیمات جو کائنات اور خود انسان کے خالق سے اس کے تعلقات کی نوعیت آشکارا کرتی ہیں۔

ان چاروں قسم کی تعلیمات کے مجموعہ کو "انسانیت" کہتے ہیں اور جو شخص ان پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ وہی قرآن کی نظر میں "کامل انسان" ہے۔

فلسفۂ انسانیت قرآن کی روشنی میں

گزشتہ جائزہ سے یہ بات بہت واضح ہو کر سامنے

---

۲۲ Sovokin Pitirim A. - "The Crisis of our Age" E.P. Dutten & Co. New York (1951) P 229

آتی ہے کہ انسانیت کے سلسلہ میں قدیم تہذیبیں اور قومیں افراط و تفریط کا شکار رہی ہیں۔ اور عصر حاضر کی اقوام، ممالک اور نظریات بھی قومیت اور نسلی امتیاز کے دام میں گرفتار اور جادۂ اعتدال سے بہت دور رہے ہیں۔ اس کے برخلاف اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل انسانیت کا جو مبنی بر اعتدال تصور پیش کیا تھا اس کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔ اس نے اپنی اعلیٰ تعلیمات کے ذریعے انسانیت کو بامِ عروج پر پہنچا دیا اور اعلیٰ انسانی اقدار پر مبنی ایک پاکیزہ معاشرہ عملاً قائم کر کے دکھا دیا۔ قرآن کریم اسلام کا دستور اساسی ہے جو رہتی دنیا تک کے لئے ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہے اسلام کا فلسفۂ انسانیت سمجھنے کے لئے اس سے رجوع کرنا ضروری ہے۔ اس مطالعہ میں ہم قرآن کی روشنی میں اسلامی فلسفۂ انسانیت کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

قرآنی فلسفۂ انسانیت کی بنیادیں

قبل اس کے کہ ہم قرآنی فلسفۂ انسانیت کے نکات کا جائزہ لیں، اس کی فلسفیانہ بنیادوں کا جاننا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ اس کے بغیر یہ مطالعہ ناقص رہے گا۔ ہر نظام زندگی کے کچھ بنیادی تصورات ہوتے ہیں جن پر دیگر تعلیمات مبنی ہوتی ہیں۔ قرآن کا فلسفۂ انسانیت سمجھنے کے لئے اس کی درج ذیل بنیادوں کو سمجھنا ناگزیر ہے۔

۱۔ وحدتِ الٰہ

قرآنی فلسفۂ انسانیت کی پہلی بنیاد یہ ہے کہ انسان کی تخلیق عناصر کے باہم فعل و انفعال کا نتیجہ ہے نہ دیوی دیوتاؤں کا اس میں کچھ دخل ہے۔ بلکہ اسے کائنات کو وجود بخشنے والی یکتا ہستی نے ایک بامقصد طریقے پر پیدا کیا ہے:

اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ (الروم ـ ۴۰)[1]	اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تمہیں رزق دیا پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا۔

اس رحیم و کریم ذات نے نہ صرف یہ کہ انسان کو پیدا کیا بلکہ اسے اشرف المخلوقات بنایا، کائنات کی تمام چیزیں اس کی خدمت کے لئے وقف کر دیں اور تمام ظاہری و باطنی نعمتوں سے نوازا:

---

[1] مزید دیکھئے: الانعام ـ ۱، الاعراف ـ ۱۸۹، حم السجدہ ـ ۲۱ وغیرہ

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا (بنی اسرائیل ۔ ۷۰)

ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انھیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً (لقمان ۔ ۲۰)[1]

کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں تمہارے لئے مسخر کر رکھی ہیں اور اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں تم پر تمام کر دی ہیں

اس لئے اس کا تقاضا ہے کہ انسان کائنات کی تمام اشیاء کو اپنا خادم سمجھے، نہ کہ ان میں عظمت و بزرگی کے مظاہر تلاش کر کے اپنی پیشانی ان کے سامنے ٹیکے اور ان کے سامنے عجز و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو۔

۲۔ وحدت آدم

دوسرا بنیادی تصور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تمام انسانوں کو ایک ماں باپ سے پیدا کیا ہے وہ امریکی ہوں یا حبشی، ایرانی ہوں یا تورانی عجمی ہوں یا عربی، سب کی ایک ہی اصل ہے:

الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (النساء ۱)[2]

جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا

لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں

---

[1] مزید دیکھئے: الجاثیہ ۔ ۱۳، النحل ۔ ۱۲، الحج ۔ ۶۵، التین ۔ ۵ وغیرہ

[2] مزید دیکھیے: الانعام ۔ ۹۸، الاعراف ۱۸۹، الزمر ۔ ۶

وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا (الحجرات۔۱۳) بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔
اس کا تقاضا ہے کہ دنیا کے تمام انسان خواہ وہ کہیں رہتے بستے ہوں، برابر ہیں۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ دوسرے انسانوں پر اپنی حکومت چلائے اور نہ کسی کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ اپنے ہی جیسے انسانوں کو اپنا رب تسلیم کرے۔

۳۔ خلافت

تیسرا بنیادی تصور یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ انسانیت کی عظمت وجلالت کا یہ وہ مقام ہے جس کے سامنے فرشتے بھی سر جھکا لیتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ	(ذرا اس وقت کا تصور کرو) جب
جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً	تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں
(البقرہ۔۳۰)	زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

انسان اتنا بے حیثیت نہیں کہ اسے دیوی دیوتاؤں کے آستانوں پر بھینٹ چڑھا دیا جائے۔ نہ اس کے شایانِ شان یہ ہے کہ وہ کارگاہ دنیا سے فرار اختیار کرکے غاروں، بیابانوں صحراؤں اور جنگلوں میں اپنا مسکن بنالے۔ بلکہ وہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ اسے ارادہ واختیار کی صلاحیت بخشی گئی ہے اس لئے اس کا فریضہ ہے کہ وہ خدا کی ہدایات کے مطابق کائنات کا نظم ونسق چلانے کی تدابیر اختیار کرے۔

۴۔ آخرت

قرآن کی رو سے انسان اس دنیا میں چند روزہ زندگی گزار کر ہمیشہ کے لئے فنا ہو جانے کے لئے نہیں بھیجا گیا ہے۔ یہ دنیا اس کے لئے دارالامتحان ہے۔ مرنے کے بعد ایک دوسری دنیا بھی ہے جہاں تمام انسان جمع ہوں گے پھر انھیں اس دنیا میں کئے گئے اعمال کے مطابق جزا یا سزا ملے گی۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ	جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے
اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک۔۲)	کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔
فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ	جن لوگوں نے کفر و انکار کی روش اختیار
عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا	کی ہے انہیں دنیا و آخرت دونوں میں سخت

* آفتاب عالم دھنبادی ندوی

مولانا حسرت موہانی

جنگ آزادی کے ایک سپاہی، صحافی اور شاعر

مولانا حسرت موہانی کی داستان حیات کا ایک سرا ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے شروع ہوتا ہے اور ۱۹۴۷ء پر ختم ہوتا ہے اور دوسرا سرا شعر و شاعری کا ہے جو منشی امیر اللہ تسلیم سے شروع اور حسرت، اصغر اور جگر پر ختم ہوتا ہے۔

جنگ آزادی کے بارے میں یہ حقیقت سامنے رکھنی ہوگی کہ اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کے بعد اس کے نااہل جانشینوں کے دور میں باہمی کشمکش، سیاسی ناہمواریوں اور خارجہ طاقتوں کی ہندوستان میں رسہ کشی کا جو آغاز ہوا تھا ۱۸۵۷ء کی شرمناک شکست پر اس کی انتہا ہوئی۔ وہ قوم جو پہلے حاکم تھی شکست خوردہ ہوئی۔ اور ایک بدیسی طاقت نے ملک کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لی۔

انقلاب ۱۸۵۷ء کا دریائے خون مسلمانوں کے سر سے گذر گیا اور اس کی سرخی مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کی علامت بن کر رہ گئی، مسلمان اور باغی دونوں لفظ ایک دوسرے کے مرادف قرار پائے جس کے نتیجہ میں سامراجیوں نے تہذیب و تمدن کے ایک ایک نقش کو سرزمین ہند سے مٹا دینے اور مسلمانوں کے دماغ سے پدرم سلطان بود کی بو کو نکالنے اور انتقام کی آگ کے شعلوں سے انھیں راکھ کا ڈھیر بنا کر چھوڑ دینے کا تہیہ کر لیا۔

دوسری طرف حکومت کی پشت پناہی میں عیسائی مشنریاں اپنا سارا تبلیغی

جوش اور زور مسلمانوں پر صرف کرنے لگیں ۔

ایسے نازک دور میں مسلمانوں کی دست گیری اور انھیں قعر ذلت سے نکالنے کے لیے جو شخصیتیں ابھر کر سامنے آئیں ان میں سرسید کی شخصیت بہت نمایاں ہے لیکن بوجوہ ان کی کوشش اور کاوشیں مسلمانوں میں مغربی تعلیم پھیلانے اور بڑی بڑی سرکاری ملازمتیں فراہم کرنے تک محدود ہوگئیں، اس تعلیم سے بجائے اس کے کہ بیرونی حکومت سے نفرت اور ان کے اندر آزادی کی تڑپ اور خوابیدہ امنگ کروٹیں لیتیں ، اس کا مقصد صرف انگریزوں کی بے مصرف بلکہ مضرت رساں نقالی اور سامراجی حکومت کی وفادارانہ غلامی کا جوا گردنوں میں ڈالے رکھنا قرار پایا ،

اس سیاست کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستانی مسلمان سوائے ایک قلیل تعداد کے ۱۹۰۶ء تک سیاست سے بالکل الگ تھلگ رہے ۔

دوسری طرف برادران وطن میں سیاسی بیداری کی لہر دوڑ چکی تھی ، لارڈ کرزن کے زمانۂ اقتدار میں اس کے تحکمانہ انداز حکومت اور انتظامی اقدامات کی بنا پر ملک کی سیاسی بے چینی میں شدت پیدا ہوگئی ، اور تقسیم بنگال نے جلتے پر تیل کا کام کیا ،

یہ ہے وہ سیاسی پس منظر جس میں آزادی کے شیدائی ، عزم وہمت کے پیکر مجسم ، حق گوئی و بیباکی کے مظہر حسرت موہانی اپنے ایمان اور وطن سے محبت کا سہارا لئے ہوئے میدان میں آئے ۔

سوانحی خاکہ

حسرت موہانی ضلع اناؤ کے مردم خیز قصبہ موہان میں نیشاپوری سادات کے خاندان میں ۱۲۹۵ھ میں پیدا ہوئے قرآن پاک اور فارسی کی ابتدائی تعلیم موہان ہی میں حاصل کی اس کے بعد اردو مڈل اسکول میں داخل ہوئے اور اس امتحان میں تمام صوبہ میں ممتاز رہ کر سرکاری وظیفہ حاصل کیا ، اور مزید تعلیم کے لئے فتح پور ہسوہ آئے ، جہاں کی آب و ہوا حسرت موہانی کی ادبی ذہنی و دینی تعلیم و تربیت کے لئے بہت راس آئی ، یہیں اوپس زمانہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی علیہ الرحمہ کے خلیفہ مولانا سید ظہور الاسلام جو نہایت متقی و پرہیزگار اور باصفات بزرگ اور ندوۃ العلماء

کے ارکان خاص میں تھے کی صحبت نصیب ہوئی، اس کے علاوہ یہاں حسرت کو دوسرے بزرگوں سے بھی فیضیاب ہونے کا موقع ملا، حسرت بچپن ہی میں قادری سلسلہ میں مولانا شاہ عبدالوہاب صاحب فرنگی محلی (پدر بزرگوار مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی) سے مرید ہو گئے تھے، یہی وجہ ہے کہ ہزاروں انقلابات کے باوجود حسرت اپنی مذہبی زندگی اور صوفیانہ مسلک میں ہمیشہ غیر متزلزل رہے۔

(نگار حسرت نمبر ۱۹۵۲ء مضمون از حضرت مولانا سید سلیمان ندوی)

حسرت کی اسلامیت یا آج کی اصطلاح میں ان کی بنیاد پرستی کا ہر ایک نے اعتراف کیا ہے،

مفسر قرآن اور مشہور صاحب طرز ادیب مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں۔

"حسرت موہانی کے ادبی و شعری کمالات سے ایک زمانہ واقف اور ایک جہان ان کا معترف ہے، لیکن اس سے بھی بڑھکر قابل قدر حسرت کا اخلاص، ایثار، انکسار اور ایمان محکم ہے، ان کی ذات دینداری اور بے نفسی کا ایک مجسم پیکر تھی"

(حسرت کی یاد میں ص ۱)

سابق صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین رقمطراز ہیں۔

"وہ کتنے پکے مسلمان تھے، کتنے بہادر ہندوستانی، کتنے سچے آدمی اور کیسے اچھے شاعر شیریں و شائستہ،

(حسرت کی یاد میں ص ۱۲)

مجنوں گورکھپوری حسرت کی دینداری اور مذہب پرستی کا یوں شکوہ کرتے ہیں:

"حسرت کی زندگی کا ایک رُخ ہم کو لاینحل عقدہ معلوم ہوتا ہے، ایک طرف تو وہ بغاوت اور انقلاب کے علمبردار نظر آتے ہیں۔ دوسری طرف بعض زاویوں سے وہ خود روایت پرست نظر آتے ہیں، خود انہوں نے بارہا اس کا اعتراف

معمولات اس کی گواہی دیتے ہیں۔ وہ نماز روزہ کے پابند تھے ایک سچے مومن کی طرح انہیں ذات نبوی سے عشق تھا، ان کا یہ شعر ذات نبوی سے شیفتگی اور گہری عقیدت کا غماز ہے

ہاتھ آئے اگر خاک ترے نقش قدم کی　　سر پہ کبھی رکھیں کبھی آنکھوں سے لگائیں

ذات نبوی سے شیفتگی اور تعلق و محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ سرمایہ کے فقدان کے باوجود انھوں نے گیارہ حج کئے۔

ان کے اندر اسلام کا کتنا درد تھا اور جھنڈے کو سرنگوں ہوتے دیکھ کر کس طرح تڑپ اٹھتے تھے اس کا اندازہ اس شعر سے بخوبی کیا جا سکتا ہے ؎

مجھ سے اب دین کی پستی نہیں دیکھی جاتی
غلبۂ کفر سے بیزار ہوں شیئاً للہ

حسرت ملک کی آزادی کی جدوجہد میں بھی اس لئے لگے کہ یہ اسلام کی تعلیم کا تقاضہ تھا) کیونکہ اسلام استبداد کو ناپسند کرتا ہے، وہ کسی ایسے اقتدار کو گوارہ نہیں کر سکتا جس سے خدا کے بندے آزادی کی نعمت سے محروم ہو کر اپنے ہی جیسے انسانوں کی غلامی میں مبتلا ہو جائیں۔ مسلمانوں کو خدا کے بتائے ہوئے اصول و عقائد کے کے مطابق آزاد زندگی گزارنے کے لئے تمام دنیاوی مال و متاع کے ساتھ جان کو بھی قربان کر دینے کی اسلام تلقین کرتا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد مسلمانوں کو انھیں اپنا بھولا ہوا سبق یہ کہکر یاد دلاتے ہیں کہ آزادی کی ذمہ داری تمہارے سروں پر خدائے ذوالجلال کی طرف سے ہے۔ دنیا میں صداقت کے لئے جہاد اور انسان کو انسانی غلامی سے نجات دلانا تو اسلام کا قدرتی مشن ہے، اور یاد رکھئے کہ ہندوؤں کے لئے ملک کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنا داخل حب الوطنی ہے مگر آپ کے لئے ایک فرض دینی اور جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

دیوانۂ آزادی، شعلۂ عزم و حمیت حسرت اس سے بھی آگے بڑھکر اسلام اور غلامی دونوں میں تضاد سمجھتے ہیں ؎

[illegible] کر پابند اختیار ہو کر [illegible] مسلمان رہنما کیوں فرار ہو کر [illegible]
غرض ملک کی آزادی کے سلسلہ میں انہوں نے جو کچھ کیا وہ [illegible]
اسلامی جذبہ سے کیا۔

قومی شعور بیدار کرنے، عوام میں خود شناسی

حسرت موہانی میدان صحافت میں

اور خود اعتمادی اور نئے عزائم اور حوصلے بیدار کرنے کے جدوجہد آزادی کی لو کو تیز کرنے میں اردو صحافت نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ماضی کی تاریخ [illegible] مزین اور قرآن و حدیث سے مدلل صفحات قرطاس [illegible] چراغ کی مانند [illegible] آزادی کو روشن کرتے رہے۔ اردو صحافت میں حسرت موہانی، مولانا ابوالکلام، محمد علی جوہر اور ظفر علی خاں کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ صحافت ہی سے ان بزرگوں کی مجاہدانہ زندگی کا آغاز ہوتا ہے اور ان کی تحریریں بچپن سے جوانی تک کے ارتقائی منازل طے کر کے تاج برطانیہ کے ناموس ننگ کے لیے ایک خطرہ بن جاتی ہے اور جنگ آزادی میں صحافت سے تیغ جوہردار کا کام لیا جاتا ہے۔

یوں تو قلم کی عظمت اور ناقابل تسخیر قوت کا اعتراف ہر زمانہ میں کیا جاتا رہا ہے لیکن اس کا اظہار اس ملک میں اس وقت ہوا جب قلم کے ان شہنشاہوں نے اپنے اشہب قلم کے ذریعے گرجتے ہوئے طوفان اور لپکتے ہوئے شعلوں سے ملک کو انگریزوں کے خلاف کوہ آتش فشاں بنا دیا، کنگرۂ فرعونیت کو متزلزل اور ان کے وقار [illegible] کو پامال کر دیا۔

حسرت زمانۂ طالب علمی ہی میں اسیر زلف سیاست ہو چکے تھے اور بڑے عزم و استقلال سے اس دور کے حالات کا مقابلہ کیا۔ تین مرتبہ حریت کا نعرہ بلند کرنے پر وہ علی گڑھ سے نکالے گئے۔

تعلیم سے فراغت کے فوراً بعد حسرت تحریک آزادی کی لو کو تیز کرنے اور اس کا صور پھونکنے کے لیے میدان صحافت میں آ گئے۔

اس میدان میں ان کے لافانی نقوش اردوئے معلیٰ، تذکرۃ الشعراء اور مستقل ہیں جن کی تیز و تند اور شوخ تحریروں نے مزاج ہندوستان کو شیدائی آزادی اور آمادۂ انقلاب کرنے میں بڑا اہم رول ادا کیا۔

"اردوئے معلیٰ میں سیاسی موضوع پر دیگر دانشوروں کے مضامین کے علاوہ حسرت کے مضامین بھی شائع ہوتے تھے، ان کا مقصد مسلمانوں کو کانگریس میں شامل ہونے کی ترغیب دینا، کانگریس کے انتہا پسند بازو کی حمایت اور سودیشی تحریک کو مقبول بنانا ہوتا تھا، حسرت موہانی پہلے صحافی ہیں جنہوں نے اردوئے معلیٰ کے ذریعہ اردو داں طبقہ خصوصاً مسلمانوں کو ترغیب دی کہ وہ کانگریس کے زیر قیادت متحدہ محاذ بنا کر جدوجہد آزادی میں شریک ہوں۔"

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں :

"مسلمان ۱۹۰۶ء تک ہندوستان کی سیاست سے بالکل الگ تھلگ تھے، مدراس کے سید محمد کا نام کبھی کبھی کانگریس میں سنائی دیتا تھا یا جسٹس لیب جی کا خیال کبھی کبھی ظاہر ہوتا تھا۔ مولانا شبلی مرحوم خیال کی حد تک کانگریس کے ساتھ تھے، مگر بہادر نوجوان حسرت پہلا شخص ہے جس نے علی گڈھ کی پالیسی کے برخلاف علم جہاد بلند کیا۔"

جنوری ۱۹۰۵ء کے اردوئے معلیٰ میں مخالفین کانگریس کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھا، حق یہ ہے کہ کانگریس سے کوئی فائدہ مرتب نہ ہو تو صرف اس پاک جوش اور شریفانہ حمیت و خودداری کی نمودار حالت کو پیش نظر رکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو جلسہ نوجوانان ملک کے دلوں میں ایسی جائز حوصلہ مندی اور آزادی جوش پیدا کرنے اور بزرگان ملک کی توجہ اور خیالات کو ملکی امور کی جانب مائل رہنے دے اور نوجوانوں کے سامنے اپنی بلند ہمتی اور اولوالعزمی کا نمونہ پیش کرنے کا موقع دے وہ کسی حالت میں بیکار نہیں ہو سکتا۔

تحریک آزادی کی مخالفت میں برطانوی حکومت کے اشارہ سے مذہبی حربہ استعمال کیا جا رہا تھا، حسرت موہانی نے ہمیشہ اس طرح کی غلط بیانیوں کا پردہ فاش

گیا اور ان غلط کاراشخاص کی غلطی واضح کی۔

اردوئے معلی میں حسرت کا ایک مضمون ہے جس میں انہوں نے تمام قرآنی آیات ایک جگہ جمع کر دی ہیں جو کفار مشرکین سے موالات یا ترک موالات کے موضوع سے متعلق تھیں۔ اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ دنیوی معاملات میں غیر مسلم سے اشتراک جائز ہے۔

حسرت کا دوسرا اخبار مستقل جو کانپور سے نکلتا تھا کلیتہً سیاسی تھا۔ اس میں ملکی اور غیر ملکی مراسلات اور اشتہارات کے علاوہ اندرون و بیرون ملک کی سیاست و حالات حاضرہ پر مبنی مضامین مشاہیر کے حالات زندگی، اہم شخصیتوں کے بیانات اور خاص جلسوں کی کاروائیاں شائع ہوتی تھیں۔ ان کے علاوہ سیاسی کارکنان پر حکومت کی قائم کردہ چند مشہور مقدمات کی تفصیلات بھی اس میں نکلی ہیں۔

علمی و سیاسی نوعیت کے شمولات کے علاوہ مستقل کی اہم تحریریں حسرت کے اداریے ہیں جو اندرون و بیرون ملک کی سیاست اور کوائف زمانہ پر حسرت کی بصیرت کے آئینہ دار ہونے کے ساتھ اظہار حق پر حسرت کی بصیرت کے آئینہ دار ہونے کے ساتھ اظہارِ حق پر حسرت کی جرأت و بیباکی کے مظہر ہیں۔ مستقل میں شامل حسرت کی تحریروں کے بارے میں پرنسپل عبدالشکور نے لکھا ہے " ان مضامین کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ کے کاغذی پیراہن میں شرارے جمع کر دیئے گئے ہیں"۔

ان اداریوں کی خاص بات ایک یہ ہے کہ یہ اگرچہ متنوع موضوعات پر مشتمل ہیں مگر ہر ایک میں انگریز دشمنی اور آزادی کامل کو قدر مشترک کا درجہ حاصل ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا اظہار کبھی بین السطور ہوا اور کبھی اعلانیہ۔

انتخاب مستقل کے مرتب محمد جمال علی مستقل کے اداریوں کے بارے میں لکھتے ہیں

" مستقل کے اداریوں میں حسرت کی جرأت آموز تاب سخن نے اردو صحافت کو اعلیٰ معیار بخشا ہے۔ مستقل کے صفحات پر حسرت نے دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں، داغ ہائے دل کی نمائش کی ہے۔ صفحۂ قرطاس پر آتش ریزیاں کی ہیں۔ مستقل کے صفحات کے ذریعہ حکومت پر صاعقہ ارمان کی ہیں۔

حسرت نے جس جنگ آزادی میں صحافت کی شمشیر برہنہ سے انگریزوں اور ان کے حلیفوں سے کے ذانت کھٹے کئے اور جس کے نتیجہ میں کئی بار قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔

بقول رشید احمد صدیقی جس بات کو اپنے نزدیک حق سمجھتا تھا اس کو بغیر تامل کے بغیر گھٹائے بڑھائے، بغیر ہموار کئے، بے ضعطہ زبان بغیر پلک جھپکائے مخاطب افلاطون ہو یا فرعون اس کے سامنے کہہ ڈالنا حسرت کے لئے معمولی بات تھی۔

(نگار حسرت نمبر ۱۹۵۲ء)

جب بعض دوستوں نے حسرت کو اردوئے معلیٰ کی پالیسی میں نرمی اختیار کرنے کا مشورہ دیا تو اس کے جواب میں انھوں نے لکھا:

"ہمارے خیال میں یقین ہو یا عقیدہ عام اس سے کہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی ایک ایسی چیز ہے جس کو کسی خوف یا مصلحت کے خیال سے ترک یا تبدیل کر دینا، اخلاقی خوبیوں میں سے ایک بدترین گناہ ہے جس کے ارتکاب کا کسی حریت پسند یا آزاد خیال اخبار نویس کو خیال بھی نہیں آسکتا۔

۱۹۱۱ء میں جب اردوئے معلیٰ کا پریس ضمانت کا شکار ہو گیا تو حسرت نے اردوئے معلیٰ کو بند کرتے ہوئے لکھا:

"سرجیمس مسٹن لفٹنٹ گورنر یوپی اور ان کے مانند جملہ ارباب قہر و غرور کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی ناراضگی اہل دوست کے لئے خواہ کیسی ہی مہیب اور اہم کیوں نہ ہو مگر ہم سے آزاد فقیروں کا اس سے مرعوب و مغلوب ہونا کسی صورت سے ممکن نہیں ہے۔"

(انتخاب حسرت ص ۱۱)

حسرت کی اس جرأت و بیباکی کی اہمیت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب انگریزوں کی ہیبت بقول مجنوں گورکھپوری لوں پر کچھ اس طرح طاری تھی کہ وطن کا بڑے سے بڑا ہوا خواہ اور آزادی کا مشہور سے مشہور مبلغ آزادی کا نام لیتے ہوئے اپنی زبان میں لکنت اور ہچکچاہٹ محسوس کرتا تھا۔ مستقل اور اردوئے معلیٰ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حسرت کو ہندوستان کے علاوہ دوسرے

مائل خاص طور پر عالم اسلام کی سیاست سے گہرا لگاؤ تھا
حسرت جہاں کہیں بھی انسانیت کو غلامی کے شکنجہ میں گرفتار دیکھتے بے چین ہو جاتے
جس طرح وہ ہندستان کو آزاد کرانا چاہتے تھے اسی طرح دنیا کے تمام ملکوں اور قوموں کی
بھی آزادی کے وہ خواستگار تھے ایران ہو یا افغانستان، چین ہو یا ترکی یا مصر ہر
ایک کی آزادی کے لئے انہوں نے زور وشور سے آواز بلند کی طرابلس کے مظلوم مسلمانوں کی
داستانِ غم ہو یا کانپور کی مسجد کے انہدام کا المناک واقعہ، طرابلس میں عیسائیوں کی
درندگی و خونریزی کا قصہ ہو تا ترک بہ بلقانی ریاستوں کا حملہ حسرت کے قلم نے ہر موقع پر
حق کی حمایت اور مظلوموں کی مدافعت کی۔ ظلم و ظالموں کے خلاف پر جوش اور فکر انگیز مضامین لکھے۔
۱۴ اردسمبر ۱۹۲۹ء کے مستقل میں "اول قبلہ خطرہ میں" کے عنوان سے لکھتے ہیں:
فلسطین کی سرزمین عربوں کے خون سے لالہ زار ہو چکی ہے۔ چالیس کروڑ مسلمانانِ عالم
کے اول قبلہ پر یہودیوں نے چڑھائی کردی ہے، مظلوم و بیکس عربوں کو پھانسیاں
دی جا رہی ہیں۔ جن مقامات میں غازی صلاح الدین فاتح جیسے بزرگوں کی ہڈیاں مدفون
ہیں ان پر صیہونیت کی لعنت رفتہ رفتہ مسلط کی جا رہی ہے۔ لیکن مسلمان اب تک
سو رہے ہیں اور نہیں معلوم ان مظالم اور انصاف سوز کاروائیوں کا انجام کیا ہوگا۔
ضرورت ہے مسلمان بیدار ہوں اور ہر جگہ مظالم فلسطین کے خلاف نہایت غم و غصہ کے
خلاف صدائے احتجاج بلند کریں جہاں جہاں یہ آواز پہنچے بعد تجدید مجتمع ہوں اور ذیل کی تجویز منظور کرا کے اخبار
و وائسرائے ہند کو ارسال کریں، تجویز کے الفاظ: مسلمانوں کا یہ جلسہ مظالم فلسطین کے خلاف نہایت غم و غصہ
کے ساتھ پرزور صدائے احتجاج بلند کرتا ہے ——، و حکومت برطانیہ کو مطلع کرتا ہے کہ مسٹر بالفور کا
اعلان ایک خطرناک غلطی ہے اسے فوراً منسوخ کیا جائے، ورنہ اس کے نتائج ایسے
خطرناک ہوں گے جس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔
حسرت کی تحریروں کا امتیاز جرأت و بیباکی، آزادی رائے، اور بے تامل اظہار ہے
جس سے انھیں بڑی سے بڑی طاقت بازنہ رکھ سکی۔
مؤرخ جنگ آزادی حسرت کی ان تحریروں سے بے نیازانہ نہیں گزر سکتا۔

تاریخ جنگ آزادی حسرت اور ان کی تحریروں کے تذکرہ کے بغیر نا تمام رہے گی۔

حسرت کی سیاسی شاعری

اس میں شک نہیں کہ حسرت کے کلام میں عشق و محبت کے مقابلہ میں سیاسی اور مذہبی اشعار کا تناسب بہت کم ہے حسرت کے کلام کے قدر دانوں کو یہ شکایت رہی ہے کہ تمام عمر لیلائے سیاست کے کوچہ میں بسر کرنے کے باوجود ان کا کلام صرف محبت کی داستان دہراتا ہے، مگر یہ خیال صحیح نہیں، یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ اس کثرت سے ان کی شاعری میں سیاست کا بیان نہیں جس قدر کہ مضامین محبت کی کثرت ہے، مگر حسرت کی شاعری میں ہمیں اس دور کے ہر سیاسی مسئلہ اور ہر قابل ذکر تحریک پر بڑی تعداد میں اشعار مل جاتے ہیں۔

دراصل حسرت کے یہاں جذبہ حریت کی ولولہ انگیزی ہو یا سامراج کے جبر و جفا کے خلاف احتجاج تمام احساسات کو تغزل کے آداب ملحوظ رکھ کر شاعرانہ سلیقہ سے بیان کیا گیا ہے اس طرح حسرت کی شاعری غزل کے بانکپن کے ساتھ سیاست کے ہنگامۂ محشر کو اپنے سینہ میں سموئے ہوئے ایک شراب دو آتشہ بن گئی ہے،

حسرت پرانے رنگ کے پیرو، وہ غالب و مومن، جرات و مصحفی کے طرز سخن کے مداح تھے، رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں حسرت نے غزل کی آبرو اس زمانہ میں رکھ لی جب غزل بہت بدنام اور ہر طرف سے نرغہ میں تھی انہوں نے غزل کی اہمیت اور عظمت ایک نامعلوم مدت تک منوالی، اس پر گوپی چند نارنگ اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں، لیکن غزل پر حسرت کا صرف یہی احسان نہیں بلکہ انہوں نے غزل کی مخصوص اشاریت کو برتتے ہوئے سیاسی جذبات و احساسات کو بیان کر کے اردو غزل کی ایک اور خدمت بھی کی، غزل میں احتجاجی نوعیت کی شاعری کر کے انہوں نے ایک نئے باب کا آغاز کیا۔ اس راہ سے کانٹے نکالے۔ اور آئندہ شاعروں کے لئے ایک شاہراہ کھول دی، حسرت کا انداز تغزل بہت ہی انوکھا ہے، وہ غم جاناں کو غم دوراں بنا کر کچھ اس انداز سے نغمہ سرا ہوتے ہیں کہ تمام فضا کیف و سرور میں سرمست

اور تمام ماحول جذبات حریت و آزادی سے سرشار ہوجاتا ہے۔ مطلع عاشقانہ ہے اور مقطع سیاسی اور دونوں نہایت مشہور اور الگ الگ نوع کی شاعری کے حوالہ میں پیش کئے جاتے ہیں، غور سے غزل پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ پوری غزل میں سیاسی احساس و شعور جاری وساری ہے، حسرت سیاست کے تلخ مسائل کو غزل کی شیریں و دلآویزی میں یوں پیش کرتے ہیں کہ اشعار سے محظوظ ہونے کے ساتھ ہی لوگ حسرت کے ہم خیال اور ہم آہنگ ہوجاتے ہیں ۔

رنگ سونے میں چمکتا ہے طرحداری کا
طرفہ عالم ہے تیرے حسن کی بیداری کا

جور ! بہم نہ کرے شان تو جہ پیدا
دیکھو بدنام نہ ہو نام ستمگاری کا

خود ہی انصاف سے کہیئے کہ اٹھا رکھا ہے
آپ نے کوئی دقیقہ بھی دل آزاری کا

یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ حسرت کا جذباتی اور انقلابی نعرہ بڑے سے بڑے سے بڑے حریت پسند اور شیدائی آزادی کو حیرت میں ڈال دیتا تھا، اور حسرت شوریدہ سر کا ساتھ دینے سے ہر ایک اپنے کو عاجز پاتا تھا، حسرت کو بھی اس کا احساس ہے ۔

کچھ ایسی دور بھی تو نہیں منزل مراد لیکن یہ جبکہ چھوٹ چلیں کارواں سے ہم

کانگریس جو آہستہ آہستہ معاشرتی اصلاحوں اور معمولی سیاسی مطالبوں سے گذرتی ساری نئی قوتوں کو اپنے دامن میں سمیٹتی اور آخر میں ہوم رول اور مکمل آزادی کے مطالبہ تک پہنچ گئی، اس کے جھنڈے تلے دو قسم کے نظریات کے حامل جمع ہوگئے تھے ایک گروہ تھا جو اعتدال پسند کے نام سے جانا جاتا تھا جبکہ دوسرا انتہاپسند کے نام سے معروف تھا، مؤخر الذکر کی قیادت مہاراج تلک اور لالہ لاجپت رائے

وغیرہ کررہے تھے، حسرت تلک کے سیاسی مرید تھے۔
اپنے اشعار میں جابجا ان سے عقیدت کا اظہار کرتے ہیں ؎

مغموم نہ ہو خاطر حسرت کہ تلک تک
پیغام وفا باد سحر لے کے گئی ہے

اے تلک، اے افتخار جذبۂ حب وطن
حق شناس و حق پسند و حق یقین و حق سخن

سب سے پہلے تو نے کی برداشت اے فرزند ہند
خدمت ہندوستان میں کلفت قید محن

ذات تیری رہنمائے راہ آزادی ہوئی
تھے گرفتار غلامی ورنہ یاران وطن

تو نے خودداری کا پھونکا اے تلک ایسا فسوں
یک قلم جس سے خوشامد کی مٹی رسم کہن

ناز تیری پیروی پر حسرت آزاد کو
اے تجھے قائم رکھے تادیر رب ذو المنن

تلک کے انتقال پر حسرت ان الفاظ میں ماتم کناں ہیں۔

ماتم ہو نہ کیوں بھارت میں بپا دنیا سے سدھارے آج تلک
بلونت تلک، مہراج تلک، آزادوں کے سرتاج تلک

بقیہ : رشحات

کے اندر نشہ داور اشتعال انگیزی کا ماحول پیدا کرنے والوں کو جو چھوٹ دے رکھی ہے انشاءاللہ اس کے ذریعہ وہ مسلمانوں کو تو مٹا نہ سکیں گے البتہ اس ملک کا کیا حشر ہوگا آپ کو اس کی فکر کرنی چاہیئے۔ ؎

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں
[illegible]

مسلم پرسنل لا بورڈ کی قرارداد

اور

پیغام

۳۰ دسمبر ۱۹۹۰ء کے منعقدہ جلسہ میں مسلم پرسنل لا بورڈ نے بحمد اللہ بعض ملی مسائل کے سلسلہ میں پہلی بار واضح الفاظ میں اپنا موقف اور نقطۂ نظر ظاہر کیا ہے جس سے ملت کو بڑا حوصلہ ملا ہے اس لئے کہ یہ ایک ادارہ ہے جسے ملت کے ہر طبقہ کی نمائندگی حاصل ہے اس کی قرارداد کا متن حسب ذیل ہے۔

(مرتب)

مسلم پرسنل لا بورڈ نے بابری مسجد کے سلسلے میں اپنے جلسہ میں جو ۳۰ دسمبر کو ہوا جو قرارداد منظور کی تھی اس میں اس نے حکومت پر یہ بھی زور دیا ہے کہ وہ الہ آباد ہائی کورٹ کے حکم امتناعی کی پابندی کرے اور اس کی خلاف ورزی کرنے کی اجازت نہ دے۔

قرارداد کا ایک حصہ ۵ دسمبر کے قومی آواز میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کی جو مزید تفصیلات موصول ہوئی ہیں ان کے بموجب قرارداد میں کہا گیا ہے کہ مسجد کی جگہ پر یا اس کی اراضی پر مندر بنانے کی کوشش کرنا آئین ہند سے بغاوت اور قانون شکنی کے مرادف ہے اور یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ آئین ہند کا تحفظ کرے اور قانون کی پاسبانی کرے۔

قرارداد میں کہا گیا ہے کہ اگر حکومت معاملہ کو بات چیت کے ذریعہ حل کرنا چاہتی ہے تو مسلم پرسنل لا بورڈ ہر اس تصفیہ کا خیر مقدم کرے گا جو شریعت اسلامی کے خلاف نہ ہو۔

بورڈ نے اپنی قرارداد میں کہا ہے کہ حکومت فرقہ پرستوں کو روکنے اور ان کو سزا دینے میں ناکام رہی ہے۔ گذشتہ تین برسوں سے ملک بھر کے شہروں اور دیہاتوں میں تقریروں

کیسٹوں اور بیانات کے ذریعہ فرقہ پرستی پھیلا رہے ہیں۔

قرارداد میں حکومت سے کہا گیا ہے کہ وہ اس افسوسناک مہم کو روک کر اپنی ذمہ داری ادا کرے۔ کیوں کہ نفرت اور جارجیت کی یہ مہم ملک کے مفادات اس کی سالمیت اور اس کے اتحاد کے لئے مضر ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس (منعقدہ ۳ر دسمبر ۱۹۹۰ء) مسجد کے شرعی موقف کو اہل ملک اور مسلمانوں پر واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہے کہ مسجد اور مسجد کی جگہ خدا کی ملک ہے نہ اسے تبدیل کیا جا سکتا ہے' نہ اس کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے' نہ کسی مصالحت کی بنا پر کسی فرد' جماعت یا حکومت کے حوالہ کی جا سکتی ہے اور نہ کوئی حکومت اسے ایکوائر کر سکتی ہے۔

بابری مسجد کے تنازعہ اور اس سے پیدا شدہ پیچیدہ صورت حال کے تفصیلی جائزہ کے بعد یہ اجلاس اپنے اس نقطۂ نظر کا اظہار کرتا ہے کہ :-

(الف) ناقابل تردید تاریخی وقانونی شواہد سے واضح ہے کہ بابری مسجد مسجد ہی ہے اس حقیقت کا اعتراف حکومت اتر پردیش نے بھی عدالت میں دیئے گئے تحریری بیان میں کیا ہے امر واقعہ یہ ہے کہ بابری مسجد کسی غصب کی ہوئی زمین پر یا کسی مندر کو توڑ کر نہیں بنائی گئی اس لئے اس کی شرعی حیثیت وہی ہے جو ایک مسجد کی ہوتی ہے' بنا بریں مسجد مسلمانوں کو اسی حالت میں جس میں کہ ۲۲ر دسمبر ۱۹۴۹ء تک تھی واپس کی جانی چاہیئے۔

(ب) مسجد سے ملحقہ قبرستان کی آراضی پر جو شلانیاس ۹ر نومبر ۱۹۸۹ء کو ہوا تھا وہ غلط اور ناجائز تھا۔ اس مقام پر کارسیوا یا ایسے کسی پروگرام کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

(ج) الہ آباد ہائی کورٹ کے صادر کردہ حکومت امتناعی کی تعمیل حکومت کا فرض ہے کہ اس حکم کی خلاف ورزی کو روکنا حکومت کا کام ہے۔ بابری مسجد کی جگہ یا اس کی آراضی پر مندر تعمیر کرنے کی کوشش واضح طور پر قانون شکنی اور دستور کے خلاف بغاوت ہے۔ دستور کی حفاظت اور قانونی بالادستی کو برقرار رکھنا حکومت کی ذمہ داری ہے اس لئے اس کو ایسی کوششوں سے ایمانداری اور مستعدی سے نمٹنا چاہیئے۔

(د) حکومت اگر گفت وشنید کے ذریعہ تنازعہ حل کرنا چاہتی ہے تو بورڈ ایسے ہر حل کا

استقبال کرے گا جو شریعت سے متصادم نہ ہو۔

(ہ) تین سال سے فرقہ پرست گاؤں گاؤں شہر شہر فرقہ پرستی کی آگ تقاریر، شرانگیز بیانات آڈیو اور ویڈیو کیسٹس کے ذریعہ بھڑکا رہے ہیں، ان شرانگیزیوں کے نتیجہ میں ملک کے کئی مقامات پر قتل و غارت گری کے واقعات رونما ہو چکے ہیں لیکن ان تین برسوں میں حکومت نے اب تک اس اشتعال انگیزی کو روکنے کی کوشش نہیں کی۔ ان جرائم کے مرتکبین کے خلاف کوئی تعزیری کارروائی بھی نہیں کی۔ اس بدبختانہ مہم کو روکنے کے سلسلہ میں حکومت کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیئے کہ نفرت و جارحیت کے پرچار کی یہ مہم ملک کے مفاد اس کی یکجہتی اور سالمیت کے خلاف ہے۔ ملک کے مفاد عامہ کی خاطر مسلمان ضبط و تحمل سے کام لیتا رہا ہے اور جوابی انتہاپسندی سے گریز کرتا رہا ہے۔

(و) حکومت سیاسی قائدین اور ملک کے بہی خواہ اس حقیقت کو جان لیں کہ اس تنازعہ سے ملک کا مستقبل اور اس کا کردار وابستہ ہے، حق و انصاف اور قانون کی بالادستی کے ذریعہ ہی ملک اور اس کے جمہوری اور سیکولر کردار کو برقرار رکھا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ مسلم پرسنل لا بورڈ نے مسلمانوں کے نام ایک پیغام بھی دیا ہے جس کا متن حسب ذیل ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا اجلاس (منعقدہ دہلی ۳ر دسمبر ۱۹۹۰ء) بابری مسجد کے تنازعہ پر تفصیلی بحث کے بعد اپنے اس احساس کا اظہار کرتا ہے کہ :۔

(الف) اس تنازعہ کے حل اور بابری مسجد کے تحفظ کے لئے مختلف حلقوں، افراد اور بالخصوص رابطہ کمیٹی اور ایکشن کمیٹی نے جو کوششیں کی ہیں وہ قابل قدر ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کمیٹیوں کی کوششیں باہم اتنی مربوط ہوں کہ ان میں اتحاد مقصد کے ساتھ اتحاد عمل پیدا ہو سکے۔

(ب) فرقہ پرست تنظیموں کی فرقہ پرستانہ جارحیت کے نتیجہ میں مسلمانانِ ہند پر جو حالات گذرے وہ بلاشبہ ہولناک تھے، ملک کے طول و عرض میں متعدد مقامات پر انتظامیہ، پولیس بالخصوص پی، اے سی نے جس درندگی اور بربریت کا مظاہرہ کیا وہ قابل مذمت ہے۔ اور حکومت کے دامن پر بدنما داغ ہے، ان واقعات کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ مسلمانوں نے آزمائش کے ان لمحات میں صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اور استقامت کا ثبوت دیا، جان و مال پر

حملے اور قتل و غارت گری کے ان ہنگاموں میں جو مسلمان ہلاک کئے گئے وہ شہید ہیں شہادت کی موت اتنی عظیم ہے کہ مومن اس کی تمنا کرتا ہے۔ اور جو مسلمان ہلاک کئے گئے وہ شہید ہیں شہادت کی موت اتنی عظیم ہے کہ مومن اس کی تمنا کرتا ہے۔ اور جو مسلمان برباد ہوئے ان سے یہ اجلاس ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور یقین دلاتا ہے کہ اس قربانی اور ایثار کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے۔ ان ہنگاموں میں جو بے قصور گرفتار ہوئے بے رحمانہ ایذا رسانی کا شکار ہوئے اور جیل کی صعوبت میں مبتلا کئے گئے ان سے بھی یہ اجلاس ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور انہیں یقین دلاتا ہے کہ آزمائش کے ان لمحات میں پوری ملت اسلامیہ ان کے ساتھ ہے اور ان کے حوصلوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہ اب ملت اسلامیہ ہند ایسے مصائب اور تکالیف سے گذر کر ہی باعزت مستقبل کا راستہ پا سکے گی۔

(ج) ملک میں فرقہ پرست فاسسٹ ذہن جس قوت کے ساتھ ابھر رہا ہے اس کے نتیجہ میں آئندہ بھی ایسے ہولناک واقعات پیش آ سکتے ہیں مسلمان صبر و تحمل سے کام لیں اور ٹکراؤ سے بچنے کی کوشش کریں لیکن جب ان کی جان و مال عزت و آبرو اور شعائر دینی پر حملہ ہو تو وہ اللہ کی ان امانتوں کی حفاظت کے لئے حملہ آوروں کا مقابلہ کریں اور اپنے دفاع کے لئے دینی، اخلاقی و قانونی حق کا بھرپور استعمال کریں۔ یہ اجلاس مسلمانوں کو آواز دیتا ہے کہ اس طرح کے حالات کا سامنا کرنے کے لئے ہمہ دم تیار رہیں۔

(د) اس ملک میں مسلمان کا وجود حکومت یا اکثریت یا کسی گروہ کے رحم و کرم پر نہیں ہے اس کا سہارا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہے وہ خود اعتمادی اور خدا اعتمادی کے ذریعہ ہی زندہ اور باقی رہ سکتا ہے اور اسی ذات واحد کے سہارے پر وہ ملک میں اپنے دین و ایمان کے ساتھ باقی رہے گا اور انشاء اللہ درخشاں مستقبل کی طرف گامزن ہوگا۔

بقیہ :- الرشاد کی ڈاک

ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحت و عافیت کے ساتھ آپ کا سایہ تا دیر قائم رکھے آمین۔ آپ سے نیاز حاصل کرنے اور سوسائٹی کے بارے میں آپ کے گرانقدر مشوروں سے استفادہ کا بہت اشتیاق ہے، حالات ساز گار ہونے پر انشاء اللہ حاضر ہوں گا۔

والسلام نیاز کیش (جناب) محمد کلیم خان (صاحب)

ہنسور، فیض آباد

دو ہفتہ پسِ دیوارِ زنداں

ہم لوگوں کی گرفتاری کے بارے میں نومبر کے شمارے میں کچھ باتیں منیجر کی طرف سے آگئی تھیں
ان ایک ہلکی سی آزمائش کا ذکر کرنا بھی اچھا نہیں لگا مگر ذکر آجانے کی وجہ سے کچھ لوگ اس کی
تفصیل اور اس کے تاثرات بھی جاننا چاہتے ہیں، اور پھر یہ بھی جاننا چاہتے ہیں کہ ہم پر جرم
کیا عائد کیا گیا تھا، اس لئے چند صفحے سیاہ کئے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عُجب سے محفوظ رکھے۔

ایڈوانی کی سیاسی رتھ یاترا جسے بابری مسجد گرا کر مندر تعمیر کرنے کا مذہبی رنگ دے دیا گیا تھا
اس کے ذریعہ ہندوؤں کے اندر مسلمانوں کے خلاف جو جارحانہ بلکہ دہشت پسندانہ فرقہ پرستی
اور مذہبی جنون پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی اس کے نتیجے میں ملک کے اندر جو کچھ بھی ہو
جاتا کم تھا مگر ملائم سنگھ یادو چیف منسٹر یوپی اور لالو پرشاد یادو چیف منسٹر بہار اس کے مقابلے
میں خود فریق بن گئے اور مسجد کی اور مسلمانوں کے تحفظ کی ذمہ داری اپنے سر لے لی، اسی لئے
مسلمانوں نے اس اثنا میں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا کہ یہ کشمکش فرقہ وارانہ رنگ اختیار کرے
مگر بعض ضلعوں کا ایڈمنسٹریشن، اور سی، آئی، ڈی کا عملہ اپنی فرقہ پرستانہ ذہنیت کی وجہ سے
یک طرفہ گرفتاری اور قانونی کارروائی پر راضی نہیں ہوا، اسی زد میں ہمارا ضلع اعظم گڑھ بھی آیا
سب سے پہلے یہاں ہمارے دوست سابق صدر مسلم مجلس اتر پردیش جناب عالم بدیع اعظمی صاحب
کو گرفتار کیا گیا اور ان پر یہ مضحکہ خیز الزام عائد کیا گیا کہ وہ ایک مجمع کے ساتھ رام جیوتی کا جلوس
روک رہے تھے اور مسلمانوں میں اشتعال دلا رہے تھے، حالانکہ وہ ان لوگوں میں ہیں کہ اگر
کوئی مسلمان اس طرح کا اقدام کرتا تو وہ اسے روکتے، اس کے چند دن بعد آفتاب احمد قریشی
نظام آباد، مدرسہ کے رکن اور میونسپل بورڈ کے ممبر حاجی محمد یونس صاحب کو گرفتار کیا گیا اور ان
پر بھی اسی طرح کے الزامات لگائے گئے، اور یہ سب لوگ گورکھپور جیل بھیج دیئے گئے۔

یکم نومبر کو کچھ کار سیوک رہا ہو کر آئے اور وہ جوش میں کچھ نعرے وغیرہ لگانے لگے اس کو بہانہ بنا کر اعظم گڈھ شہر میں کرفیو لگا دیا گیا جس کی کوئی ضرورت نہیں تھی یہاں نہ کوئی ہندو مسلم کشمکش تھی اور فتنہ وفساد تھا اور کوئی خاص اشتعال تھا۔ ۲ر نومبر کو جمعہ تھا صبح کو ڈی ایم صاحب کو فون کیا گیا کہ آپ ڈیڑھ دو گھنٹے کے لئے کرفیو ہٹا لیں تاکہ مسلمان جمعہ کی نماز پڑھ لیں اور ہماری ذمہ داری ہے کہ امن وامان میں کسی طرح کا کوئی خلل نہیں ہوگا مگر جواب نفی میں ملا۔ یہی نہیں بلکہ ہر بڑی مسجد پر جہاں جمعہ ہوتا تھا فورس لگا دی گئی کہ کوئی مسجد میں جانے نہ پائے' اس کے بعد خیال ہوا کہ مدرسہ کے احاطہ کے اندر جو طلبہ اور اساتذہ ہیں وہ جمعہ کی نماز ادا کر لیں گے اسی لئے سامنے کا پھاٹک بند کر دیا گیا کیوں کہ وہاں پولس کھڑی تھی، مگر نماز کے وقت کچھ پڑوس کے مسلمان مدرسہ کے پچھلے دروازہ پر جمع ہو گئے، اب ان سے یہ کہنا دینی حمیت کے خلاف محسوس ہوا کہ آپ نماز کے لئے یہاں نہ آئیں واپس جائیں' چنانچہ پچھلا دروازہ کھول دیا گیا وہ لوگ آ گئے اور اطمینان سے جمعہ کی نماز ختم ہوگئی' اسی درمیان سی آئی ڈی انسپکٹر نے ڈی ایم اور ایس پی کو فون کیا کہ یہاں کئی سو آدمی جمع ہو گئے ہیں اور خلفشار کا اندیشہ ہے اس لئے فورس بھیجی جائے' چنانچہ نماز ختم ہوتے ہوتے پولیس کی کئی گاڑیاں مدرسہ کے تین طرف لگ گئیں' نماز کے بعد ان لوگوں نے اندر آنے کی اجازت لی' پھاٹک کھول دیا گیا، کوتوال سی او سٹی' ایس ڈی ایم اور کچھ داروغہ اور سی آئی ڈی انسپکٹر اندر آ گئے' ان سے گفتگو کے لئے جناب نسیم صاحب اور عزیزم عفران صاحب ان کے پاس گئے پولیس کے ذمہ داروں نے کہا کہ آپ لوگوں نے کرفیو توڑا ہے' ان سے کہا گیا کہ یہ پاس پڑوس کے لوگ ہیں جو سڑک سے آنے کے بجائے گلی گلی آ گئے ہیں یہ گلی گلی واپس چلے جائیں گے یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ میں مسجد سے نکل کر باہر آ گیا کوتوال صاحب نے سلام کے بعد اچھے انداز میں کہا کہ مولانا اب ان لوگوں کو آپ کرفیو بھر یہیں رکھیں اور کھلائیں پلائیں' میں نے کہا کہ کوئی حرج نہیں یہاں تو دونوں وقت طلبہ کے لئے کھانا پکتا ہی ہے یہ لوگ بھی شریک ہو جائیں گے' اسی طرح اچھے ماحول میں کچھ دیر گفتگو ہوتی رہی' چند منٹ بعد کوتوال صاحب نے کہا کہ آپ لوگوں سے کہئے کہ دو دو چار چار کر کے چلے جائیں' چنانچہ باہر سے آنے والے نمازی سب چلے گئے اور

بجائے اس کے کہ پولیس ان لوگوں کو گھروں میں جانے پر مجبور کرتی۔

پولیس کا پورا عملہ بھی چلا گیا مگر متعصب سی آئی ڈی انسپکٹر نے ڈی۔ ایم اور ایس ایس پی سے جا کر نہ جانے کیا شکایت کی کہ دو گھنٹے بعد پولیس کے ذمہ دار دوبارہ واپس آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کو ڈی ایم اور ایس ایس پی صاحب کوتوالی میں شہر کے بارے میں کچھ بات چیت کرنے کے لئے بلا رہے ہیں' میں سمجھ گیا کہ یہ میری گرفتاری کا پروانہ ہے انھوں نے کہا کہ گاڑی موجود ہے اس پر آپ چلیں' میں نے کہا کہ آپ چلیں میں اپنی گاڑی سے آتا ہوں چنانچہ وہ چلے گئے اور اور میں نے اپنے لڑکے ڈاکٹر عبد اللہ عمار سے کہا کہ گاڑی اسٹارٹ کرو' گاڑی کوتوالی تک پہونچانے کے خیال سے لے گیا تھا۔ اسی لئے اس پر مدرسہ کے مدرس مولوی عزیز الرحمان صاحب بھی بیٹھ گئے' جب ہم لوگ کوتوالی پہونچے تو ڈی ایم اور ایس ایس پی کوتوالی میں موجود تھے مگر ان سے بات چیت کا موقع دیئے بغیر ہم سب کو حوالات میں ڈال دیا گیا اس سے پہلے نسیم صاحب اور غفران صاحب کو بھی اسی بہانے گھر سے بلا کر یہ لوگ حوالات پہونچا چکے تھے ہم لوگوں کے خلاف جو ایف۔ آئی۔ آر لائق پولیس آفیسران نے لکھائی تھی وہ یہ تھی' راقم الحروف آٹھ آدمیوں کے ساتھ مشرک پر یہ تقریر کر رہا تھا کہ" ہندوستان سے ہندوؤں کو نکال دو اور مسلمانوں کی حکومت قائم کر دو' جس کو لوگ اپنی اپنی چھتوں اور بارجوں سے سن رہے تھے اور اشتعال پیدا ہو رہا تھا" جب کہ مدرسہ کے قریب نہ کوئی چھت ہے اور نہ مکانوں کے بارجے ہیں' مگر پولیس کی نظر میں ہر طرف مکان ہی مکان دکھائی دے رہے تھے' یہی صورت سرائے میر میں اختیار کی گئی کہ آپسی رنجش میں ایک ہندو کا قتل ہو گیا جس کو بہانہ بنا کر وہاں کرفیو لگا دیا گیا اور درجنوں آدمیوں کو گرفتار کر لیا گیا اور بری طرح زدوکوب کیا گیا۔

جیل میں پہونچنے کے بعد جیلر سے کہہ کر نسیم صاحب وغیرہ نے اپنی بیرک الگ کرائی' اور جو مسلمان پہلے سے حراست میں تھے ان سب کو وہیں بلا لیا گیا اور سرائے میر اور شہر کے اور مسلمان جو گرفتار ہوئے ان سب کو ایک بیرک میں کر لیا گیا یہاں آٹھ دن رہنا ہوا' بحمد اللہ پانچوں وقت اذان کے ساتھ نماز باجماعت ادا ہوتی رہی' فجر بعد اور عشاء بعد تقریر اور قرآن کا درس بھی جاری تھا، بحمد اللہ متعدد لوگ رات کو نفل کا بھی اہتمام کرتے تھے' آٹھ دن کے بعد مجھ پر اور میرے لڑکے ڈاکٹر عبد اللہ عمار پر این۔ ایس۔ اے لگا کر دیوریا منتقل کر دیا گیا اس میں۔

بھی ڈی ایم کی شرارت تھی کہ یہ لوگ پریشان ہو جائیں اس لئے کہ وہاں اعظم گڑھ اور دوسرے اضلاع کے کارسلوک بہت زیادہ بند تھے مگر اللہ کی مرضی کہ جیل کے سپرنٹنڈینٹ نے جاتے ہی بڑا شریفانہ معاملہ کیا، میں نے ان سے کہا کہ آپ ہم لوگوں کو ایسی جگہ رکھیں جہاں نماز وغیرہ میں کوئی پریشانی نہ ہو، انھوں نے کہا کہ میں آپ لوگوں کو ہاسپٹل میں بھیج رہا ہوں، اس ہاسپٹل میں پہلے سے کچھ اونچے ہندو خاندانوں کے جرائم پیشہ بھی موجود تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسی محبت ڈال دی کہ جیل کے کھانے سے الگ اپنے ساتھ ہمارے کھانے پینے کا وہی انتظام کرتے تھے، حتیٰ کہ ہم لوگوں کے جھوٹے برتن بھی وہی صاف کراتے تھے، اور فجر سے پہلے راقم الحروف کو چائے پینے کی عادت ہے اس کا بھی وہ اہتمام کرتے تھے۔ بحمد اللہ یہاں بھی نماز وغیرہ کا اہتمام رہا۔

حق کیلئے جیل جانے کی سنت حضرت یوسف علیہ السلام سے شروع ہوئی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تین برس شعب ابی طالب میں محصور رہ کر اس سنت یوسفی کو زندہ فرمایا تھا اور پھر اظہار حق کے جرم میں نہ جانے کتنے ائمہ کرام اور بزرگان ملت کو پسِ دیوارِ زنداں جانا پڑا مگر وہ اس جرم سے باز نہیں آئے بلکہ "بڑھتا ہے ادر ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد" کے مصداق بنے رہے۔ ہندوستان میں اسیرانِ مالٹا کی استقامت کو تو ابھی لوگ بھولے نہیں ہیں۔

دین و ملت کے لئے کسی کشمکش کے نتیجہ میں جب آدمی کو کوئی آزمائش پیش آتی ہے یا اسے جیل وغیرہ جانا پڑتا ہے تو اس سے اس کی شخصیت نکھرتی ہے اور اس سے اسے بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

اس کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ اس سے ایمان میں پختگی اور قلب میں ہمت و جرأت پیدا ہو جاتی ہے اس کے دل سے غیر اللہ کا خوف نکل جاتا ہے اور اللہ کا خوف پورے طور پر بیٹھ جاتا ہے۔ دوسرے مظلومیت کے نتیجہ میں اس سے بے شمار غیر متعلق لوگوں کے دلوں میں بھی ہمدردی اور محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ تیسرے اس کی بات میں پہلے سے زیادہ اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ اور عام لوگ بھی اس کی بات کو توجہ سے سنتے ہیں، چوتھے نماز میں۔

جو خشوع وخضوع اور دعا میں جو گریہ وزاری اور تضرع کی کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ باہر رہ کر کم ہی پیدا ہوتی ہے۔

پانچویں جیل میں بہت سے ایسے مجرموں اور قیدیوں سے گفتگو اور بات چیت کا اور ان کی نفسیات کو جاننے کا موقع ملتا ہے جن سے باہر رہ کر کبھی نہیں ملتا۔

جس وقت جیل سے چلنے لگا تو ایسا محسوس ہوا کہ بیرک کے قیدیوں کو افسوس ہو رہا ہے اور ان میں سے کئی ہم لوگوں کا سامان لئے جیل کے پھاٹک تک پہونچاتے آئے میں نے چلتے وقت ان سب سے مخاطب ہو کر کہا کہ دیکھو بھائی ہم جا رہے ہیں مگر آپ لوگوں سے ایک بات کہتے ہیں وہ یہ کہ اس وقت ملک کے اندر آپس میں بھید بھاؤ بہت پیدا ہو گیا ہے آپ لوگ یہاں سے نکل کر اس کو مٹانے کی کوشش کیجئے گا اس میں شریک نہ ہوئیے گا سب نے بڑی خندہ پیشانی سے اس کا مثبت جواب دیا۔

برادرم عالم بدیع صاحب اور حاجی محمد یونس صاحب دونوں پہلے چھوٹ گئے تھے نسیم صاحب اور پہلے رہا ہو گئے تھے یہ سب حضرات اعظم گڈھ سے میری رہائی کے کاغذات لے کر اپنی گاڑی سے دیوریا گئے اور بحمد اللہ ہم بخیریت وہاں سے واپس اعظم گڈھ آئے، خدا کا شکر ہے جتنے لوگ اس سلسلہ میں گرفتار کئے گئے وہ سب اپنی اپنی جگہ ان کیفیتوں سے کسی حد تک بہرور ہوئے ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

بقیہ: قرآن کریم کا فلسفہ

وَالْآخِرَةِ، وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ٥	سزا دوں گا اور وہ کوئی مددگار نہ پائیں گے۔
وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا	اور جنہوں نے ایمان اور نیک عملی کا رویہ اختیار
الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ	کیا ہے انہیں ان کے اجر پورے پورے
وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ	دیئے جائیں گے۔ اور ظالموں سے اللہ
(آل عمران ۵۵-۵۷)	ہرگز محبت نہیں کرتا۔

اس لئے انسان پر لازم ہے کہ وہ پوری ذمہ داری کے ساتھ دنیا میں زندگی گزارے اگر وہ یہاں کسی پر ظلم کرے گا، کسی کا حق مارے گا، کسی کو ناحق ستائے گا تو لامحالہ اس دنیا میں اس پر قانون مکافات نافذ ہو کر رہے گا۔

بابُ الاستفسار والجوابُ

محترم مکرم — سلام مسنون !

مزاج شریف ؟

(۱) بخاری شریف ج ۱ صـ ۲۵۹ والی عبارت کی تحقیق کہاں تک ہوئی مطلع کریں ؟
اور تھوڑی زحمت فرما کر تلخیص الحبیر ج ۲ صـ ۲۵۰ میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کے پاس ایک چور لایا گیا...... فقال اسرقت ؟ قل لا الخ یہ حدیث پوری نقل کروا کے ارسال فرماویں تو مہربانی ہو کیونکہ کتاب مذکور آپ کے یہاں موجود ہے۔

(۲) حضرت ابو موسیٰ اشعری نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ رحمت کا ذکر اکثر فرماتے ہیں حالانکہ ہم لوگ آپس میں رحم وکرم کا برتاؤ کرتے ہیں آپ نے فرمایا انما ارید الرحمۃ بالکافۃ الخ۔ اس حدیث کے سلسلہ میں کافی کتابوں کو چھان ڈالا اور بعض علمائے کرام سے رجوع بھی کیا مگر معلوم نہ ہوسکی امید کہ اس پر توجہ فرما کر اطلاع دیں گے یہاں کے حالات اچھے ہیں اگر مذکورہ تینوں باتوں کے علم سے سرفراز فرمائیں تو بہت کرم ہو والسلام (مولانا) شمس الہدیٰ خان عفی عنہ

خادم مدرسہ اشرفیہ (مبارک پور)

برادر زید لطفکم ــــــــــــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ بخیر وعافیت ہوں۔

آپ کا خط ملا تھا مگر میں دو ہفتہ سرکار کا مہمان بن گیا تھا اس لئے جواب میں تاخیر ہوئی۔

(۱) بخاری شریف کی جس عبارت کے بارے میں آپ نے استفسار کیا ہے وہ بات میرے ذہن میں نہیں رہی کہ آپ کس بات کی تحقیق کے طالب ہیں۔ براہ کرم آپ دوبارہ وضاحت سے لکھیں تو انشاء اللہ اپنی معلومات پیش کرسکوں گا۔

(۲) تلخیص الحبیر کی جس روایت کے بارے میں آپ نے پوچھا ہے اس کے سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ یہ روایت کئی صحابہ کرام سے مروی ہے مگر اس میں قل لا یا قلی لا کا

لفظ صحیح نہیں ہے جیسا کہ مصنف نے لکھا ہے پوری عبارت یوں ہے :-
روی انه صلی الله علیه وسلم قال للسارق اسرقت قل لا
والم یصححوا هذا الحدیث هذا الحدیث تبع فیه الغزالی فی
الوسیط فانه قال وقوله قل لا لم یصححه الائمة وسبقهما
الامام فی النهایه فقال سمعت بعض ائمة الحدیث لا یصحح
هذ اللفظ وهو قل لا فیبقی اللفظ المتفق علی صحته وهو قوله
ما اخالك سرقت وقال فی موضع اخر غالب ظنی ان هذه الزیارة لم
تصح عند ائمة الحدیث قال الرافعی ورأیت فی تعلیق الشیخ ابی
حامد وغیره ان ابا بکر قال لسارق اقر عنده انتهی والحدیث قد رواه
البیهقی موقوفاً علی ابی الدرداء انه اتی بجاریة سرقت فقال لها اسرقت
قولی لا فقالت لا فخلی سبیلها ولم اره عن النبی صلی الله علیه وسلم ولا عن
ابی بکر الا ان فی مصنف عبد الرزاق عن ابن جریج قال سمعت عطاء
یقول کان من مضی یوتی الیهم بالسارق فیقول اسرقت قل لا وسمی
ابا بکر وعمر وعن معمر عن ابن طاؤس عن عکرمه بن خالد قال اتی
عمر بن الخطاب برجل فسأله اسرقت قل لا فقال فترکه وروی بن ابی
شیبه من طریق ابی المتوکل ان ابا هریرة اتی بسارق وهو یومئذ امیر
فقال اسرقت قل لا مرتین او ثلاثا وفی جامع سفیان عن حماد عن ابراهیم
قال اتی ابو مسعود الانصاری بمرأة سرقت جملا فقال اسرقت قولی لا
واما حدیث ما اخالك سرقت فتقدم ولیس هو متفق علیه اصطلاحا۔ (ص ۳۵۰)

(۳۱) انما ارید الرحمة بالکافة کا کوئی سراغ حدیث کی کتابوں میں نہیں لگا اور کتاب الضعفاء کے سلسلہ میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں کہیں یہ روایت نہیں ملی۔ امام سیوطی کی الجامع الصغیر موجود نہیں ہے ممکن ہے کہ اس میں ہو اگر کہیں نظر سے گذری تو اس سے مطلع کروں گا۔ تلخیص الحبیر کا ہندستانی نسخہ کتب خانے میں موجود ہے آپ نے حوالہ غالباً مصر یا بیروت کے مطبوعہ نسخہ کا دیا ہے۔ اسلئے صفحات کے اعداد میں فرق ہے۔

(مرتب) ۲/۵/۱۴۱۱
۲۱/۱۱/۹۰

استفسار (۲)

مکرمی و محترمی السلام علیکم
مندرجہ بالا امور کو نظر رکھتے ہوئے قرآن اور حدیث کی روشنی میں ان باتوں کا جواب عنایت کریں۔

۱۔ مروجہ شبینوں کی اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پائی جاتی ہے؟ اور کیا سلف صالحین میں اس کا معمول رہا ہے۔؟

۲۔ شبینہ کی ابتدا کب اور کس طرح ہوئی اور کیا شبینہ شریعت کے حکم کے مطابق ہے۔ اگر شبینہ میں کوئی شخص شرکت نہ کرے تو کیا گنہگار رہے۔ ایسے بیمار اور ضعیف حضرات کے لئے جن کا ذکر اوپر کیا گیا کیا حکم ہے؟

۳۔ لاؤڈ اسپیکر پر قرآن کریم کا پڑھنا جس میں آیات سجدہ کی بھی تلاوت ہوتی ہے جائز ہے؟

۴۔ اگر ۲۷ یا ۲۹ کی شب میں تراویح ختم ہو اور شبینہ کا اہتمام نہ کیا جائے تو کیا یہ طریقہ سلف صالحین اور شریعت کے مطابق ہوگا جس میں کسی پر بار بھی نہ ہو۔ جواب کے لئے لفافہ ٹکٹ چسپاں شدہ ارسال ہے۔ فقط حشمت خاں

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب ہو المصوب

۱۔ عہد نبوی، عہد صحابہ اور عہد تابعین میں شبینہ وغیرہ کا رواج نہیں تھا، یہ سب بعد کی ایجادات ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ تین دن سے کم میں قرآن نہ ختم کرنا چاہیئے، پھر اس کا تعلق روزانہ تلاوت سے ہے، نماز اور تراویح وغیرہ سے نہیں ہے۔

۲۔ بعض سلف کی طرف جو تین دن سے کم میں قرآن ختم کرنے کی نسبت کی گئی ہے اسمیں مبالغہ آمیزی ہے، خاص طور پر عہد صحابہ میں تو اس کی کوئی ایک مثال بھی صحیح طور پر نہیں ملتی، مثلاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بعض تذکروں میں یہ آتا ہے کہ وہ ایک رات میں پورا قرآن ختم کیا کرتے تھے، مگر شامی میں ہے کہ امام صاحب تراویح میں ایک رکعت میں زیادہ سے زیادہ دس آیتیں پڑھتے تھے، اور اس طرح ۲۷ ویں رات کو قرآن پاک ختم کرتے تھے، شامی میں ہے۔

وقال الحسن عن أبي حنيفة يقرأ في كل ركعة عشر آيات ونحوها وهو الصحيح لأن السنة الختم فيه مرة وهو يحصل بذلك مع التخفيف، لأن عدد ركعات التراويح في الشهر ستمائة ركعات، وعدد آي القرآن ست آلاف آية وشئ
شامی ص ۴۷۵

ظاہر ہے کہ رمضان المبارک میں قرآن پاک کی تلاوت کی جو فضیلت ہے اس کے پیش نظر نوافل میں زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھنا چاہئے تھا مگر یہ بھی صحابہ کرامؓ اور دوسرے بزرگوں کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ایک آیت کی تلاوت میں پوری پوری رات ختم کر دیتے تھے ~~ثابت نہیں~~ ان کی طرف یہ نسبت کہ وہ روزانہ کئی کئی قرآن ختم کرتے کیسے صحیح ہو سکتی ہے:

خلاصہ یہ ہے کہ اگر شبینہ تین دن کا ہو اور قرآن پاک صاف صاف پڑھا جائے اور مقتدی شوق سے سننے والے ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر مقتدی بیٹھے رہیں اور جب امام رکوع کرے اس وقت ملیں تو یہ مکروہ تحریمی ہے، شامی میں ہے۔

وفي البحر عن الخانية يكره للمقتدي أن يقعد في التراويح فإذا أراد الإمام أن يركع يقوم لأن فيه اظهار التكاسل في الصلاة والتشبه بالمنافقين، قال تعالىٰ " وإذا قاموا إلى الصلوٰة قاموا كسالىٰ " قال في الحلية وفيه إشعار لأنه اذا لم يكن لكسل بل لكبر ونحوه لا يكره، شامی ج ۱، ص۴۷۵

۳۔ لاوڈ اسپیکر سے بے ضرورت نماز تراویح پڑھنا بھی مناسب نہیں ہے، اگر مجمع زیادہ ہو تو پڑھی جا سکتی ہے، مگر اتنے زور سے نہ پڑھنا چاہئے کہ مسجد سے باہر کے بے نمازیوں کے کان میں آیت سجدہ وغیرہ جائے اور وہ سجدہ نہ کرکے گنہگار ہوں۔

خادم
مجیب اللہ ندوی
جامعۃ الرشاد۔ اعظم گڈھ

الرشاد کی ڈاک

محترم ومکرم جناب مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اسلامیات سے متعلق آپ کے غیر معمولی جذبات سے علمی دنیا واقف ہے مختلف تصانیف کے ساتھ ساتھ آپ پابندی سے دو رسائل کی ادارت کے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ ادھر آپ کی ایک تازہ تصنیف "اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات" کے مطالعہ کا شرف نصیب ہوا۔ جسے پاکستان کے مشہور علمی ادارہ "مرکزدیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور" نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے، ٹائیٹل اور کتابت اپنی مثال آپ ہے نیز کاغذ بھی اچھا استعمال کیا گیا ہے۔

اس موضوع پر اُردو میں کتابیں بہت کم ہیں، اس کتاب نے ایک کمی کو پورا کیا۔ موضوع ہی کے پیش نظر میں نے اسے پڑھا۔ موضوع سے متعلق اسلامی احکام کو قرآن و سنت کی روشنی میں آپ نے نہایت اچھے انداز میں بیان کیا ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد پوری طرح اسلامی نقطۂ نظر سامنے آجاتا ہے کہ جدید بین الاقوامی اصول وتصورات اسلامی اصول وتصورات کے بالمقابل ناقص ہیں۔ آپ نے چھوٹے چھوٹے جملوں میں آسان انداز میں باتیں کہنے کی پوری کوشش کی ہیں، آپ نے بتایا کہ یو۔ این۔او جو انسانیت کا علمبردار ہے، وہاں بھی نفاق اور عصبیت پورے طور سے سینہ سپر ہے "کیا عقل وضمیر کے اشتراک کا تقاضہ ہے کہ پانچ بڑی طاقتوں کو مستقلاً ویٹو پاور دے دیا جائے" (ص ۲۲) اس طرح کے جدید نظام کے نقائص کو واشگاف کرتے ہوئے آپ نے خلافت آدم کا تصور، ایفائے عہد، تحفظ جان ومال...... ...... معاہدہ کی پابندی، نقض عہد، سفارت، بین الاقوامی تجارت اور ملکیت

وغیرہ جیسے موضوعات پر بحث کرتے ہوئے اسلامی موقف پیش کیا ہے۔ ۱۹۳، صفحات پر
مشتمل اس کتاب کو پڑھنے کے بعد پوری طرح سے اسلام کے بین الاقوامی نظریات منظر عام پر
آجاتے ہیں۔

مطالعہ کے درمیان چند چیزیں جو مجھے محسوس ہوئی ہیں اسے خدمت اقدس میں پیش کردینا
مناسب تصور کرتا ہوں۔

(۱) اکثر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جہاں آیا ہے وہاں آپ صرف "آنحضورؐ یا آپؐ"
وغیرہ کہہ کر گذر گئے ہیں۔ دیکھئے صفحات ۳۸، ۴۴، ۴۶ وغیرہ

(۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اسماء پر بھی پوری پابندی سے "رضی اللہ عنہ" یا
صرف "رضؓ" نہیں لکھا گیا، دیکھئے صفحات ۴۷، ۴۸، ۶۲ وغیرہ

(۳) قرآنی آیات کے حوالہ میں کوئی ایک طرز نہیں اپنایا گیا۔ کہیں صرف آیت نقل کردی
گئی (ص ۲۵) کہیں آیت نقل کرکے "پ ۳۰" لکھ دیا گیا ہے (ص ۲۵)
کسی جگہ آیت نقل کرکے قوسین میں (بنی اسرائیل، ص ۲۶) لکھ دیا گیا اور
کچھ جگہوں پر آیات کا پورا حوالہ دیا گیا ہے (ص ۴۷)

(۴) حدیث کے حوالہ جات بھی مختلف طریقے سے ملتے ہیں۔ کہیں صرف حدیث نقل
کردی گئی (ص ۳۴) کسی جگہ حدیث نقل کرکے قوسین میں (ابوداؤد) تحریر
کردیا گیا اور کچھ جگہوں پر پورے حوالے ملتے ہیں (ص ۳۴)

(۵) کتابوں کے حوالے بھی نامکمل ہیں۔ کتابوں کے حوالے کچھ جگہوں پر ......
حاشیئے میں ہیں اور کچھ جگہوں پر اندر دیدیئے گئے ہیں۔ (صفحات ۵۰، ۴
۴۸، ۵۱) کتابوں کے حوالوں میں کہیں صرف نام لکھ دیا گیا (ص ۵۱) کہیں نام
کے ساتھ صفحہ بھی دے دیا گیا (صفحہ ۶۵) کتابوں کے حوالے پوری کتاب میں کہیں
بھی پورے نہیں ملتے۔

کتاب کی اہمیت اور علمیت کو دیکھتے ہوئے حوالوں کی یہ کمی کوئی مفہوم نہیں رکھتی۔
یہ گذارشات اس لئے لے کر خدمت عالیہ میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں یہ،

معمولی کمیاں بھی نہ باقی رہنے پائیں۔ اگر آپ اس کتاب کی تلخیص مضمون کی شکل میں "الرشاد"
میں پیش کر دیں تو بہت سے اہل علم اس سے استفادہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے
کہ یہ کتاب علمی حلقہ میں مقبول ہو اور آپ اپنی علمی خدمات سے ہم جیسے کم علموں کو بہرہ ور کرتے
رہیں۔ توقع ہے کہ مزاج گرامی اچھا ہوگا۔ والسلام

ابو سفیان اصلاحی، علی گڑھ

مکرمی و محترمی جناب مولانا مجیب اللہ صاحب مدظلہ العالی

سلام مسنون

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ خدمت عالیہ میں عرض ہے کہ اگست کا
ماہنامہ الرشاد موصول ہوا آپ کی تحریر و عبارات سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا۔ آپ
نے حالات کشمیر کے سلسلہ میں جو کچھ سپرد قلم کیا نگاہ اس پر پڑی دل کی تشنگی دور ہوئی تحریر
میں چونکہ شیخ عبداللہ کا بھی ذکر تھا جس کی مناسبت سے میں چند سطور سپرد قلم کئے ہیں لہٰذا
جناب والا سے التماس ہے کہ "الرشاد" میں جگہ دے کر فدوی کی حوصلہ افزائی فرمائیں
گے آپ کی ذات گرامی سے قوی تر امید ہے کہ درخواست کو ضرور قبول فرمائیں گے۔

فقط والسلام

(جناب) محمد ذاکر خان اعظمی

دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

گرامی قدر مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا رسالہ الرشاد پابندی کے ساتھ مدرسہ مفتاح العلوم میں آتا ہے اور اتنی ہی پابندی
کے ساتھ احقر مطالعہ بھی کرتا ہے، ماشاء اللہ مضامین بڑے معیاری اور دل کو لگتے نیز معلوماتی
ہوتے ہیں، خاص طور سے رشحات کا کالم تو نہایت فکر انگیز اور عصر حاضر کا ترجمان ہوتا ہے
— آپ کے رسالہ الرشاد کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کی ایک یہ بھی وجہ ہے اللہ رب العزت سے
دعا ہے کہ آپ کو صحت کاملہ کے ساتھ ساتھ تا دیر جامعۃ الرشاد اور ادارۂ الرشاد کی سرپرستی میسر رہے۔

فقط ۔ (جناب) مولانا محمد ایوب اعظمی مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم
ـــــ ـــــــــ ہندستانی مسجد بھیونڈی

مکرمی محترمی ماموں جان صاحب ۔

السلام علیکم ۔ ۴۰ سال کے بعد قفسِ ملازمت سے آزاد ہوا۔ سوچا تھا کھلی ہوا میں پرواز کروں گا مگر محسوس ہو رہا ہے کہ قوتِ پرواز سلب ہو چکی ہے ۔ اسی پنجڑے کے اردگرد تلاشِ آب و دانہ میں مصروف ہوں ۔

آپ کی کتاب ' عبادت و خدمت خلق کا انگریزی ترجمہ زیر طباعت ہے ۔ پبلشر کو آپ کی دو عدد کتابوں کی اور ضرورت ہے یہاں صرف ایک کاپی ہے ۔ شاید عبادت جو عربی میں ہے اس کی Xerox کرکے چپکاتا ہے ۔ لہذا آپ شکیل صاحب سے کہہ دیجئے کہ دو کتابیں عبادت و خدمت فوراً پبلشر کے پتہ پر روانہ کردیں ۔

جامعۃ الرشاد میں میری طبیعت لگتی ہے مگر بارِ خوش گوار بن کر رہنے سے ایک عجیب سے کلفت محسوس ہوتی ہے ۔ لہذا فیصلہ قطعی کرنے میں تاخیر ہو رہی ہے ۔ آپ کی ذاتِ گرامی دھوپ میں ایک سایہ ہے جس کے احساس سے دل و دماغ میں خنکی محسوس ہوتی ہے ، شعوری اور غیر شعوری طور پر میں بہت ممنون ہوں ۔ فقط

(جناب) منیر عالم (صاحب، الہ آباد

مخدومی مولانا مجیب اللہ (ندوی) سلام مسنون

آپ کی گرفتاری کے المناک سانحہ سے ہم لوگ بے خبر تھے اطلاع اس وقت ہوئی جب "قومی آواز" میں دوسروں کی رہائی اور آپ کی عدم رہائی کی خبر پڑھی ؛ انتہائی رنج ہوا اور جس نے بھی پڑھا یا سنا سخت افسوس کا اظہار کیا ۔ کلمۂ حق کہنے اور لکھنے کی پاداش میں ، اس سے پہلے بھی آپ نے بہت مصیبتیں جھیلی ہیں غالباً سنت یوسفی و حنبلی ہی باقی تھی ، سو وہ بھی ادا ہوگئی ۔ کل " الرشاد " میں آپ کی رہائی کی خبر سن کر اطمینان ہوا اور خدا کا شکر ادا کیا ۔ وزیر اعلی کے جرأتمندانہ اقدامات کی وجہ سے اس پیمانے پر کشت و خون اور تباہی و بربادی نہیں ہوئی جیسا کہ اندیشہ تھا پھر بھی ہندستانی جمہوریت کافی حد تک عارف شیرازی کے اس قول ... ... سنگ ہا بستند و سگ ہا کشادند" کے مصداق ہے ۔ طبقہ علماء میں آپ جیسے افراد اب خال خال ہی نظر آتے ۔

(بقیہ صـ ۴۵ پر)

محترم مرتب الرشاد مدظلہ کی وہ کتابیں جو دار التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ سے شائع ہوئی ہیں

(۱) اہل دل کی باتیں

یہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی مدظلہ کے ان ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی، آخرت کی یاد اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، قیمت ۵/

(۲) اسلامی تعلیم حصہ اول، دوم، سوم، چہارم

اس میں اسلامی مسائل کو بڑے سلیس اور دلچسپ انداز میں بچوں کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے سیکڑوں مکاتب کے نصاب میں داخل ہے، پورے سٹ کی قیمت ۱۶/

(۳) قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت

اس میں قرآن پاک کی تعلیم اور اسکی عظمت کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ساری مثالیں قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی سے دی گئی ہیں۔ قیمت صرف ۵/

۴۔ خطبۂ نکاح

جو خطبہ نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے وہ ایک زبردست معاشرتی ہدایت ہے، مصنف نے اس کی بڑی موثر تشریح کی ہے یہ ہر نکاح کے وقت تقسیم کرنے کے قابل ہے، قیمت صرف ۲/ ہے،

(۵) مسئلہ کفاءت

شادی بیاہ میں برابری کا خیال کرنا صحیح ہے مگر یہ برابری دین و تقویٰ میں ہونی چاہیئے مسلمانوں میں جو پیشہ کے اعتبار سے مستقل طور پر برادریاں قائم ہوگئی ہیں اُن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ ہندو تہذیب کے اثر سے ہے، اس مسئلہ پر مصنف نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ قیمت ۵/ ہے۔

(۶) جہیز کی شرعی حیثیت

اس وقت شادی بیاہ میں جہیز کے مطالبہ نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کرلی ہے جس سے لڑکیوں کی شادی عام آدمیوں کے لئے ایک مصیبت بن گئی ہے، اس پر ایک عالم نے بہت تحقیقی بحث کی ہے جس پر مولانا ندوی کے قلم سے ایک دیباچہ بھی ہے، قیمت صرف ۵/ ہے۔ یہ تینوں کتابیں اصلاح معاشرہ کے لئے بہترین تحفہ ہیں۔

۷۔ دینی مدارس اور ان کی ذمہ داریاں

اس میں دینی مدارس کی ذمہ داریوں کو بڑے پُراثر اور پرسوز انداز میں بیان کیا گیا ہے اس کے بعض مضامین کو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے کئی تنو کے مجمع میں پڑھ کر سنوایا اور فرمایا کہ اس کو ہر استاذ اور طالب علم کو پڑھنا چاہیئے۔ قیمت صرف عنہ ر

۸۔ عبادت و خدمت

اس میں خدمت خلق پر اس نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے کہ خدمت خلق بھی عبادت ہے اس کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی ہوچکا ہے قیمت آٹھ روپے

۹۔ سرمد اور ان کی رباعیاں

اس میں سرمد کے حالات زندگی اور ان کی رباعی گوئی اور ان کے قتل کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں اُن کی رباعیاں ترجمہ کے ساتھ شامل کردی گئی ہیں اس سے پہلے کسی نے اتنی تفصیل سے اس موضوع پر کوئی چیز نہیں لکھی ہے۔ یہ کتاب اردو اکیڈمی یوپی کی مدد سے شائع ہوگئی ہے۔

۱۰۔ خواجہ میر درد اور ان کی شاعری

عام طور پر خواجہ میر درد کو ایک شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن شاعری میں بلند مقام رکھتے ہوئے ان کی یہ ثانوی حیثیت ہے وہ ایک زبردست عالم اور صاحب سلسلہ شیخ اور صاحب دل بزرگ تھے، مصنف نے اُن کی کتابوں کی روشنی میں اُن کی زندگی اور شاعری کی والہانہ انداز میں تفصیل کی ہے، کتاب زیر ترتیب ہے، اس کا کچھ حصہ الرشاد میں شائع ہوچکا ہے۔

۱۱۔ فقہ اسلامی کا دائرہ کار اور اس میں اجتہاد کی حیثیت

یہ ایک طویل مقالہ ہے جو خدا بخش خاں لائبریری پٹنہ میں پڑھا گیا تھا اب اس میں مزید اضافہ کے بعد اُسے کتابی شکل دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ ابھی مصنف مدظلہ کے درجنوں مضامین ہیں جن کو کتابی شکل دینے کی کوشش کی جارہی ہے مثلاً خدمت حدیث میں عورتوں کا حصہ، قرآن پاک میں آیت رجم، نماز اور خشوع، تواضع مسلمانوں بادشاہوں کی تصانیف، ذرائع آمدنی اور تقسیم ملکیت کا مسئلہ، وقت ایک دولت ہے، یہ آخری کتابچہ شائع ہوگیا ہے۔ قیمت عہ ر

شکیل احمد مہتمم مکتبہ دارالتالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد رشاد نگر اعظم گڑھ

محترم مرتب الیشاد مدظلہٗ کی وہ کتابیں جو دوسرے مکتبوں سے شائع ہوئی ہیں

۱۔ **اسلامی فقہ حصہ اول و دوم** | کئی برس سے اصلی اسلامی فقہ بازار سے غائب تھی بحمد للہ اب اسلامی فقہ کا شاندار حصہ اول کا چھٹا اور حصہ دوم کا پانچواں اڈیشن تاج کمپنی نئی دلی سے شائع ہو کر بازار میں آگیا ہے۔

مصنف موصوف نے اس میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے جس سے اب یہ بالکل نئی کتاب بن گئی ہے شروع میں اسلامی عقائد کے باب کا اضافہ کر دیا گیا ہے اسی طرح معاشرتی معاملاتی مسائل والے حصہ میں سیکڑوں جدید مسائل، مثلاً خون چڑھانا، پوسٹ مارٹم، نسبندی اور نلکی زادہ انسانی اعضاء کی پیوندکاری وغیرہ کے احکام کا اضافہ کر دیا گیا ہے گویا شریعت اسلامی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر اس کتاب میں روشنی نہ پڑ گئی ہو۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اسلامی فقہ کے موضوع پر اردو زبان میں اس سے زیادہ مفصل کوئی کتاب موجود نہیں ہے، تمام اہم مسائل میں ائمہ اربعہ کے مسلک کا متن یا حاشیہ میں ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ شریعت اسلامی کی وسعت کا پورا اندازہ ہو سکے اب اس کی ضخامت ایک ہزار صفحات سے زیادہ ہو گئی ہے۔ اس لئے دو حصوں میں کر دی گئی ہے، یہ کتاب نہ صرف عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے مفید ہے بلکہ عربی مدارس کے طلبہ و اساتذہ کے لئے بھی ایک نادر تحفہ ہے، یہ کتاب ہر گھر اور ہر لائبریری میں رکھے جانے کے قابل ہے۔ قیمت حصہ اول ؍۵۵ دوم ؍۶۵

۲۔ **اسلامی قانون اجرت** | اس کتاب میں مزدوروں کے مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے اس کا ملیالم میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے اس کا پہلا اڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے۔ اب یہ دونوں کتابیں تاج کمپنی دلی سے شائع ہوئی ہیں۔

پتہ :۔ تاج کمپنی ۳۱۵۱ ترکمان گیٹ نئی دلی ۱۱۰۰۰۶

۳۔ **تبع تابعین** | اس کتاب میں انیس۱۹ اکابر تبع تابعین کے علم و فضل کا مفصل ذکر ہے، جس میں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ بھی شامل ہیں۔ قیمت : ؍۳۵

۴۔ اہل کتاب صحابہ و تابعین

اس کتاب میں ان ترانوے[۹۳] صحابہ، صحابیات اور تابعین کا ذکر ہے جو اسلام سے پہلے یہودی یا نصرانی تھے اور پھر مسلمان ہوئے، دنیا کی کسی زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب موجود نہیں، قیمت ۱۵ روپے

یہ دونوں کتابیں دارالمصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہیں۔

۵۔ اجتہاد اور تبدیلی احکام

اس کتاب میں ان نئے مجتہدین کا مدلل اور مفصل جواب دیا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن و سنت کے صریح احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعہ بدلا جا سکتا ہے۔ قیمت: چالیس روپے

۶۔ فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے فتاویٰ عالمگیری کو علماء کی ایک پوری جماعت نے مرتب کیا تھا، مگر اب تک ان کے مصنفین کے نام سے لوگ ناواقف تھے، مصنف نے بڑی تلاش و جستجو سے ان کے حالات جمع کر دیئے ہیں اور اس میں فقہ کی جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے اس کی تفصیل بھی کر دی ہے۔ قیمت: ۳۵ روپے

۷۔ اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات

اسلام نے بین الاقوامی تعلقات کے سلسلہ میں جو اصول دیئے ان پر اس میں مفصل گفتگو کی گئی ہے، یہ مقالہ تھا جو ۱۹۵۸ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پڑھا گیا تھا، اب اضافہ کر کے کتابی شکل دے دی گئی ہے، یہ تینوں کتابیں دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ، لاہور سے شائع ہوئی ہیں، ہندوستان میں بھی اس کے چھاپنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ قیمت: ۶۵ روپے

۸۔ فقہ اسلامی اور دورِ جدید کے مسائل

ان میں ان بنیادی اصولوں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، جن کی بنیاد پر نئے پیش آمدہ مسائل میں ایک مفتی غور کر کے ان کے جوابات دے سکتا ہے، یہ کتاب مکتبہ جامعہ نئی دلی سے شائع ہوئی ہے، قیمت: ۲۰ روپے

☐ شکیل احمد مہتمم مکتبہ دارالتالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد، رشاد نگر، اعظم گڑھ

کا علم خود ان کے لئے بھی مفید ثابت ہو اور دوسروں کے لئے بھی ان کے مزاج میں زیادہ سے زیادہ سادگی، خاکساری محنت و قناعت پسندی اور جذبۂ خدمت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے اخلاق و کردار کی خوبی اور محنت و خدمت سے بندگان خدا کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کر سکیں۔

مدینہ یونیورسٹی

جامعۃ الرشاد کی ان ہی خصوصیات کی بنا پر الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ نے اس کا الحاق منظور کر لیا ہے اور اس کے بعض طلبہ وہاں داخل ہو کر فارغ ہو چکے ہیں اور بعض زیر تعلیم ہیں۔

جامعہ ملیہ، مسلم یونیورسٹی اور لکھنؤ یونیورسٹی میں داخلہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ اور لکھنؤ یونیورسٹی میں یہاں کی عالمیت کرنے کے بعد بی اے سال اول میں اور فضیلت کے بعد ایم۔ اے میں داخلہ ہو جاتا ہے کئی طلبہ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

ادارہ کے شعبے

(۱) عربی درس گاہ تعلیم دورہ تک، مدت تعلیم سات سال (۲) درجۂ حفظ و قرأت (۳) مکتب درجہ چہارم تک (۴) اردو میڈیم جونیئر ہائی اسکول (۵) شعبۂ کتابت و جلد سازی اور دستکاری (۶) شعبۂ نشر و اشاعت (۷) الجماعۃ الشرعیہ جس کے ذریعہ طلاق اور فسخ نکاح وغیرہ کے فیصلے کئے جاتے ہیں (۸) رشاد نرسری اسکول کی تین شاخیں ہیں ایک شہر میں، دوسرے دیوگاؤں تیسرے موضع بھراپور میں، اس کی دو شاخیں جلدی کھلنے والی ہیں، ان تمام شعبوں میں تقریباً ڈیڑھ ہزار سے زیادہ طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ شعبۂ کتابت سیکھنے والے طلبہ کو وظیفہ بھی ملتا ہے۔

داخلہ

عربی اور حفظ کے درجات میں داخلہ ۱۰ر شوال سے شروع ہوتا ہے اور مکتب اور نرسری اسکول میں داخلہ ۲۵ر جون سے شروع ہوتا ہے عربی اور حفظ میں جو حضرات اپنے بچوں کا داخلہ چاہتے ہوں وہ ۲۰ر رمضان تک درخواستیں بھیج دیں، مکتب اور نرسری کے ۵۰ بچوں کے لئے دار الاقامہ میں رکھنے کی گنجائش ہے۔

وظیفہ

۳۱ روپیہ ماہانہ زیادہ سے زیادہ عربی اور حفظ کے سو طلبہ کو وظیفہ دیا جائے گا مکتب اور نرسری اسکول میں کوئی وظیفہ یا رعایت نہیں ہے۔

سالانہ خرچ

اس کا سالانہ خرچ سات آٹھ لاکھ کے درمیان ہے، تعمیری اخراجات اس کے علاوہ ہیں۔

MONTHLY JAMEATUR RASHAD
AZAMGARH—276001 (U. P.) INDIA